

روزانہ  
درسِ شکرِ مجید  
تفسیر

- 
- ① سُورَةُ طه
  - ② سُورَةُ الانبياء
  - ③ سُورَةُ الحج
  - ④ سُورَةُ المؤمنون
  - ⑤ سُورَةُ النور

جلد (۱۳)

افادہ است

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامِ مجید

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ، پاکستان

# طبع گیارواں

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (جلد ۱۳، سورۃ طہ تا سورۃ نور)
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے علوم اسلامیہ
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۲۷۰/- دو سو ستر روپے
تاریخ طبع گیارواں	محرم الحرام ۱۴۲۹ھ بمطابق جنوری ۲۰۰۸ء

## ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

# ۳ فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۳

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۷	جوتے آنے کا حکم	۲۱	پیش لفظ از الحاج لعل دین
۴۹	جوتے سمیت نماز	۲۷	سخنمائے گفتنی از محمد فیاض خان سواتی
۵۰	درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۶)	۳۱	سورۃ طہ مکمل
۵۰	ربط آیات	۳۲	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۸)
۵۱	انتخاب برائے نبوت و رسالت	۳۳	نام اور کوائف
۵۱	توحید الہی	۳۳	عمر کے قبول اسلام میں طہ کا حصہ
۵۳	اقامت نماز اور ذکر الہی	۳۵	مضامین سورۃ
۵۴	وقوع قیامت	۳۵	حروف مقطعات
۵۵	منکرین قیامت سے خبر داری	۳۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی
۵۷	درس چہارم ۴ (آیت ۱۷ تا ۲۴)	۳۸	قرآن بطور تذکرہ
۵۸	ربط آیات	۳۹	امام شاہ ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ
۵۸	عصائے موسوی	۴۰	خدا تعالیٰ کا تسلط اور علم
۶۰	لاٹھی سانپ بن گئی	۴۱	خدا تعالیٰ کی واحدیت
۶۲	موسیٰ علیہ السلام کی خوفزدگی	۴۲	درس دوم ۲ (آیت ۹ تا ۱۲)
۶۴	ید بھینا	۴۲	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی
۶۵	فرعون کے لیے تبلیغ	۴۳	آیات کا پس منظر
۶۶	درس پنجم ۵ (آیت ۲۵ تا ۳۶)	۴۴	داوی مقدس میں قیام
۶۶	ربط آیات	۴۵	حجاب نوری یا تاری
۶۷	شرح صدر کی دعا	۴۶	ندائے غیبی

۹۶	سابقہ اقوام کے متعلق سوال	۶۸	زبان کی لکنت
۹۷	زمین کے فوائد	۶۹	ہارون علیہ السلام بطور معادل
۹۸	پانی کی سیم رسانی	۷۱	وہابی قبولیت
۹۹	نباتات کا استعمال	۷۳	درششم (آیت ۳۷ تا ۴۱)
۱۰۰	زمین کے ساتھ خصوصی تعلق	۷۴	رابطہ آیات
۱۰۲	درس نہم (آیت ۵۶ تا ۶۳)	۷۴	وحی بطرف ام موسیٰ
۱۰۳	رابطہ آیات	۷۵	بچپن میں حفاظت
۱۰۴	فرعون کا انکار	۷۷	کفالت کا مسئلہ
۱۰۵	مقابلے کا چیلنج	۷۸	دیگر احسانات
۱۰۶	جادو کا عام رواج	۸۰	درس ہفتم (آیت ۴۲ تا ۴۸)
۱۰۷	مقابلے کے میدان میں	۸۱	رابطہ آیات
۱۰۸	فرعون کی خفیہ میٹنگ	۸۱	فکر الہی کی تلقین
۱۰۹	اسلامی تہذیب بمقابلہ فرعونیت تہذیب	۸۳	تبلیغ کے آداب
۱۱۲	درس دہم (آیت ۶۵ تا ۷۶)	۸۴	معیت خداوندی
۱۱۴	رابطہ آیات	۸۵	فرعون کے ساتھ مذاکرات
۱۱۵	ساحروں کی طرف سے ابتداء	۸۶	آزادی کا حق
۱۱۶	موسیٰ علیہ السلام کا رد عمل	۸۸	فرعون کو دعوت حق
۱۱۸	جادو گروں کی سجدہ ریزی	۹۰	درششم (آیت ۴۹ تا ۵۵)
۱۱۹	فرعون کی دہمکی	۹۱	رابطہ آیات
۱۲۰	جادو گروں کا جواب	۹۱	غیر مسلموں کو سلام کا طریقہ
۱۲۱	جادو سے توبہ	۹۲	پروردگار کے متعلق سوال
۱۲۲	اہل ایمان کے لیے انعام	۹۳	خدا مصور حقیقی ہے
۱۲۴	درس یازدہم (آیت ۷۷ تا ۷۹)	۹۵	انسانی، حیوانی اور نباتاتی مخلوق



۱۴۹	حکائے پستی	۱۲۲	ربط آیات
۱۵۱	درس چہار و ہم ۱۴ (آیت ۹۰ تا ۹۴)	۱۲۶	مصر سے ہجرت
۱۵۲	ربط آیات	۱۲۷	سمندر میں خشک راستہ
۱۵۲	ہارون علیہ السلام کی تبلیغ	۱۲۸	بلا خوف و خطر سفر
۱۵۲	تورات میں تحریف	۱۲۹	شکر فرعون کی غرقابی
۱۵۲	ہارون علیہ السلام کی سرزنش	۱۳۰	قوم فرعون کی گمراہی
۱۵۵	ہارون علیہ السلام کا عذر	۱۳۲	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۸۰ تا ۸۵)
۱۵۷	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۳۳	ربط آیات
۱۵۹	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۶۵ تا ۶۸)	۱۳۳	بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل
۱۶۰	ربط آیات	۱۳۴	غلامی سے نجات
۱۶۰	سامری کی کمرشل سازی	۱۳۵	کتاب دینے کا وعدہ
۱۶۲	سامری کی دنیوی سزا	۱۳۶	کتاب اللہ بطور روحانی نعمت
۱۶۳	سامری کی اخروی سزا	۱۳۸	مسلمانوں کی ذہنی غلامی
۱۶۴	مجسمے کے ساتھ سلوک	۱۳۸	من و سلوی بطور مادی نعمت
۱۶۴	شعار شرک کی تردید	۱۴۰	خدا کا غضب
۱۶۵	معبود برحق	۱۴۱	ایمان اور اعمال صالحہ
۱۶۷	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۹۹ تا ۱۰۴)	۱۴۱	موسیٰ علیہ السلام کی غیبت
۱۶۸	ربط آیات	۱۴۳	درس ستر و ہم ۱۷ (آیت ۸۶ تا ۸۹)
۱۶۹	پہلے لوگوں کا مال	۱۴۴	ربط آیات
۱۶۹	قرآن بطور ذکر	۱۴۴	سامری کون تھا
۱۷۰	قرآن پاک سے اعراض	۱۴۵	موسیٰ علیہ السلام کی نالاشکی
۱۷۲	اعراض وسیع تر معنوں میں	۱۴۷	خدا کی غضب کو دعوت
۱۷۲	سورہ اسرافیل	۱۴۷	پچھڑے کی مجسمہ سازی

نیکیوں آنکھوں سے مجرم  
دنیوی زندگی کی قلت

درس ہفتم ۱۷ (آیت ۱۰۵ تا ۱۱۰)  
رابط آیات

مضبوط پہاڑوں کی شکستگی

زمین بطور چٹیل میدان

قبولیت سفارش کی دو شرائط

جبری سفارش کی تردید

اللہ تعالیٰ علیم کل ہے

درس ہشتم ۱۸ (آیت ۱۱۵ تا ۱۱۸)  
رابط آیات

چہروں کی ذلت

حق اور قیوم

معتبر اعمال صالحہ

قرآن در عربی زبان

قرآن ذریعہ تقویٰ و نصیحت

ضبط قرآن میں تعجیل

آدم علیہ السلام کی مثال

درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹)  
رابط آیات

انابت اور سرکشی کا تقابل

تعظیمی سجدہ

ابلیس کی آدم دشمنی

۱۷۳ انسان کے بنیادی حقوق

۱۷۳ درجات میں تفاوت

۱۷۵ درس لہرت ۲ (آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳)

۱۷۶ رابط آیات

۱۷۶ شیطان کی وسوسہ اندازی

۱۷۸ دائمی زندگی کا تصور

۱۷۹ لازوال سلطنت

۱۸۰ آدم اور حوا کا پھل کھانا

۱۸۱ بدبھنگی اور ستر پوشی

۱۸۳ عصیان اور غوی

۱۸۴ لغزش کی معافی

۱۸۴ ہدایت کی پیروی

۱۸۶ درس لہرت یکم ۲ (آیت ۱۲۴ تا ۱۲۸)

۱۸۶ رابط آیات

۱۸۹ ذکر الہی سے اعراض

۱۹۰ تنہی معیشت کی توجہات

۱۹۱ (۱) بے اطمینانی

۱۹۲ (۲) معصیت کی زندگی

۱۹۲ (۳) بزرخ کی زندگی

۱۹۲ آخرت میں بدترین سلوک

۱۹۵ مقام عبرت

۱۹۶ درس لہرت دوم ۲ (آیت ۱۲۹ تا ۱۳۰)

۱۹۸ رابط آیات

۱۹۹

۲۰۲

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۸

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۱

۲۲۱

۲۲۴	نام اور کوائف	۲۲۲	قانون احوال و تدریج
۲۲۸	مضامین سورۃ	۲۲۳	صبر کی نصیحتیں
۲۲۸	قرب قیامت میں غفلت	۲۲۳	قرآن میں صلوٰۃ خمسہ کا ذکر
۲۵۰	نصیحت سے اعراض	۲۲۲	شریعت کے چار ماخذ
۲۵۱	بشریتِ رسول سے انکار	۲۲۸	نماز ذریعہ رضا
۲۵۲	سحر گری کا الزام	۲۲۶	درس لہدیت ۲۳ (آیت ۱۳۱ تا ۱۳۱)
۲۵۳	انکار کے بہانے	۲۲۷	رابطہ آیات
۲۵۶	درس دوم ۱ (آیت ۱ تا ۱۰)	۲۳۰	آزمائش بذریعہ رفاہیت بالغہ
۲۵۶	رابطہ آیات	۲۳۱	ریشک کی ممانعت
۲۵۷	اسلامی پروگرام کی مخالفت	۲۳۲	دیمہ پاروڑی
۲۵۷	بشریتِ انبیاء	۲۳۳	نماز کی پابندی
۲۶۰	زن و مرد کا دائرہ کار	۲۳۴	روزہ بذمہ خدا تعالیٰ
۲۶۱	ذکر کے مختلف معانی	۲۳۶	نماز اور کرب معاش
۲۶۱	انبیاء میں انسانی لوازمات	۲۳۷	درس لہدیت چہارم ۲۴ (آیت ۳۲ تا ۱۳۵)
۲۶۳	اہل ایمان کے ساتھ وعدہ	۲۳۸	رابطہ آیات
۲۶۴	قرآن بطور نصیحت	۲۳۸	نثانی کا مطالبہ
۲۶۶	درس سوم ۲ (آیت ۱۱ تا ۱۸)	۲۳۹	حضور علیہ السلام بطور نثانی
۲۶۷	رابطہ آیات	۲۴۰	قرآن بطور نثانی
۲۶۸	نافرانوں کے لیے انذار	۲۴۱	بیعتہ وسیع تر معنوں میں
۲۷۰	ظالموں کا اعترافِ جرم	۲۴۲	اتباعِ رسول کے دعویٰ
۲۷۱	مقصد تخلیق کائنات	۲۴۳	نتیجے کا انتظار
۲۷۳	حق و باطل کی کشمکش	۲۴۵	سورۃ الانبیاء مکمل
۲۷۵	درس چہارم ۳ (آیت ۱۹ تا ۲۴)	۲۴۶	درس اول (آیت ۶)

۳۰۱	ربط آیات	۲۷۶	ربط آیات
۳۰۱	شب و روز کی تخلیق	۲۷۶	اللہ تعالیٰ کی تسبیح
۳۰۲	سورج اور چاند	۲۷۸	شُرک کی تردید
۳۰۳	سموت کی گھائی	۲۷۹	ردِ شرک پر دلیل
۳۰۴	انسان کی آرائش	۲۸۲	تفویضِ اختیارات کی نفی
۳۰۵	کفار کی طرف سے ٹھٹھا	۲۸۳	معبود واحد پر انفاق
۳۰۶	انسان کی جلد بازی	۲۸۴	درس پنجم ۵ (آیت ۲۵ تا ۲۹)
۳۰۶	قیامت کا انتظار	۲۸۵	ربط آیات
۳۰۸	اہل ایمان کے لیے تسلی	۲۸۵	درس توحید
۳۰۹	درس ہشتم ۸ (آیت ۴۲ تا ۴۶)	۲۸۶	خدا اولاد سے پاک ہے
۳۱۰	ربط آیات	۲۸۸	فرشتوں کی فرمانبرداری
۳۱۰	فی امان اللہ	۲۸۹	گنہگاروں کے حق میں سفارش
۳۱۲	غیر اللہ کی بے بسی	۲۹۰	خوفِ خدا
۳۱۳	منجانب اللہ آسودگی	۲۹۰	المہریت کا دعویٰ
۳۱۴	کفار کا تنزل	۲۹۱	درس ششم ۶ (آیت ۳۰ تا ۳۲)
۳۱۵	مسلمانوں کا زوال	۲۹۱	ربط آیات
۳۱۶	ہندوستانی مسلمان	۲۹۲	رویت کا مفہوم
۳۱۷	خوفِ خدا بذریعہ وحی	۲۹۳	رتق اور فتق
۳۱۹	درس نہم ۹ (آیت ۴۷ تا ۵۰)	۲۹۵	زندگی بخش پانی
۳۱۹	ربط آیات	۲۹۶	بو جھیل بہار
۳۲۰	اعمال کا وزن	۲۹۷	کٹادہ راستے
۳۲۲	حضرت داؤدؑ کی درخواست	۲۹۷	محفوظ چھت
۳۲۳	جزائے عمل	۲۹۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۳۳ تا ۴۱)

۳۲۸	حضرت ابراہیمؑ کی سلامتی کا حکم	۳۲۲	فرقان اور ضیاء
۳۲۹	عدت اور طول کا رشتہ	۳۲۶	بابرکت نصیحت
۳۵۰	مشکروں کی ناکامی	۳۲۷	درس دہم ۱۱ (آیت ۵۷ تا ۵۸)
۳۵۰	حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت اور اولاد	۳۲۸	رابطہ آیات
۳۵۲	لوطؑ کا تذکرہ	۳۲۸	ابراہیمؑ کی سمجھداری
۳۵۳	نوحؑ کی قوم سے نجات	۳۲۹	بتوں پر اعتراض
۳۵۵	درس سیر دہم ۱۲ (آیت ۷۸ تا ۸۲)	۳۳۰	اندھی تقلید
۳۵۶	رابطہ آیات	۳۳۲	دلائل توحید
۳۵۶	حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ	۳۳۳	بت شکنی کا عزم
۳۵۷	کھیتی کے نقصان پر فیصلہ	۳۳۴	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۸ تا ۶۷)
۳۵۹	خزانیہ کے متعلق فقہی اختلاف	۳۳۵	رابطہ آیات
۳۵۹	اتفاقی موت کا مسئلہ	۳۳۶	تصویر شیخ
۳۶۰	فیصلے کی منسوخی کا مسئلہ	۳۳۷	بتوں کی مرمت
۳۶۱	بہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر	۳۳۸	حضرت ابراہیمؑ کا انتہائی اقدام
۳۶۲	نیرہ سازی کا فن	۳۳۸	فتح مکہ پر بت شکنی
۳۶۳	ہوا کی تسخیر	۳۳۹	شعائر شرک کا تلف کرنا ضیاع مالی نہیں
۳۶۴	جہات پر تسلط	۳۴۰	مشکرین کا رد عمل
۳۶۵	درس چہار دہم ۱۳ (آیت ۸۳ تا ۸۶)	۳۴۱	کذابانہ تلمائے
۳۶۵	رابطہ آیات	۳۴۲	مشکرین کا اظہارِ تأسف
۳۶۶	حضرت ایوبؑ کا تذکرہ	۳۴۳	حضرت ابراہیمؑ کا اظہارِ حقیقت
۳۶۹	نقصان کی تلافی	۳۴۵	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۶۸ تا ۷۷)
۳۷۰	اسماعیل اور زاکر علیہما السلام	۳۴۷	رابطہ آیات
۳۷۱	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۸۷ تا ۸۸)	۳۴۷	حضرت ابراہیمؑ کی سوختگی کا منصوبہ



۴۰۰	رابط آیات	۳۷۱	رابط آیات
۴۰۱	وراثت ارضی	۳۷۲	حضرت یونسؑ کا تذکرہ
۴۰۳	مسلمان کا عروج و زوال	۳۷۳	حضرت یونسؑ کی لغزش
۴۰۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور رحمت للعلمین	۳۷۶	حضرت یونسؑ کی ابتلا
۴۰۵	مسلمانوں کا علمی ذخیرہ	۳۷۷	حضرت یونسؑ کی دعا
۴۰۷	توحید ذریعہ رحمت ہے	۳۷۸	مفید عام مناجات
۴۰۸	فیصلے کا انتظار	۳۸۰	درس شانزدہم (آیت ۸۹ تا ۹۳)
۴۰۹	سورة الحج مکمل	۳۸۱	حضرت زکریاؑ کا ذکر خیر
۴۱۰	درس اول (آیت ۱ تا ۴)	۳۸۱	اولاد کے لیے دعا
۴۱۱	نام اور کوائف	۳۸۲	دعا کی قبولیت
۴۱۱	مضامین سورة	۳۸۳	امید اور خوف
۴۱۲	سابقہ سورق کے ساتھ ربط	۳۸۴	حضرت مریمؑ اور مسیح علیہ السلام
۴۱۲	قیامت کا زلزلہ	۳۸۶	ملت واحدہ
۴۱۴	لوگوں کی بدستی	۳۸۶	دین میں تفرقہ بازی
۴۱۵	شیطان کا اتباع	۳۸۸	درس ہفتم (آیت ۹۴ تا ۱۰۴)
۴۱۷	درس سوم (آیت ۵ تا ۷)	۳۹۰	رابط آیات
۴۱۸	رابط آیات	۳۹۰	عمل صالح کی قدر دانی
۴۱۹	خوف و دہشت	۳۹۲	ہلاکت کا قانون
۴۱۹	رحم مادر میں تخلیق انسانی	۳۹۲	یاجوج و ماجوج کا خروج
۴۲۱	بچپن، جوانی اور بڑھاپا	۳۹۴	کفار کا اظہارِ تأسف
۴۲۲	زمین کی پیداوار	۳۹۵	نیچو کاروں کی بریت
۴۲۳	بعث بعد الموت	۳۹۶	وقوع قیامت اور بعث ثانی
۴۲۵	درس سوم (آیت ۸ تا ۱۷)	۳۹۹	درس ہشتم (آیت ۱۰۵ تا ۱۱۲)



۲۵۵	تفسیر بیت اللہ شریف	۲۲۷	ربط آیات
۲۵۶	بیت اللہ کی طہارت	۲۲۸	جھگڑا لو لوگ
۲۵۷	حج کا اعلان	۲۲۸	مفاد پرست منافق
۲۵۹	حاجیوں کی آمد کی نوید	۲۳۰	غیر اللہ کے لیے بے فائدہ پکار
۲۵۹	حج کے اجتماعی فوائد	۲۳۱	اللہ تعالیٰ سے بدگمانی
۲۶۰	حج اور قربانی	۲۳۳	نذاہت عالم پر ایک نظر
۲۶۲	غسل، نذر اور طواف زیارت	۲۳۶	اللہ کا آخری فیصلہ
۲۶۳	درس ہفتم ۷ (آیت ۳۰ تا ۳۳)	۲۳۷	درس چارم ۴ (آیت ۱۸ تا ۲۲)
۲۶۴	ربط آیات	۲۳۸	ربط آیات
۲۶۴	حرمت اور شعائد اللہ کی تعظیم	۲۳۸	خدا تعالیٰ کے لیے سجدہ ریزی
۲۶۵	حلال اور حرام جانور	۲۴۰	سوج کی سجدہ ریزی
۲۶۶	بت پرستی کی نجاست	۲۴۱	دیگر اشیاء کا سجدہ
۲۶۷	جھوٹی گواہی	۲۴۱	سجدہ تلاوت
۲۶۸	شرک کی قباحت	۲۴۳	دو گروہوں کے درمیان فیصلہ
۲۶۹	دلوں کا تقویٰ	۲۴۴	کفار کے لیے سزا
۲۷۰	ہری کے جانور	۲۴۶	درس پنجم ۵ (آیت ۲۳ تا ۲۵)
۲۷۱	بیت العتیق	۲۴۷	ربط آیات
۲۷۳	درس ششم ۶ (آیت ۲۴ تا ۲۷)	۲۴۷	اہل ایمان کے لیے انعامات
۲۷۴	ربط آیات	۲۴۹	حرم شریف کی حرمت
۲۷۵	قربانی کا طریقہ	۲۵۱	حرم شریف کے یکساں حقوق
۲۷۶	غیر اللہ کے لیے قربانی	۲۵۲	حرم میں اسکا دکی ڈبل سزا
۲۷۷	عاجزی کہنے والوں کی صفات	۲۵۴	درس ششم ۶ (آیت ۲۶ تا ۲۹)
۲۷۸	اونٹ کی قربانی	۲۵۵	ربط آیات

۵۰۲	نشاناتِ عبرت	۲۸۰	قربانی کا گوشت
۵۰۵	دل کا اندھا پن	۲۸۰	جانوروں کی خدمت گزاری
۵۰۶	کان، آنکھ اور دل	۲۸۱	قربانی کی روح تقویٰ
۵۰۷	غذاب میں جلدی	۲۸۳	درس نہم ۹ (آیت ۳۸ تا ۴۰)
۵۰۹	بتیوں کی ہلاکت	۲۸۴	ربط آیات
۵۰۹	متعزت اور باعزت روزی	۲۸۴	اہل ایمان کی حوصلہ افزائی
۵۱۱	آیاتِ الہی سے غنا	۲۸۵	کفار کی خیانت
۵۱۳	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۵۲ تا ۵۴)	۲۸۶	دفاع کا خدائی پروگرام
۵۱۴	ربط آیات	۲۸۷	اقدامی اور دفاعی جہاد
۵۱۴	نبی اور رسول میں فرق	۲۸۸	جہاد کی اجازت
۵۱۵	تمنیٰ کے مختلف معانی	۲۸۸	مسلمانوں کے لیے نصرتِ الہی
۵۱۶	شیطان کی رختہ اندازی	۲۸۹	فلسفہ جہاد
۵۱۸	منافع اور مشرک کے لیے آزمائش	۲۹۰	عبادت خانوں کی بربادی
۵۱۸	اہل ایمان کے لیے ذریعہ ایمان	۲۹۱	جزیہ کا جواز
۵۱۹	لفظ تمنیٰ کی غلط تفسیر	۲۹۲	اللہ کی مدد
۵۲۲	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۵۵ تا ۶۴)	۲۹۳	درس دہم ۱۴ (آیت ۴۱ تا ۴۵)
۵۲۲	ربط آیات	۲۹۴	ربط آیات
۵۲۴	کفار کا شک و تردید	۲۹۴	اسلامی نظام حکومت
۵۲۵	مہاجرین کی حوصلہ افزائی	۲۹۶	خلافت علی منہاج النبوت
۵۲۷	اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت	۲۹۸	تصویر کا دوسرا رخ
۵۲۸	سردہ دلوں کی زندگی	۵۰۰	ظالم اقوام کی ہلاکت
۵۳۰	درس چار دہم ۱۴ (آیت ۶۵ تا ۶۹)	۵۰۳	درس یازدہم ۱۵ (آیت ۴۶ تا ۵۱)
۵۳۱	ربط آیات	۵۰۴	ربط آیات

۵۵۸	جہاد فی سبیل اللہ	۵۳۱	تسخیرِ شائے ارضی
۵۵۹	جہاد کے معاملے میں غفلت	۵۳۲	کشتی رانی سے فوائد
۵۶۰	امتِ محمدیہ کی خصوصیت	۵۳۳	آسمانی نظامِ قدرت
۵۶۱	ملتِ ابراہیمی پر ثابت قدمی	۵۳۴	الغامتِ الہی کا شکریہ
۵۶۲	امتِ مسلمہ کی شہادت	۵۳۵	عبادت کا طرہ و طریقت
۵۶۳	خلاصہ سورۃ	۵۳۶	دعوتِ توحید
۵۶۵	سورۃ المؤمنون مکمل	۵۳۸	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۷ تا ۷۲)
۵۶۶	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۱)	۵۳۹	ربطِ آیات
۵۶۷	نام اور کوائف	۵۳۹	متعلقاتِ قربانی
۵۶۷	گذشتہ سورۃ کے ساتھ ربط	۵۴۱	تقدیر کی تین قسمیں
۵۶۸	مضامین سورۃ	۵۴۲	غیر اللہ کی بلا و دلیل عبادت
۵۶۸	کامیاب مومنین (۱) خشوع کرنے والے	۵۴۴	توحید سے چڑ
۵۶۹	(۲) لغویات سے پرہیز کرنے والے	۵۴۵	دوزخ کی آگ
۵۷۰	(۳) زکوٰۃ دینے والے	۵۴۷	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۷۳ تا ۷۶)
۵۷۱	(۴) مقاماتِ شہوت کے محافظین	۵۴۸	ربطِ آیات
۵۷۲	انسان کا شہوانی میلان	۵۴۸	مشرکوں کے لیے تکفیر کی مثال
۵۷۳	(۵) امانت اور عہد کے پابند	۵۵۰	تصویر کشتی
۵۷۴	(۶) محافظینِ نماز	۵۵۱	اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پہچان
۵۷۴	جنت کی وراثت	۵۵۲	رسولوں کا انتخاب
۵۷۶	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۱۲ تا ۱۷)	۵۵۵	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۷۷ تا ۷۸)
۵۷۷	ربطِ آیات	۵۵۶	ربطِ آیات
۵۷۷	انسان کی اولین تخلیق مٹی سے	۵۵۶	عبادت صرف اللہ کی
۵۷۸	قطرہ آب سے تخلیق	۵۵۷	سجدہ تلاوت

۶۰۶	اتراف کے نقصانات	۵۷۹	رحم مادر میں تغیرات
۶۰۸	بعث بعد الموت کا انکار	۵۸۰	قدرت کا شاہکار
۶۰۹	نبی پر الزام تراشی	۵۸۰	سائنسی تحقیقات
۶۱۰	نبی کی دعا اور عذاب الہی	۵۸۲	ایک کاتب وحی کا واقعہ
۶۱۲	درس ششم (آیت ۴۲ تا ۵۰)	۵۸۲	انسان کی موت اور بعثت
۶۱۳	ربط آیات	۵۸۲	درس سوم (آیت ۱۸ تا ۲۲)
۶۱۴	قوموں کا عروج و زوال	۵۸۵	ربط آیات
۶۱۵	موسیٰ اور ہارون کی بعثت	۵۸۵	پانی کی نعمت
۶۱۷	تورات کا نزول	۵۸۷	مچھلوں کی پیداوار
۶۱۷	حضرت مسیح کا تذکرہ	۵۸۸	زیتون کا درخت
۶۱۸	مقام ربوہ یا رملہ	۵۸۹	موشیوں کا دودھ
۶۱۹	قادیانیوں کا دجل	۵۹۰	موشیوں کے دیگر فوائد
۶۲۱	درس ہفتم (آیت ۵۱ تا ۵۶)	۵۹۱	سواری کے ذرائع
۶۲۲	ربط آیات	۵۹۳	درس چہارم (آیت ۲۳ تا ۳۰)
۶۲۲	اکل حلال اور اعمالِ صالحہ	۵۹۵	ربط آیات
۶۲۳	دین، ملت اور شریعت	۵۹۶	نوح کا درس توحید اور قوم کا جواب
۶۲۴	لفظ طیب کی تشریح	۵۹۷	نوح کی دعوت اور خدا کا جواب
۶۲۵	باطنی نجاست	۵۹۹	دعا بوقت نزول ازکشتی
۶۲۶	اکل حلال اور صدقِ مقال	۵۹۹	نشاناتِ قدرت
۶۲۷	فرقہ بندی	۶۰۱	درس پنجم (آیت ۳۱ تا ۴۱)
۶۲۹	درس ہشتم (آیت ۵۷ تا ۶۷)	۶۰۳	ربط آیات
۶۳۰	ربط آیات	۶۰۳	قوم عاد یا ثمود کا تذکرہ
۶۳۱	اہل ایمان کے خصائل	۶۰۴	دعوتِ توحید اور قوم کا جواب

۶۶۱	خدا کی صفت علیم	۶۳۳	نیکی کی قبولیت
۶۶۲	درس یازدہم ۱۲ (آیت ۹۳ تا ۱۰۰)	۶۳۴	نافرمانوں کا جال
۶۶۳	ربط آیات	۶۳۷	درس نہم ۹ (آیت ۶۸ تا ۷۷)
۶۶۴	پنجیسر کی دعا	۶۳۸	ربط آیات
۶۶۵	برائی کا دفاع اچھائی کے ساتھ	۶۳۹	تدبر فی القرآن
۶۶۷	تعوذ من الشیاطین	۶۴۰	قرآن کی اسامی تعلیم
۶۶۸	دنیا میں واپسی کی تمنا	۶۴۰	معرفتِ رسول
۶۶۹	برزخ کی زندگی	۶۴۲	حق و باطل کی کشمکش
۶۷۱	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۱۰۱ تا ۱۱۲)	۶۴۳	انبیاء کی بے لوث تبلیغ
۶۷۳	ربط آیات	۶۴۴	کفار کی عہد شکنی
۶۷۳	صورِ اسرافیل	۶۴۵	شدید عذاب کا دروازہ
۶۷۵	خاندانی تعلقات کا انقطاع	۶۴۷	درس دہم ۱۰ (آیت ۷۸ تا ۸۳)
۶۷۶	بھاری اور ہلکے اعمال	۶۴۸	ربط آیات
۶۷۷	مجرموں کا اعتراضِ گناہ	۶۴۸	توحید اور معاد کا ذکر
۶۷۸	صاحبِ ایمان گروہ	۶۴۹	کان اور آنکھ کی نعمت
۶۷۹	زندگی کا قلیل عرصہ	۶۵۰	دل مرکزِ اخلاق ہے
۶۸۱	درس چہار دہم ۱۴ (آیت ۱۱۵ تا ۱۱۸)	۶۵۱	انسان کی ناشکری
۶۸۱	ربط آیات	۶۵۲	دفعِ قیامت کا انکار
۶۸۲	انسان مکلف ہے	۶۵۵	درس یازدہم ۱۵ (آیت ۸۴ تا ۹۲)
۶۸۳	ملکیت اور بہیمیت کی کشمکش	۶۵۶	ربط آیات
۶۸۴	اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ	۶۵۷	زمین و آسمان اور عرش کی ملکیت
۶۸۵	توحید باری تعالیٰ	۶۵۸	ہر چیز پر تصرف
۶۸۶	محاسبہ اعمال	۶۵۹	توحید پر دلیل



آخری آیات کے فضائل	۶۸۷	درس چہارم ۷ (آیت ۶ تا ۱۰)	۷۰۸
سورة النّٰس مکمل	۶۸۹	رابط آیات	۷۰۹
درس اول ۱ (آیت ۱)	۶۹۰	لعان کا بیان	۷۰۹
نام اور کوائف	۶۹۰	مرد کی پانچ قسمیں	۷۱۱
زمانہ نزول	۶۹۰	عورت کی پانچ قسمیں	۷۱۲
گزشتہ سورة کے ساتھ ربط	۶۹۱	لعنت اور غضب میں فرق	۷۱۲
سورة کی اہمیت	۶۹۱	میاں بیوی میں جدائی	۷۱۳
مضامین سورة	۶۹۲	قانون لعان کی افادیت	۷۱۴
سورة کی تمہید	۶۹۳	درس پنجم ۵ (آیت ۱۱ تا ۱۳)	۷۱۶
درس دوم ۲ (آیت ۲ تا ۳)	۶۹۴	رابط آیات	۷۱۷
قانون النّداء	۶۹۴	واقعہ افک کا پس منظر	۷۱۷
زنا کا ثبوت اور سزا	۶۹۶	منافقین کا پراپیگنڈا	۷۱۹
محرم بننے کی شرائط	۶۹۷	حضور علیہ السلام کی پریشانی	۷۱۹
زنا کی شرعی سزا	۶۹۸	حضرت عائشہؓ کی برأت	۷۲۰
کیا درے کی سزا و شیانہ ہے	۶۹۹	واقعہ افک میں بہتری	۷۲۱
زانیہ اور زانی میں تقدیم و تاخیر	۷۰۰	سزا بمطابق جرم	۷۲۲
زانی و زانیہ کے لیے قومی سزا	۷۰۰	صریح بہتان کی مذمت	۷۲۳
درس سوم ۳ (آیت ۴ تا ۵)	۷۰۲	درس ششم ۶ (آیت ۱۴ تا ۲۰)	۷۲۴
رابط آیات	۷۰۲	بہتان تراشی پر تنبیہ	۷۲۵
قذف کی تعریف	۷۰۳	اہل ایمان کے باہمی روابط	۷۲۷
قذف کی سزا انہی درے	۷۰۴	عرب جوئی کی ممانعت	۷۲۸
شہادت کی عدم قبولیت	۷۰۵	فحاشی کی تشہیر	۷۲۸
بعد از توبہ و اصلاح	۷۰۶	اللہ کا فضل و رحمت	۷۲۹



۷۵۸	زبان اور اعضائے مستورہ کی ضمانت	۷۳۱	درس ہفتم ۷ (آیت ۲۱ تا ۲۲)
۷۵۹	نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت	۷۳۲	ربط آیات
۷۶۰	عورتوں کے لیے پردے کا حکم	۷۳۲	شیطان کے نقش قدم پر
۷۶۳	ستر کا مسئلہ	۷۳۳	واقعہ انکاب پر تبصرہ
۷۶۴	استغفار کی تعلیم	۷۳۴	تطہیر نفس
۷۶۵	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۲ تا ۳۳) حصہ اول	۷۳۴	حضرت صدیق کی قسم
۷۶۵	ربط آیات	۷۳۶	قانون میں کمی بیشی
۷۶۶	نکاح کی ترغیب	۷۳۹	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۳ تا ۲۶)
۷۶۷	نکاح کی اہمیت	۷۴۰	ربط آیات
۷۶۸	نکاح کی حکمت	۷۴۰	منافقتیں پر لعنت اور عذاب عظیم
۷۶۹	نکاح کو عام کرو	۷۴۱	سات مہلک گناہ
۷۷۱	پاکدامنی پر استقامت	۷۴۲	حضرت عائشہؓ کی خصوصیات
۷۷۲	درس نوں و زوہم ۱۲ (آیت ۳۳ تا ۳۴) حصہ آخر	۷۴۳	حضرت عائشہؓ کی فضیلت
۷۷۳	ربط آیات	۷۴۵	قیامت کو پورا پورا بدلہ
۷۷۳	مکاتیب کی تعریف	۷۴۶	کنز ہم جنس باہم جنس پر واز
۷۷۴	غلامی کا عالمگیر رواج	۷۴۸	درس نہم ۹ (آیت ۲۷ تا ۲۹)
۷۷۴	لوڈی غلام کی شرعی حیثیت	۷۴۹	ربط آیات
۷۷۶	اجتماعی غلامی کی لعنت	۷۴۹	گھروں میں داخلے کے آداب
۷۷۸	مکاتیب کے ساتھ مالی تعاون	۷۵۱	بعض مخصوص مقامات و حالات
۷۷۹	مختلف نظام ہائے معیشت	۷۵۲	طریقہ استینادان
۷۸۱	تجربہ گری کی ممانعت	۷۵۴	خلاصہ احکام بزبان قرآن
۷۸۲	قانون کی پابندی	۷۵۶	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۰ تا ۳۱)
۷۸۳	سابقہ واقعات بطور نصیحت	۷۵۷	ربط آیات

۸۰۳	—	درس سیر و حکم ۱۳ آیت ۱۰
۸۰۳	ایمان جتنا بزرگ ہے	رابطہ آیات
۸۰۴	سرب کی مثال	مشکل ترین آیت
۸۰۵	اعمال کا انحصار ایمان پر ہے	امام شاہ ولی اللہ کی تفسیر
۸۰۷	طلیحات کی مثال	عبد اللہ بن عباس کی تفسیر
۸۰۷	حجاب در حجاب	ابی بن کعب کی تفسیر
۸۰۸	منبع نور	قاضی شمس الدین پانی پتی کی تفسیر
۸۱۰	درس نذر و حکم ۱۴ (آیت ۴۱ تا ۴۲)	امام غزالی کی تفسیر
۸۱۱	رابطہ آیات	نور بطور مدح
۸۱۲	خدا تعالیٰ کی تسبیح	نور الہی کی مثال
۸۱۳	تسبیح بزبان حال یا قال	چراغ کے ساتھ تشبیہ کیوں؟
۸۱۷	توحید کے عقلی دلائل	قلب کی حالت
۸۲۱	درس ہفتم ۱۵ (آیت ۴۵ تا ۴۶)	امام شاہ ولی اللہ کا فلسفہ
۸۲۱	رابطہ آیات	خلاصہ کلام
۸۲۲	پانی بطور منبع حیات	درس چہارم ۱۶ (آیت ۳۶ تا ۳۸)
۸۲۴	امام شاہ ولی اللہ کا فلسفہ	رابطہ آیات
۸۲۴	چنے پھرنے کی صلاحیت	مساجد میں ذکر الہی
۸۲۶	دلائل توحید	مساجد کی تعمیر
۸۲۷	ہدایت بذریعہ قرآن حکیم	مساجد کی طہارت
۸۲۸	درس ہشتم ۱۷ (آیت ۴۷ تا ۵۰)	اداب مساجد
۸۲۹	رابطہ آیات	مومن مردوں کی صفات
۸۲۹	مسافحین کا کردار	ان کی حزن
۸۳۲	مسلمانوں کی عملی منافقت	درس نهم ۱۸ (آیت ۳۹ تا ۴۰)

۸۵۳	اہل ایمان کے لیے تسلی	۸۳۳	منافقت بدل کاروگ ہے۔
۸۵۵	درس لہستہ یکم (آیت ۵۸ تا ۶۰)	۸۳۳	ما انصافی کا تصور
۸۵۶	ربط آیات	۸۳۵	درس نوزدہم <sup>۱۹</sup> (آیت ۵۱ تا ۵۳)
۸۵۷	تین ممتوعہ اوقات	۸۳۶	ربط آیات
۸۵۸	شانِ نزول	۸۳۶	مومنوں کا کردار
۸۵۹	پہلے کے مسائل	۸۳۷	اللہ اور رسول کی اطاعت
۸۶۰	بلوغت کے بعد	۸۳۸	خشیت اور تقویٰ
۸۶۱	سن رسیدہ عورتوں کا مسئلہ	۸۳۹	ایمان افروز واقعہ
۸۶۲	درس لہستہ دوم <sup>۲۰</sup> (آیت ۶۱)	۸۴۰	حصنہ کے جامع فرمودات
۸۶۳	ربط آیات	۸۴۱	منافقین کی جھوٹی قسمیں
۸۶۴	معذور لوگوں کے لیے اجازت نامہ	۸۴۱	اصلاح نفس اور اصلاح عالم
۸۶۵	اقربار کے ہاں کھانے کی اجازت	۸۴۲	رسول اور امت کی ذمہ داری
۸۶۶	کنجی بودار دوست	۸۴۳	اطاعت اور زینہ ہدایت
۸۶۷	اکٹھے اور تنہا کھانے کی اجازت	۸۴۵	درس لہستہ ثانی <sup>۲۱</sup> (آیت ۵۵ تا ۵۷)
۸۶۸	گھسروالوں کو سلام	۸۴۶	ربط آیات
۸۶۹	درس لہستہ تیسرا <sup>۲۲</sup> (آیت ۶۲ تا ۶۳)	۸۴۷	خلافتِ ارغنی کا وعدہ
۸۷۰	ربط آیات	۸۴۷	تاریخ خلافت
۸۷۱	شرائط ایمان	۸۴۸	ملوکیت کا زمانہ
۸۷۲	مومنوں کے لیے اجازت نامہ	۸۴۹	دین کی بختی
۸۷۳	رسول اللہ کا بلانا	۸۵۰	خوف کے بعد امن
۸۷۴	درس لہستہ چہارم <sup>۲۳</sup> (آیت ۶۴ تا ۶۵)	۸۵۱	ایقانے وعدہ کی شرط
۸۷۵	ربط آیات	۸۵۱	کفرانِ نعمت
۸۷۶	رسول کی مخالفت پر وعید	۸۵۳	فلاح کے چار اصول

۸۸۵	خارجی فتنے	۸۸۰	زر، زن اور زمین کا فتنہ
۸۸۶	امام شاہ ولی اللہ کی توضیح	۸۸۱	باطل عقائد کے فتنے
۸۸۶	خلاصہ کلام	۸۸۲	حکومتی جبر کا فتنہ
۸۸۷	احساسِ ذمہ داری	۸۸۳	معاشرتی فتنے
		۸۸۴	متفرق فتنے

# فیضیہ حج ادا کرنے والے خواتین و حضرات کے لیے مفید اور نافع احکام حج نیارات مکہ المکرمہ و مدینہ منورہ



تالیف:

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

ملنے کا پتہ

مکتبہ دوس القرآن فاؤنڈیشن گنج گوہر الزوالہ

صفحات  
۱۲۸

قیمت  
۲ روپے

# پیش لفظ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

پانچ سورتوں پر مشتمل سلسلہ دروس القرآن کی یہ تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے علاوہ ازیں سورۃ فاتحہ، پارہ ۲۹ اور پارہ ۳۰ پر مشتمل تین مزید جلدیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ جلد اس سلسلہ کی سولہویں جلد ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پورے قرآن پاک کے دروس کا مسودہ تیار ہو چکا ہے۔ اس جلد کی اشاعت کے ساتھ قرآن پاک کا تقریباً دو تہائی حصہ طباعت سے منظرین ہو چکا ہے، اور باقی ایک تہائی حصہ کی اشاعت کے لیے بھی تدریج کام ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کام میں مالی مشکلات حائل ہیں تاہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور معادین کے تعاون سے ادارہ ہذا کی خواہش اور کوشش ہے کہ ہر اگلی جلد کم از کم وقت میں قارئین کی خدمت میں پہنچتی ہے یہ جلد اس لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل پانچ سورتیں طہ، الانبیاء، الحج، المؤمنون اور النور آگئی ہیں۔ اس سے پہلے قرآن پاک کا اتنا زیادہ حصہ کسی جلد میں نہیں آیا۔ ان سورتوں میں سورۃ النور مکمل طور پر مدنی سورۃ ہے جب کہ سورۃ الحج کی کم و بیش چھ آیتیں مدنی اور باقی سب مکئی ہیں۔ دیگر چار سورتیں بھی مکمل طور پر مکئی زندگی میں نازل ہوئیں۔ ہر سورۃ کے مضامین اس کے زمانہ نزول کے حالات و واقعات سے مناسبت رکھتے ہیں جن کا ایک مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے۔

## سورۃ طہ

یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہو چکی تھی جب کہ اہل ایمان قریش مکہ

لہ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر مکمل ہیں جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ (فیاض)



کی طرف سے سخت تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ اس سورۃ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر میں اسی سورۃ کی تلاوت سن کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

مکی سورۃ ہونے کے ناطے اس میں زیادہ تر چار بنیادی عقائد (۱) قرآن کی حقانیت و صداقت (۲) توحید (۳) رسالت اور (۴) معاد کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات پر مشتمل ہے اس میں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمین ہے کہ تمام مصائب برداشت کرنے کے بعد جس طرح فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی طرح کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں پر صبر و تحمل کے صلہ میں بالآخر کامیابی اہل ایمان ہی کے حصے میں آئے گی۔

سورۃ کی ابتداء میں قرآن کی حقانیت و صداقت کا ذکر ہے پھر توحید کے ضمن میں ساری کی بچھڑا سازی اور پھر اس کو جلا کر رکھ کر دینے کا تذکرہ ہے۔ سورۃ ہذا میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی کشمکش کا ذکر ہے کہ اہل ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ ابلیس شیطان تمہیں بھی بہکا کر حیرت سے محروم نہ کر دے جس طرح اس نے تمہارے جد امجد کو کر دیا۔

اس سورۃ میں اللہ نے قانونِ اہمال و تذریج بھی بیان کیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے جو لمحہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ مصیبت کے وقت صبر کرنے اور نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ معاد کے سلسلہ میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔ سابقہ نافرمان اقوام کی ہلاکت کو اس امرت کے لیے بطور عبرت ذکر کیا گیا ہے۔ نیز دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کر کے رفاہیت بالغہ سے بے اعتنائی بدتنے کی تاکید کی گئی ہے۔



## سورة الانبياء

اس سورة میں بھی تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور معاد کا ذکر ہے۔ اللہ نے مسئلہ توحید کو نہایت مدلل انداز میں بیان کیا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ نے توحید سے ثابت اور توحید کی بے بسی سے متعلق نہایت پر معجز اور مسکت تفسیر فرمائی، اور پھر حجب دلائل کی رو سے مغلوب ہو گئے تو کفار و مشرکین آپ کی جان کے دریے ہو گئے اور بالآخر آپ کو طبعی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

سیرت انبیاء کے ضمن میں اس سورة مبارکہ میں سترہ انبیاء اور حضرت مریمؑ کے مصائب و مشکلات، ان کے صبر و برداشت اور پھر ان کی کامیابی کا تذکرہ نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے۔ انبیاء کے اسی تذکرہ کی وجہ سے یہ سورة سورة الانبیاء کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے سامنے پیش آنے والے کھیت کے خرابہ کا واقعہ اور پھر اس کے عجیب و غریب فیصلے کا ذکر بھی اسی سورة کا حصہ ہے۔

## سورة الحج

جیسا کہ سورة کے نام سے ظاہر ہے اس میں حج اور قربانی کے بعض مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ مرکزی مضامین وہی توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد ہیں۔ شرک کی قباحت کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ معبودان باطلہ کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سارے مل کہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اُسے واپس لینے پر بھی قادر نہیں۔ بعثت بعد الموت کو بعض مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ نیز باطل مذاہب عالم کا ذکر کر لے انہیں ان کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔ مسیح عیسیٰ کی حریمت اور اس کے وقف ہونے کا ذکر ہے۔ حرم پاک میں داخلے سے روکنے والوں کی مذہبت بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے فرضیت حج کا اعلان کروایا گیا ہے اور آپ کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں حج کے ارکان، بعض احکام اور قربانی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے

تعظیم شعائر اللہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے خدوخال اجاگر کیے گئے ہیں۔ سابقہ نافرمان اقوام کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض نشانات قدرت کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں رات و دن کا اختلاف، کشتیوں کی تسخیر، اور آسمان کو زمین پر گرنے سے روکنا وغیرہ شامل ہیں۔ ملتِ ابراہیمی کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کی گواہی کا ذکر بھی آگیا ہے۔

### سورۃ المؤمنون

مکہ میں قحط پڑنے والے واقعہ کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ مکی زندگی کے وسطی زمانہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں توحید اور معاد کے مشترکہ دلائل پیش کیے گئے ہیں جن میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ سورۃ کے آغاز میں مفلحین مومنین کے بعض اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا ذکر ہے اور پھر تمام نافرمانوں کی عرقانی کو بطور عبرت بیان کیا گیا ہے، اللہ نے نام لیے بغیر قوم ہود یا قوم صالح علیہ السلام کی نافرمانی کا ذکر کیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو ایک ہی پیغام دیا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مختلف اقوام نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا۔ ان کو تکالیف پہنچائیں جس کی وجہ سے بالآخر تباہ ہوئیں۔ اس سورۃ میں کفار و مشرکین کی طرف سے قیامت کے انکار کا ذکر بھی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو اکل حلال اور اعمالِ صالحہ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نافرمانوں کی فرقہ بندی اور کفار کی وعدہ خلافی

کا ذکر بھی ہے۔ جب مکے میں قحط پڑا تو مشرکین نے اس کے دور ہو جانے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ حضور علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے قحط کو دور کر دیا مگر مشرکین پھر بھی ایمان نہ لائے۔

کفار و مشرکین وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے جب کہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی میں مل جائیں گی۔ اللہ نے اپنی قدرت اور اقتدارِ اعلیٰ کا ذکر کر کے فرمایا کہ جس مالک الملک نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کر دیا تھا، اُس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیسے مشکل ہو گا۔ اس سورۃ میں اللہ نے شیطان سے پناہ مانگتے کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔ قیامت والے دن تمام رشتہ داروں کے خاتمہ کا ذکر ہے۔ اُس دن ہلکے اور بھاری اعمال کے پیش نظر سزا اور جزا کے فیصلے ہوں گے۔ کذبین اُس دن اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اور پھر اُن کو سزا میں مبتلا کیا جائے گا۔ قیامت کو دنیا اور بزمِ رخ کی زندگی بالکل قلیل محسوس ہوگی۔ دریافت کرنے پر لوگ کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا دین کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے آخری چار آیات میں دعائے استغفار ہے جن کو بطور وردِ اختیار کیا جاسکتا ہے حدیث میں ان آیات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

### سورۃ النور

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے، اسی لیے اس سورۃ کا نام سورۃ النور ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایسے زری احکام و قوانین بیان کیے گئے ہیں جن پر عمل درآمد سے اہل ایمان کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں واقعہ انکاب بھی بیان ہوا ہے جو ۶ھ میں پیش آیا۔

اس سورۃ میں بیان کردہ اجتماعی قوانین کا تعلق معاشرت سے ہے تاہم سرگزشتی مضمون اسلام کا نظامِ محنت و عصمت ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورۃ

گویا فحاشی، بے حیائی، بد اخلاقی اور زنا کے انسداد کا ایکٹ ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں لعان کا قانون بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی حقیقت اور صداقت کا بیان ہے، اور اس کی تعلیمات سے استفادہ حاصل کرنے اور ان سے محروم رہنے والوں کا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

معاشرتی قوانین میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور عزیز واقارب سے حسن سلوک کا بیان ہے۔ پردے کے احکام ہیں اور اس ضمن میں تین خصوصی اوقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے کے گھروں میں داخلے کے قوانین بھی بالوضاحت بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورۃ میں آداب رسالت کا ایک خصوصی مضمون بھی شامل ہے۔ خلافت راشدہ کا ذکر بھی اشارتاً آگیا ہے۔ اجتماعی معاملات میں غلامی اور مکاتبت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے احکام، حدود، مثلہ، حقائق و معارف اور نصیحت آموز باتوں کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں توحید کا بیان اور بعض تنبیہات بھی آگئی ہیں، جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور رسول کے مخالفین کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں پر کفار کے ضمیر کو چھینچھوڑتے ہوئے ان کے اعمال کی مثال سرب یا سمندر کی تاریکیوں سے دی گئی ہے اور منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

غرضیکہ اس جلد میں قارئین کو اہم مختلف الانواع مضامین پائیں گے۔ جو ان کی دنیوی اور اخروی زندگی کے لیے نہایت کارآمد ہیں۔ آخر میں قارئین سے الٹا سہ ہے کہ وہ سلسلہ درود القرآن کی جلد از جلد تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں۔

احقر العباد

راحمۃ الرحمن علی دینے

شالامار ٹاؤن - لاہور



# سخنہ ادگفتنی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والعافية للمتقين  
والصلوة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين  
وعلى آله واصحابه اجمعين :-

امّا بعد :-

محترم قارئین کہ اسم تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کے سلسلہ الذہب کی تیرھویں جلد آپ کے سامنے ہے اس تفسیر کی اشاعت کا کام ۱۹۸۱ء سے شروع کیا گیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا پاکستان کے ہر علاقہ اور طبقہ کے علاوہ اب بیرون ممالک میں بھی اس تفسیر کی افادیت کو سراہا جا رہا ہے۔ اس تک تقریباً بیس پانچ پاروں کی اشاعت ہو چکی ہے اور دس پاروں کی اشاعت باقی ہے جو کہ انشاء اللہ العزیزہ مزید کئی جلدوں میں پایہ تکمیل کو پہنچے گی۔ تفسیر کو لکھنے سے کاغذ پر منتقل کرنے کا دُشوار کام لکھ اللہ مکمل ہو چکا ہے اب صرف ان کی کتابت و اشاعت کا کام باقی ہے۔ یہ لحاظ پانچ سو سوروں کا مجموعہ ہے۔ جس میں سورہ طہ، انبیاء، حج، مومنون اور سورہ نور شامل ہیں۔ سورہ طہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو وحید ہوت و حیات، حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے، سورہ انبیاء میں قیامت کا افروغ، دلائل توحید اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے، سورہ حج میں، قیامت کی ہولناکی، تخلیق نبی، دلائل توحید اور فضائل مبارک ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر مکمل بیس جلدوں پر شائع ہو چکی ہے۔ ریاض

بیت اللہ کی تعمیر، قربانی، حج، جہاد، نماز، زکوٰۃ اور دلائل قدرت کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ  
مؤمنون میں فلاح کے بنیادی اصول، توحید، نماز، زکوٰۃ، اکل حلال، تخلیق انسانی، احسان  
باری، جنتیوں کی جزا، دوزخیوں کی سزا اور فوج علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ نور میں  
اسلام کا قانون حدود، احکام پردہ، واقعہ انکاب، دلائل توحید، اطاعت خدا و رسول کا  
ذکر ہے۔ اس جلد میں ان جملہ مباحث کی تفسیر و تشریح قرآن و سنت، صحابہ کرام رض  
سلف صالحین، مفسرین و محدثین اور علماء حق کی طرز پر بڑے سادہ، عام فہم، اچھوتے،  
دلنشیں اور احسن انداز میں کی گئی ہے جس میں آپ کو دنیا میں پائے جانے والی جملہ غریبوں  
خواہ دینی ہوں یا دنیاوی، مسلکی ہوں یا سیاسی، ملکی ہوں یا بین الاقوامی کا تذکرہ، مسلمانوں کی  
یے راہ روی ان کی زبوں حالی، عروج و زوال، یہود و نصاریٰ اور عیسر پاورز کی ان پر ظلم و  
تعدی اور ان کی بنیادی کمزوریوں کی نشان دہی اور ان کے علاج کا ذکر کیا گیا ہے اور سب  
سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں بیشتر مقامات میں امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کے  
دقیق حکمت و فلسفہ کو بڑے احسن اور سہل پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے، جسے ایک عام  
آدمی بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

### خوشخبری

دروس القرآن کی طرح حدیث شریف کو بھی کیسٹ کاغذ پر منتقل کر نیچے کلم کا آغاز کر دیا گیا ہے

یہ بھی دروس القرآن کی طرح، دروس الحدیث کے نام سے شائع کرنے کا پروگرام  
تیار ہو چکا ہے۔ جملہ احباب خصوصی دُعا فرمائیں کہ صاحب دروس والد محترم حضرت  
مولانا صوفی عبدالرحیم خان سواتی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ سے نوازے تاکہ ان کی  
سرپرستی میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچے اور انجمن محبان اشاعت قرآن کے جملہ  
معاونین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور انہیں مزید تعادد کی توفیق مرحمت  
فرمائے تاکہ قرآن و حدیث کا یہ سلسلہ اور زیادہ ترقی کرے اور اس کی آواز ہمہ گیر گھر میں  
پہنچ سکے اور مسلمان قرآن و حدیث کے انقلابی پروگرام سے روشناس ہو کر دنیا

یہ دروس الحدیث کی اب الحمد للہ چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں (فما عذا)



میں ترقی کر رہی ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت  
 جلد مسلمانوں کی پریشانیاں ختم فرمائے بالخصوص دروس کے فاضل مرتب حاجی لعل دین صاحب  
 اور انجمن کے سرگرم اراکین حاجی شیخ محمد یعقوب صاحب صد، حاجی غلام حیدر صاحب،  
 سیکرٹری، حاجی محمود انور بیٹ صاحب، غازی، مستری منیر احمد صاحب، انجم لطیف صاحب،  
 بلال احمد ناگی صاحب، حاجی محمد اسلم صاحب اور دیگر تمام اراکین کی اس مساعی جمیلہ کو  
 قبول و منظور فرمائے اور سب کو استقامت نصیب فرمائے اور مشکلات آسان فرمائے  
 اس جلد کی پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف گجراتی صاحب نے  
 بھرپور حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان کو علم و عمل میں ترقی نصیب فرمائے آمین  
 صلوات اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ حمد و علیٰ  
 آلہ واصحابہ اجمعین

احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نصحۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۰ ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ، ۳۰ مئی ۱۹۹۳ء



# حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ

نماز مسنون کلاں پر غیر مقلدین کے اعتراضات

مکتبہ جوابات



تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

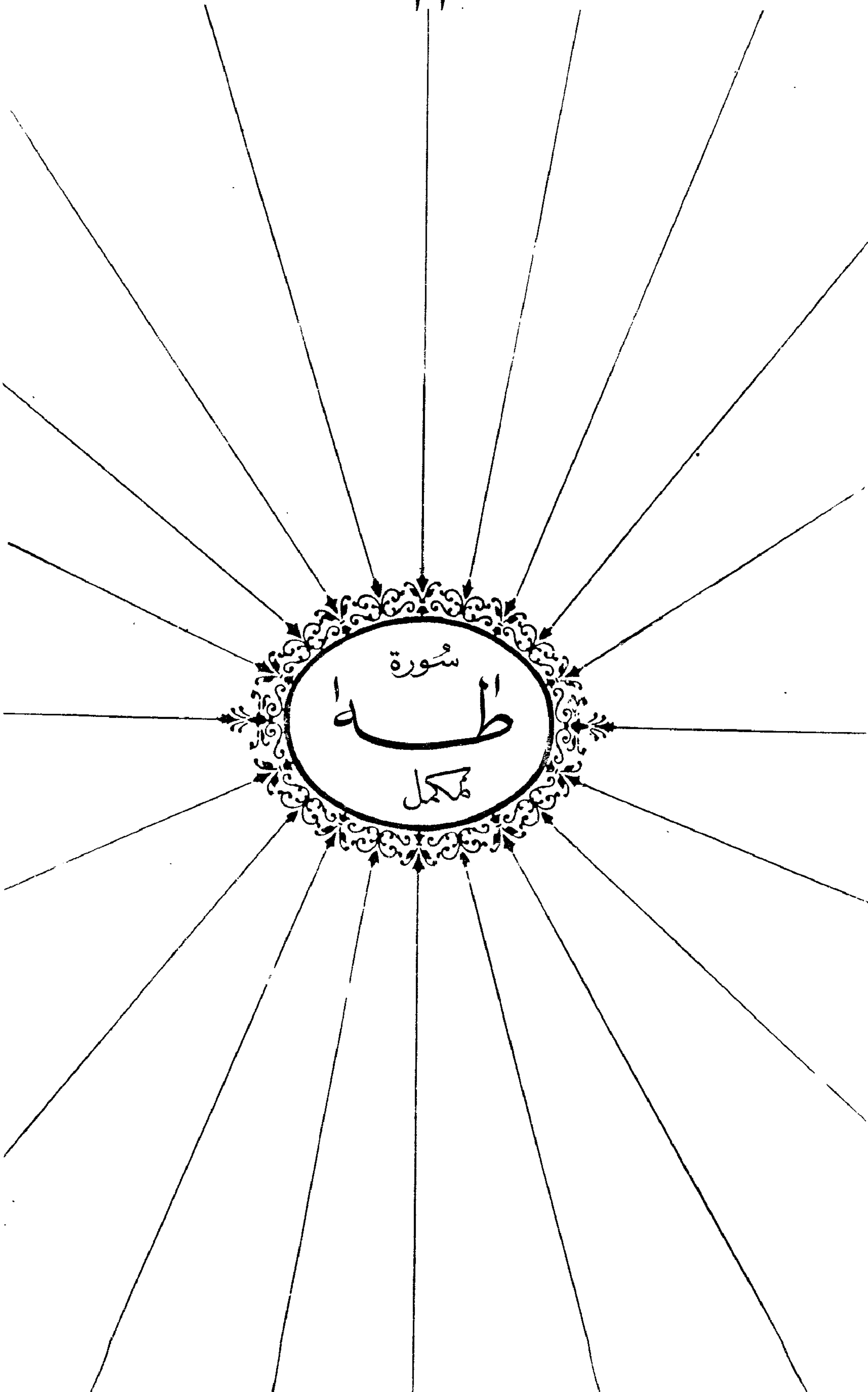


قیمت  
۱۸ روپے

صفحات  
۹۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ دوس القمران فائق گنج گوہر النوالہ



سُورَةُ طه مَكِّيَّةٌ مِّمَّا تَرَخَصَ فِيهَا ثَمَانُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ طہ مکی ہے اور یہ ایک سو پینتیس آیات اور اس میں آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا

طہ ① مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْفَى ② إِلَّا  
تَذِكْرَةً لِّمَن يَخْشَى ③ تَنْزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ  
الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ④ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ  
اسْتَوَى ⑤ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا  
وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ⑥ وَإِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَكَانَهُ  
يَعْلَمُ السِّرَّ وَخَفَى ⑦ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ  
الْحُسْنَى ⑧

ترجمہ :- طہ ① ہم نے نہیں اتارا آپ پر قرآن، اس  
لیے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ② مگر یہ نصیحت ہے  
اُس کے لیے جو ڈرتا ہے ③ یہ اتارا ہوا ہے اس ذات  
کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین اور بلند آسمانوں  
کو ④ وہ بڑا مہربان ہے جو عرش پر قائم ہے ⑤  
اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور جو اُنکے  
درمیان ہے ابہ جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے ⑥ اور

اگر ظاہر کریں آپ بات ، پس بیشک وہ جانتا ہے پوشیدہ بات کو اور اس سے بھی زیادہ مخفی بات کو ⑤ اللہ تعالیٰ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُس کے نام ہیں بھلے ⑥

نام اور  
کوالف

یہ سورۃ اپنے پہلے لفظ طہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا عام فہم نام طہ ہی ہے۔ تاہم مفسر قرآن صاحب روح المعانی سیّد محمود آوسی بغدادی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا دوسرا نام کلیم بھی ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ اس سورۃ کی ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۳۱ کلمات اور ۵۲۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ مکی زندگی میں سلسلہ نبوت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس امر کا ثبوت ہے کہ سلسلہ نبوت میں جب مسلمان مہاجرین کا پہلا قافلہ حبشہ پہنچا تو وہاں پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے یہ سورۃ سنجاشی بادشاہ کے سامنے تلاوت کی تھی۔ گذشتہ سورۃ مریم اور اس سورۃ کا زمانہ نزول قریب قریب ہی ہے۔

عمرؓ کے قبول  
اسلام میں  
طہ کا حصہ

محمد ابن اسحاق ابن خزمیہ کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ سلسلہ نبوی میں اسلام لائے اور سورۃ طہ کی ابتدائی آیات ہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنیں۔ مورخین اور مفسرین بیان کرتے ہیں کہ سلسلہ نبوی میں ایک روز حضرت عمرؓ اس ارادے سے تلواریں لے کر نکلے کہ آج محمدؐ کا کام تمام کروں گا۔ راستے میں ایک شخص نعیم ابن عبد اللہؓ سے ملاقات ہوئی جو خود اسلام لاپچکے تھے۔ پوچھا عمرؓ کہاں کا ارادہ ہے۔ جواب دیا کہ ہم محمدؐ سے بہت تنگ آچکے ہیں، لہذا آج اُس شخص کا خاتمہ کرنے جا رہے ہیں۔ حضرت نعیمؓ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ نہاری بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ غصے میں آگئے اور فوراً اپنے بہنوئی سعید ابن زیدؓ کے گھر کا رخ کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت ایک غریب صحابی حضرت خباب ابن ارتؓ حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو سورۃ طہ پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ مکان کے قریب پہنچے تو تلاوت کی دھیمی



آواز بھی سُنی۔ اُتے میں آپ نے رُزائے پر دُشک دی تو اہل خانہ پر دُشست طاری ہو گئی کہ اب خیر نہیں۔ انہوں نے سورۃ طہ کے اوراق چھپائے اور حضرت خبابؓ بھی گھر کے کسی کونے میں دُکب کر بیٹھ گئے، کیونکہ وہ حضرت عمرؓ کے جلال سے واقف تھے۔ گھر میں داخل ہو کر آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے۔ بہن نے اُتے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے انہیں پٹینا شروع کر دیا۔ غرضیکہ بہن اور بیٹی دو نو، کاخ، پٹائی کی، بالائے۔ انہیں کہنا پڑا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور تم کچھ بھی کہو اب ہم پر دین تو رک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حضرت عمرؓ کے دل کا نرم گوشہ بیدار ہوا تو بہن سے کہا کہ ذرا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم ابھی ابھی پڑھ رہے تھے۔ بہن نے کہا کہ پہلے غسل کر لو کیونکہ یہ خدا کا مقدس کلام ہے جسے پاک رنگ ہی چھو سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا، آپ کی بہن فاطمہؓ نے آپ کو سورۃ طہ کے اوراق دیے۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات ہی پڑھ کر حضرت عمرؓ کا دل پٹ گیا، اور کہنے لگے، یہ تو واقعی بڑا پاکیزہ کلام ہے۔ آپ کا نرم پہلو دیکھ کر حضرت خبابؓ بھی باہر آ گئے اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے نبی کی کل والی دُعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہو چکی ہے کہنے لگے میں نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ دُعا سُنی تھی اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعَمْرِو ابْنِ الْهَشَامِ اَوْ بِعَمْرِو ابْنِ الْخَطَّابِ اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطابؓ کے ذریعے اسلام کی تائید فرما۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بے چلو۔ چنانچہ آپ کو وہاں لے جایا گیا۔ اور پھر آپ کے اسلام لانے کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تفاسیر و تاریخ میں مذکور ہے۔ بہر حال یہ آیات حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا سبب بنیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ شہر نبوی ہیں اسلام لائے، لہذا معلوم ہوا کہ اس سورۃ کا نزول اس سے پہلے

ہو چکا تھا۔

مضامین سرف

دیگر بھی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بڑے مضامین بیان ہوئے ہیں یعنی (۱) توحید کا اثبات اور شرک کی تردید (۲) رسالت جس کے عہد میں حضور خاتم النبیین حضرت موسیٰ اور ہارون اور حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ (۳) معاد یعنی قیامت اور جزائے عمل (۴) وحی الہی اور قرآن کریم کی حقانیت و صداقت۔ اس سلسلے میں واضح کیا گیا ہے کہ تمام انسان وحی الہی کے محتاج ہیں کیونکہ اس کے بغیر حقیقی رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی گذشتہ سورۃ کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا كُنَّا نُرِيكُمُ الْآيَاتِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ اَنْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ ہم نے اس قرآن حکیم کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے اسی ربط میں اس سورۃ کی ابتداء میں فرمایا ہے مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَنَشْفَقَ لَكَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

ان چار بنیادی مضامین کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں مشرکین و کافروں کی ایذا رسانیوں کے خلاف حضور علیہ السلام کو تسلی بھی دی گئی ہے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی پاک سیرت کا تذکرہ بھی تسلی کے مضمون کا ہی حصہ ہے جس میں اللہ کے ان انبیاء نے جابر و مسکش فرعون کے سامنے اپنی پاکیزہ سیرت کا اظہار کیا، اس سورۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صبر سے کام لینے کا درس بھی دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورۃ میں تلاوت قرآن کا طریقہ، تبلیغ دین کا طریقہ، جزائے عمل، آدم علیہ السلام کی لغزش اور ان کا زمین پر مہبوط اور دیگر ذیلی مضامین بھی بیان ہوئے ہیں۔

حروف مقطعات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ طه مفسرین کرام نے ان حروف کی مختلف تعبیریں کی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ طه اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک میں سے ہے حضرت علیؑ کی

روایت میں ایسا ہی آتا ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں اس اور طہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں بعض کہتے ہیں طہ جشتی زبان کا لفظ ہے برکت کے معنی رجل کے ہیں یعنی اے شخص۔ لفظ لاخر کو یا حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے آپ کو تہلی رو گئی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشفی طور پر یہ حروف مقطعات کی بحجۃ عطا فرمائی ہے اور وہ یہ کہ کسی سورۃ کی ابتداء میں آنے والے یہ حروف سورۃ کے اجمالی عنوان کو ظاہر کرتے ہیں۔ گویا یہ حروف سورۃ کی ایک قسم کی مہم سہی سرخی ہوتی ہے۔ شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ طہ انبیاء کے مرتب و منازل کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنی توجہ ہر وقت عالم بالا کی طرف مبذول رکھتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے ہر حرف کو کسی اسم کا مخف سمجھنا چاہیے مثلاً طہ میں ط کا اشارہ ظاہر کی طرف ہے، یعنی اے پیغمبر! ظاہر العقیدۃ والاخلاق والاعمال، جن کا عقیدہ، اخلاق اور عمل پاک ہے آپ کو اس خطاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا۔ اسی طرح طہ کا اشارہ ہادی کی طرف ہے کہ آپ اللہ کی مخلوق کو ہدایت دینے والے ہیں۔ تاہم زیادہ صحیح اور اسلم بات وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطی نے بیان کی ہے کہ اللہ اعلم بمرادہ بذلک یعنی ان حروف کی مراد کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اس سے زیادہ جاننا ہمارے لیے ضروری بھی نہیں ہے۔ ہمارے جاننے کے لیے کثیر تعداد میں محکمات موجود ہیں۔ اگر ہم انہی پر عمل پیرا ہو جائیں تو بہت بڑی بات ہے، چہ جائیکہ ہم قشاہات کی تفصیل میں جانے کی سعی لاصل کرنے لگیں۔



امام شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے طریقے پر حرفِ طاء سے متعلق بعض اشارے بھی کیے ہیں مثلاً ط سے کوہِ طور مراد ہے جہاں پر موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ چونکہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، لہذا اس سے طور بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ط سے فرعون کی طغیانی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ ذکر بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔ اِنَّكَ طَغٰی (آیت ۴۳) اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تھا کیونکہ وہ سرکش ہو چکا تھا۔ باقی رہا طاء تو اس سے شاہِ صاحبِ آدم علیہ السلام کا جنت سے مہبوط مراد لیتے ہیں کہ اس بات کا ذکر بھی آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا (آیت ۱۲۳) یعنی تم دونوں (آدم اور حوا) اس جنت سے نکل کر زمین پر اتر جاؤ۔

حضرت علیؑ  
صلی اللہ علیہ وسلم  
کے لیے تسلی

سورۃ کی ابتداء حضور علیہ السلام کی تسلی کے مضمون سے ہوتی ہے۔ اے پیغمبر! مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ہم نے آپ پر قرآن اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ تَشْقٰی کے دو معانی آتے ہیں یعنی شقاوت (بدبختی) اور مشقت (تکلیف میں پڑنا) یہاں پر اس سے مراد مشقت اٹھانا ہے۔ اس جگہ کا پس منظر یہ ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو لمبا قیام کرتے تھے۔ صحیح احادیث کے مطابق بعض اوقات آپ کے پاؤں متورم (سوج) جاتے تھے۔ اور سردی کے موسم میں کبھی پھٹ بھی جاتے تھے۔ تو اللہ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ قیام کے دوران لمبی قرات میں اس قدر محنت نہ کریں بلکہ جیسا کہ سورۃ المزمل میں فرمایا فَاَقْرْءْ وَاَمَّا تيسِّرْ مِنْكَ الْقُرْآنَ (آیت ۲۰) اتنا قرآن پڑھو جتنا آسانی سے پڑھ سکو۔ اسی لیے یہاں فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار و مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے  
 بھی سخت پریشان رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اتنا غمزدہ  
 ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا کام تو ابلاغ ہے، آگے  
 قبول کرنا یا نہ کرنا اُن کی ذمہ داری ہے، لہذا آپ اس کے لیے فکر مند  
 نہ ہوں۔ حضور علیہ السلام کی پریشانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کفار و مشرکین  
 آپ پر طعنے زنی کرتے تھے، بہودہ اعتراضات اور ناجائز تہمت چلانی  
 کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر طرح کی پریشانی دور کرنے  
 کے لیے تسلی دی کہ آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ  
 مشقت میں پڑ جائیں۔ آپ حوصلہ رکھیں اور اپنا کام کرتے جائیں۔  
 فرمایا، یہ قرآن مشقت میں ڈالنے والی چیز نہیں ہے، بلکہ  
إِلَّا تَذَكُّرَ لِمَنْ يَخْشَىٰ یہ تو نصیحت یا یاد دہانی ہے۔ اُس  
 شخص کے لیے جسے محاسبہ اعمال کا خوف ہے۔ البتہ جو شخص بے خوف  
 ہے، اُسے آگے کی فکر ہی نہیں ہے، وہ نہ تو ایمان لائے گا اور نہ  
 نصیحت حاصل کرے گا۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا وَمَا يَذْكُرُ  
إِلَّا أُولَٰئِكَ الْلُبَابِ (آیت ۷۷) قرآن پاک سے صرف وہی لوگ  
 نصیحت پکڑتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل کو صحیح طور پر  
 استعمال نہیں کرتے اُن کی مثال جانوروں کی ہے جن کا کام کھانا، پینا اور  
 جفتی کرنا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔

قرآن بطور  
تذکرہ

فرمایا تَنْزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَىٰ یہ  
 قرآن کریم اُس ذات کا نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو  
 پیدا کیا۔ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں۔ بلکہ اس ذات کا کلام ہے جو الرَّحْمٰنُ  
 نہایت ہی مہربان ہے۔ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی اور عرش پر قائم ہے  
 اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کا ذکر گذشتہ سورۃ مریم میں کم و بیش سولہ مرتبہ



آیا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے۔ یہ انسان ہی میں جو غلط کام کر کے اپنے آپ کو اس کی رحمت سے محروم کر لیتے ہیں۔ استوی علی العرش کے الفاظ بھی کئی سورتوں میں ذکر ہوئے ہیں۔ اس کو قشاشہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کا معنی تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے لیکن اس استوی کی حقیقت اور کیفیت انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پرستوی ہونا ہمارے کسی جگہ بیٹھنے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارے لیے مکانیت لازمی ہے جب کہ خدا تعالیٰ لامکان ہے۔ اسی طرح ہمارے دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے جہت ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ جہت سے بھی پاک ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے استوی علی العرش ہونے کو ہم نہیں سمجھ سکتے، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے جیسا کہ اس کی ذات کے ساتھ لائق ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا اسی طرح تصور کرتا ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے، تو وہ گمراہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مادیت سے بھی پاک ہے۔

امام شاہ ولی  
کا فلسفہ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ استوی بلندی سے کہنا یہ ہے۔ اس مسئلہ کو امام شاہ ولی اللہ اپنے فلسفہ میں اس طرح سمجھاتے ہیں کہ جنت کے کل آٹھ طبقات ہیں جن میں سے بلند ترین طبقہ جنت الفردوس ہے اور جس کا ذکر سورۃ الکہف میں بھی گزر چکا ہے کَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (آیت - ۱۰۷) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جنت کے پچھلے حصے سے اوپر والے حصے تک پچاس ہزار سال کی مسافت کی بلندی ہے۔ جنت کا سلسلہ ساتوں آسمانوں کے بعد شروع ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جنت کے بلند ترین حصے یعنی جنت الفردوس کے اوپر عرش الہی ہے اس عرش پر اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے جسے تجلی عظم کہا جاتا ہے اس تجلی کی وجہ سے پہلے عرش رنگین ہوتا ہے اور پھر ساری کائنات رنگین ہوتی ہے

یہ تجلیات کب سے پڑ رہی ہیں اور کب تک پڑتی رہیں گی۔ اس کو کوئی شخص اپنی عقل سے نہیں جان سکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عرش سے لے کر ساری کائنات کا مجموعہ بمع عرش اور جنت شخص اکبر ہے اور خدا کی ذات اس سے بالکل جدا اور دراز اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود تو غیب الغیب میں ہے، البتہ اس کی تجلی عرش پر اور پھر ساری کائنات پر پڑتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمارے لیے اس پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسانی ذہن صرف اس درجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ لفظ اللہ یا رحمان خدا تعالیٰ کا نام یا صفت ہے یہ کوئی مادی جسم نہیں ہے جو عرش پر بیٹھا ہو، بلکہ استوی علی العرش کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہمہ وقت عرش پر پڑ رہی ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ کا اشارہ ہے کہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى اُسى کا ہے جو کچھ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہے، اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ کہ بلند سے بلند اور پست سے پست، ہر جگہ اس کی پیدا کردہ اور اُسی کے تصرف میں ہے اور اس لحاظ سے اُسی کی ملکیت ہے۔ یہ تو خدا کی قدرت کا حال ہے، اور اس کے علم کا حال یہ ہے وَ اَنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ اگر آپ بلند آواز سے بات کریں فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اخْفِيَ پس بے شک وہ تو پوشیدہ اور مخفی ترین بات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو دل کے دساوس سے بھی واقف ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر وسیع ہے کہ وہ پوشیدہ ترین اشیاء کو بھی جانتا ہے، وہ علیم کل اور قادر مطلق ہے۔ وہ پُر امربان ہے۔ اس نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے۔

خدا تعالیٰ کا  
تسلط اور علم

خدا تعالیٰ کی  
واحدیت

فَرِیَآ اِلٰهَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَهَ الشِّرْکُ هَ، اس کے سوا کوئی معبود  
نہیں۔ یہ سرکش مضمون کا پہلا حصہ ہے جو تمام مکی سورتوں میں بیان کیا  
گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ درود لا شریک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت  
کے لائق نہیں۔ اس کے سوا کوئی خالق، مدبر، علیم کل، نافع اور ضار نہیں  
اللہ کے سوا تمام معبود خود ساختہ ہیں، سب مخلوق ہیں کسی کو کوئی اختیار  
نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اَلَا سُبْحٰنَہُ  
الْحُسْنٰی اس کے بھلے نام ہیں۔ اُسے کسی بھی نام سے یاد کرو، درست  
ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے، ستار اور غفار ہے، واحد اور ماہد ہے،  
لطیف اور خبیر ہے، رقیب اور مجیب ہے۔ حضور نے فرمایا جو ان اسمائے  
پاک کو یاد کرے گا اور ان پر ایمان لائے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا بشرک  
کوکل اعتراض کہتے تھے کہ مسلمان ہیں تو وحدانیت کا درس دیتے ہیں اور  
خود بھی رحمن اور کبھی خدا کہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ یوقرنی کا اعتراض ہے  
ذات صرف ایک ہے باقی اس کی صفات ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں ہے

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ⑨ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ  
لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمُ  
مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩ فَلَمَّا  
أَتَاهَا نُودِيَ يَمْوَسَى ⑪ الْخِطِّ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ  
نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫

ترجمہ :- اور کیا آئی ہے آپ تک بات موسیٰ علیہ السلام کی ⑨  
جب کہ دیکھا انہوں نے آگ کو اور کہا اپنے گھر والوں کو ،  
تم ٹھہرو ! بیشک میں نے آگ دیکھی ہے ۔ تاکہ میں لاؤں  
تمہارے پاس اس میں سے کوئی شعلہ سگاکر ، یا پاؤں میں  
آگ پر کوئی راستہ دکھانے والا ⑩ پس جب وہ پہنچے اُس  
راگ (آگ) تک تو روہاں سے ) ندا آئی ، اے موسیٰ ⑪ بیشک میں  
تیرا پروردگار ہوں ، پس اُتار دو تم اپنے جوتے ۔ بیشک  
تم ایک مقدس وادی طوی میں ہو ⑫

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں  
کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا ہے ۔ اس سلسلے میں حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا  
واقعہ بیان کیا گیا ہے ۔ ان دونوں انبیاء کو سخت دشمنوں سے واسطہ پڑا تو انہوں نے  
صبر کا دامن تھامے رکھا ۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ناکام کیا ۔ یہ سورۃ اس  
وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے

حضور علیہ السلام  
کیلئے تسلی



تھے، مقصد یہ تھا کہ جس طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے سنتِ تکالیف برداشت کیں تو اس کے بعد اللہ نے انہیں کامیابی عطا کی، اسی طرح اے پیغمبر! آپ کو بھی سخت مصائب کا سامنا کرنا ہوگا اور اس کے بعد آپ کی کامیابی کے دروازے کھلیں گے، لہذا آپ صبر سے کام لیں اور تبلیغِ دین کا کام جاری رکھیں۔ آخری فرخ آپ ہی کی ہوگی۔

آیات کا  
پس منظر

یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى** اے پیغمبر! کیا آپ تک موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن پہ میں بہت سی جگہوں پر مذکور ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس واقعہ کی کافی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ سورۃ القصص میں تو اس واقعہ کی ابتداء موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کی گئی ہے۔ پھر سورۃ شعراء میں نبوت و رسالت ملنے کے بعد کے واقعات کی تفصیل ہے اور اس مقام پر اس واقعہ کی ابتدا اُس وقت سے کی گئی ہے جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس سال کا عمر صبر گزارنے کے بعد مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قوم فرعون کا ایک آدمی ایک کمزور اسرائیلی پر تشدد کر رہا تھا۔ وہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا تو اسرائیلی نے آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ پر اس وقت جوانی کا عالم تھا، اللہ نے زبردست جسمانی طاقت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اُس اسرائیلی کو قبلی کے ظلم سے چھڑانے کے لیے قبلی کو ایک حکم سید کیا۔ اگرچہ آپ نے ایسا قتل کے ارادے سے نہ کیا تھا۔ مگر وہ حکم اُس شخص کو اس طور لگا کہ وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ جب فرعونیتوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران کسی خیر خواہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے دی کہ لوگ تمہیں گرفتار



کہنا چاہتے ہیں، لہذا یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ آپ خاموشی کے ساتھ  
 تین تہامصر سے نکلے اور چلتے چلتے مدین پہنچ گئے۔ وہاں پر آپ کی  
 ملاقات اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے سال  
 واقعہ سن کر آپ کو تسلی دی اور کہا ججوت من القوم الظالمین  
 (القصاص-۲۵) ڈرو نہیں۔ اب تم فرعون کی عمل داری سے باہر آ  
 چکے ہو، اور تمہیں ظالم لوگوں سے نجات حاصل ہو چکی ہے۔ حضرت  
 شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں ایک خدمت  
 گزار کی ضرورت ہے، تم ہمارے پاس ہی رہو۔ اور اگر تم آٹھ یا  
 دس سال ہماری خدمت کرنا قبول کر لو، تو میں اپنی بیٹی کا نکاح بھی تم سے کر  
 دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ آپ شعیب علیہ السلام  
 کے پاس ٹھہر گئے، نکاح بھی ہو گیا۔ دس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد موسیٰ  
 علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنی والدہ اور بھائی کو ملنے کے لیے  
 مصر واپس جانے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ اجازت ملنے پر آپ نے اپنی بیوی  
 اور بچہ بچوں کا ایک ریوڑ ساتھ لیا اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے اس مقام پر  
 دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

وادی مقدس  
 میں قیام

مدین سے مصر جاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جگہ پر  
 رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دوران آپ کی بیوی کو کچھ تکلیف ہو گئی  
 بعض مفسرین درودزہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تاریک رات میں بچہ بچیاں بھی  
 ادھر ادھر ہو گئیں اور آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ آپ نے سفر کے  
 لیے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا، جس سے آپ اچھی طرح واقف  
 بھی نہ تھے، لہذا آپ کو راستہ بھول جانے کا بھی خطرہ تھا۔ آپ اسی  
 شش پہنچ میں تھے اِذَا نَارًا جُوبَ کہ آپ کو دور کہیں آگ نظر  
 آئی۔ اندھیری رات میں شعلہ نکلتا ہوا نظر آیا تو آپ کے دل میں امید کی کرن

پھوٹی فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا تُوَاسِعُونِي كَهْمُ الرُّبُلِ سے کہا، تم یہیں محسّر۔ اِنْخِرَافُ الذُّبَابِ نَارًا میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں اُس کے پاس جاتا ہوں لَعَلِّي اَتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ تاکہ اُس میں سے کوئی شعلہ سدا کر تمھارے لیے لے آؤں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رات کے وقت آپ کو آگ کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ ایک تو روشنی کی ضرورت تھی، دوسرا کھانا پکانے کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔ آپ کے پاس تنجیق موجود تھا مگر گوشش کے باوجود اس سے آگ نہیں نکلتی تھی، لہذا آپ نے آگ کی تلاش میں اُس طرف جانے کا ارادہ کیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ چونکہ آپ راستہ بھول چکے تھے، اس آگ کی طرف جانے کا دوسرا مقصد یہ تھا۔ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى کہ شاید میں وہاں سے کوئی راستہ بتلانے والا آدمی لے آؤں۔ ظاہر ہے کہ جہاں آگ جل رہی ہے۔ وہاں کوئی آگ جلانے والا بھی ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح راستے کی طرف راہنمائی بھی کر سکے۔

مفسرین نے لفظ اُمْكُثُوا پر کلام کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تو صرف آپ کی بیوی تھی تو انہوں نے فردِ واحد کے لیے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی واحد شخص کے لیے جمع کا صیغہ اختیار کیا بھی ہو جاتا ہے، جیسے ہم مہمان کو کہتے ہیں کہ آپ تشریف رکھیں، حالانکہ وہ ایک آدمی ہوتا ہے۔ البتہ ابو حیان "تغییر بحر محیط" والے فرماتے ہیں، کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صرف آپ کی بیوی ہی نہیں تھی بلکہ دو بچے یا ایک بچہ، ایک خادم اور بکریوں کا ریوڑ بھی تھا، اس لیے آپ نے سب کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا کہ تم سب یہیں محسّر ہو، میں آگ کے قریب جاتا ہوں۔

فَلَمَّا أَنشَأَ جِبْ جَبْ موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران

رہ گئے کہ روشن ہونے والی چیز آگ نہیں بلکہ کچھ اور ہی چیز تھی، وہ تو اللہ تعالیٰ کا حجابِ نوری یا ناری تھا جو اس درخت پر درہا تھا جہاں سے روشنی باہر آرہی تھی، سلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حجابِ ایسے ہیں کہ اگر ان کو کھول دیا جائے، تو جہاں تک ان کا اثر پہنچے ہر چیز جل جائے۔

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام آگ والی جگہ پہنچے تو عجیب نظارہ دکھا ایک سرسبز و شاداب درخت تھا جس سے آگ بڑے زور و شور کے ساتھ نکل رہی تھی۔ آگ جتنی زیادہ بھڑکتی، درخت کی سرسبزی و شادابی میں اتنا ہی نکھار آتا۔ اور درخت جس قدر شاداب ہوتا، آگ اتنی ہی زیادہ بھڑکتی۔ آگ کا کام جلا ڈالنا ہے مگر وہ درخت کی شادابی میں اضافہ کر رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخت کے قریب جانے کا ارادہ کیا تاکہ درخت کی کوئی سلگتی ہوئی شاخ گرے تو اُسے لے کر اپنے قافلے کے پاس جائیں مگر آپ خدا آگ کے قریب جاتے، آگ اتنا ہی دُور مڑ جاتی۔ آپ گھبرا کر پیچھے آتے تو آگ واپس اپنی جگہ پر آ جاتی۔ عجیب منظر تھا۔

ندائے غیبی

فرمایا، جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب پہنچے تو وہی کی موسیٰ تو آواز آئی، اے موسیٰ! علیہ السلام اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ بیشک میں تیرا پروردگار ہوں۔ یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے لیے مزید حیرانگی کا باعث بنی، آگ کا درخت بلا تشبیہ، غیبی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے امام احمدؒ اور وہب تابعیؒ کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ غیبی آواز سنی تو آپ نے کئی بار بلیک بلیک کہا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اُدھر سے یا موسیٰ کی آواز آئی تو آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ آپ کے پروردگار کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ضروری علم پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو کوئی شبہ نہیں رہا تھا



کہ اللہ کے علاوہ کسی جن یا شیطان کی آواز بھی ہو سکتی ہے حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار! میں تیری آواز سن رہا ہوں،  
 آہٹ پا رہا ہوں مگر تجھے دیکھنے سے قاصر ہوں۔ دوسری طرف سے  
 آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں تیرے اُدھر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے  
 سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں حتیٰ کہ تیری جان سے بھی زیادہ قریب  
 ہوں۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہر جہت سے، ہر ہر ذرے  
 سے اور اپنے ایک ایک بال سے مذکورہ آواز سنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ  
 علیہ السلام کو یہ خصوصی انعام فرمایا کہ اُن سے براہِ راست گفتگو کی سورۃ نساء  
 میں موجود ہے وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (آیت ۱۶۴)  
 اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست کلام فرمایا۔

جوتے اتارنے  
 کا حکم

اللہ نے اپنا تعارف کرانے کے بعد فرمایا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ  
 اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے جوتے اتار دو کیونکہ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ  
 طُوًى اِس وقت تم ایک پاک وادی طوی میں ہو۔ اِس کو پاکیزہ وادی  
 کیوں کہا گیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ بعض دیگر مقامات کی طرح اللہ نے  
 اِس خطے کو پہلے سے مقدس بنا رکھا ہو۔ یا وہ جگہ اِس وجہ سے مقدس  
 تھی کہ وہاں خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہو رہا تھا۔ بہر حال وہ مقدس  
 مقام تھا جہاں جوتا اتارنے کا حکم ہوا۔

مفسرین کرام کا ایک گروہ جوتا اتارنے کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ موسیٰ  
 علیہ السلام کا جوتا گدھے کی کھال کا بنا ہوا تھا، اور ہو سکتا ہے کہ اُن کی شریعت  
 میں گدھا حرام ہو اور اِس لیے جوتا ناپاک ہو امام ابو بکر حصاصؓ فرماتے ہیں کہ اگر  
 جوتا اتارنے کی یہی وجہ تھی کہ وہ ناپاک تھا، تو ہمارے شریعت میں تو ہر کھال  
 کا جوتا پاک ہے۔ خواہ وہ کھال کسی حرام جانور کی ہو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان  
 ہے اِذَا بَغِ الْاَهَابُ فَقَدْ طَهُرَ ہر رنگا جانے والا لچا چڑا

دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ اس سے جوتا بھی بنا سکتے ہیں۔ نماز کے لیے مصلیٰ بھی، اور پانی نکالنے کے لیے اس کا ڈول بھی بنا سکتے ہیں۔ ایسا چمڑا پاک ہو جاتا ہے اور اس سے کھاتے کے برتن بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ البتہ کتے کے متعلق بعض فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس کی کھال دباغت کے بعد بھی استعمال ہو سکتی ہے یا نہیں۔ خنزیر اور انسانی کھال کو بھی کسی صورت میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ خنزیر اس لیے کہ یہ سر پانا پاک جانور ہے۔ اللہ نے اسے واضح طور پر حرام قرار دیا ہے اور انسان کی کھال تحریم انسانی کی بنا پر ناقابل استعمال ہے۔ اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ كَتَبْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل - ۷) ہم نے آدم کے بیٹے کو عزت بخشی ہے۔ انسان کی کھال اگرچہ پاک ہے مگر اس کا استعمال حرام ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گذر ایک سردار بکری پر ہوا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا، تم نے اس کی کھال کیوں نہیں استعمال کی؟ عرض کیا، یہ تو سردار ہو گئی ہے ہم اس کو ذبح نہیں کر سکے۔ آپ نے فرمایا، اس کا کھانا تو بیشک حرام ہے، مگر دباغت کے بعد اس کی کھال استعمال ہو سکتی ہے۔

امام ابو بکر حصاصؓ فرماتے ہیں کہ وادی مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم اس وجہ سے بھی ہوا کہ اُس پاک مقام پر ادب کا یہی تقاضا تھا تا کہ ننھے پاؤں وہاں کی برکات چل ہو سکیں۔ مساجد وغیرہ میں جوتا اسی لیے اتار جاتا ہے کہ یہ متبرک مقام ہوتے ہیں۔ اور اس وادی طوی کے متعلق تو اللہ نے خاص طور پر جوتا اتارنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات پڑ رہی تھیں اور خاص واقعات پیش آ رہے تھے۔ دنیوی ادب کے متعلق تو رات میں مذکور ہے کہ قدیم زمانے میں لوگ بادشاہوں کے دربار میں جاتے تھے تو جوتا اتار لیتے تھے کیونکہ ایسا کمزار شاہی دربار کے



آداب میں شامل تھا، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے وادی طوی میں بطور ادب موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا۔

جوتے  
سمیت نماز

اگر جوتا پاک ہو تو ہماری شریعت میں اس کو مسجد میں لے جانا اور اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے جوتے سمیت نماز ادا کی ہے۔ اس وقت جوتے عام طور پر چل نما ہوتے تھے۔ جنہیں آسانی سے پہنا اور اتار جاسکتا تھا۔ آپ نے دوران نماز اپنا جوتا اتار پھینکا۔ آپ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے بھی جوتے اتار دیے، نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کیوں جوتے اتارے، تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کی اتباع میں، کیونکہ ہم سمجھے کہ جوتے اتارنے کا حکم نازل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے آکر بتایا تھا کہ میرے جوتے میں نجاست لگی ہوئی ہے، لہذا میں نے اُسے اتار دیا، تمہیں تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ عرب کے پتھرے اور ریگانی علاقے میں نجاست لگنے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے، لہذا وہاں پاک جوتوں کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی تھی۔ اور جہاں ہماری گلیوں بازاروں کی طرح گندگی ہو، وہاں جوتے کا پاک رہنا ممکن نہیں، لہذا ایسے جوتے مسجد میں نہیں لے جاسکتے، نہ ان کو پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ہمارے جوتوں میں نجاست جذب ہو جاتی ہے جو اچھی طرح دھوئے بغیر دور نہیں ہوتی، لہذا احتیاط کر فی چاہیئے۔ البتہ نیا جوتا جو بالکل پاک ہو اُسے پہن کر اب بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جس جوتے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما ہے تھے، اس میں معمولی سی غلاطت لگی ہوگی۔ کیونکہ نجاست کا علم ہو جانے کے بعد آپؐ نے نماز جاری رکھی۔ اگر نجاست کی مقدار زیادہ ہوتی، تو حضور علیہ السلام ساری نماز دہرائیتے، مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۖ (۱۳) إِنِّي أَنَا  
 اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۖ (۱۴)  
 إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ  
 بِمَا تَسْعَىٰ ۖ (۱۵) فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ  
 بِهَا وَابْتِغَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ (۱۶)

ترجمہ :- اور میں نے منتخب کیا ہے تم کو ، پس سنو (اُس چیز  
 کو) جو وحی کی جاتی ہے (۱۳) بیشک میں اللہ ہوں ۔ نہیں کوئی  
 معبود سوائے میرے ۔ پس میری ہی عبادت کرو اور قائم کرو  
 نماز کو خاص میری یاد کے لیے (۱۴) بیشک قیامت آنے والی  
 ہے ۔ قریب ہے کہ میں اس کو پوشیدہ رکھوں ، تاکہ بدلہ دیا  
 جائے ہر ایک نفس کو جو اُس نے کوشش کی (۱۵) پس نہ  
 روکے تجھے اس (قیامت) سے وہ جو نہیں ایمان لاتا اُس  
 پر ۔ پیروی کی اُس نے اپنی خواہش کی ۔ پس تم بھی ہلاک ہو جاؤ

گے (۱۶)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ واقعہ بیان ہوا ہے جب  
 آپ مدین سے چل کر وادی طوی کے قریب پہنچے ، تو اندھیری رات میں آپ کو  
 روشنی اور تپش کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ آپ نے دور ایک مقام پر  
 آگ جلتی دیکھ کر اپنے گھروالوں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود آگ کی تلاش اور

کسی راستہ بتانے والے کی جستجو میں وہاں پہنچے۔ آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب آپ نے دیکھا کہ وہ آگ ایک سرسبز و شاداب درخت سے نکل رہی تھی مگر اُس درخت کو جلاتی نہیں تھی۔ آپ نے آگے بڑھنا چاہا تو غیب سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں، تم ایک مقدس وادی میں پہنچ چکے ہو، لہذا بطور ادب اپنے جوتے اتار کر بہہ نہ پاؤ جاؤ۔

انتخابِ برائے  
نبوت و مرثیت

امام ابوالکلیثؒ چوتھی صدی کے عظیم فقیہ ہوئے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی ہے، آپ کا شمار صوفیائے کرام میں بھی ہوتا ہے اور آپ نے تصوف کے موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں آپ کے حوالے سے تفسیر حسینیؑ والے اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اگلی آیت وَإِنَّا اخْتَرْنَاكَ سے لے کر وَإِتَّبَعَهُ فتنہ دہی تک کا خطاب سابقہ آیات کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ اس کے بعد وَمَا تَلَكَ بِبَيْدِكَ سے پھرے سخن موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں بھی خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہی ہے۔ اللہ نے جوتے اتارنے کا حکم دے کر فرمایا وَإِنَّا اخْتَرْنَاكَ اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ پس اُس چیز کو خوب کان لگا کر سن لو جو وحی کی جاتی ہے۔ نبوت و رسالت کوئی کبھی چیز نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (ص۔ ۴۷) اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نیک بندوں میں سے منتخب فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں برگزیدہ اور معصوم بناتا ہے۔ انہیں گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔

توحید الہی

فرمایا جو وحی تمہاری طرف کی جاتی ہے اُسے غور سے سنو اور پھر

اللہ تعالیٰ نے بنیادی باتوں میں سے تین باتوں کا بیان ذکر فرمایا ہے۔  
 سب سے پہلے مسئلہ توحید بیان فرمایا ہے، پھر نماز کی تاکید کی ہے اور اس  
 کے بعد وقوع قیامت کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اِنْتِخَفَ  
 اَنَا اللّٰهُ بِشَيْكٍ مِّنَ السُّرِّيِّوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مِيرے سوا کوئی  
 معبود نہیں۔ سورۃ محمد میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔  
 فَاعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (آیت - ۱۹) خوب اچھی طرح  
 سب ان کو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا عبادت بھی اُسی کی  
 کرنی چاہیئے۔ تمام انبیاء نے لوگوں کو سب سے پہلے توحید ہی کی  
 دعوت دی اور کہا لِقَوِّمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ  
 غَيْرُهُ (ہود - ۱۶۲) لوگو عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا  
 تمہارا کوئی معبود نہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تبلیغ دین کے  
 لیے مختلف مقامات پر جاتے تو اسی توحید کا درس دیتے۔ آپ عکاظ کے  
 میلے میں گئے تو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے فرمایا، لوگو! قُولُوا  
 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَقْلِحُوا کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہاری  
 فلاح اسی بات میں ہے، لوگ آگے سے پھرتے، بڑا بھلا کہتے، مگر  
 آپ اُن کو اللہ کی وحدانیت کی طرف ہی بلاتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ  
 نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کر کے سب سے پہلی بات یہی کی کہ خوب  
 اچھی طرح سن لو، میں تمہارا پروردگار ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں  
 فَاعْبُدْنِي پس عبادت بھی میری ہی کرو۔ عبادت انتہائی درجے کی  
 تعظیم کو کہتے ہیں جو کہ قول، فعل، عمل اور مال سے ہوتی ہے۔ جب انسان  
 اس تصور کے ساتھ تعظیم کرتا ہے کہ جس ذات کی تعظیم کی جا رہی ہے وہ  
 مافوق الاسباب تمام چیزوں پر تصرف رکھتا ہے۔ ہر چیز کو جانتا ہے  
 نافع اور ضار ہے، تو ایسی تعظیم خواہ کھڑے ہو کر یا باندھ کر کی جائے



یا رکوع و سجود میں، وہ معبود سمجھ کر ہی کی جائیگی۔ اسی طرح کوئی دیگر پاکیزہ کلمات کہہ کر تعریف کی جائے یا اس کے نام پر نذر و نیاز دی جائے، یا مشکل میں اس کو پکارا جائے، یہ عبادت ہی تصور ہوگی، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا عبادت بھی میری ہی کر۔ کسی دوسری ذات کی عبادت روا نہیں۔

اقامت نماز  
اور ذکر الہی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خطاب میں دوسری بات یہ فرمائی وَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي اور نماز قائم کر و خاص میری یاد کے لیے، توحید کے بعد نماز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ تمام عبادات میں سے نماز کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اس کو امر العبادات المقربہ کہا گیا ہے، یعنی نماز اللہ کے قریب کرنے والی عبادت کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ نماز میں اللہ کی یاد ہوتی ہے، اس کی حمد و ثنا کی جاتی ہے۔ کلام پاک کی تلاوت ہوتی ہے، تسبیح و تہنزیہ اور تحکیر و تہلیل ہوتی ہے، اور یہ تمام چیز ذکر الہی پر مشتمل ہیں۔ اللہ کا ذکر کرنے سے انسانوں کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے وَاذْكُرْ رَبَّكَ... بِالْعُدْوِ وَالْصَّالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (الاعراف - ۲۰۵) صبح و شام اپنے پروردگار کا ذکر کر۔ اور غافل نہ ہو۔ سورۃ البقرہ میں بھی ہے فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ (آیت ۱۵۲) تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، یعنی اس کا بدلہ عطا فرماؤں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے، میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جو شخص مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے۔ میں اس کو اس سے بہتر مجلس یعنی فرشتوں کی مقدس مجلس میں یاد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ دیکھو



میرا فلاں بندہ مجھے یاد کر رہا ہے۔ میرا بندہ جب جہاد میں دشمن سے ٹکر لے رہا ہوتا ہے تو اُس وقت بھی میری یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ دنیا دار اُول فُل بکھتے ہیں، گانے گاتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں، مگر ایمان والے اُس وقت بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں جب وہ جان متھیلی پر رکھ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ کلمہ توحید کہنے کے بعد اہم ترین چیز نماز کی طرف توجہ دیں تاکہ میرا ذکر ہو اور میرے ساتھ تمہارا تعلق درست ہو۔

وقوع قیامت

اس کے بعد عقیدے میں سے زیادہ اہمیت رکھتے والی بات وقوع قیامت پر ایمان ہے۔ فرمایا اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ بِشَكِّ قِيَامَتِ اَنے والی ہے بعض مفسرین نے ساعۃ کو فتح کی گھڑی پر بھی مجہول کیا ہے مگر صحیح بات یہی ہے کہ یہاں پر ساعۃ سے مراد قیامت ہے۔ اس پر یقین رکھو اور اس کے لیے تیاری کرو کیونکہ وہ بلاشبہ واقع ہونے والی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا، فرمایا اَكَادُ اَخْفِيْهَا قَرِيْبٌ ہے کہ میں اس کے وقت کو پوشیدہ رکھوں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ محاورہ ہے جو انتہائی مبالغے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس قدر مبالغہ کہ میں اس کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھوں، حالانکہ کوئی ذات کسی چیز کو اپنے آپ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتی مقصد یہ ہے کہ قیامت برپا ہونے کے وقت کا علم سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا يُحِيطُ بِهَا لَوْ قِفَتْهَا اِلَٰهُوْا..... لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (الاعراف - ۱۸۷) قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

کسی نبی اور فرشتے کو بھی وقت وقوع قیامت کی خبر نہیں۔ یہ تو اچانک ہی آجائے گی۔ لوگ اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا مگر قیامت کا بلبل بج جائے گا۔ غرضیکہ

اللہ نے اس کا علم اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اور وقوع قیامت کی غایت یہ ہے لَتَجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ لِّمَا تَسْعَىٰ تاکہ ہر نفس کو اس کی کوشش اور محنت کا بدلہ دیا جائے۔ اس دنیا میں انسان کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ نہیں مل سکتا۔ نہ تو اس کے نیک اعمال کی پوری جزا ملتی ہے اور نہ جرائم کی پوری سزا ملتی ہے۔ بہت سے گنہگار اور مجرمین اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اگر کوئی عدالت منراہنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو کوئی بے گناہ بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ پورا پورا فیصلہ اور پوری پوری جزا و سزا تو قیامت کو ہی ممکن ہو سکے گی۔ اس وقت نیکی اور بدی کا ذرہ ذرہ جدا ہوگا۔ نیکو کار اور مجرم لوگ علیحدہ علیحدہ ہوں گے ہر ایک کی کارگزاری کا پورا پورا حساب ہوگا، کوئی چیز غلط ملط نہیں ہوگی۔ اس دنیا کا بڑے سے بڑا جج بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے سارے واقعات پر محیط ہو کر کوئی فیصلہ کیا ہے، لہذا ہر جگہ غلطی کا امکان ہے۔ صحیح صحیح فیصلے قیامت کو ہی ہوں گے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (السجدہ - ۲۵) اُن کے درمیان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ قیامت کا واقعہ ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا پھل مل سکے اور اس کام کے لیے قیامت کے علاوہ کوئی دوسرا موقع نہیں ہے آگے اللہ نے قیامت کے منکرین کو خبردار کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَلَا یَصْدُکُ عَنْهَا مَنْ لَا یُؤْمِنُ بِهَا پس نہ روکے آپ کو قیامت سے وہ شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا۔ منکرین قیامت کا یہی نظریہ ہے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی حشر نشر ہوگا، نہ میزان قائم ہوگی اور نہ کوئی پل صراط ہے جس پر سے گزرنا ہے۔ یہ لوگ

منکرین قیامت  
سے خبر داری

جنت اور دوزخ کے بھی انکاری ہیں۔ اس لیے سزا اور جزا کے بھی قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں لوگوں کو ڈرانے کے لیے بنائی گئی ہیں اور ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا پراپیگنڈا تمہیں قیامت کی تیاری سے روک نہ دے۔ ایسے دشمن سے خبردار اور ہوشیار رہنا ایسا شخص **وَاطِّعَ هَوَاهُ** محض اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ اور خواہشات کی اتباع ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے **وَاعِزَّ كُرْدِيَاةَ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ** (البقرہ - ۱۶۸) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، گویا جو شخص صحیح قانون کو چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے اور شیطان کے نقش قدم پر گامزن ہے۔ اللہ نے اس سے خبردار کیا ہے کہ ایسا شخص کہیں تمہیں وقوعِ قیامت کے فکر سے آزاد نہ کر دے۔ اب ترازو فرماتے ہیں **صُحْبَةُ الْأَشْرَارِ تُؤْجِبُ بَعْضَ الْأَخْيَارِ** یعنی اگر تم بُرے لوگوں کی مجلس اختیار کرو گے تو یقیناً تمہارے اندر نیک لوگوں کے لیے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اشرار کی صحبت اختیار کے لیے بعض پیدا کرنے والی چیز ہے۔ اگر تم نیک لوگوں سے بدطن ہو جاؤ گے تو ہلاکت میں پڑ جاؤ گے **فَتَرْدَى كَالِهِيَ** معنی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے یہ بات تمام لوگوں کو سمجھائی ہے کہ منجمنِ قیامت کی صحبت سے محتاط رہیں، وہ تمہیں ورغلا کر ہلاکت کے گڑھے میں نہ دھکیل دیں۔ اس کے برخلاف قیامت پر پورا پورا یقین رکھو اور اس کے لیے تیاری بھی کرو۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَىٰ ۝۱۷ قَالَ هِيَ عَصَايَ  
 أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاهْتَمُّ بِهَا عَلَىٰ غَنِيٍّ وَلِيَ فِيهَا  
 مَا رُبُّ أُخْرَىٰ ۝۱۸ قَالَ أَلْقُهَا يُمُوسَىٰ ۝۱۹ فَالْقُهَا فَإِذَا  
 هِيَ حَيَّةٌ تَسْبِي ۝۲۰ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا  
 سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۝۲۱ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ  
 تَخْرُجْ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ۝۲۲  
 لِّنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ۝۲۳ إِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ  
 إِنَّهُ طَغَىٰ ۝۲۴

ترجمہ :- (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور کیا ہے تیرے واسطے  
 ہاتھ میں لے لے موسیٰ ۝۱۷ کہا (موسیٰ نے) یہ میری لالچی ہے ،  
 میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں بکریوں پر ،  
 اور میرے لیے اس میں دو سکر فائدے بھی ہیں ۝۱۸ فرمایا  
 (اللہ تعالیٰ نے) اس لالچی کو ڈال دو (نیچے) لے موسیٰ ۝۱۹  
 پس انہوں نے اس کو ڈال دیا ، پس اچانک وہ ہو گیا ایک  
 سانپ دوڑتا ہوا ۝۲۰ فرمایا (اللہ نے) اس کو پکڑ لو ، اور  
 ڈرو مت ، ہم اس کو پٹا دیں گے اس کی پہلی حالت  
 پر ۝۲۱ اور ملاؤ اپنے ہاتھ کو اپنے بازو میں ، نکلے گا وہ سفید ہو  
 کر بغیر کسی عیب کے ۔ یہ دوسری نشانی ہے ۝۲۲ تاکہ ہم



دکھائیں تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض (۲۳) تم جاؤ  
فرعون کی طرف، بیشک وہ حد سے بڑھ گیا ہے (۲۴)

رابطہ آیات

اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر کر کے حضور نبی کریم  
علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو تسلی دی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے طور پر حجابِ نورانی یا  
ناری کا مشاہدہ کیا، تو وہاں سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی  
معبود نہیں۔ لہذا میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھو۔ ایسا ہی حکم  
اللہ نے حضور علیہ السلام کو بھی دیا ہے اُنْزِلْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ  
وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ  
(العنکبوت - ۴۵) ہماری نازل کردہ کتاب یعنی قرآن حکیم کی تلاوت کریں اور نماز قائم  
کریں۔ بیشک نماز بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔ نماز اللہ کا ذکر ہی  
تو ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ تَنَسَّىٰ عَنِ الصَّلَاةِ فَلْيُصَلِّهَا  
إِذَا ذَكَرَهَا جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے، تو جس وقت یاد آئے  
اسی وقت ادا کرے، یہی اس کا کفارہ ہے۔ اس کے بعد اللہ نے قیامت کے  
متعلق فرمایا کہ وہ آنے والی ہے اور میں نے اس کے وقت کو مخفی رکھا ہوا ہے۔  
میرے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ وقوعِ قیامت کا مقصد یہ ہے کہ ہر  
شخص کو اُس کی کھائی کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ قیامت میں شک  
کرنے اور اس کا انکار کرنے والوں سے ہوشیار رہیں کہ کہیں وہ تمہارا عقیدہ بھی کمزور  
نہ کر دیں۔

عصا موسیٰ

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے دو خصوصی معجزات  
کا ذکر کیا ہے۔ یہ معجزات اور نشانیاں آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں۔ ارشاد  
ہوتا ہے وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمْوَسَّىٰ اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں  
کیا ہے۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک لالٹھی یا چھڑی تھی جو عموماً اپنے



پاس رکھتے تھے۔ خاص طور پر دورانِ سفر تو آپ لاکھٹی ضرور ساتھ رکھتے تھے۔  
 اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لاکھٹی پاس رکھنا سنتِ انبیاء ہے  
 اور اس کے بہت سے فائدے بھی ہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 کے پاس بھی کبھی لاکھٹی اور کبھی چھوٹا بنیرہ ہوتا تھا، جسے نماز کے وقت  
 تترے کے طور پر بھی گاڑھ لیا جاتا تھا۔ بہر حال لاکھٹی پاس رکھنا کوئی بُری  
 بات نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہے۔ چونکہ اللہ اس لاکھٹی  
 کی ہیئت تبدیل کرتا چاہتا تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر  
 سوال کیا کہ دیکھو تو کھلا تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو  
 اس کے متعلق خود موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے تصدیق مطلوب تھی وگرنہ  
 اللہ تعالیٰ تو بذاتِ خود جانتے تھے کہ یہ لاکھٹی ہی ہے۔ بہر حال اس سوال  
 کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا قَالَ رَہِیْ عَصَیْ مَوْلَاکَ رَہِیْم !  
 یہ تو میری لاکھٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب تو اتنا ہی کافی تھا، مگر  
 موسیٰ علیہ السلام نے اس جواب کو خود لمبا کر دیا اور بعض بن پوچھے سوالات  
 کے جوابات بھی دے دیے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو  
 اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا جو لطف آ رہا تھا، وہ اسے دراز کرنا چاہتے تھے  
 تاکہ اس نعمت سے مزید لطف اندوز ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ  
 میری لاکھٹی ہے اور ساتھ اس کے فوائد بھی گنوا دیے اَتَوَكَّلُ عَلَیْہَا  
 میں اس لاکھٹی پر بوقتِ ضرورت ٹیک بھی لگا لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ  
 وَ اَہْشَ بِہَا عَلٰی غَنَمِیْ اس کے ذریعے میں اپنی بھینٹ بکریوں  
 کے لیے درختوں سے پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں۔ تاکہ جانوروں کی خوراک  
 کا بندوبست ہو سکے۔ عرض کیا وَلِیْ فِیْہَا مَآرِبٌ اُخْرٰی  
 میرے لیے اس لاکھٹی میں بعض مزید فوائد بھی ہیں۔ مثلاً یہ لاکھٹی دشمن سے

لڑائی کے وقت کام دیتی ہے، کسی درندے کا حملہ ہو جائے تو اس سے دفاع کیا جاسکتا ہے یا کسی سانپ کچھو اور کیڑے مکوڑے کو مارنے کا کام بھی دیتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کو کندھے پر رکھ کر اس کے ساتھ سامان لٹکایا جاسکتا ہے عرض کیا، یہ لاکھی میرے لیے بڑی مفید چیز ہے۔

مفسرین کرام بحث کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا جلال اور دہشت طاری تھی، اور اللہ تعالیٰ اس سوال کے ذریعے اُس دہشت کو دور کرنا چاہتے تھے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کسی بچے کے ہاتھ میں کوئی پھل یا کوئی کھلونا ہو اور اُس پر خوفزدگی کی حالت طاری ہو تو دیکھنے والا اُسے ہلانے کے لیے سوال کرے کہ دیکھو! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ سوال کا منشاء یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اچھی طرح یقین ہو جائے کہ یہ وہی لاکھی ہے جسے وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور یہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ ہو سکتا تھا کہ لاکھی کی ہدایت تبدیل ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو شبہ پیدا ہو جاتا کہ انہوں نے لاکھی کی بجائے کسی اور چیز کو پکڑ رکھا تھا، لہذا اللہ نے اچھی طرح تسلی کر دی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاکھی ہی ہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاکھی ہی ہے تو اللہ نے فرمایا قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰی اے موسیٰ! اس لاکھی کو نیچے پھینک دو۔ فَالْقٰهَا پس موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاکھی اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دی۔ فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ قسبی پس اچانک وہ دوڑا ہوا سانپ تھا۔ اُس لاکھی کی ہیئت یکدم بدل گئی اور وہ سانپ بن گیا جو زندہ تھا اور اِدھر اِدھر دوڑ رہا تھا قرآن پاک میں لاکھی کے سانپ بن جانے کے متعلق تین قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس مقام پر حیۃ کا لفظ

لاکھی سانپ  
بن گئی

ہے جو بڑے چھوٹے ہر قسم کے سانپ کو کہا جاتا ہے کسی جگہ جان کا لفظ ہے جو لمبے اور پتلے سانپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور کہیں ثعبان ہے جس کا معنی اژدھا یعنی بہت بڑا جسم سانپ ہوتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ لاٹھی سے بننے والا سانپ عام طور پر تو چھوٹا سا سانپ ہی ہوتا تھا، لیکن جب کسی دشمن کے مقابلے میں ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن جاتا تھا۔ بہر حال جب لاٹھی کو نیچے پھینکا گیا تو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔

انقلاب  
ماہیت

لاٹھی کا سانپ بن جانا انقلاب ماہیت کہلاتا ہے جب تک وہ لاٹھی کسی درخت کا حصہ تھی تو اس میں زندگی کے آثار موجود تھے، وہ درخت کی جڑوں کے ذریعے خوراک بھی حاصل کرتی تھی اور پتوں کے ذریعے آکسیجن بھی لیتی تھی۔ خوراک اور آکسیجن انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کے لیے لازمی ہیں، ورنہ زندگی قائم نہیں رہ سکتی، مگر جب وہ لاٹھی درخت سے الگ ہو کر خشک لکڑی کی حیثیت اختیار کر گئی تو وہ بے جان ہو چکی تھی جیسے کوئی پتھر یا لودھا وغیرہ ہو۔ یہ ایک مردہ حقیقت تھی، مگر جب اس کی ماہیت تبدیل ہوئی تو وہ سانپ کی شکل میں ایک زندہ حقیقت بن گئی۔ یہ ایک معجزہ تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور کسی انسان کے بس کی بات نہیں کوئی بڑے سے بڑا سائنسدان بھی آج تک کسی مردہ جسم میں جان نہیں ڈال سکا۔ سائنس کے شعبہ کمپیٹری کے ماہرین مرکبات تیار کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ کوئی سی دو یا زیادہ چیزیں ملا کر تیسری چیز بنا لیتا قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے مگر آج تک کمپیٹری کا کوئی ماہر سوٹا یا چاندی بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مشہور ہے کہ ہر ناکامی پر کہیا گئے ہیں، کہ ”صرف ایک آج کی کسر رہ گئی ہے“ وہ کسر نہ آج تک پوری ہوئی ہے اور نہ سوٹا تیار ہوا ہے۔ اور آگے بھی قیامت تک یہ کسر پوری نہیں ہوگی



اسی لیے امام غزالیؒ کا قول ہے مَنْ تَتَّبَعَ الْكَيْمِيَاءَ أَفْلَسَ جو شخص کیمیا گری کے پیچھے پڑ گیا، وہ مفلس ہو گیا۔ ایسا شخص تجربات میں اپنی پونجی ضائع کر بیٹھے گا۔ مگر سونا نہیں بن سکے گا۔ بہر حال خشک لکڑی کی لاکھی کو زندہ سانپ میں تبدیل کر دینا کسی انسان کا کام نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا ہوا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام  
کی خوفزدگی

جب موسیٰ علیہ السلام کی لاکھی سانپ بن گئی تو آپ پر خوفزدگی کی حالت طاری ہو گئی قَالَ خُذْ هَذَا وَلَا تَخَفُ اللّٰهُنَّ فرمایا، اے موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ نے نبوت و رسالت عطا فرمائی تھی اور خوف کھانا تو نبی کی شان نہیں، پھر یہ کیسے ہوا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ خوف عقلی اور عقیدے کے اعتبار سے نہیں تھا، بلکہ طبعی خوف تھا۔ اور طبعی لوازمات تمام انبیاء میں پائے جاتے ہیں جو کہ منصب نبوت کے منافی نہیں۔ موت و حیات، بیماری اور تندرستی، کھانا پینا، رونا ہنسا، خوشی اور غمی اور اسی طرح خوف و دہشت طبعی امور ہیں جو تمام انسانوں بشمول انبیاء پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی سانپ کو دیکھ کر خوفزدگی نبوت کے منافی امر نہیں تھا۔

مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں فرماتے ہیں کہ خوف دو اطراف سے ہوتا ہے۔ اگر یہ خوف مخلوق کی طرف سے ہو تو اللہ کا نبی خوفزدہ نہیں ہوتا، اور اگر یہی خوف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو تو اللہ کا نبی بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔ مژدہ کے حکم پر آپ کو بربہنہ کر کے اور اچھی طرح جکڑ کر آگ میں پھینکا گیا۔ مگر آپ پر خوف طاری نہ ہوا کیونکہ یہ کاروائی مخلوق کی طرف سے کی گئی تھی۔ ہاں! اگر خوف والی بات اللہ کی طرف سے ہو تو پھر اللہ کے نبی

بھی ڈر جاتے ہیں کہ کہیں اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے قہر کا نزول نہ ہو۔ تھوڑے  
 شریف ہیں آتا ہے کہ جب کالی گھٹائیں چھا جائیں یا تیز بارش آتی تو حضور  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام بے چین ہو جاتے اور اس بے چینی کی وجہ سے کبھی اندر  
 جاتے اور کبھی باہر تشریف لاتے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، حضور !  
 لوگ بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے بارانِ رحمت ہوگی مگر  
 آپ پر غم و خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، عائشہؓ!  
 میں اس بات سے خوف کھاتا ہوں کہ یہ بادل ایسا ہی نہ ہو۔ جیسا قوم عاد پر  
 اٹھا تھا۔ قحط سالی کے دوران کالی گھٹائیں دیکھ کر وہ بھی بڑے خوش ہوئے  
 تھے کہ اب بارش آئے گی، زمین میں ہریالی آئے گی، ان کی فصلیں اور  
 درخت بار آور ہوں گے اور قحط سالی دور ہو جائے گی، مگر اللہ نے پانی  
 کی بجائے ان بادلوں کے ذریعے آگ برسا کر اس قوم کو بھسم کر دیا تھا۔ فرمایا، بادل  
 دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ بھی رحمت کی بجائے زحمت کے بادل  
 نہ ہوں۔ بہر حال لاٹھی کو سانپ میں تبدیل کر دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف  
 سے تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام پر خوفزدگی کی حالت طاری ہو گئی، تو  
 اللہ نے فرمایا، موسیٰ! ڈرو نہیں بلکہ اسے پکڑ لو۔ یہ سانپ تمہیں کوئی نقصان  
 نہیں پہنچائے گا۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں موسیٰ  
 علیہ السلام نے سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لیا کہ  
 کہیں یہ دس نہ دے، مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کو بلا خوف پکڑ لو سَبِّحْہَا  
 سَبِّحْہَا اَوَّلًا ہم اس سانپ کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیں  
 گے۔ چنانچہ جو بنی موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کے جڑے میں اپنا ہاتھ  
 ڈالا، وہ فوراً لاکھی بن گیا۔



اب وہ سانپ نہیں تھا بلکہ وہی درشاخہ لالٹھی تھی جو اکثر  
موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی گویا یہ پہلی نشانی یا معجزہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام  
کو عطا ہوا۔

یہ بڑیا

اب اللہ تعالیٰ نے دوسری نشانی کے لیے فرمایا وَاضْمُمْ  
يَدَكَ اِلَى جَنَاحِكَ اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کے اندر یعنی بغل میں  
رکھو تَخْرُجُ بَيْضًا پھر اُسے نکالو گے تو یہ بالکل سفید اور روشن ہوگا  
سورج کی طرح چمکدار ہوگا صُتْ غَيْرَ سُوِّءٍ فرمایا اس کی یہ بات  
بغیر کسی خیب کے ہوگی مطلب یہ کہ تمہارا ہاتھ اس طرح سفید نہیں ہوگا  
جس طرح برص کے مریض کے جسم کا بعض حصہ سفید ہو جاتا ہے یہ تو بیماری  
ہے جس کا علاج نہ تو قدیم زمانے کے یونانی اطباء کر سکتے اور نہ آج کے ماہر  
ڈاکٹر اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ فرمایا اس قسم کی بیماری والی سفیدی نہیں بلکہ  
تمہارا ہاتھ سورج کی سی چمک دمک کا حامل ہوگا۔ اَيُّهُ اُخْرٰى یہ تمہاری  
نبوت و رسالت کی دوسری نشانی ہے۔

فرمایا اللہ نے یہ دو نشانیاں تمہیں خاص طور پر عطا فرمائی ہیں لِيُنْزِلَ  
مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی نشانیوں  
میں سے بعض۔ یہاں پر مِنْ بلعوضہ ہے۔ یعنی ہم تمہیں جو بڑی بڑی  
نشانیاں دکھلانا چاہتے ہیں۔ اُن میں سے دو یہ ہیں گویا عصا کا سانپ  
بن جانا یا یہ بڑیا کا ظاہر ہونا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور یہ  
کسی انسان کا کام نہیں۔ جادوگر اس قسم کے شعبہ سے دکھاتے ہیں۔ مگر  
اُن کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی بلکہ محض نظر بندی کی وجہ سے کسی چیز کی ہمت  
تبدیل شدہ نظر آتی ہے۔ یہ محض ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے وگرنہ حقیقت  
تبدیل نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی لالٹھی  
کی ماہریت کو سانپ میں تبدیل کر دیا تھا۔

فرعون کے  
لیے تبلیغ

یہ دو نشانیاں عطا کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کی خوفزدگی دُور ہو گئی۔ اب  
اللہ نے حکم دیا اِذْ هَبْ اِلَیْهِ فِرْعَوْنَ فرعون کے پاس جاؤ اِنّے  
طغی کیونکہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و  
رسالت عطا کرنے کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ فرعون کے پاس جا کر حق تبلیغ ادا  
کرو۔ اُس کے سامنے اللہ کی توحید بیان کرو اور اُسے ایمان لانے کی دعوت  
دو۔ اس واقعہ کو مختلف سورتوں میں مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا  
ہے۔ آگے آرہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام  
کو بھی فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا۔ یہاں پر اللہ نے بنیادی طور پر موسیٰ  
علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر اُن کی درخواست پر ہارون علیہ السلام  
کو بھی معاہدہ کے طور پر ساتھ جانے کا حکم دیا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ②۵ وَبَسِّرْ لِي أَمْرِي ②۶  
 وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ②۷ يَفْقَهُوا قَوْلِي ②۸  
 وَاجْعَلْ لِّي زَئِيرًا مِّنْ أَهْلِي ②۹ هَارُونَ أَخِي ③۰  
 اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ③۱ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ③۲ كَيْ نُسَبِّحَكَ  
 كَثِيرًا ③۳ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ③۴ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ③۵  
 قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَى ③۶

ترجمہ :- کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! کٹاؤ میرے  
 میرے لیے میرے سینہ ②۵ اور آسان کر دے میرے لیے میرا  
 معاملہ ②۶ اور کھول دے گمراہ میری زبان سے ②۷ تاکہ سمجھیں لوگ  
 میری بات کو ②۸ اور بنا دے میرے لیے وزیر (معاون) میرے  
 گھر والوں میں سے ②۹ ہارون میرے بھائی کو ③۰ اور مضبوط  
 کر دے اُس کے ذریعے میری کمر ③۱ اور شریک کر اُس  
 کو میرے کام میں ③۲ تاکہ ہم تسبیح بیان کریں تیری کثرت  
 سے ③۳ اور ذکر کریں تیرا کثرت سے ③۴ بیشک تو ہمارے حال  
 کو دیکھنے والا ہے ③۵ فرمایا (اللہ نے) تحقیق دیا گیا ہے

تجھے تیرا سوال، اے موسیٰ! ③۶

ربط آیات

موسیٰ علیہ السلام مدین سے سفر کرتے ہوئے وادی مقدس طویٰ میں پہنچے تو وہاں

پر آپ کے سامنے حجابِ ناری یا حجابِ نوری ظاہر ہوا، اور اللہ نے آپ کے کلام کیا۔

پھر اللہ نے اپنی وحدانیت کا ذکر کر کے حکم دیا کہ اے موسیٰ خاص میری عبادت  
 کرو، نماز قائم کرو اور وقوع قیامت پر یقین رکھو۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ  
 جو لوگ وقوع قیامت کے منکر یا اس میں شک و تردد کا شکار ہیں آپ  
 اُن سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ فرمایا، قیامت کے دن ہر نفس کو اُس کے  
 کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی  
 لاکھٹی کے متعلق سوال کیا اور پھر لاکھٹی کے سانپ بن جانے کا معجزہ ظاہر  
 کیا۔ اللہ نے یہ بیضا کا معجزہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ یہ دو بڑی نشانیاں  
 دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔  
 اور اُسے اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ کرو کیونکہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے۔ اب  
 آج کے درس میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے پروردگار  
 کے سامنے کی اور اپنے مفوضہ کام میں آسانی چاہی۔

شرح حدیث  
 کی دعا

جب موسیٰ علیہ السلام جان گئے کہ اللہ نے انہیں نبوت و رسالت سے  
 سرفراز فرمایا ہے اور اُن کے ذمے ایک بہت بڑا کام لگایا ہے تو اس  
 راستے کی تمام مشکلات اُن کے سامنے آگئیں جن سے عمدہ ہوا ہونے کے  
 لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی۔ قَالَ رَبِّ امْشُرْ لِي  
 صَدْرِي، عرض کیا، اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے، تاکہ اس میں کوئی  
 گھٹن یا تنگی باقی نہ رہے۔ مولا کریم! میرے اندر علم، بردباری اور برداشت  
 کا مادہ پیدا کر دے، تاکہ میں اس راستے میں آنے والی تمام مشکلات پر قابو  
 پاسکوں۔ آپ جان چکے تھے کہ تبلیغ دین کے سلسلے میں مختلف قسم کے  
 لوگوں سے واسطہ پڑے گا اور بہت سی خلاف طبع چیزیں عسی سامنے آئیں  
 گی جن کو برداشت کرنے کے لیے عزم و حوصلے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ  
 موسیٰ علیہ السلام نے یہی دعا کی کہ میرا سینہ کھول دے تاکہ میں تمام مشکلات  
 کا شادہ روئی اور خندہ پیشانی سے سامنا کر سکوں۔ چنانچہ جیسا کہ آگے آ رہا ہے



اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے شرح صدہ کی نعمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی دعا کے نتیجے میں عطا فرمائی تھی جب کہ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے از خود بطور احسان حبلیا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الم نشرح - ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ (از خود) کھول نہیں دیا؟ تاکہ آپ تبلیغ دین کے راستے میں آنے والی تمام مشکلات کو عبور کر سکیں۔ سورۃ الزمر میں اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں بھی شرح صدہ کا ذکر ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ نَّوْرِ رَبِّہٖ (الزمر ۲۲) مہلّا جس شخص کا سینہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو، اور وہ اپنے پیور دگار کی طرف سے روشنی پر ہو، تو کیا وہ سخت دل کا فرد کی طرح ہو سکتا ہے؟ بہر حال سینے کی کٹا دگی خدا تعالیٰ کا انعام ہے، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا کی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَکَيْسَرٌ لِّتِ اَمْرِیْ مولا کو یمیم! جو کام تو نے میرے سپرد کیا ہے اُس کو میرے لیے آسان فرما دے۔ یہ دو دعائیں تھیں جو ہر مومن اپنے لیے اللہ کے حضور کرتا ہے۔ شرح صدہ اور معاملات میں آسانی ہر مومن کی ضروریات میں داخل ہیں۔

آگے تیسری دعا کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی۔ آپ کی زبان میں قدرے لکنت تھی جسے دور کرنے کے لیے آپ نے عرض کیا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ اے پروردگار! میری زبان کی گمراہ کھول دے۔ زبان کی لکنت کے متعلق مفسرین کرام دو مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں پیدا شدہ طور پر یہ گمراہ تھی جبکی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی تاہم عام طور پر مفسرین ایک دوسری وجہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون بڑا مفسد تھا، اسے اپنے مال و دولت پر بڑا گھمنہ تھا۔ زیب و زینت کا ہر سامان

زبان کی  
لکنت

استعمال کرتا تھا۔ ہیرے اور جواہرات پہنتا تھا اور داڑھی کی خوبصورتی کے لیے  
 اُس پر سونے کا پردہ لگاتا تھا۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بچپن میں فرعون کے  
 پاس کھیل رہے تھے کہ اچانک انہوں نے فرعون کی داڑھی میں ہاتھ مار دیا،  
 جس سے داڑھی کا بناؤ سنگھار خراب ہو گیا۔ فرعون نے اس حرکت کو اپنی  
 داڑھی کی توہین پر محمول کیا اور بچے کو قتل کرنا چاہا مگر مومنہ بیوی آسیہ نے کہا کہ  
 یہ بچہ ہے، بھلا اسے کیا شعور ہے۔ جب فرعون کا اصرار بڑھا تو بیوی نے  
 ایک ترکیب نکالی۔ کہنے لگی اگر بچے کے شعور کا امتحان لینا ہے تو اس کے  
 سامنے ایک طشت میں ہیرے جواہرات رکھ دو اور دوسرے میں بھلتے  
 ہوئے کوئلے ڈال دو، اور پھر دیکھو کہ بچہ کون سی چیز کو پسند کرتا ہے۔  
 فرعون کو بیوی کی یہ تجویز پسند آئی اور اُس نے یہ تجربہ کر کے کافی صدمہ کیا۔ موسیٰ  
 علیہ السلام کے سامنے دونوں طشت رکھے گئے۔ ایک میں جواہرات تھے اور  
 دوسرے میں بھلتے ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھلتا ہوا کوئلہ پکڑ کر منہ میں ڈال لیا  
 زبان جل گئی، اور اس میں گریہ پڑ گئی جو آپ کی لکنت کا باعث بنی۔ تاہم فرعون  
 کی سمجھ میں بات آگئی اور اُس نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔  
 بہر حال آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! میرا سینہ کھول، میری  
 زبان کی گریہ دور کر دے يَفْقَهُوا قَوْلِي تاکہ یہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔  
 دوسری خاص دعا جو موسیٰ علیہ السلام نے کی، وہ یہ تھی وَاجْعَلْ لِّي  
وَزِيرًا مِّنْ اَهْلِي اور بنائے میرے لیے وزیر یا معاون میرے گھر  
 والوں میں سے۔ اور وہ کون ہو؟ هَارُونَ اخي وہ میرے بھائی ہارون  
 ہیں۔ وزیر کا لغوی معنی بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے۔ وزیر چونکہ امور مملکت  
 میں بادشاہ یا امیر کا معاون بن کر اُس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اس  
 لیے وزیر کہلاتا ہے۔ ہر سربراہ مملکت کے لیے وزیر کا ہونا ضروری ہے  
 کیونکہ وہ اکیلا تمام امور انجام نہیں دے سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ

لہارون علیہ السلام  
 بطور معاون

اللہ تعالیٰ جس حاکم کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، اس کے لیے اچھا وزیر متعین کرتا ہے تاکہ اچھا مشورہ دے کہ امورِ سلطنت میں محد و معاون بنے اور جس امیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ نہیں رکھتا، اُس کو وزیر بھی بُرے ہی ملتے ہیں، جو اُسے غلط مشورے دیکر امورِ مملکت میں خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ اکثر و بیشتر وزراء ایسے ہی ہوتے ہیں جو قومی اور ملکی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں، خوشامدی ہوتے ہیں اور امیر کو غلط راہ پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اچھا وزیر ملک کی بہتری کا ضامن ہوتا ہے جب کہ بُرا وزیر بربائی کی علامت ہوتا ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے معاون اور وزیر کے طور پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا۔

پھر عرض کیا کہ مجھے ایسے معاون کی ضرورت ہے اَشَدُّ دُبَّةً اَزْدِيَّ جس کے ذریعے میری کمر مضبوط ہو۔ کمر کی مضبوطی سے مراد یہ ہے کہ تمام امورِ سلطنت احسن طریقے سے انجام پاتے رہیں اور ان میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہو۔ اگر سلطنت کے کام ڈھیلے ڈھالے ہوں گے تو یہ کمر کی کمزوری پر دلالت کرے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کے ذریعے میری کمر مضبوط فرماؤ وَ اَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِ حِی اور اُسے میرے کام میں شریک فرمادے، نبوت و رسالت کے امور میں شراکت کی درخواست ایک عظیم سفارش تھی۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ہے کہ مجھے بھائی کی بطور معاون اس لیے بھی ضرورت ہے هُوَ اَفْصَحُ رَیْحٍ لِّسَانًا (القصاص - ۳۴) کہ وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے وہ اپنا مافی الضمیر بہتر طریقے پر پیش کر سکتا ہے۔ لہذا تبلیغ دین اور لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے میرے بھائی کو میرا معاون و مددگار بنادے۔ عرض کیا کہ نَسَبُكَ كَثِيْرًا اس انعام کے شکریہ کے طور پر ہم تیری زیادہ تسبیح بیان کریں گے وَ نَذْكُرُكَ كَثِيْرًا اور تیرا

کثرت سے ذکر کریں گے اِنَّكَ كُنْتَ بِمَا يَصِيرُ اَبَشِك تو ہمارے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے۔ تو ہماری حالت اور ضرورت کو جانتا ہے مولا کریم! میری یہ دعا قبول فرما۔

دعا موسیٰ علیہ السلام کہ ہے میں مگر اسنوں نے اللہ کی تسبیح و تہلیل میں ہارون علیہ السلام کو بھی شامل کر دیا ہے کہ ہم دونوں۔۔۔ کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں گے اور کثرت سے تیرا ذکر کریں گے۔ فرد واحد اکیلا ہوتا ہے جب کہ دو میں اجتماعیت پائی جاتی ہے جو کہ بہت بڑی چیز ہے۔ جو کام ایک آدمی نہیں کر سکتا، وہ دو مل کر کر لیتے ہیں اور جو دو سے نہیں ہو پاتا، اسے جماعت مل کر انجام دیتی ہے۔ گویا اجتماعی امور کے لیے جماعت کا ہوا ضروری ہے۔ تمام اہم کام جماعت کے ذریعے انجام پاتے ہیں، لہذا موسیٰ علیہ السلام نے تسبیح و تہلیل کے لیے دونوں کا ذکر کیا۔

اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ قَدْ اَوْتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰی اے موسیٰ علیہ السلام! تحقیق دیا گیا ہے تجھے تیرا سوال مطلب یہ کہ اللہ نے تمہاری دعا قبول کر کے تمہاری مطلوبہ چیز عطا کر دی ہے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، آپ کے کام میں آسانی پیدا کر دی ہے، زبان کی گہرہ کسی حد تک کھول دی ہے اور تمہارے بھائی ہارون کو تمہارا معاون بنا دیا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی گہرہ مکمل طور پر نہیں کھولی گئی تھی بلکہ اتنی مقدار میں دور کی گئی تھی جس سے بات کہہ نے میں آسانی پیدا ہو گئی تھی، اس کے باوجود کمیت کا کچھ حصہ آپ کی زبان میں باقی رہ گیا تھا۔ مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مکمل گہرہ کنائی کے لیے دعا ہی نہیں کی تھی۔ اگر ایسا کرتے تو مکمل شفا ہو جاتی۔ باقی دعا کو اللہ نے مکمل طور پر منظور کر لیا اور ہارون علیہ السلام کو نبی اور معاون بنا دیا۔ اس کے بعد آپ کو فتنہ عیون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے

دعا کی قبولیت



کا حکم ہوا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی بلکہ بہت بڑا کام تھا جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

---

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ۝۳۷ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ  
 اِمَّاكَ مَا يُوحَىٰ ۝۳۸ اِنْ اَقْدِفَ فِيْهِ فِي التَّابُوتِ فَاَقْدِفْ فِيْهِ  
 فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّكَ  
 وَعَدُوٌّ لَّاهٍ ۚ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۙ وَلِتُصْنَعَ  
 عَلٰى عَيْنِيْ ۝۳۹ اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَٰذَا  
 اَدْلُكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهُ ۚ فَرَجَعْنَاكَ اِلَىٰ اِمَّاكَ  
 كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۙ وَكَلَّمْتُ نَفْسًا فَجَنَّدَكَ  
 مِنَ الْغَمِّ وَفَتَّيْتُكَ فُتُوْنًا ۙ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْ  
 اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ لِّمُوسٰى ۝۴۰  
 وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝۴۱

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا آپ پر ایک مرتبہ

اور ۳۷ جب کہ ہم نے وحی بھیجی تیری والدہ کی طرف جو

وحی بھیجی گئی ۳۸ کہ ڈال دے اس (بچے) کو تابوت میں

اور پھینک دے اس کو دریا میں۔ پس ڈال دے گا دریا اس

کو کنارے پر۔ اٹھا لے گا اس کو میل دشمن اور اس (بچے) کا دشمن

اور میں نے ڈال دی تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ

پرورش کی جائے تیری میرے سامنے ۳۹ جب کہ چل رہی

تھی تمھاری بہن، اور وہ کہتی تھی کہ کیا میں بتلاؤں تمھیں وہ شخص جو اس (بچے) کی کفالت کرے۔ پھر پٹایا ہم نے تجھے تیری والدہ کی طرف تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اور وہ غلین نہ ہو۔ اور قتل کیا تو نے ایک جان کو۔ پھر ہم نے بچایا تجھے غم سے اور آزمایا ہم نے تجھے مختلف آزمائشوں سے۔ پھر محضراً تو کئی سال تک مدین والوں میں۔ پھر آیا تو ایک اندازے سے اے موسیٰ! (۴۰) اور میں نے تجھے منتخب کیا خاص اپنی ذات کے لیے (۴۱)

رابطہ آیات

موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر وادی طویٰ میں پہنچے تو آپ کو اللہ نے نبوت رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو شرف ہمکلامی حاصل ہوا۔ اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوتے وقت آپ کو اپنے راستے میں جو مشکلات نظر آئیں، ان سے عہدہ برائے ہونے کے لیے آپ نے اللہ کے حضور دعا کی۔ آپ نے اپنی زبان کی گرہ کشائی، اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے تعاون اور سائے مہمانی کی آسانی کے لیے اللہ رب العزت سے درخواست کی۔ اللہ نے جواباً فرمایا کہ تمھاری دعا قبول کر لی گئی ہے اور اس طرح تمھارے سوال کو پورا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے ہارون علیہ السلام کو منصبِ رسالت پر فائز کیا، زبان کی لکنت کسی حد تک دور کردی اور تبلیغ رسالت کے راستے میں آنیوالی تمام مشکلات کو آسان بنانے کا وعدہ فرمایا۔

وحی بطرف  
ام موسیٰ

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دوسرے احسانات کا ذکر کیا ہے جو اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ اور ہم نے آپ پر دوسری مرتبہ بھی احسان فرمایا۔ اس احسان کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کی بچپن کی زندگی سے ہے۔ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ مَا يُوْحٰی جِب کہ ہم نے وحی کی تمھاری والدہ کی طرف جو کچھ بھی وحی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ کسی غیر نبی کی طرف وحی نبوت نہیں بھیجتا۔ عورت ہونے کے ناطے سے موسیٰ علیہ السلام

کی والدہ نبی نہیں تھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِّیْهِمُ الرِّسَالَہِ (یوسف، ۱۰۹) آپ سے پہلے ہم نے صرف مردوں پر ہی وحی بھیجی ہے۔ البتہ بطور الہام وحی غیر نبی حتیٰ کہ عورت پر بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ مریمؑ کے متعلق فرمایا فَارْسَلْنَا إِلَیْهَا رُوحَنَا (مریم - ۱۷) ہم نے اُس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ ایسی وحی، الفا کشف، غیبی آواز یا فرشتے کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

صاحب کشف کتنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وحی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کی، وہ براہ راست نہیں تھی بلکہ اُس وقت کے نبی یا رسول کی معرفت کی گئی تھی۔ اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف وحی کی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِیِّتِ زَالَمٰئِدَہِ - ۱۱۱ اور اُس واقعہ کو یاد کرو جب کہ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف وحی کی۔ اور یہ وحی عیسیٰ علیہ السلام کی فطرت سے ہی ہوئی تھی۔ اسی طرح اللہ نے اپنے کسی نبی یا رسول کی معرفت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اسم موسیٰ کی طرف وحی بذریعہ خواب کی گئی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ بات سمجھا دی ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف اپنی وحی بھیجی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ احسان بھی فرمایا کہ پیدائش کے فوراً بعد ان کی حفاظت کی اور انہیں قتل ہونے سے بچا لیا۔ مفسرین کو اسم فرماتے ہیں کہ فرعون نے ایک خود ساختہ اصول یہ بنا رکھا تھا کہ ایک سال پیدا ہونے والے اسرائیلی بچوں کو قتل کر دینا اور دو سال کے بچے پیدا ہونے والوں کو زندہ رہنے دینا۔ اُس کی یہ کارگزاری اس بناء پر تھی کہ کسی بچہ کو یا شیروں نے اُس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ عبرانیوں میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ چنانچہ اُس نے



نوزائیدہ اسرائیلی بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے نبی اسرائیل کو خطاب کر کے یاد دلایا ہے کہ اُس وقت کو یاد کرو جب میں نے فرعونوں سے تمہیں نجات دلائی، اُن کا ظلم و ستم اس انتہا کو پہنچ چکا تھا يَذَّبِحُونَ اِنْسَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ (آیت ۴۹) کہ وہ تمہارے بچے قتل کر دیتے تھے اور تمہاری بچیاں زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے لیے تمہارے پیر و رگزار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں حفاظت کر کے دوسرا احسان کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بذریعہ وحی یہ تدبیر سمجھائی کہ اگر بچے کو فرعونی قتل سے بچا جائے۔ اِنْ اَقْدِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ تو اس کو کسی تابوت (صندوق) میں بند کر دو فَاَقْدِفِيْهِ فِي الْيَمِّ اور اس صندوق کو دریا میں بہا دو فَلْيُلْقِه الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ دریا اسے کسی ساحل پر پھینک دے گا يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ پھر اس تابوت کو میرا اور اس بچے کا دشمن (فرعون) پکڑ لے گا۔ اور اس طرح اس کی جان بچ جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے وحی الہی کی تدبیر پر عمل کیا۔ بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا کے نیل میں ڈال دیا۔ صندوق دریا میں بہتا ہوا فرعون کے محل کے قریب پہنچا۔ اُس وقت فرعون کی بیٹی غسل کر رہی تھی۔ اچانک اُس کی نظر صندوق پر پڑ گئی تو نوکرانی کو حکم دیا کہ اس کو باہر نکال لاؤ۔ جب صندوق کو کھولا گیا تو اس میں ایک خوبصورت نوزائیدہ بچہ تھا۔ فرعون کی بیوی آسیہ بڑی صالح خاتون تھیں جن کا تعلق عبرانی خاندان سے تھا۔ اُس نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اس بچے کو قتل نہ کرو۔ بچہ ہونا معلوم ہوتا ہے عَسَىٰ اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذْهُ وَلَدًا (قصص - ۹) ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے۔ یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور اس

طرح موسیٰ علیہ السلام کی جان بچ گئی۔

کفالت کا مسئلہ

فرمایا ایک تو تمہاری جان بچائی اور دوسرا تمہاری کفالت کا انتظام بھی خود تمہاری والدہ ہی کے سپرد کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّمِّيَّ اور میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈال دی۔ جو بھی اس خوبصورت چہرے کو دیکھتا محبت کرنے لگتا۔ اور یہ اس وجہ سے وَلِنُصْنَعَ عَلَيَّ عَيْنِي تاکہ میری آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کی جائے اور یہ ورش کی صورت یہ پیرا کی۔ إِذَا تَمْشِي أَخْتُكَ جب تمہاری والدہ نے صندوق کو دریا میں بہا دیا تو تمہاری بہن اس صندوق کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی تاکہ دیکھ سکے کہ یہ صندوق کس کے ہاتھ آتا ہے اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ والدہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی بہن صندوق کو نگاہ میں رکھے ہوئے اس طرح چلتی رہی کہ کسی کو شبہ بھی نہ پڑے کہ یہ صندوق کی نگرانی کر رہی ہے۔ بائبل کے بیان کے مطابق یہ بہن موسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سال بڑی تھی۔

سورۃ قصص میں اس واقعہ کی مزید تفصیل بھی ہے۔ بہر حال جب بچہ فرعون کے محل میں پہنچ گیا تو اسے دودھ پلانے کی کوشش کی گئی مگر اللہ نے فرمایا وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (قصص-۱۲) ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر دایوں کا دودھ حرام کر دیا۔ وہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ اتنے میں آپ کی بہن بھی اجنبی صورت میں وہاں پہنچ گئی۔ معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے ناصحانہ انداز میں کہا فَقُولْ أَهْلَ أَدْلُكُمْ عَلَيَّ مَنْ يَكْفُلُهُ کیا میں تمہیں وہ شخص بتاؤں جو اس بچے کی کفالت کر سکے؟ بائبل کی روایت کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے کہا، کیا میں عبرانیوں میں سے کسی عورت کو بلا لاؤں، شاید یہ بچہ اس عورت کا دودھ پی لے۔ گھر والوں نے اجازت دے دی تو

مریم اپنی والدہ کو بلا لائی، اُس نے آتے ہی بچے کو چھاتی سے لگایا تو بچہ دودھ پینے لگا۔ گھصروالوں کو بڑی خوشی ہوئی کہ بچے نے ایک عبرانی عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ تم اس بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ اس کا خرچہ ہم برداشت کریں گے۔ اور تمہیں اس کا معاوضہ بھی دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ گھصریں میرے اپنے بچے بھی ہیں جن کی دیکھ بھال کرنا ہوتی ہے لہذا اجازت دو تو میں اس بچے کو بھی اپنے گھصر میں لے جاؤں اور وہیں اس کی پرورش کروں۔ فرعون اور اُس کے گھصر والے اس پر رضا مند ہو گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جنمایا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام! اس تدبیر کے ذریعے فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ ہم نے تجھے تیری والدہ کی طرف لوٹا دیا۔ وَتَقَرَّبَ عَيْنُهَا تاکہ تمہاری والدہ کی آنکھ ٹھنڈی ہو وَلَا تَحْزَنَ اور وہ بچے کی جدائی کے غم میں منہموم نہ رہے۔ اللہ نے ایسے اسباب پیدا کیے کہ بچہ بھی واپس ماں کو مل گیا اور اس کے ساتھ ساتھ کفالت کی اجرت بھی ملنے لگی۔

دیگر  
احسانات

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر کیے جانے والے بعض دیگر احسانات کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ وَقَتَلْتَ قَتْلًا اور اس بات کو یاد کرو جب غم نے ایک جان کو قتل کر دیا۔ جب ایک عبرانی اور ایک قبیلہ آپس میں جھگڑا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم عبرانی کو چھڑانے کے لیے قبیلہ کو ایک سنگ مار دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، حالانکہ آپ کا ارادہ قتل کا نہیں تھا۔ یہ واقعہ آگے بیان ہو رہا ہے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ اس قبیلہ کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کر دیا تو وہ آپ کی جان کے لیے ہو گئے کسی واقعہ راز نے آپ کو خبردار کر دیا کہ سرکاری کارندے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آپ کی تلاش میں ہیں۔ لہذا آپ یہاں سے چلے جائیں چنانچہ آپ مصر سے مدین کی طرف چلے گئے۔ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ

نے یہاں فرمایا ہے فَخَيَّرْنَاكَ مِنْكَ الْغَمِّ هَمُّنَا تَمَحُّصِ غَمِّ  
سے نجات دی۔ تم مصر سے چلے گئے اور مدین میں تمہیں امن حاصل ہو گیا۔  
فرمایا وَفَدَّيْنَاكَ فَمَوَّنَا اور ہم نے تمہیں مختلف آزمائشوں میں ڈالا۔  
پیدائش کے وقت قتل ہونے سے بچایا۔ اپنی ہی والدہ کا دودھ بھی دیا کیا۔  
پھر قتلِ خطا کی آزمائش میں ڈالا، اس کے بعد مدین کے سفر کی آزمائش میں  
بتلا کیا۔ تاہم ان تمام آزمائشوں میں سرخرو فرمایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے  
خصوصی احسانات ہیں۔

پھر مدین کے حالات یاد دلاتے ہوئے فرمایا فَلَبِثْتَ سِنِينَ  
فِي أَهْلِ مَدْيَنَ پھر آپ کئی سال اہل مدین کے پاس رہے حضرت  
شعیب علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کی۔ اُن کی بیٹی سے نکاح کیا  
تَمَرَّجْتَ عَلَى قَدَرٍ يَمُوسَى پھر اے موسیٰ علیہ السلام! ایک  
اندازے کے مطابق آپ واپس آئے جب والدہ اور بھائی سے ملاقات  
کے لیے اپنی بیوی کے ہمراہ واپس مصر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے واوی طوی  
میں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي اور تجھے  
خاص اپنی ذات کے لیے منتخب کیا۔ تمہیں اپنے لیے پسند فرمایا۔ نبوت و  
رسالت عطا فرمائی اور اپنے خاص مقررین میں شامل کیا۔ سورۃ اعراف میں ہے  
إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَ لَا حِجِّي  
ز آیت (۱۴۴) میں نے تمہیں لوگوں میں سے نبوت و رسالت کے لیے  
منتخب کیا اور تجھے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے ان احسانات کا  
ذکر کیا۔ اور پھر آگے تبلیغ پر مامور کرنے کی بات آرہی ہے۔



قال العبرۃ  
دریں مضمون

طہ ۲۰  
آیت ۲۲ تا ۲۸

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاخْوُكَ بِاَيَّتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿٢٢﴾  
اِذْهَبَا اِلَىٰ فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰ ﴿٢٣﴾ فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا  
لِّمَنَّا لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰ ﴿٢٤﴾ قَالَا رَبَّنَا اِنَّا  
نَخَافُ اَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰ ﴿٢٥﴾ قَالَ لَا  
تَخَافَا اِنِّي مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٢٦﴾ فَاتِيَا  
فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَارْسِلْ مَعَنَا بَنِيَّ اِسْرٰءِيْلَ  
وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ  
عَلٰى مَن اَتٰبَعَ الْهُدٰى ﴿٢٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحٰى اِلَيْنَا اَنْ  
الْعَذَابَ عَلٰى مَن كَذَّبَ وَتَوَلٰى ﴿٢٨﴾

ترجمہ :- جاؤ تم اور تمھارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ، اور  
نہستی کرنا میری یاد میں ﴿۲۲﴾ جاؤ تم دونوں فرعون کی طرف  
بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے ﴿۲۳﴾ تم دونوں اُسے کہو بات  
نرمی سے ۔ شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا وہ خوف کھائے ﴿۲۴﴾  
کہا اُن دونوں نے اے ہمارے پروردگار ! بیشک ہم  
خوف کھاتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی کرے یا وہ سرکش  
اختیار کرے ﴿۲۵﴾ فرمایا (اللہ نے) نہ خوف کھاؤ تم دونوں  
بیشک میں تمھارے ساتھ ہوں، میں سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ﴿۲۶﴾

پس جاؤ تم دونوں اس کے پاس پس کہو تم دونوں، بیشک ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے پروردگار کے۔ پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور اُن کو سزا نہ دے۔ تحقیق ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے پروردگار کی طرف سے اور سلامتی ہے اُس پر جس نے پیروی کی ہدایت کی ﴿۴۷﴾ تحقیق ہم پر وحی کی گئی ہے کہ بیشک عذاب اُس پر ہے جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی ﴿۴۸﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا واقعہ بیان کر کے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو تسلی دی ہے کہ مشکلات پیش آنے پر دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں۔ سورۃ ہذا کے نزول کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بڑی اذیتیں برداشت کر رہے تھے اور بعض حبشہ کی طرف ہجرت بھی کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر کیے جانے والے احسانات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اللہ نے آپ کو اپنا خاص تقرب عطا فرمایا، آپ کا کلام کیا نیر فرمایا وَاَصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے منتخب کیا ہے لہذا تم ہمہ وقت میری مرضیات پر چلتے رہو۔

ذکر الہی کی تلقین

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ ذکر الہی کو جاری رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخْوُكَ بِاٰیٰتِنَا اے موسیٰ! تم اور تمھارا بھائی فرعون کی طرف جاؤ۔ میری نشانیوں کے ساتھ۔ اصل خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے جنھیں بھائی ہارون علیہ السلام کا تعاون حاصل ہے جو آپ کو اپنی دُعا کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا۔ موسیٰ کے دو عظیم معجزات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اُن میں سے ایک معجزہ کنے فریے موسیٰ علیہ السلام کی لاکھی سانپ بن گئی تھی اور دوسرا معجزہ ید بیضا کا تھا۔ معجزہ اللہ تعالیٰ

کام فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اور کوئی نبی از خود کوئی معجزہ پیش کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بہر حال فرمایا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ، اور یاد رکھو وَلَا تَنسُوا فِ ذِکْرِیٰ میری یاد میں سستی نہ کرنا بلکہ ہمیشہ ذکر میں مصروف رہنا۔ ذکر الہی ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے اعمال خیر کی انجام دہی میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور انسان کے دل میں اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو دورانِ نماز اور اس کے علاوہ صبح و شام حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی ذکر الہی کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، آپ نے ارشاد فرمایا لَا یُزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ یعنی تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ (انفال - ۴۵) اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ذکر ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید (لیٹیشن) نہیں ہے۔

LIMITATION

)

سب آسان ذکر لسانی ہے انسان زبان کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ اللہ کی تسبیح و تہلیل کرنا، استغفار پڑھنا اور درود شریف کا ورد کرنا ہے۔ زبانی ذکر کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں، اُن کے قلب، روح اور لطائف باطنی بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں مگر یہ خاص لوگ ہوتے ہیں۔ صاحبِ حصن حصین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر بھی ذکر میں داخل ہے۔ فرمایا کُلُّ مُطِیْعٍ لِلّٰهِ فَهُوَ ذَاکِرٌ اللّٰہ تعالیٰ کی اطاعت بجالانے والا ہر شخص اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ ہر نیکی کا کام ذکر الہی میں شامل ہے۔ اسی لیے اللہ نے موسیٰ

اور ہارون علیہما السلام کو فرمایا کہ میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔

تبلیغ کے  
آداب

اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرمایا اِذْ هَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ  
اِنَّهُ طَغٰی ثُمَّ دَنُوْا فِرْعَوْنَ کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ سرکشی اختیار کر چکا  
ہے۔ یعنی وہ ظلم و استبداد میں حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ وہ رب اعلیٰ  
بن رہا ہے اس کے پاس جاؤ فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لِّیْنَا اور اس  
سے نرم لہجے میں بات کرو کیونکہ تبلیغ حق کے معاملہ میں نرم رویہ اختیار  
کرنا بہت بڑا اصول ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی یہی اصول اپنایا۔  
جہاں سختی کی ضرورت تھی وہاں آپ نے ذرا نرمی نہیں کی مگر جب تبلیغ  
کا مقام آیا تو نہایت نرم رویہ اختیار کیا۔ آپ عکاظ کی منڈی میں تشریف  
لے گئے۔ ادباً لڑکے آپ کو پتھر مارتے اور گالیاں دیتے تھے مگر آپ  
اسی زریں اصول پر کار بند رہتے ہوئے فرماتے تھے قَوْلًا لَا اِلٰهَ  
اِلَّا اللّٰهُ تَفْلِحُوْا لوگو! کلمہ طیبہ پڑھ لو، فلاح پا جاؤ گے کامیاب  
ہو جاؤ گے۔ مبلغین کے دستور العمل میں یہ بات شامل ہے کہ تبلیغ  
کے معاملہ میں سختی نہ کی جائے اور نہ کسی کے درپے ہوں، بلکہ احسن  
طریقے سے بات سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ اللہ نے فرمایا بَلِّغْ  
مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ - ۶۷) جو کچھ آپ  
کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ اُسے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ اِنْ  
عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوری - ۴۸) آپ کا کام صرف پہنچا دینا  
ہے اور آگے حساب لینا ہمارا کام ہے۔ وَلَا تَسْئَلْ عَنْ  
اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ (البقرہ - ۱۱۹) آپ سے دوزخ والوں  
کے متعلق سوال نہیں کیا جائیگا کہ وہ دوزخ میں کیوں گئے بلکہ یہ تو خود  
اُن سے پوچھا جائے گا کہ تم دوزخ میں کیوں آئے مطلب یہ کہ تبلیغ  
کے مقام میں سختی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔



اللہ نے فرمایا، فرعون کے پاس جا کر نرمی سے بات کرنا لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ  
 شاید کہ وہ نصیحت پکڑے اَوْ یَنْتَشِرْ بِاُذُنِہٖ۔ نرمی سے بات ہوگی۔ تو  
 شاید مخاطب سوچنے پر مجبور ہو جائے اور دعوت کی طرف دھیان دے۔ اس  
 کے برخلاف اگر بات درشتی کے ساتھ کی جائے گی تو معاملہ مزید بگڑ جانے  
 کا ڈر ہے۔ سورۃ نحل میں اللہ نے تبلیغ کا یہ اصول بیان فرمایا ہے اُدْعُ  
 اِلَی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْہُمْ  
 بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ (آیت ۱۲۵) اگر دوران تبلیغ بحث مباحثہ کی نوبت  
 بھی آجائے تو اخلاقی حدود کو قائم رکھتے ہوئے حکمت اور موعظہ حسنہ  
 کے طریقے سے بات کرو اور طعن و تشنیع کی بجائے خیر خواہانہ طرز عمل اختیار  
 کرو تاکہ مخاطب پر بات اثر انداز ہو۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے  
 بات کرنے کی نصیحت کی گئی۔

معیت  
خداوندی

جب دونوں بھائیوں کو تبلیغ حق کے لیے فرعون کے پاس جانے  
 کا حکم ہوا تَرَفَّقا اِنَّہٗم دُونُوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا رَبَّنَا  
 اِنَّا نَخَافُ اَنَّکَ یَفْرِطَ عَلَیْنَا ہِمَّ خَوْفٍ کَمَہَنتَہِیْ کہ فرعون  
 ہم پر کہیں زیادتی نہ کرے اَوْ اَنَّکَ یَطْلُبُ اِیَّوہِ سَکْرَتَیْ اختیار نہ کرے  
 ہم کمزور اور بے سرمسامان ہیں جب کہ اس کے پاس تمام وسائل ہیں۔  
 اس کے پاس فوج اور پولیس ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری بات  
 سُننے سے پہلے ہی ہمیں ظلم کا نشانہ بنانے لگے۔ اس کے جواب میں اللہ  
 نے تسلی دی فَ اِلَّا تَخَافُ کہ فرمایا تم دونوں خوف نہ کھاؤ اِنَّہِیْ  
 مَعَکُمَا کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں میری معیت حاصل ہے۔  
 اَسْمَحْ وَاِذِیْ میں تمہاری ہر بات کو سنتا ہوں اور تمام معاملات کو  
 دیکھتا ہوں۔ تمہاری کوئی بھی حالت مجھ سے مخفی نہیں ہے لہذا تم بلا خوف  
 و خطر فرعون کے پاس میرا پیغام لے جاؤ۔ ہم اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں

کہ اگر علاقے کا تھا پھر کسی نوکمرے کے فکرنہ کر، میں تمہارے ساتھ ہوں، تو اس کی کتنی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اور یہاں رب العلمین فرماتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم بلا خوف میرے حکم کی تعمیل کے لیے جاؤ، میری تائید و نصرت تمہیں حاصل ہوگی۔

ایسے کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو اپنی معیت کا وعدہ پہلے بھی فرمایا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے، تو آگے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر آ رہا تھا۔ اس موقع پر بنی اسرائیل کو پریشانی لاحق ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ کہہ کر تسلی دی **اِنَّ مَعَ رَجَبٍ سَيَكُونُ دِيْنٌ (الشعراء - ۶۲)** میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ ہماری رہنمائی فرمائے گا۔ وہ ہمارے بچاؤ کا ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔ کیونکہ ہم اُس کے حکم سے مصر سے نکلے ہیں۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام اور صدیق اکبرؓ غار ثور میں تھے تو کفار کی ایک جماعت غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ اگر وہ نیچے چھانک کر دیکھ لیتے تو پکڑ لیتے۔ اس موقع پر حضرت صدیقؓ کو پریشانی ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی **لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ - ۴۰)** خوف نہ کھائیں، ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ضرور ہماری حفاظت کرے گا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو کہا کہ ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم بلا خوف و خطر فرعون کے پاس جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ابیاد کو فرعون سے مذاکرات کے سلسلے میں مزید ہدایت دیں۔ فرمایا **فَاْتِيَا۟هُ تَمَّ دَوْلُوۡنَ اُسْ كَے پاس جاؤ فَقُوۡلَا اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ اور اس سے جا کر کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم خود بخود تیرے پاس نہیں آئے بلکہ اللہ نے ہمیں تمہارے پاس بطور رسول بھیجا ہے۔**

فرعون کے  
ساتھ  
مذاکرات

اور اللہ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم کی طرف اپنا رسول بھیجتا ہے تو رسول کی اطاعت قوم پر لازم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آگے سورۃ الشعراء میں آ رہا ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا فَادَّبُرَّا اللہَ وَاطِيعُوْہِ (آیت - ۱۶۳) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے باپ سے کہا تھا کہ میرے پاس ایک ایسا علم آچکا ہے جو تیرے پاس نہیں ہے فَاتَّبِعْنِیْ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا (مریم - ۴۳) میری پیروی کرو، میں تمہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کروں گا۔ مقصد یہ کہ رسول جب بحیثیت رسول خطاب کرتا ہے تو مخاطبین کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کی بات مانیں کیونکہ رسول کی بات کا انکار کفر میں داخل ہے تو اللہ نے اپنے دونوں نبیوں سے فرمایا کہ فرعون کے پاس جا کر سب سے پہلے اپنی حیثیت واضح کرو کہ ہم اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد دوسری بات یہ کہ تافارسل مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ پس بھج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو، یعنی ان کو آزاد کر دو وَلَا تَعُوْذُ بِہُمْ اِنَّہُمْ کُوْہِنُۢمۡ ذُرِّۤیۡۃٌ اُنۡ یَّطْعَمُوْنَ سَکِیْمَۃً اَیُّہُمۡ یَّکْفُرُوْنَ۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، میرے بندوں کو صحرا میں لے جاؤ تاکہ وہ اپنے عہد و پیمان کو تازہ اور مضبوط کر سکیں۔ اُن کو مصر سے نکال کر اُن کے اصلی وطن فلسطین و شام میں لے جاؤ جو مصر سے اڑھائی سو میل کی مسافت پر ہے۔ قوم فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے جانوروں کی طرح کام لیتے تھے اور اُن کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ اُن کو اذیت نہ پہنچاؤ، بلکہ آزاد کر دو تاکہ وہ اپنے اصلی وطن میں جاسکیں۔

آزادی انسان کا فطری حق ہے جب کہ غلامی غیر فطری چیز ہے۔ اب تو دنیا میں شخصی غلامی ختم ہو چکی ہے تاہم پرانے زمانے میں جنگ کے نتیجے

میں لوگ قیدی ہو کر آتے تھے تو انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ سلسلہ آگے چل پڑتا تھا، ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور ان سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اب شخصی غلامی کے برخلاف اجتماعی غلامی بھی دنیا میں بڑے پیمانے پر موجود ہے۔ آج بھی طاقتور ملک کمزور ملک کو اقتصادی غلامی میں جکڑ لیتا ہے یا پھر اپنے نظریات کا غلام بنا لیتا ہے۔ امریکہ اور روس جیسی سپر طاقتیں دنیا میں ہی کھیل کھیل رہی ہیں۔ اجتماعی غلامی شخصی غلامی سے بدتر ہے۔ اس میں قوموں کے ضمیر بگڑ جاتے ہیں۔ طاقتور قومیں محکوم قوموں کو مختلف طریقوں سے بدلانے عذاب رکھتی ہیں مگر ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکتا۔ آج چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بڑی قوموں کا کھلونا بنی ہوئی ہیں مگر ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ گذشتہ ۳۵ سال میں کم از کم بیس لاکھ فلسطینی موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ بیس لاکھ افغانیوں کو موت کی آغوش میں پہنچا یا جا چکا ہے۔ مگر کسی نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ دنیا میں مسلمانوں کی پچاس سے زیادہ ریاستیں بے بس ہیں۔ وہ خود امریکہ یا روس کی غلامی میں جکڑی ہوئی ہیں، اس لیے ان کی اپنی کوئی رائے نہیں اور نہ کوئی اپنی منصوبہ بندی ہے۔ لوگ خوش ہیں کہ بیرونی امداد سے ملک ترقی کر رہا ہے مگر وہ نہیں سمجھتے کہ نام نہاد ترقی کے سائے پلان سپر طاقتوں کے وضع کردہ ہیں جن میں قوم کا مفاد کم اور ان کا اپنا مفاد زیادہ ہے آج تک اسلامی نکتہ نظر سے کوئی پلان تیار نہیں ہوا جس سے مسلمانوں کا انفرادی یا اجتماعی مفاد وابستہ ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سائے عرب ممالک ایک ہی سلطنت کا حصہ تھے مگر اب بڑی طاقتوں نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ یہ دوبارہ متحد ہو کر دنیا کی عظیم طاقت کیوں نہیں بن سکتے۔ برصغیر میں پاکستان کی صورت میں ۱۳ کروڑ مسلمان اکٹھے ہو گئے تھے مگر غیر مسلم اقوام انہیں ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل ہوتا نہیں دیکھنا



چاہتی تھیں، لہذا بڑی گہری سازش کے ذریعے پاکستان کو دو لخت کر دیا گیا اور اب اسلامی نام بھی باقی نہیں رہا بلکہ بنگلہ دیش بن چکا ہے۔ اب اُن کی حالت گذشتہ مہفتے کے اخبارات میں آچکی ہے۔ کہ غربت کی وجہ سے دس لاکھ بنگالی عیسائیت کی گود میں جا چکے ہیں۔ یہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ادھر پاکستان کی حالت بھی یہ ہے کہ اقتصادی اور ذہنی طور پر امریکہ کے غلام بن چکے ہیں۔ ہم انہی کے دماغ سے سوچتے اور انہی کی سکیموں پر عمل درآمد کر رہے ہیں، بحیثیت مسلمان ہمارا کوئی تشخص باقی نہیں رہا۔ یہی حال دوسری مسلم ریاستوں کا بھی ہے۔ اللہ نے غلام کے متعلق فرمایا ہے لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ (النحل - ۷۵) وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ نہ اُس کا دماغ اپنا ہوتا ہے، نہ اخلاق۔ وہ ہر کام لینے آفا کے اشارے پر کرتا ہے، اس کا لباس، مکان، نشست و برخاست حتیٰ کہ گفتگو تک آفا کی تہذیب میں بدل جاتی ہے۔ لہو و لعب، کھیل تماشے، انت نیا فیشن سب غلامی کے اثرات ہیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت کو بھول چکے ہیں، یہ اقتصادی اور ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے

فرعون کو  
دعوتِ حق

اللہ نے فرمایا کہ فرعون کو کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور انہیں اذیت نہ پہنچائے۔ اس کے بعد فرعون پر واضح کرنا قَدْ جُئْنَا بِآيَةٍ مُّبِينَةٍ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں اگر تمہیں شک ہو تو ہم وہ نشانی پیش کر سکتے ہیں، تم اچھی طرح ہماری پہچان کر سکتے ہو۔ ہمارا نظریہ یہ ہے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰ بِحَقِّ الْاٰمَدٰی اور اُس پر سلامتی ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں اِنَّا قَدْ اَوْحٰی اِلَيْكَ بِشَاكٍ هِمَارِی طرف یہ وحی کی گئی ہے اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰی بیشک منرا اُس کو ملے گی جس نے حق کو جھٹلایا اور روگردانی کی۔

بیان تک موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی فرعون کے ساتھ  
 پہلے مرحلہ کی بات آگئی ہے۔ اس کے بعد فرعون کا سوال  
 وجواب آئے گا۔

---

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يُمُوسَى ④۹ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى  
 كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ⑤۰ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ  
 الْأُولَى ⑤۱ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ  
 رَبِّي وَلَا يَنْسَى ⑤۲ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا  
 وَوَسَّلَكَ لَكُمُ فِيهَا سُبُلًا وَانْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
 فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّى ⑤۳ كُلُّوا وَارْعَوْا  
 أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى ⑤۴ مِنْهَا  
 خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً  
 أُخْرَى ⑤۵

۱۰۰

ترجمہ :- کہا (فرعون نے) کون ہے تم دونوں کا پروردگار؟

موسیٰ ! ④۹ کہا (موسیٰ نے) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے

دہی ہے ہر ایک چیز کو اُس کی صورت اور پھر اُس کی

راہنمائی کی ہے ⑤۰ کہا (فرعون نے) کیا حال ہے اُن جماعتوں

کا جو پہلے گزری ہیں ⑤۱ کہا (موسیٰ نے) اُن کا علم میرے پروردگار

کے پاس ہے ، اور ایک نوشتہ میں لکھا ہوا ہے ۔ اور نہیں

بھٹکتا میلر پروردگار اور نہ بھولتا ہے ⑤۲ وہ جس نے بنائی

ہے تمھارے لیے زمین گہوارہ ، اور چلائے ہیں اس میں تمھارے

لیے راستے ۔ اور اُتار ہے اُس نے آسمان کی طرف سے پانی

پھر نکالے ہم نے اُس کے ساتھ طرح طرح کے مختلف پورے (۵۳) کھاؤ (خود) اور چڑاؤ اپنے جانوروں کو۔ بیشک البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۵۴) اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے (۵۵)

رابط آیات

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی اور پھر حکم دیا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے نرمی کے ساتھ تبلیغ کرو۔ ہماری نشانیاں بھی ہمراہ لے جاؤ تاکہ اگر اُسے کوئی تردد ہو تو اُسے دکھا سکو۔ یہ نشانیاں تمہاری صداقت کی دلیل ثابت ہونگی۔ فرعون سے گفتگو کا آغاز اس طرح کرو کہ ہم تیرے پورے دگار کی طرف سے فرستادہ ہیں۔ ہم اللہ کے رسول ہیں، اس لیے ہماری بات مانو اور دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کرو تاکہ ہم انہیں اپنے اصلی وطن شام و فلسطین لے جاسکیں۔ اور فرعون کو یہ بھی بتا دینا کہ سلامتی اس پہ ہوگی جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور سنرا اُس کو بٹے گی جس نے جھوٹ بولا اور روگردانی کی۔

غیر مسلموں کو سلام کا طریقہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی غیر مسلموں کیلئے سلام کا وہی طریقہ اختیار کیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے لیے اختیار کیا تھا وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی سلامتی اس پر ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ حضور علیہ السلام نے غیر مسلم بادشاہوں کو تبلیغی خط لکھتے وقت ابتداء میں یہی الفاظ استعمال کیے تھے۔ امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ میلہ کذابؒ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے گئے خط کی ابتداء اس طرح کی تھی مِنْ مُسَلِّمَةٍ رَّسُولِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے رسول میلہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف۔ گویا اُس نے بھی رسالت کا دعویٰ کیا۔ پھر لکھا اَمَّا بَعْدُ اِنِّیْ اَشْرَکْتُ فِی الْاَمْرِ لَكَ الْحَضَرُ وَلِیَ الْغَدُّ میں نے تمہیں اپنے معاملے یعنی رسالت میں شریک نہ لیا ہے۔ آپ کے لیے شہری علاقے ہیں جب کہ میرے لیے دیہاتی علاقے



یعنی خیموں میں بسنے والے لوگ میرے ماتحت ہوں گے جبکہ آپ  
 متہدین علاقوں کا انتظام منہجِ حال میں ساتھ ہی اُس نے یہ بھی لکھا کہ قریش  
 کے لوگ انصاف نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے لکھا  
 مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مَسِيلَةَ الْكَذَّابِ وَالسَّلَامُ  
 عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى - أَمَّا بَعْدُ - إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا  
 مَنْ يَشَاءُ أَوَّلُ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ اور اللہ کے رسول  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ اور سلامتی اُس پر جس  
 نے ہدایت کی پیروی کی، اما بعد۔ بیشک زمین اللہ کی ہے، وہ جسے  
 چاہتا ہے وارث بناتا ہے، اور اچھا انجام ہمیشہ متقیوں کا ہوگا۔ گویا اس  
 خط میں بھی سلام کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ مسیلمہ کذاب حضور علیہ السلام کو رسول  
 مانتا تھا مگر خود کو بھی رسول کہتا تھا مگر حضور نبیہ السلام نے اُسے کذاب یعنی  
 بڑا جھوٹا فرمایا۔ قادیانیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو رسول  
 مانتے ہیں مگر جھوٹ بولتے ہیں۔ سرسبز اعلام احمد کو بھی رسول تسلیم کرتے  
 ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ان پر بھی کذاب  
 کا لقب صادق آتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ ابتدائی گفتگو کا ذکر کرنے کے بعد  
 آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان مکالمے کے باقی حصے  
 کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ ہم تیرے پاس  
 تیرے پروردگار کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ تو اس کے جواب میں  
 فرعون نے کہا قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يَا مُوسَى، اے موسیٰ! بھلا  
 یہ تو نبلاؤ کہ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ ذرا اُس رب کا تعارف تو  
 کرو جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ  
 فرعون دہریہ تھا اور وہ خدا تعالیٰ کا فیسے ہی منکر تھا، اسی لیے اُس نے  
 اے تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۵ ج ۳ (فیاض)

پروردگار  
 کے متعلق  
 سوال

پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعون  
 خدا تعالیٰ کو مانساتا تھا مگر محض اپنی ہٹ دھرمی کی بناء پر اور موسیٰ علیہ السلام کو تنگ  
 کر نیکی غرض سے اُس نے رب تعالیٰ کے متعلق سوال کیا۔ قرآن پاک میں  
 موجود ہے کہ فرعون خود الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا اور لوگوں کو خبردار کرتا  
 تھا کہ اِنَّا اتَّخَذَتِ الْهٰٓءَا يْرِى لَا جَعَلْتُكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ  
 (الشعراء - ۲۹) اگر تو میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائے گا، تو قید میں  
 ڈال دیا جائے گا۔ فرعون اپنے متعلق یہ بلا کہتا تھا اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا اَعْلٰی  
 (النزعات - ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ لوگوں سے پوچھتا تھا۔  
 اَلَيْسَ لِيْ مَلِكٌ مِّمَّنْ وَهٰذِهِ الْاَفْهٰرُ تَجْرٰی مِنْ  
 تَحْتِيْ (الزخرف - ۵۱) کیا مصر پر میری حکومت نہیں ہے۔ میرے حکم  
 سے ڈیم بنے ہوئے ہیں۔ نہریں چل رہی ہیں۔ مجھے ہر سیاہ و سفید پر اختیار  
 حاصل ہے۔ پھر بھلا میرے سوا کون رب ہو سکتا ہے؟ مطلب یہ کہ  
 فرعون چونکہ خود ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا، اس لیے اُس نے موسیٰ علیہ السلام  
 سے پوچھا کہ تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے؟

نہ امصور  
 حقیقی ہے

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے نہایت نرمی کے ساتھ  
 بڑی حکیمانہ بات کی قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا  
 کہا، ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی حیثیت کے مطابق  
 شکل و صورت بخشی ہے۔ اس ایک جملے میں کمال درجے کی حکمت کا  
 اظہار کر دیا۔ ہر چیز کا پہلے وجود ہوتا ہے اور اس کے بعد شکل و صورت  
 بنتی ہے۔ تو اس میں یہ حقیقت بھی شامل ہے کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس  
 نے پہلے مادہ (MATTER) میٹر) پیدا کیا اور پھر اُس مادے کو صورت  
 (SHAPE) شپ) بخشی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ خلق سے مراد صورت نہیں بلکہ اس کا جوڑا

مراوے۔ تو فرمایا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا مناسب جوڑ  
 عطا کیا۔ مثلاً مرد کا جوڑا عورت ہے، بیل کا گائے، اونٹ کا اونٹنی، گھوڑے  
 کا گھوڑی، مرغ کا مرغی وغیرہ۔ یہ تفسیر حضرت سعید بن جبیرؓ کی ہے جو کہ تابعین  
 میں سے ہیں۔ تاہم دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ خلق سے مراد پیدا کرنا ہی ہے  
 یعنی اللہ نے سب سے پہلے ہر چیز کو وجود بخشا اور اس کے بعد اس کو  
 مناسب حال شکل و صورت عطا فرمائی۔ سب سے اعلیٰ صورت انسان کی ہے۔  
 لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین - ۴)  
 اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ  
 كَيْفَ يَشَاءُ (آل عمران - ۶) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو ماں  
 کے رحم میں تمہاری شکل و صورت بناتا ہے۔ جیسے اس کی منشاء ہوتی ہے۔  
 مصور حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے اسی لیے کسی جاندار کی تصویر کشی حرام  
 ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کے مترادف ہے  
 البتہ غیر جاندار اشیاء کی تصویر بنانا روا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ  
 اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ  
 کی تو کوئی شکل و صورت نہیں، وہ تو بے مثال ہے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت  
 آدم علیہ السلام میں علم و حکمت اور صفات ایسی پیدا کی ہیں گویا اس نے آدم علیہ  
 کو اپنی صفات پر پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو اس کے مرتبے، حیثیت،  
 ضرورت اور شان کے مطابق صورت بخشی ہے اور پھر ہر چیز کو اس کے  
 حسب حال پیدا کرنے کے بعد قسماً ہدای اس کی راہنمائی بھی فرمائی ہے  
 ہر مخلوق کو اس کی معیشت کا راستہ بتلایا ہے، اس کے نفع نقصان کی بات  
 سمجھائی ہے اور وہ راستہ واضح کیا ہے جس پر چل کر وہ کامیابی کی منزل  
 حاصل کر سکتا ہے۔ پھر گمراہی کا راستہ بھی واضح کر دیا ہے تاکہ اس سے  
 بچ سکے۔



نہج سکے۔ ہدایت کا متعلق صرف انسان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جاندار سے لے کر بڑی سے بڑی مخلوق تک کی رہنمائی فرمائی ہے زمین پر چلنے پھرنے والے تمام جانداروں کے علاوہ قضا میں اڑنے والے پرندے اور پانی کی تہہ میں رہنے والے ہر قسم کے جانداروں پر یہ بات واضح کردی ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر تم مقصدِ حیات حاصل کر سکتے ہو۔

انسانی حیوانی  
اور نباتاتی  
مخلوق

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے اور اس میں کمال درجے کا نظام حیات رکھا ہے، انسان کو دیکھیں کہ اس کے جسم میں کس قدر عجیب و غریب نظام کام کر رہا ہے۔ میڈیکل سائنس والے کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں پانچ سو گھڑیاں ہیں۔ انسان کا اعصابی نظام دماغ سے شروع ہو کر سائے جسم میں پھیل جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم میں حس و حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ نے اس نظام کی باریک باریک شاخوں کے ذریعے کمال سلسلہ پیدا کیا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی جسم کے نظام مضخم پر نگاہ ڈالیں۔ جسم کے متعلقہ حصے میں عجیب قسم کی گھڑیاں اور رطوبتیں ہیں جن کے ذریعے خوراک مضخم ہو کر جسم کا حصہ بنتی ہے۔ پھر انسان کا نظام تولید و تناسل بھی عجیب ہے جس پر بقیہ نسل کا انحصار ہے۔ خون کی گردش، آکسیجن کی بہم رسانی، اور فضلات کا خروج، اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے جسم کے اندر انتظام کر دیا ہے۔ اس کے بعد انسان کے صوتی نظام کو دیکھ لیں۔ جب ایک بھی تار خراب ہو جاتی ہے تو انسان بولنے سے عاجز آ جاتا ہے۔ اسی طرح سماعت کا نظام بھی عجیب و غریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کان کے پردے کے پیچھے کم و بیش تین ہزار ٹیلیفون نصب کر دیے ہیں۔ ہر قسم کی آواز کی سماعت کے لیے الگ الگ ٹیلیفون ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی بوسونگنے کے لیے بھی اللہ نے نہایت



نرم و نازک نظام قائم کیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صناعتی کے شاہکار ہیں اور اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔

انسان کے علاوہ دیگر جانداروں چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، مچھلی منیہ تک غرضیکہ ہر جاندار کے لیے ایک مکمل نظام حیات اُس کے جسم کے اندر ہی موجود ہے۔ جب یہ نظام بگڑ جاتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نباتات کی بھی اپنی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درختوں اور پودوں کو کیسی کیسی شکل و صورت عطا کی ہے۔ پھلوں اور پھولوں کے لاتعداد رنگ، ان کی مختلف خوشبوئیں اور ذائقے، ان کے مختلف خواص اور تاثیریں قدرت کاملہ کی صناعتی کا عجیب نمونہ ہیں۔ اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور انسان کو ان سے فوائد حاصل کرنے کا راستہ بھی بتلادیا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ نے ہر چیز کو وجود بخشا، اس کی شکل و صورت بنائی اور پھر اُسے ہدایت کا راستہ بھی بتلایا۔

رب العزت کا یہ تعارف اور اُس کی صفات سن کر فرعون سے اور تو کچھ نہ بن پڑی، تاہم اُس نے موضوع سخن کو بدلتے ہوئے سوال کیا فتا کی

فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ اے موسیٰ! بھلا یہ تو بناؤ کہ جو پہلی قومیں بھائے پڑے وہ گارہ پر یقین نہیں رکھتی تھیں، اُن کا کیا حال ہوا۔ کیا وہ سارے کے سارے بیوقوف تھے جو تمہارے نظریے پر یقین نہیں رکھتے تھے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا قَالَ عَلَيْهِمُ عِنْدَ رَبِّي كِتَابٌ اس سوال کا جواب تو میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے۔ کتاب سے مراد نوشتہ یعنی لوح محفوظ ہے کہ ہر چیز کا اندراج وہاں موجود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کتاب کا عام معنی ہر شخص کا انفرادی اعمال نامہ بھی ہو سکتا ہے جس میں ہر عمل اور ہر حرکت کا اندراج ہو رہا ہے اور پھر یہ کتاب ہر شخص کے سامنے رکھ دی جائے گی کہ اُسے خود ہی پڑھ لو کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے ہو۔ اُس وقت انسان یہ کتاب دیکھ کر

سابقہ اقوام  
کے متعلق  
سوال

ذَکَرُہُ جَلَّیْے گا۔ اور حیرانی سے کہے گا مَالِ هَذَا الْکِتَابِ لَا یُعَادِرُ  
صَنِیْعَةً وَلَا کِبِیْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا (الکھف ۲۹) یہ کیسا نوشتہ

ہے جس نے کوئی چھوٹی چیز چھوڑی ہے اور نہ بڑی۔ اس میں ہر چیز درج ہے  
بہر حال اس مقام پر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے  
فرمایا کہ سابقہ اقوام کے حالات کا علم اللہ کے پاس لوح محفوظ میں درج ہے  
اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کی مزید  
صفات بیان کیں اور فرمایا کہ میرے پروردگار وہ ہے لَا یُضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنۡسِیْ  
جو نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات منزه اور متبرک ہے  
وہ علیم کل ہے جو بھٹکتا نہیں۔ وہ ہر عیب سے بھی پاک ہے، اس لیے وہ  
بھولتا بھی نہیں۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو کام جس وقت  
کرنا پسند کرتا ہے، کر گزرتا ہے۔ نہ تو اُسے کوئی اس راستے سے ہٹا سکتا،  
اور نہ اس پر نیان کا اثر ہوتا ہے کہ وہ ارادہ کر کے پھر بھول جائے۔ لہذا  
اس کے تمام امور اس کی حکمت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ  
مَهۡدًا جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنا دیا جس طرح بچہ گہوارے  
میں آرام کرتا ہے، اسی طرح زمینی مخلوق زمین پر سونے کا مل کرتی ہے  
زمین کی یہ خاصیت ہے کہ ہر زندہ اور مردہ کے کام آتی ہے۔ اللہ نے  
فرمایا ہے اَلَمْ یَجْعَلِ الْاَرْضَ مِکۡتٰنًا ۚ اَحِیَّاءٌ وَّ اَمۡوََاتًا  
(المرسلات - ۲۵، ۲۶) کہ ہم نے زندوں اور مردوں کے لیے زمین  
کو سیٹھنے والی نہیں بنا دیا، ظاہر ہے کہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے۔  
اسی زمین پر چلتا پھرتا اور کاروبار کرتا ہے۔ اور پھر جب مرجاتا ہے۔ تو  
یہی زمین اُسے اپنے دامنِ مغوش میں سمیٹ لیتی ہے۔ فرمایا زمین  
کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَ سَلَکَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا ۚ اور زمین

زمین کے  
فوائد

پر چلنے کے لیے مختلف راستے بھی بنادیے تاکہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حمل کر سکو۔ اللہ نے میدانوں، پہاڑوں، صحراؤں حتیٰ کہ سمندروں میں بھی انسانوں کے لیے سفر کو آسان بنا دیا ہے۔ اگر زمین پر سفر کے لیے بری، بحری اور ہوائی راستے نہ ہوتے تو انسان کتنی مشقت میں مبتلا ہوتے۔ اللہ نے ان راستوں کے ذریعے انسان کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں، اور یہ بھی اس کا فضل عظیم ہے۔

پانی کی  
بہم سانی

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بھی بیان فرمائی وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور اس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ آسمان کا لفظ ہندی، فضا، بادل، چھت اور اوپر فضا، میں نظر آنے والی نیلگوں سطح سے لے بولا جاتا ہے یہاں پر سماء سے مراد بادل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمندروں سے بادلوں کے ذریعے پانی اٹھاتا ہے اور پھر جہاں بارش برساتا مقصود ہوتا ہے، وہاں لے جاتا ہے اور مشیت میں مقررہ مقدار کے مطابق پانی اتار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کمال حکمت سے اس پانی کو ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ اس کا کچھ حصہ برف کی شکل میں محفوظ کر لیتا ہے، بعض حصہ زمین کی تہوں میں ذخیرہ کر لیتا ہے اور کہیں فوری ضرورت کے لیے چشمے اور ندی نالے جاری کر دیتا ہے یہ حصہ آب زمین کو سیراب کرتا ہے جس سے پھل، اناج اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس طرح انسان کی پانی کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ جب بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو برف کی صورت میں منجمد پانی، نیز زمین ذخیرہ سال بھر کی ضروریات کے کام آتا رہتا ہے۔ دریاؤں پر بڑے بڑے ڈیم بنائے جاتے ہیں جن کے ذریعے بجلی پیدا کی جاتی ہے اور یہی پانی آبپاشی کے کام بھی آتا ہے۔ جب پانی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کا اثر بجلی کی بہم سانی

نباتات کا  
استعمال

پر بھی پڑتا ہے اور ملک میں لوڈ شیڈنگ کرنا پڑتی ہے۔

فرمایا آسمان کی طرف سے پانی اتارا فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ  
نَّبَاتٍ شَتٰی اور ہم نے اس سے مختلف قسم کے پودوں سے طرح طرح  
 کی چیزیں نکالیں۔ مختلف وضع قطع اور مختلف خاصیتوں کے درخت اور  
 پودے لگائے جس سے پھل، سبزیاں اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ وَسَرَبَا  
كُلُوْا اس کو خود کھاؤ وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اور اپنے جانوروں کو بھی  
 چراؤ۔ سورۃ غیس میں ہے کہ ہم نے تمہارے لیے انگور، زیتون اور کھجور  
 کے نبات پیدا کیے، ان کے ذریعے پھل اور اناج پیدا کیے مَتَاعًا لَّكُمْ  
وَلَا لَكُمْ لَكُمْ (آیت ۳۲) جو کہ تمہارے فائدے کے لیے بھی ہے  
 اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے بھی۔ جانور بھی اللہ تعالیٰ  
 نے تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں۔ انسان خود کو جانوروں کا مالک  
 سمجھتا ہے حالانکہ ہر چیز کا مالک حقیقی تو خدا ہے۔ تاہم جانور انسان کی خدمت  
 کے لیے ہیں۔ اور اللہ نے زمین کی پیداوار میں ان کا بھی حق رکھا ہے اس  
 پیداوار پر کسی مخصوص طبقے کی اجارہ داری نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی زمین پر  
 تمام انسانوں کا حق ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر کوئی شخص کسی  
 خطہ ارض پر از خود قبضہ کر کے دوسروں کو اس سے مستفید ہونے سے روکے  
 گا تو وہ ظالم شمار ہوگا۔ زمین کی پیداوار میں سے ناداروں کو بھی ان کا حصہ  
 پہنچنا چاہیے غرضیکہ اللہ نے جانوروں اور نباتات کو انسانوں کی مصلحت  
 کے لیے پیدا کیا اور انسانوں کے متعلق فرمایا اِذَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ  
لِلْاٰخِرَةِ کہ انہیں آخرت کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ  
 کی عبادت کریں۔ اور دائمی فلاح پاجائیں۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ  
لَاٰیٰتٍ لَّوْلِیِّ النُّہٰی بیشک اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں  
 ہیں۔ انسانی وجود، اس کی شکل و صورت، زمین کا گہوارہ ہونا، اس میں راستے



بنانا، آسمان کی طرف سے پانی اتارنا اور اس کے ذریعے نباتات کا پیدا کرنا، جو کہ انسانوں اور جانوروں دونوں انواع کے فائدے کے لیے ہیں، ان سب چیزوں میں صاحبانِ عقل و خرد کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں عقل سے صحیح کام لینے والے لوگ انہی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیل پکڑتے ہیں۔

زمین کے  
ساتھ خصوصی  
تعلق

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاد کی طرف توجہ دلائی ہے کہ زمین کے مذکورہ فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے۔ **مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ** اسی زمین سے ہم نے تمہیں بھی پیدا کیا۔ انسان کے زمین سے پیدا ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ خاصیت اُس کی اولاد میں بھی نسل بعد نسل آرہی ہے۔ مٹی سے پیدائش کی دوسری توجیہ بالواسطہ ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ نے انسان کی غذا کو مٹی سے پیدا کیا۔ انسان کی خورد و نوش کی تمام اشیاء زمین کی پیداوار ہیں۔ غذا کھانے سے انسان کے جسم میں مختلف قسم کے مواد پیدا ہوتے ہیں۔ اصل چیز خون ہے جو جسم کے ہر ہر حصے میں پہنچ کر اس کو مطلوبہ غذا فراہم کرتا ہے۔ پھر مادہ تولید بھی زمین سے حاصل کردہ غذا سے پیدا ہوتا ہے جس سے انسانی نسل آگے چلتی ہے تو اس لحاظ سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے انسانوں کو زمین یعنی مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔

**فَرَمَا فِيهَا نَعِيْدُكُمْ** ہم اسی مٹی میں تمہیں واپس لوٹائیں گے انسان مگر مٹی میں ہی دفن ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے کو زمین میں دفن کرنا ہی فطری امر ہے۔ بہر خلاف اس کے اونچے مچان پر رکھ کر پزندوں کی خوراک بنا دینا یا آگ میں جلا دینا غیر فطری فعل ہے۔ مرنے کے بعد زمین ایک شفیق ماں کی طرح انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے جبکہ آگ دشمن

ہے اور مرے کو اس کے حوالے کرنا دشمن کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔ جب کوئی شخص سفر پر جاتا ہے تو اپنے بچے کو کسی محبوب کے حوالے کرتا ہے، نہ کہ دشمن کے، یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ اس کے لیے تو میں بمنزلہ آنکوش مادر ہے۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔

فرمایا، اے انسانو! ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹا دیں گے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰی اور پھر اسی میں سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو مردے اپنی قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے میدانِ محشر کی طرف جائیں گے پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

امام ابن کثیرؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جنازہ پڑھنے کے بعد میت کو قبر میں اتارا۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور پڑھا مِٹْھَا خَلَقْتُكُمْ یعنی ہم نے تمہیں اس مٹی سے پیدا کیا۔ پھر مٹی قبر میں ڈال دی۔ پھر دوسری مٹھی اٹھائی اور وَفِيهَا نَعِيْدُكُمْ یعنی ہم تمہیں اسی میں لوٹائیں گے (پڑھ کر مٹی ڈال دی۔ پھر آپ علیہ السلام نے مٹی کی تیسری مٹھی اٹھائی اور پڑھا وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰی یعنی ہم تمہیں دوبارہ اسی مٹی سے نکالیں گے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر اس طریقے سے مٹی ڈالنا مستحب ہے۔

وَلَقَدْ آرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ⑤۶ فَكَالَ  
 أَجْمُتْنَا لِنُخْرِجَنَّا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ لِمُوسَىٰ ⑤۷  
 فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ فَأَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ  
 مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ⑤۸  
 قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُجَشِّرَ النَّاسُ ضُجًى ⑤۹  
 فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ⑥۰ فَكَالَ  
 لَهُمْ مُوسَىٰ وَبَلَّغَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا  
 فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ ⑥۱  
 فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ ⑥۲  
 قَالُوا إِنْ هَٰذِهِ لَسِحْرَانِ يُرِيدُنِ أَنْ يُخْرِجَكُمُ  
 مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ  
 الْمُثُلَىٰ ⑥۳ فَاجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا وَقَدْ  
 أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَىٰ ⑥۴

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے دکھائیں فرعون کو اپنی سب نشانیاں

اور اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا ⑤۶ کہنے لگا کیا تو آیا ہے ہمارے

پاس تاکہ تو نکال دے ہمیں اپنی سرزمین سے اپنے جادو کے

زور سے اے موسیٰ (۵۷) پس ہم لائیں گے تیرے مقابلے میں اس جیسا جادو۔ پس ٹھہرا دے ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ۔ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تم، ایک کھلے میدان میں (۵۸) کہا (موسیٰ نے) تمہارا وعدہ زینت کا دن ہے، اور یہ کہ اکٹھے کیے جائیں لوگ دن چڑھتے وقت (۵۹) پس پٹا فرعون، پس اکٹھا کیا اس نے اپنی تدبیر کو، پھر آیا (۶۰) کہا اُن کے لیے موسیٰ نے ہلاکت ہے تمہارے لیے، نہ افتراء باندھو اللہ پر جھوٹ۔ پس وہ ہلاک کر دے گا تمہیں عذاب کے ساتھ۔ اور تحقیق ناکام ہوا وہ شخص جس نے افتراء باندھا (۶۱) پس جھکڑا کیا انہوں نے اپنے درمیان اپنے محلے میں، اور پھر پوشیدہ طور پر میٹنگ کی انہوں نے (۶۲) کہنے لگے، بیشک یہ دونوں بھائی البتہ جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے، اور موقوف کر دیں تمہارے اچھے طریقے کو (۶۳) پس اکٹھی کرو اپنی تدبیر اور تم صف بندی کرو۔ اور بیشک کامیاب ہو گیا آج کے دن وہ جو غالب آیا (۶۴)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ نبوت کے ابتدائی دور میں مسلمان بڑی تکالیف برداشت کر رہے تھے، اللہ نے فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہر نبی کو ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ انہیں منصب نبوت کے لیے منتخب فرمایا اور پھر اپنی نشانیاں اور پیغام دے کر فرعون کے پاس بھیجا۔ دو بنیادی نشانیاں یا معجزات تو عصا اور ید بیضا ہیں جو اللہ نے



موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کرتے وقت دیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے دست مبارک پر بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف اور دوسری سورتوں میں موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے فرمایا۔  
 وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی قِسْعَ اٰیٰتٍ کَیِّدٰتٍ (آیت - ۱۰۱) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح نشانیاں عطا فرمائیں مگر فرعون نے ان کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔

فرعون کا انکار

یہاں پر ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرٰیْنٰہُ اٰیٰتِنَا کُلَّھَا ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں فَکَذَّبَ وَاکْبَرُ مگر اس نے تکذیب کی اور انکار کیا۔ یہ فرعون کی بدبختی تھی کہ عصا اور ید بیضا جیسی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا۔ اُس نے موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے اعتراض کیے مگر جب ہر بات میں لاجواب ہو گیا تو معجزات کو جادو کہہ کر اُن کا انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا قَالَ اِحْدِثْ نَارًا لِتُخْرِجَ مِنْهَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِکَ یٰمُوسٰی اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعے ہماری سرزمین سے نکال باہر کرے؟ اس الزام سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس بات سے مشتعل ہو جائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں اُن کے گھر بار سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس قسم کے پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر تمام لوگ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو جائیں اور اس کی کوئی بات نہ سنیں۔ فرعون نے نہ صرف لوگوں کو مشتعل کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو دہمکی بھی دی کہ تمھارے جادو کے مقابلہ میں فَدَنَا تَتٰیْبٰکَ بِسِحْرِ مِثْلِہِ ہم بھی تیرے مقابلہ میں اس جیسا جادو لائیں گے۔ ہمارے پاس بڑے ماہر جادو گم ہیں جو تمھارا بھرپور مقابلہ کریں گے، لہذا اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضور علیہ السلام کے خلاف کفار مکہ نے بھی اسی قسم کا پراپیگنڈا کیا

تھا، کہتے تھے۔ یہ شاعر ہے جو اپنے کلام سے مرعوب، کرنا چاہتا ہے کبھی کہتے، یہ تو کاہن ہے جو اگلی کچلی یا نہیں بتاتا ہے۔ پھر جب اور کچھ نہ بن پڑتی تو کہتے کہ یہ جادوگر ہے جو تمہیں جادو کے اثر سے اپنا میل مع کرنا چاہتا ہے بہر حال فرعون نے بھی یہی صریح استعمال کیا اور موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا اور پھر آپ کو مقابلے کا چیلنج بھی کر دیا۔

مقابلے کا  
چیلنج

کہتے لگا فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا اے موسیٰ! تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ یعنی تاریخ اور وقت مقرر کر دے جس دن تمہارے اور ہمارے جادو کے درمیان مقابلہ ہو جائے اور یہ وعدہ ایسا نچتہ ہونا چاہیے۔ لَا تَخْلُفْهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ جس کی نہ مسم خلاف ورزی کریں اور نہ تم۔ بڑا پکا عہد کرو۔ اور ساتھ یہ بھی شرط ہے یہ مقابلہ مکاناتِ سوئی کھلے عام ہونا چاہیے۔ کوئی گھلائیہ ان ہو جہاں سب لوگ اکٹھے ہو کہہ ہمارے اس مقابلے کو دیکھ سکیں۔

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزَّيْنَةِ کہ اس معاہدے یعنی مقابلے کا دن زینت کا دن ہونا چاہیے، مصری لوگ سال بھر میں ایک دن قومی تہوار کے طور پر مناتے تھے اسی کو یومِ زینت یا جشن کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن فرعون کی سالگرہ یا جشنِ تاجپوشی ہوتا تھا۔ بہر حال یہ ایک میلے کا دن تھا۔ جس میں سب ادنیٰ و اعلیٰ لوگ ایک کھلے میدان میں جمع ہوتے تھے لہذا موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کے لیے یہی دن تجویز کیا۔ باقی رہی وقت کی بات تو فرمایا کہ وَاتَّجِشْ النَّاسُ ضُحًی کہ لوگ خوب، ان چڑھے اکٹھے کیے جائیں اور ان سب کے سامنے مقابلہ ہونا چاہیے۔

یہاں یہ وقت مقررہ کے لیے ضحیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دن کا وہ حصہ ہوتا ہے جب سورج کی تپش سے بیت گرم ہو جاتی ہے

اور اونٹوں کے بچوں کے پاؤں تپنے لگتے ہیں۔ بس یہی کوئی نو دس بجے کا وقت سمجھ لیں کہ لوگ صبح کی ضروریات سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور دن بھر کے باقاعدہ کام میں لگ جاتے ہیں۔ اسی وقت پر حدیث میں صلوٰۃ صحتیٰ یعنی چاشت کی نماز کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کے وقت کے متعلق مسلم شریف اور دوسری کتابوں میں آتا ہے **تِلْكَ صَلَوةُ الْاَوَّابِينَ حِيْنَ تَرْمُضُ الْفِصَالُ**۔ یہ صلوٰۃ اوابین ہے جس کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگتے ہیں۔ بہر حال اس وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سے یکے بارہ رکعت تک نماز ادا فرمائی ہے تو یہی وقت موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں سے مقابلے کے لیے تجویز کیا۔

جادو کا  
عام رواج

قدیم صابی زمانے میں نجوم کا عام رواج تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا بڑا پھر چلتا تھا۔ جادو کے ماہرین حکومتی امور میں اسی طرح دخل تھے جس طرح آجکل سائنسدان اور انجینئرز ہیں۔ اپنے پیچیدہ معاملات میں حکومت کے کارپردازان ساحروں سے مشورہ لیتے تھے اور پھر ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ جادو کا رواج آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے جسے ”کالا علم“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم کفریہ اور شرکیہ اعمال پر مشتمل ہے اور جاہل لوگوں میں اس کا عام پیر چاہے۔ ملک کے اسی فیصد لوگ تعویذ گندے، شرکیہ اور بدعتی کاروبار میں ملوث ہیں۔ عورتوں میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر جھاڑ پھونک کرنے والوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیتی ہیں۔ بعض صحیح لوگ بھی ہیں جو اللہ کا کلام پڑھ کر پھونک مارتے ہیں۔ تاہم اکثریت ان لوگوں کی ہے جو شرکیہ کلام کے ذریعے غلط تعویذ دے کر اپنا نذرانہ وصول کر لیتے ہیں۔ آج کل یہ کام بھی عروج پر ہے حالانکہ یہ کام ہماری شریعت میں جائز نہیں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سات مہلک گناہوں میں سحر بھی شامل ہے۔ جادو کرنا اور



کرانا، اس کا سیکھنا اور سکھانا ممنوع ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ جادو کے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی بدعت کا ارتکاب کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اعلیٰ درجے کے جادو میں تو کفر اور شرک شامل ہوتا ہے، مکروہ باتوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جادو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ایمان تک کی قربانی کرنا پڑتی ہے اس کے علاوہ جادو کرنے کے لیے بڑے شنیع امور انجام دینا پڑتے ہیں۔ بعض لوگ بچوں کو ذبح کر کے ان کے خون سے سحر کرتے ہیں، اور بعض قبروں سے مردوں کی ہڈیاں نکال کر ان کے ذریعے جادو کرتے ہیں۔

مقابلے کے  
میدان میں

جب فرعون کے ساتھ مقابلے کے لیے جگہ اور وقت کا تعین ہو گیا تو فرعون نے اس کے لیے تیاری شروع کر دی۔ معاہدہ طے پا جانے کے بعد فتوٰی فرعون فجمع کی ذہ فرعون اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے اپنی تمام تدابیر جمع کیں۔ تدبیر سے مراد یہ ہے کہ اس نے ملک بھر کے ماہر جادو گروں کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ انہیں ایک جگہ پر جمع کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے ہدایات دیں۔ آخر پھر وہ ساحروں سمیت مقابلے کے لیے مقررہ میدان میں آگیا۔ مقررہ کرام فرماتے ہیں کہ فرعون نے کم و بیش پندرہ ہزار چوٹی کے جادوگر اکٹھے کیے اور انہیں لالچ بھی دیا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو انہیں بہت سا انعام و اکرام دیا جائے گا۔ سورۃ الشرح میں موجود ہے کہ فرعون نے جادو گروں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم غالب آ گئے وَاَنْتُمْ كُفْرًا اِذَا لَقِیْتُمُ الْمُقْرَبِیْنَ (آیت ۴۲) تو تمہیں انما مقرب بنالوں گا۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مقابلے میں بے شمار جادو گروں کو دیکھا قَالَ لَهُمْ مُوسٰی تُوْا اَنْتُمْ اِنْ سِیْطَرٰ عَلٰی طَرَفٍ مِّنْهُمُ  
وَلٰیكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ كِیْذًا تَخْتَصِمُوْنَ



ہلاکت ہے، تم پر افسوس ہے۔ خدا پر جھوٹ نہ باندھو یعنی جادو سے باز آ جاؤ  
 اللہ کی سچی نشانیوں کو کھرا نام دے کر ان کا مقابلہ جادو سے کرنا سخت نادانی کی  
 بات ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہم  
 تو تمہیں خدا کے وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ تم میں  
 خوف خدا پیدا ہو اور تمہاری عاقبت سنور جائے، مگر تم اس حق کے مقابلہ  
 میں جادو کو لاتے ہو۔ یہ تو بڑی بد بختی کی بات ہے۔ اگر اس سرکٹ سے  
 باز نہیں آؤ گے قیامت کے بعد ذاب تو خدا تعالیٰ تمہیں عذاب  
 بھیج کر ہلاک کر دے گا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام خدا کی عطا کردہ قوت  
 کے ساتھ بول رہے تھے۔ انہوں نے پر رعب لہجے میں فرمایا، افتر علی اللہ  
سے باز آ جاؤ، ورنہ یاد رکھو، وَقَدْ خَابَ مَنَ۔ اف تری تحقیق وہ  
شخص ناکام ہوا جس نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، توحید کو مٹانا، سچے دین  
کی تکذیب کرنا، خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا، سب افتر علی اللہ ہے  
اور ایسا کرنے والا ناکام و نامزد ہوگا۔

موسیٰ علیہ السلام کی اس بات سے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فرعون  
 اور اس کے حواریوں نے بھی اس چیز کو محسوس کیا۔ فَتَنَّا زَعُورًا أَمْ هُمْ  
بَيْنَهُمْ انہوں نے اس معاملہ میں آپس میں جھگڑا بھی کیا۔ بعض کہتے تھے  
 کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی بات سچی نکلی تو پھر کیا ہوگا؟ اور اگر ہمارا جادو ان پر  
 نہ چلا تو پھر کیا نتیجہ نکلے گا؟ ایسی صورت میں کسی نے کہا کہ مقابلہ کرنا چاہیے  
 اور کسی نے کہا کہ مقابلے سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ کہیں لینے کے لینے  
 ہی نہ پڑ جائیں۔ اُدھر جادوگر بھی دل برداشتہ معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہیں  
 بھی اپنی شکست نظر آرہی تھی۔ ایسے حالات میں وَأَسْرُ وَالْجَوَارِ  
 فرعون اور اس کے حواریوں نے خفیہ میٹنگ کی، تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل طے  
 کیا جاسکے۔ بحث و تمحیص کے بعد پھر اسی بات پر اصرار کیا جو فرعون پہلے

فرعون کی  
 خفیہ  
 میٹنگ

کہ چکا تھا قَالُوا رَبِّهِمْ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ کہنے لگے یہ دونوں بھائی  
(موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں۔ یُرِیْدَانِ اَنْ یُخْرِجَا کُمْ  
مِنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہِمَا یہ دونوں جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری  
سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا ہمیں ان کے ساتھ پورا پورا  
مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ ہم ان سے چٹکارا حاصل کر سکیں، درنہ تو وہ ہمیں  
مغلوب کر کے ہمیں ہر چیز سے بیدخل کر دیں گے اور خود حکومت اور  
مال و متاع پر قابض ہو جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا وَکَذٰہَبَا  
طَرِیْقَتَہُمَا الْمِثْلَی کہ یہ دونوں بھائی تمہارے اچھے طریقے  
کو موقوف کر دیں گے۔ کہتے لگے اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔  
فَاَجْمَعُوْا کَیْدَکُمْ اِنِّیْۤ اَمْرٌ مُّسَوِّمٌ اِکْثَرُ کُرُوْثِہُمْ اَسْوَفًا  
پھر پورے طریقے سے صاف بندی کر کے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا  
مقابلہ کرو۔ اور ساتھ یہ لالچ بھی دیا وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَن  
اسْتَعٰلٰی اور فلاح اور کامیابی اس کو حاصل ہوگی جو آج کے دن غالب  
آجائے گا۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا جو اندر دی کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر  
جیت گئے تو کامیاب ہو جاؤ گے، بڑا انعام و اکرام ملے گا اور بادشاہ  
کے مقرب بن جاؤ گے۔ تمہیں بڑی بڑی خلیفتیں اور جاگیریں عطا کی جائیں  
گی اور آرام و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر دے گے۔

اسلامی تہذیب  
بمقابلہ فرعونیت  
تہذیب

فرعونیتوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک الزام یہ لگایا تھا کہ یہ شخص تمہارے  
اچھے طریقے کو ختم کر دے گا یعنی تمہارے آباؤ اجداد کے تہذیب و تمدن کو  
ختم کر کے نئی تہذیب رائج کرے گا، لہذا اپنی قدیم تہذیب کے بچاؤ کے  
لیے اس کا مقابلہ کرو، آج بھی یہ بیماری موجود ہے۔ جب کسی مشرک اور بدعتی  
کو حق کی طرف دعوت دی جاتی ہے، تو آگے سے ہی جواب آتا ہے کہ  
یہ شخص تمہارے رسم و رواج کو مٹانا چاہتا ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد سے

چلے آنے والا تیسرا سا توں پالیسیوں وغیرہ ختم ہو کر رہ جائیگا اور یہی تمہارے  
 بڑوں کی تہذیب ہے جسے یہ شخص ختم کرنا چاہتا ہے، یہ ختم، یہ عرس اور یہ  
 قرالی کی محفلیں ختم ہو جائیں گی، لہذا توحید کی دعوت دینے والی بات پر  
 دھیان نہ دو، یہ تمہاری تمہارے دین سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اکثر انسانوں  
 کی آنکھیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں۔ جو حق و باطل میں تمیز کرنے سے  
 عاجز ہوتے ہیں اور نسل بعد نسل شرکیہ اور کفریہ عقائد پر چلتے رہتے ہیں۔  
 آج ہماری تہذیب بڑی بڑی بلڈنگوں، عالیشان کمپلیکسوں، راک و رنگ  
 کی محفلوں، آرٹ گیلریوں، اور ثقافتی مراکز تک محدود ہو کر رہ گئی ہے،  
 حالانکہ خدائی تہذیب تو وہ ہے جو انبیاء نے اپنائی اور جس کی بنیاد فیشن پر  
 پر نہیں بلکہ سادگی پر ہے مگر آج کون ہے جو اس تہذیب کو سینے سے  
 لگائے؟ آج کے نام نہاد مہذب لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر اسلامی  
 تہذیب کا احیاء ہو گیا تو پھر ہمارے یہ ٹائٹ گلاب کدھر جائیں گے، ہماری  
 لمبو دلوں کی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی، آرٹ کے نام پر یہ فحاشی اور  
 عریانی چھوڑنی پڑے گی۔ لہذا جس طرح ہو سکے اسلامی تہذیب کا راستہ روکو۔  
 اس زمانے میں صرف لباس کا مسئلہ ہی بے لود جس نے ساری دنیا کو  
 مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہر روز نئے ڈیزائنوں اور جدید فیشنوں  
 کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر کوئی نئے ڈیزائن کا لباس پہننا چاہتا ہے۔  
 آسودہ حال لوگوں کی دیکھا دیکھی غریب لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں  
 وہ بھی امراء کے ساتھ قدم قدم چلنا چاہتے ہیں مگر وسائل نہ ہونے کی وجہ  
 سے بعض غلط طریقے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ نئے  
 نئے ماڈلوں کی کاریں، نئے نئے ڈیزائنوں کے شگلے، شادی اور غمی کی  
 رسوم میں دولت کا ضیاع سب کچھ نئی تہذیب کے لوازمات ہیں۔ اگر  
 نبیوں کی تعلیم کے مطابق انسان سادگی کو شعار بنالے تو ان تمام مصیبتوں سے

چھوٹ جائے، مگر ایسا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آ رہا ہے۔ کھیل تماشے پر وقت اور روپیہ برباد کرنے کی بجائے نوجوانوں کو عسکری تربیت دی جائے۔ نیکی کے کاموں میں مقابلے کا رجحان پیدا کیا جائے۔ خدمتِ خلق کے ادارے قائم کیے جائیں۔ جہاں غربا اور ناداروں کی حوصلہ افزائی ہو، تو دنیا سے کتنی قباحت ختم ہو جائے اور اس کی بجائے ایک عام آدمی کو کتنی خوشحالی اور کتنا سکون میسر آئے، مگر ہم تو اس جدید تہذیب کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں جو کوئی اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، وہ دقیانوسی خیال کیا جاتا ہے اور تہذیب و تمدن کو مٹانے والا سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال فرعون نے بھی اپنی قوم کو یہی کہہ کر اشتعال دلانے کی کوشش کی کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام تمہاری تہذیب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں سرزمینِ مصر سے نکال کر خود حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہو اور ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ یہاں تک فرعونوں کی پوشیدہ میٹنگ اور اس میں یکے کے فیصلوں کا ذکر تھا۔ آگے پھر موسیٰ علیہ السلام کی بات اللہ نے بیان فرمائی ہے۔

---



قال الم

درس دهم ١٠

طه ١٠

آيت ٦٥ ٦٦ ٦٧

قَالُوا يَمُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقَى وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ  
 مَنْ أَلْقَى ⑥٥ قَالَ بَلْ أَلْقُوا فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ  
 يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى ⑥٦ فَأَوْجَسَ  
 فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى ⑥٧ قُلْنَا لَا تَخَفُ إِنَّكَ  
 أَنْتَ الْأَعْلَى ⑥٨ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا  
 صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سِحْرٌ وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُ  
 حَيْثُ أَتَى ⑥٩ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا  
 بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى ⑦٠ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ  
 أَنْ أُذِنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ  
 فَلَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافِ  
 وَلَا وَصَلَبَنَكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمَنَّ آيُنَا  
 أَشَدَّ عَذَابًا وَأَبْقَى ⑦١ قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا  
 مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ  
 إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ⑦٢ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا  
 لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَتَنَا وَمَا آتَاَنَا عَلَيْنَا مِنَ السِّحْرِ  
 وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ⑦٣ إِنَّهُ

يَأْتِ رَبُّهُ مُجْرِمًا

فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۖ وَمَنْ  
يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ  
الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۖ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ  
تَزَكَّىٰ ۖ ۞

ترجمہ :- کہا (جادوگروں نے) اے موسیٰ ! یا تو آپ ڈالیں پہلے، یا  
ہم ہوں پہلے ڈالنے والے ۞ (۶۵) کہا (موسیٰ نے) بلکہ تم ہی ڈالو  
اچانک اُن کی رسیاں اور لٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال  
میں اس طرح دکھائی دیتی تھیں، ان کے سحر کی وجہ سے  
کہ وہ دوڑ رہی ہیں ۞ (۶۶) پس محسوس کیا اپنے جی میں موسیٰ  
علیہ السلام نے خوف ۞ (۶۷) ہم نے کہا، مت خوف کھاؤ بیشک  
تم ہی بلند ہو ۞ (۶۸) اور ڈال دو جو کچھ تمھارے دانے ہاتھ  
میں ہے، وہ نکل لے گا جو کچھ انہوں نے بنایا ہے۔  
بیشک انہوں نے بنایا ہے ایک فریب جادوگر کا۔ اور  
نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہاں سے بھی آئے ۞ (۶۹) پس  
اس کو دیکھ کہ گر پڑے جادوگر سجدے میں، اور کہنے  
لگے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ علیہما السلام  
کے رب پر ۞ (۷۰) کہا (فرعون نے) کیا تم ایمان لائے  
ہو اُس پر قبل اس کے کہ میں تمھیں اجازت دوں۔ یہ تمھارا  
بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھلایا ہے۔ میں ضرور کاٹوں گا تمھارے  
ہاتھ اور پاؤں الٹے سیدھے اور میں ضرور لٹکاؤں گا تم کو  
کھجوروں کے تنوں پر اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم ہیں

سے کون زیادہ سخت سزا مینے والا ہے اور کس کی سزا  
 دیرپا رہتی ہے ﴿۴۱﴾ کہا (جادوگروں نے) ہم ہرگز ترجیح  
 نہیں دیں گے تم کو اس چیز پر جو آچکی ہے ہمارے  
 پاس کھلی دلیلوں سے اور نہ ترجیح دیں گے ہم تیری بات  
 کو اس ہستی کے مقابلہ میں جس نے ہم کو پیدا کیا ہے پس کھلے تو جو بھی فیصلہ  
 کرنا چاہے۔ سو اٹے اس کے نہیں کہ تو صرف اس دنیا کی زندگی  
 کو ہی ختم کر سکتا ہے ﴿۴۲﴾ بیشک ہم ایمان لائے ہیں اپنے  
 پروردگار پر تاکہ وہ بخش دے ہم کو ہماری غلطیاں اور وہ  
 چیز جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا ہے سحر سے۔ اور  
 اللہ تعالیٰ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ﴿۴۳﴾  
 بیشک جو شخص آئے گا اپنے پروردگار کے سامنے مجرم بن  
 کر۔ تحقیق اُس کے لیے جہنم ہے۔ نہ اس میں مے گا  
 اور نہ زندہ رہے گا ﴿۴۴﴾ اور جو آئے گا اُس کے پاس  
 ایمان لے کر اور اس کے ساتھ اُس نے نیک اعمال بھی  
 انجام دیے ہیں پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے بلند درجے ہوں  
 گے ﴿۴۵﴾ رہنے کے باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں  
 بہتی ہوں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں  
 اور یہ ہے بدلہ اُس کا جس نے تزکیہ حاصل کر لیا ﴿۴۶﴾

ربط آیات

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس کو معجزات بھی دکھائے  
 تو اُس نے انکار کیا اور تکذیب کی۔ کہنے لگا کہ یہ تو جادو کا کارنامہ ہے۔ اُس نے عام  
 لوگوں کو یہ کہہ کر مشتعل کرنے کی کوشش کی کہ موسیٰ (علیہ السلام) سحر کے زور سے تمہاری سلطنت  
 پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور تمہاری بہترین تہذیب کو مٹانا چاہتا ہے۔ لوگوں کو اکسایا کہ تم

اپنی تمام تدبیر اور قوت اکٹھی کر د اور پورے منظم طریقے سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ  
 کر دے۔ چنانچہ حواریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ جشن کے دن ملک کے تمام  
 سرکردہ جادوگر و کھوس کو جمع کیا جائے اور ان سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرایا  
 جائے۔ جادوگر بھی بڑے لالچی تھے، انہوں نے کہا کہ اگر ہم غالب آگئے  
 تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرعون نے انہیں بہت بڑا انعام و اکرام دینے اور اپنا مقرب  
 بنانے کا وعدہ کیا۔ جب سب جادوگر میدانِ مقابلہ میں اکٹھے ہو گئے تو موسیٰ  
 علیہ السلام نے ان سے خطاب فرمایا کہ دیکھو! خدا تعالیٰ پر افسرِ ادا نہ باندھو کہ  
 ایسا کرنے والا سخت عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اگر تم جادوگر کسی حد تک شل رہا شتہ  
 ہوئے مگر وہ انعام کے لالچ میں موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو  
 گئے۔ اس مقابلے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بعض واقعات یہاں بیان فرمائے  
 ہیں اور بعض دوسری سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں پر صرف اتنا مضمون  
 ہی آیا ہے جتنا حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کی تسلی کے لیے ضروری تھا۔  
 جب مقابلے کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں، تمام لوگ مقررہ تاریخ اور  
 وقت پر مقررہ میدان میں جمع ہو گئے تو جادوگر اور موسیٰ علیہ السلام محض آمنے  
 سامنے آگئے۔ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا قَالُوا  
يٰمُوسٰى اِمَّا اَنْتَ تُلْقِىْ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ ڈالیں گے  
وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَا اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں  
 مطلب یہ تھا کہ مقابلے کی ابتداء کس کی طرف سے ہو، موسیٰ علیہ السلام کی  
 طرف سے یا جادوگروں کی جانب سے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام  
 نے فرمایا قَالَ بَلْ اَلْقَوْا بلکہ تم ہی ڈالو۔ گویا موسیٰ علیہ السلام نے جادوگر  
 کو اپنے فن کا مظاہرہ پہلے کرنے کی دعوت دے دی۔ جادوگروں کے  
 پاس کچھ رسبایاں اور کچھ لالٹیاں تھیں۔ انہوں نے یہ چیزیں زمین پر پھینک  
 کر مقابلے کی ابتداء کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال کو اس طرح بیان فرمایا ہے

ساحر و سحری  
 طرف سے  
 ابتداء



فَاِذَا حَبَالُهُمْ وَعَصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ  
 اَنَّهُمْ تَسْعٰى جَوْنِيْ جَادُوْكَرُوْا نِيْ اِيْ رِيَاوْ لَاطِيَاوْ بِيْ نِيْ كِيْ  
 جادو کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ اس طرح نظر آ رہی تھیں گویا کہ وہ  
 دوڑ رہی ہیں۔

سحر ایک قسم کی نظر بندی یا کہ تب ہوتا ہے۔ شعبہ ہاں یا سحر پریم والے  
 محض ہفتہ کی صفائی کے ساتھ کوئی ایسا کام کر جاتے ہیں جو دوسروں کی نگاہوں  
 میں کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ جادو کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا بلکہ حقیقت  
 تو ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے، البتہ قریب نظر کے ذریعے حقیقت کے برخلاف  
 نظر آتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہوا کہ جادو گروں کی لاطیاں اور رسیاں دوڑتی  
 ہوئی نظر آنے لگیں، ورنہ حقیقت میں بالکل ساکن تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام  
 کا رد عمل

الغرض! رسیوں اور لاطیوں کو سانپوں کی صورت میں دوڑتا ہوا دیکھ  
 کر فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيفَةً مُّوسٰى موسیٰ علیہ السلام نے  
 اپنے جی میں کچھ خوف محسوس کیا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔  
 کہ موسیٰ علیہ السلام کو خوف کس بات کا محسوس ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے  
 فرستادہ تھے اور واضح نشانیاں لے کر اللہ کے حکم سے آئے تھے، لہذا  
 انہیں اپنی مغلوبیت کا قطعاً خوف نہیں تھا کیونکہ اللہ نے ان کے ساتھ  
 اپنی معیت کا وعدہ کر رکھا تھا، البتہ انہیں خوف اس بات کا تھا کہ شاید  
 عام لوگ جادو اور معجزے میں امتیاز نہ کر سکیں۔ جس طرح جادو گروں کی رسیاں  
 سانپ نظر آنے لگیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی لاطی بھی سانپ بن گئی تو  
 عام لوگ حقیقت اور مجاز میں کیسے فرق کریں گے۔ مفسر قرآن حضرت جلال الدین  
 محلیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 اس موقع پر بھی موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی قُلْ لَا تَخَفْ هُمْ نِيْ كِيْ  
 موسیٰ! ڈرو مت۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی بیشک تم ہی غالب رہو۔

گے، لوگوں کو جلدی ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ سچ کون سا ہے اور جھوٹ کون سا۔  
 جادو گروں کے اس کمرتب کے متعلق دوسری جگہ موجود ہے وَجَاءُوا  
 بِسِحْرِ عَظِيمٍ (اعراف - ۱۱۶) انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔  
 ہزاروں کی تعداد میں دوڑتے ہوئے سانپ دیکھ کر لوگ ڈنگ رہ گئے۔

اس کمرتب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا  
 وَالْقِ مَافِي يَمِينِكَ اے موسیٰ! ڈال دو جو کچھ تمھارے دائیں  
 ہاتھ میں ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے ہاتھ میں وہی لاکھی تھی، جو ہمیشہ آپ  
 کے پاس رہتی تھی اور اللہ نے اُسی کو پھینکنے کا حکم دیا تھا۔ فرمایا اس لاکھی کو  
 پھینکو تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا یہ نکل جائے گی جو کچھ جادو گروں نے بنایا ہے  
 موسیٰ علیہ السلام نے حکم الہی کی تعمیل میں اپنی لاکھی کو زمین پر پھینک دیا تو وہ ایک  
 اژدھا بن کر دوڑنے لگا جس نے جادو گروں کی رسیوں کے سانپوں کو  
 نکل لیا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب اُس بڑے اژدھا نے  
 پھینکا را تو فرعون اور اُس کے حواریوں پر دہشت طاری ہو گئی اور انہوں نے  
 ڈر کے مارے بھاگنے کی کوشش کی۔ جتن کا دین تھا۔ اور یہ نظارہ عام  
 لوگوں نے کُھلے میدان میں مشاہدہ کیا۔

لَقَفَ كَمَا مَعْنَى نَگْلَا ہوتا ہے شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے ”فتوح الغیب“  
 میں لکھا ہے المومن وقاف والمنافق لقاف یعنی  
 مومن آدمی ہر حرام اور مشکوک چیز سے رکنے والا ہوتا ہے جو کبے منافق ہر  
 جائز و ناجائز کو نکل جانے والا ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا عمل مبارک اور  
 تعلیم ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ جب کوئی چیز آپ کے سامنے  
 پیش کی جاتی تو آپ دریافت کرتے کہ یہ چیز کیا ہے اور کس نے بھیجی ہے  
 اگر وہ چیز کھانے کے قابل ہوتی تو آپ ہاتھ بڑھاتے اور اگر صدقہ خیرات  
 یا کوئی مشکوک چیز ہوتی تو کہتے اس کو اٹھا لو۔ اسی طرح ہر مومن آدمی وقاف

ہوتا ہے۔ وہ صرف حلال اور طیب چیز کی طرف ہی ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اس کے برخلاف منافق آدمی جائز و ناجائز میں تمیز ہی نہیں کرتا۔ حرام ہشکوک، نذر غیر اللہ، گیارہویں غرضیکہ ہر چیز ننگتا چلا جاتا ہے، رشوت، دھوکہ دہی، جوار، مگنک کا مال ہو، اُسے کچھ پروا نہیں ہر چیز مضم کر جاتا ہے۔

فرمایا، اے موسیٰ! اس لاٹھی کو پھینک دو، یہ جادو گروں کی بناوٹی چیزوں کو ننگل لے گی۔ اِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ۔ جادو گر کا فریب بتایا ہے۔ بھلا حقیقت کے مقابلے میں ان رسیوں کی کیا حیثیت ہے۔؟ یاد رکھو! وَلَا يُفْرِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتَتْ جَہَاں سے بھی آئے جادو گر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان تمام جادو گروں کو بھی منہ کی کسان پڑے گی اور ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو جائیں گی جادو جیسے عزم فن کے لیے سزا بھی سخت مقرر کی گئی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبُ ثَلَاثِينَ بِالسَّيْفِ یعنی جو شخص جادو کے ذریعے کسی کے قتل کا موجب بنتا ہے وہ بھی واجب القتل ہے بشرطیکہ ثابت ہو جائے کہ اس کی موت کا ذریعہ جادو بنتا ہے اور اگر جادو گر کے ذریعے کوئی کم تر نقصان پہنچا گیا ہے تو نقصان کی نوعیت کے مطابق کم تر سزا دی جائیگی اگر کسی کو مالی نقصان پہنچا گیا ہے تو ملزم کو جرمانے کے علاوہ قید و بند کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

جادو گروں کی سجدہ زیری

الغرض! جب موسیٰ علیہ السلام کے اثر دہانے جادو گروں کے چھوٹے چھوٹے سانپ سائے نکل لیے تو جادو گر بے بس ہو گئے اور ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہا اس موقع پر انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ قَالَ لَقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا اور سائے جادو گر سجدہ میں گر پڑے۔ وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام جادو گر نہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے آپ کے ہاتھ پر یہ معجزہ ظاہر کر کے ہمارے جادو کو ناکام بنا دیا ہے اُس وقت قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ لَمْ تَمْدَعْ صَلَاحًا (نیاصل)



وَمُوسَىٰ كُنْ لَكَ يَمَانُ لے آئے ہیں۔ ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے  
 پُر دگار پر، فرعون بڑا جا بڑا اور ظالم تھا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ  
 اُس کے جادوگر اُسے چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور اس طرح  
 اُس کی شکست کی راہ ہموار کریں۔ قَالَ اَمْنٌ مِّنْ لَّهِ قِيلَ اَنْ اِذَنْ  
 لَّكَ مَكْنُ دکنے دگاتم میری اجازت کے بغیر ہی موسیٰ اور اس کے پُر دگار  
 پر ایمان لے آئے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نے میرے ساتھ ڈرامہ کھیلا ہے  
 تم بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ہو مگر ظاہری طور پر میری حمایت کر رہے تھے موسیٰ  
 علیہ السلام کے متعلق کہا اِنَّ لَّكَ لَكَبِيرٌ كُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ  
 یہ تمہارا بڑا جادوگر ہے جس نے تمہیں بھی جادو کا فن سکھایا ہے۔ تم سب  
 استاد شاگرد اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ تم نے آپس کی ملی جلتی  
 سے مجھے دھوکہ دیا ہے۔

فرعون کی  
 دہمکی

کہنے لگا میں تمہیں اس سنگین جرم کی سزا دیے بغیر نہ چھوڑوں گا فَلَا  
 قُطْعَنَ اَيْدِيكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ مِّنْ تَحَايَ  
 ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دوں گا وَلَا صَلْبَنَكُمْ فِيْ حُذُوْعِ  
 التَّخَلُّلِ اور میں تمہیں کھجوروں کے تنوں پر سولی لٹکا دوں گا۔ لوگ دیکھیں گے  
 کہ تمہیں کس جرم کی سزا دی گئی ہے تم میرے محکوم ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی طر ف داری  
 کر رہے ہو۔ لہذا تمہیں سولی پر لٹکانے کی سزا بھی دی جائے گی۔ یہ سزا اللہ تعالیٰ  
 نے ڈاکروں کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ سورۃ مائدہ میں اس سزا کا ذکر موجود ہے  
 اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يَحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَا  
 يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا  
 اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهُمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا  
 مِّنَ الْاَرْضِ (آیت - ۳۳) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول  
 کے ساتھ بے سر پیکار ہونے میں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ



ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں  
الٹے سیڑھے کاٹے جائیں اور یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔

الغرض! فرعون نے جادوگروں کے لیے سخت ترین سزا تجویز کرنے  
کی دلیل یہ دی وَلْتَعْلَمَنَّ اَيُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَاَكْبَرُ اَتَاكَ تَمْحِیْسِ  
پتہ چل جائے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے اور کون  
دیر پا رہنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ فرعون نے جادوگروں کو سخت ترین الفاظ  
میں دہمچی دی کہ اگر وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لانے  
سے باز نہ آئے تو انہیں سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

جادوگروں کا  
جواب

جادوگر حق کو پہچان چکے تھے اور اب وہ فرعون کے جال میں دوبارہ  
پھنسنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے فرعون کو تمہ کی بہ تمہ کی جواب دیا  
قَالُوا كُنْ لَوْ تَرَكْنَا عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ  
کہنے لگے، ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دیں گے اُن واضح دلائل کے آنے پر جو  
ہمارے پاس آچکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا قول، فعل، معجزات، اُن کا نورانی چہرہ  
سب دلائل تھے جن کو جادوگر پہچان کر ایمان لا چکے تھے، اسی لیے انہوں نے  
فرعون سے کہا کہ ان حقائق کی موجودگی میں ہم تیری بات نہیں مان سکتے۔  
کہنے لگے ایک تو ہم واضح دلائل پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے۔ اور دوسرا  
یہ کہ وَالَّذِي فَطَرَنَا ہم اُس ذات کے مقابلے میں بھی تجھے ترجیح نہیں  
دے سکتے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہم تیری مجوزہ سزا سے ہرگز نہیں  
گھبراتے فَاَقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ پس تو جو فیصلہ چاہتا ہے کہ  
گزر، ہم ہرگز خوشزدہ نہیں ہوں گے، ہم ہر قسم کی سزا کے لیے تیار  
ہیں۔ پھر انہوں نے بڑی مدلل بات کی اِنَّمَا نَقْضِي هَذِهِ الْحَيٰوةَ  
الدُّنْيَا تیرا فیصلہ تو اس دنیا کی زندگی تک ہی محدود ہے جسے تو ختم کر  
سکتا ہے۔ تو بیشک اپنا فیصلہ صادر کر دے، ہم ایمان سے نہیں پھریں گے۔

حضور علیہ السلام نے بعض دیگر سربراہانِ مملکت کی طرح ہر قتل والی روم کو بھی نامہ مبارک بھیج کر اسلام لانے کی دعوت دی تھی، یہ خط حضرت وحید کلبیؓ کے ذریعے بھیجا گیا۔ جب یہ خط دربار ہرقل میں پیش ہوا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کے کچھ لوگ یہاں کہیں ہوں تو انہیں بھی حاضر کیا جائے تو ابوسفیان جو اس وقت تجارتی قافلہ کی قیادت کر رہے تھے، ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ہرقل نے بہت سے سوال کیے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا محمد کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے۔ تو ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر ہرقل پکارا اٹھا کہ یہ ایمان کی ثباحت ہے جب یہ دلوں میں داخل ہو جاتی ہے، تو پھر ایماندار ایمان سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ کوئی خوف یا لالچ اہل ایمان کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ یہ جادوگر جو مختوری درہ پہلے تک مقابلہ کر رہے تھے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن بنے ہوئے تھے، اب وہ ایمان میں پختہ ہو چکے تھے۔ وہ یکدم صدیقیوں، شہیدوں اور اولیاء اللہ کے درجے میں پہنچ چکے تھے۔

جادو سے  
توبہ

کہنے لگے اَنَا اَمَنَّا بِكَ بِشَكِّهِمْ اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔ ہم بڑے بڑے کفر و گناہوں سے تائب ہو رہے ہیں۔ اور اس جادو کی چیز سے بھی وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے فرعون سے کہنے لگے کہ تو نے ہمیں مجبور کر کے اللہ کے نبی کے مقابلے میں لاکھڑا کیا، ہم اس بات کی بھی اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔ تمھارے نزدیک تو تمھاری سزائیں ہیں اور تم دیر پا ہو مگر یاد رکھو! ہمارے نزدیک وَاللّٰهُ حَيٌّ وَّالْبَاقِی اللہ تعالیٰ ہی ہر اور دیر پا ہے۔ انعام بھی اُسی کی طرف سے ہے اور سزا بھی اُسی کی دیر پا ہے۔ ہمیں یقین ہے اِنَّهُ مِّنْ سَیِّئَاتِ رَبِّهِ مُجْرِیْمًا

بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ  
 پس اس کے لیے جہنم یا رہے اور وہ ایسی بری جگہ ہے لَا يَمُوتُ  
فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ کہ اس میں داخل ہونے والا نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ  
 ہے گا۔ زندگی تو راحت سے تعبیر ہوتی ہے جو بالکل نہیں ہوگی اور موت  
 آکر ختم کر دیتی ہے مگر جہنم والے کو موت بھی نہیں آئے گی۔ اسی لیے فرمایا  
 کہ وہ نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔ سزا، دکر اور تکلیف ہی ہوگی۔ ایسا شخص ہمیشہ  
 ذہنی، روحانی اور جسمانی پریشانی میں مبتلا رہے گا۔

اہل ایمان کے  
 لیے انعام

اس کے برخلاف وَمَنْ جَاءَنَّهُ مُؤْمِنًا جو کوئی ایمان  
 کی حالت میں اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوگا۔ جو اللہ کی وحدانیت، نبی  
 کی نبوت، کتب سماویہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ہوگا۔ اور اس کے  
 ساتھ ساتھ قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ اُس نے نیک اعمال بھی انجام  
 دیے ہوں گے۔ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ان کو بلند  
 درجات نصیب ہوں گے اس کے ساتھ ساتھ جَدَّتْ عَدَّتْ  
تَجَرَّتْ مِنْ تَحْتِهَا اُنہیں قابل رہائش باغات نصیب  
 ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ خَالِدِينَ فِيهَا جتنی لوگ  
 ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہاں سے کبھی بیدخل نہیں کیے جائیں گے  
 یہ نعمت انہیں دائمی طور پر حاصل ہوگی۔ فرمایا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ  
 اور یہ بدلہ اُس شخص کے لیے ہے جس نے تزکیہ حاصل کر لیا۔ یہ انعام اُس کو  
 ملے گا جس نے اپنے آپ کو کفر، شرک، نفاق، بد اخلاقی اور بد اعمالی سے  
 بچا لیا۔

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد ان کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ اُس  
 کا اللہ نے ذکر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ فرعون نے انہیں وہی سزا دی ہوگی۔  
 جس کی اُس نے دہمکی دی تھی، مگر وہ لوگ ایمان پر قائم رہے۔ اللہ نے

انہیں بلند درجات پر فائز فرمایا اور وہ کامل الایمان ہو کر شہادت کے مرتبے کو پہنچے۔ فرعون اور اس کے حواری ذلیل و خوار ہوئے مگر انہوں نے ایمان مستبول نہ کیا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دوسری سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ ان باتوں کا ذکر اگلی آیات میں آئے گا۔

---



وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ  
لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَافُ دَرْكًا  
وَلَا تَخْشَى ۝ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ  
مِّنَ اللَّيْلِ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ  
وَمَا هَدَىٰ ۝

توجہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی  
طرف کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل  
جاؤ۔ پس بناؤ اُن کے لیے راستہ سمندر میں خشک۔ نہ خوف  
کھاؤ (دشمن کے) پکڑنے کا اور نہ ڈر (ڈوبنے کا) ۴۷  
پس چھپا کیا اُن کا فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ۔ پس  
ڈھانپ لیا اُن کو دریا کے پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا  
(نہایت خطرناک طریق پر) ۴۸ اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی  
قوم کو اور راہِ راست نہ دکھایا ۴۹

رابطہ آیات جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ اور  
معجزات بھی دکھائے تو اُس نے اُسے جادو سے تعبیر کرتے ہوئے ایمان لائے سے  
انکار کر دیا۔ کہنے لگا، ہم تمہارے جادو کا مقابلہ اپنے جادو گروں سے کریں گے۔  
چنانچہ ملک بھر کے بڑے بڑے جادو گروں کو جمع کیا اور انہیں مقابلے کی ترغیب  
دی۔ کامیابی کی صورت میں انہیں انعام و اکرام دینے اور اپنا مقرب بنانے کا

لاٹج بھی دیا۔ پھر جب مقررہ تاریخ پر جادوگروں نے اپنا کرتب دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے معجزے کے ذریعے اُسے باطل کر دیا۔ جادوگر سمجھ گئے کہ یہ اللہ کا نبی ہے اور ہم اس کے معجزات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار پر ایمان لائے۔ فرعون اس بات سے سخت سیخ پا ہوا اور جادوگروں کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر تم ایمان سے باز نہ آئے تو تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دوں گا اور تمہیں سولی پر لٹکاؤں گا۔ فرعون نے یہ بھی کہا کہ تم سب موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور اس سے ملے ہوئے ہو اور تم نے جان بوجھ کر شکست تسلیم کی ہے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کم و بیش چالیس سال تک حق تبلیغ ادا کرتے رہے۔ اللہ نے آپ کے ہاتھ پر بہت سے معجزات بھی ظاہر فرمائے جن کا ذکر سورۃ الاعراف میں موجود ہے مگر فرعون اور اُس کے حواریوں نے تسلیم کیا بلکہ اسرائیلیوں پر ان کے مظالم بڑھتے ہی گئے۔ حتیٰ کہ اسرائیلی لوگ پکار اُٹھے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کے آنے سے پہلے ہم ظلم و ستم کا شکار بنتے تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہم اسی عذاب میں مبتلا ہیں، بلکہ ہمارے مصائب میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دی اور صبر سے کام لینے کی تلقین کی۔ کیونکہ بالآخر اچھا انجام صبر کرنے والوں کا ہی ہوتا ہے۔ فرمایا، اُن کے مظالم کو برداشت کرو، اللہ تعالیٰ کوئی وقت لائے گا۔ جب تمہاری تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ اُدھر فرعونوں کا حال یہ تھا کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو زبان سے اقرار کرتے کہ جب یہ تکلیف دور ہو جائے گی تو ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے، مگر جب اللہ تعالیٰ اُن سے وہ مصیبت طال دینا تو پھر انکار کر دیتے اور کہتے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تیری یہ نشانیاں جادو و محض ہے جسے ہم تسلیم کرتے کیلئے تیار نہیں ہیں۔



مثال واقعہ مزاج میں بھی ملتی ہے سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا  
(بنی اسرائیل - ۱) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام  
سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کے زمانے میں جب بنی اسرائیل  
کنعان سے مصر میں داخل ہوئے تھے تو ان کی تعداد ستر بہتر یا انسی تھی  
مصر میں آکر وہ خوب بڑھے پھولے، حتیٰ کہ تاریخی روایات کے مطابق  
چار سو سال کے عرصہ میں اسرائیلیوں کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ  
چکی تھی۔ ان سب کو ہمراہ لے کر موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کھڑے ہوئے  
فرعونی ایک دو دن تک تو یہی خیال کرتے رہے کہ اسرائیلی اپنی تقریب  
میں شرکت کر رہے ہیں، لیکن پھر احساس ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار  
کے مطابق یہ سب لوگ یہاں سے ہجرت ہی نہ کر جائیں۔ فرعون نے فوج  
اور دیگر اسلحہ سلطنت کو فوری تیاری اور اسرائیلیوں کے تعاقب کا حکم  
دیا تاکہ انہیں ہجرت کرنے سے روک کر دوبارہ اپنی غلامی میں لے سکیں  
جیسا کہ سورۃ الشعراء میں مذکور ہے بنی اسرائیل چلے جا رہے تھے، سامنے  
سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر تعاقب کر رہا تھا۔ اسرائیلی فرعون کے  
مزاج اور اس کے ظلم و ستم سے واقف تھے لہذا وہ ان حالات میں سخت  
پریشان ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں اِنَّا  
مَعَكُمْ رَجَبٌ سَيَهْدِيْكُمْ (آیت - ۶۲) میرا پروردگار میرے  
ساتھ ہے۔ ہم اچھی کے حکم سے نکلے ہیں، لہذا وہ ضرور ہماری رہنمائی  
فرمائے گا۔

سمندر میں  
خشک راستہ

جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پہنچے تو آگے نکلنے کا کوئی  
راستہ نہ تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو  
حکم دیا فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا اِن



کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ۔ غروب کا معنی مارنا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہی تھا کہ اپنی لاکھٹی کوہ پانی میں مار دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے پانی کے درمیان راستہ بنا دے گا۔ چنانچہ جوہنی موسیٰ علیہ السلام نے لاکھٹی ماری سمندر کا پانی دو لخت ہو گیا اور درمیان میں چلنے کا راستہ بن گیا۔ راستے کے دونوں طرف پانی دیواروں کی شکل میں منجمد ہو گیا جسے سورۃ الشعراء میں كَالطُّودِ الْعَظِيمِ (آیت - ۶۳) کا نام دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے، اس لحاظ سے بارہ راستوں کا ذکر بھی آتا ہے اور ہر قبیلہ اپنے اپنے مقررہ راستے پر چل رہا تھا۔ بہر حال لاکھٹی مارنے سے پہلے راستہ بنا اور پھر ایسی ہوا چلی کہ راستہ خشک ہو کر چلنے کے قابل ہو گیا، لاکھٹی کے سانپ بن جانے کی طرح سمندر میں خشک راستہ کا بن جانا بھی ایک معجزہ تھا۔ جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ معجزہ یا کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اس میں کسی انسان کا دخل نہیں ہوتا کہ جب چاہے کوئی معجزہ یا کرامت ظاہر کر سکے۔ اللہ نے فرمایا، ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنائیں اور اُس پر چل پڑیں لَا تَخَفُوا دَرَكًا اور دشمن کے ہاتھوں بچنے کے لیے جانے کا خوف نہ کھائیں۔ دوسری آیت میں ہے اسرائیلیوں نے سخت خوفزدگی کی حالت میں کہا تھا، اے موسیٰ علیہ السلام! اِنَّا كُودُوكَ (الشعراء - ۶۱) ہم تو بچنے کے لیے دشمن سے بچ رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو زبانی تسلی دی کہ دشمن کی طرف سے مت ڈرو وَلَا تَخْشَوْا اور نہ ہی پانی میں ڈوب جانے کا خوف کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر پانی میں اترتے ہیں تو غرق ہو جاتے ہیں اور محاصرے میں رہتے ہیں تو فرعون کے ہاتھوں بچنے کی جگہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کوہ بنی اسرائیل کی حفاظت اور فرعونوں کی غرقابی منظور تھی لہذا فرمایا کہ خوف نہ کھاؤ۔

بلا خوف و  
خطر سفر

بنی اسرائیل ان خشک راستوں پر چل پڑے۔ جب فرعون کا لشکر تعاقب کرتا ہوا سمندر کے کنارے پہنچا تو اس نے اسرائیلیوں کو سمندر کے سجوں پہنچ جلتے ہوئے پایا۔ چنانچہ فَاتَّيْتَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فرعون بھی اپنے لشکر سمیت اُن کے پیچھے چل پڑا۔ یہ لشکر گھوڑوں اور زنجیر گاڑیوں پر سوار تھا، اس میں شاہی خاندان کے افراد، امراء اور باقی لوگ شامل تھے۔ اس لشکر کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں، تاہم فرعونوں کی تعداد دس بارہ لاکھ سے کم نہ تھی۔ مفسرین کہہ نام فرماتے ہیں کہ فرعونی لشکر پانچ حصوں یعنی مقدمۃ الجیش، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ پر مشتمل تھا اور صرف مقدمۃ الجیش میں سات لاکھ افراد تھے اس سے باقی حصوں کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ بہر حال اللہ نے اس مقام پر اجمالی بات بیان کی ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ وہ دشمن سے خوفزدہ نہ ہوں۔ تکالیف ضرور آئیں گی مگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نامہ اور حکمت بالغہ سے اسی طرح کامیابی عطا کرے گا۔ جس طرح سخت مصائب برداشت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی۔

لشکر فرعون  
کی غرقابی

جب فرعونی لشکر نے دیکھا کہ اسرائیلی سمندر کے درمیان خشک راستے پر چلے جا رہے ہیں، تو انہیں سخت حیرانی ہوئی۔ کچھ توقف کے بعد انہوں نے بھی اسی راستے پر چل کر تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ فرعون آگے آگے تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں اتارا۔ اُس کو دیکھ کر سارا لشکر سمندر میں خشک راستے پر کود پڑا۔ جب فرعونی لشکر درمیان سمندر پہنچا تو اس اثنا میں قوم موسیٰ سمندر کو پاؤں کی بھٹی۔ پھر اللہ نے پانی کو حکم دیا تو اس کی منجند دیواریں آپس میں مل گئیں خشک راستہ ختم ہو گیا اور سارا فرعونی لشکر سمندر کی لہروں کی نذر ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا فَنَشِيبُهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَأْخِذًا۔ پھر اُن کو پانی کی موجوں نے ڈھانپ لیا، جیسا کہ ڈھانپ لیا۔ پھر مرت

پوچھو کہ اُن کا کیا حشر ہوا۔ لاکھوں کے لشکر میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچا۔  
 البتہ فرعون کی لاش کے متعلق اللہ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے **فَالْيَوْمَ  
 نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً** (آیت - ۹۲)  
 آج ہم تیری لاش کو جمع زرہ باہر پھینک دیں گے تاکہ یہ پیچھے آنیوالوں کے  
 لیے باعث عبرت ہو۔ یہ لاش آج تک مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ یہ  
 لاش کچھ عرصہ تک برٹش میوزیم میں بھی رکھی گئی۔ مگر بعد میں واپس مصر لے جانی گئی۔  
 اللہ نے فرعون کے ڈوبنے کی کیفیت کا ذکر بھی کیا ہے کہ جب وہ  
 ڈوبنے لگا تو اُس نے کلمہ پڑھ دیا مگر اس وقت کا ایمان لانا اللہ کے ہاں  
 قبول نہ ہوا۔ اللہ نے فرمایا **الْأَلْفُ وَفَقَدْ عَصَيْتَ قَوْلَ وَكَنتَ  
 مِنَ الْمُفْسِدِينَ** (یونس - ۹۱) عذاب کو دیکھ کر اب ایمان  
 لائے ہو۔ جب کہ ساری عمر غنڈہ گردی کرتے رہے۔ اب ایمان لانے  
 کا وقت گزر چکا ہے، لہذا تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ بلکہ آنے  
 والے لوگوں کے لیے تمہیں عبرت کا نمونہ بنا دیا جائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اس ساری خرابی کا ذمہ دار خود فرعون تھا **وَأَضَلَّ  
 فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ** اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ وہ اُن سے کہتا  
 تھا **وَمَا آتَاكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ** (المومن - ۲۹) میں  
 تمہیں ٹھیک راستے پر چلا رہا ہوں، اسی پر چلتے رہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی  
 بات نہ ماننا، وہ تمہاری تہذیب کو مٹانا چاہتا ہے اور تمہارے آباد و آباد  
 سے آنے والے رسم و رواج کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ فرعون  
 نے اپنی قوم کو گمراہ کیا **وَمَا هَدَىٰ** اور انہیں راہ راست نہ بتلایا۔ فرعون  
 جس راستے کی طرف رہنمائی کر رہا تھا وہ تو تباہی اور ہلاکت کا راستہ تھا۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں فرعون اپنے لشکر کی قیادت  
 کر رہا تھا، اسی طرح قیامت کے دن بھی اپنی قوم کے آگے آگے چلے

قوم فرعون  
 کی گمراہی

گَا فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (ہود - ۹۸) اور انہیں لے کر جہنم میں پہنچ جائے گا۔ فرمایا وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُوْدُ یہ تو بہت ہی برا نوشہ ہے جو اُن کو ملے گا۔ دنیا میں پانی میں غرق ہوئے تو آخرت میں جہنم نصیب ہوگی۔ وَأَتَّبِعُوا فِيْ هٰذِهِ لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آیت - ۹۹) اس دنیا میں بھی اُن پر لعنت کی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت میں مبتلا ہوں گے۔ اب جو کوئی فرعون کا ذکر کرتا ہے اُس پر اور اُس کے ساتھیوں پر لعنت بھیجتا ہے کہ انہوں نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کیا مگر ناکام و نامراد ہوئے۔ اور بالآخر جہنم میں پہنچے۔ اللہ نے یہی بات یہاں پر اشارتاً بتلائی ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور انہیں راہِ راست پر گامزن نہ ہونے دیا۔

یہاں تک فرعون کا واقعہ اللہ نے اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تذکرہ آرہا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں اور قبطیوں دونوں اقوام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے قبطی تو بحرِ قزقم کی موجوں میں غرق ہو گئے، اب اگلی آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہو رہا ہے



يَبْنَئِ إِسْرَءِيلَ قَدْ أَجْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ  
 جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ  
 وَالسَّلَوى ⑧۰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ  
 وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَن  
 يَحِلَّ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوَى ⑧۱ وَإِنِّي لَنَفَّارٌ  
 لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ⑧۲  
 وَمَا آَعَجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يُمُوْسَى ⑧۳ قَالَ هُمُ  
 أَوْلَاءُ عَلَى أَثَرِيْ وَعِجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ⑧۴  
 قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ  
 السَّامِرِيُّ ⑧۵

ترجمہ :- اے اسرائیل کی اولاد! تحقیق ہم نے نجات دی  
 تم کو تمہارے دشمن سے، اور وعدہ کیا تمہارے ساتھ طور  
 کی داہنی طرف کا، اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلوی ⑧۰  
 کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے، اور  
 نہ سرکشی کرو اُس میں۔ پس اترے گا تم پر میرا غضب۔ اور  
 جس پر اُترا میرا غضب، پس تحقیق وہ ہلاکت میں گر پڑا ⑧۱  
 اور بیشک میں البتہ بہت بخشش کرنے والا ہوں اُس کے لیے

جس نے توبہ کی ، اور ایمان لایا ، اور نیک عمل کیا ، اور پھر توبہ  
کے راستے پر قائم رہا (۸۲) اور کس چیز نے جلدی میں ڈالا ہے  
تجھ کو اپنی قوم سے اے موسیٰ ! (۸۳) کہا (موسیٰ نے) یہ آ  
ہے ہیں میرے پیچھے۔ اور میں نے جلدی کی ہے تیری طرف  
اے پروردگار ! تاکہ تو راضی ہو جائے (۸۴) فرمایا (اللہ نے)  
بیشک ہم نے فتنے میں ڈال دیا ہے تیری قوم کو تیرے  
بعد ، اور گمراہ کیا ہے اُن کو سامری نے (۸۵)

رابطہ آیات

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ کا وہ حصہ بیان کیا ہے جس  
میں انہوں نے فرعون کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ، مگر اُس نے اور اُس کے حواریوں نے یہ  
پیغام قبول نہ کیا بلکہ آخر وقت تک کفر و شرک پر اڑنے لگے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے موسیٰ  
علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں۔  
موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی ، مگر آگے بھر قلمزم تھا اور پیچھے فرعون تعاقب کر رہا  
تھا۔ تو اللہ نے بنی اسرائیل کو معجزانہ طریقے سے سمندر سے پھلکا کر دیا۔ جب فرعون مع  
لشکر موسیٰ علیہ السلام کے راستے پر سمندر میں داخل ہوا تو اللہ نے پانی کی رُکی ہوئی موجوں کو  
چھوڑ دیا اور سارا فرعونی لشکر غرق کر دیا۔ اس مقام پر اللہ نے یہ بات اجمال کے ساتھ بیان  
فرمائی ہے اور فرعون کی مذمت کی ہے کہ اُس نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا  
کہ میں اپنی قوم کو صحیح راستے پر چلا رہا ہوں لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اس گمراہی  
کے باعث سارے فرعونی اس دنیا میں ہلاک ہوئے اور قیامت کو بھی جہنم کا ایندھن  
بنیں گے۔

بنی اسرائیل اور  
بنی اسماعیل

اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے یاد دلایا ہے کہ اُس نے انہیں  
غلامی سے نجات دلائی اور پھر آگے روحانی اور مادی دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اسرائیل  
یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کا معنی ہے "اللہ کا بندہ" بنی اسرائیل کی پوری قوم

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھی، اسی لیے وہ اولادِ اسرائیل کہلائی۔ اُدھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے تھے۔ اللہ نے اُن کی نسل بھی خوب پھیلادی۔ عرب کے تمام قبائل اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ قوم نہ صرف عرب کی سرزمین میں پھیلی پھولی بلکہ یہ لوگ عرب سے باہر بھی پھیل گئے، عراق، شام اور ایران تک عرب قبائل آباد ہو گئے۔

غلامی سے  
نجات

بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے۔ یٰبَنِي إِسْرَءِیْلَ اے اسرائیل کی اولاد! ہم نے تم پر بڑا احسان کیا۔ قَدْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ کہ تمہیں تمہارے دشمن فرعون سے نجات دی۔ تم صدیوں سے فرعون کی قوم کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے اور مسلسل تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ مشقت کے کام کرتے تھے اور ذہنی اور جسمانی کوفت کا شکار تھے۔ اللہ نے تمہیں غلامی جیسی غیر فطری حالت سے نکال کر آزادی کی فطری حالت میں امن و سکون نصیب فرمایا۔ سورۃ بقرہ میں ہے فَانْجَيْنَاكُمْ وَاَعْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (آیت ۵۰) ہم نے تمہیں ایسی حالت میں نجات دی کہ تم قوم فرعون کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہو رہا دیکھ رہے تھے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن سے نجات دینے کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشمن ہر طریقہ سے ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے ساتھ ہمیشہ تحقیر آمیز سلوک کرتا ہے اور ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ آج کی دنیا میں بھی نظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ من حیث القوم مسلمانوں کے بشمار دشمن زمین میں پھیلے ہوئے ہیں جو انہیں سیاسی، معاشی اور علمی رنگ میں ہمیشہ نقصان پہنچانے کے لیے

رہتے ہیں مسلمان اقتصادی اور سائنسی لحاظ سے بڑی طاقتوں کے غلام بن چکے  
ہیں اور ان کی خواہش کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ مسلمانوں کو ٹیکنالوجی  
میشینری، اس کے پیرے حتیٰ کہ سوچنے کا انداز بھی اپنے غیر مسلم دشمنوں سے  
مستعار لینا پڑتا ہے۔ یہ اقوام مسلمانوں کی کبھی ہمدرد اور دوست نہیں ہو  
سکتیں۔ اللہ کا فرمان ہے وَلَکُم مِّنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةٌ وَاِلٰہُ الْیَہُودِ وَاِلٰہُ  
النَّصٰرَی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ - ۱۲۰)

یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ  
آپ ان کا دین قبول کر لیں اور ان کی تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیں۔ آگے  
فرمایا قُلْ اِنَّکُمْ کُنتُمْ عَلٰی اللّٰهِ وَاحِدَیْنِ فَاَنفَکْتُمْ فَاَنفَکْ فَاُولٰٓئِکَ لَہُمُ عَذَابٌ عَظِیْمٌ  
اللہ کی ہدایت ہے۔ یہود و نصاریٰ تو گمراہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی  
کتابوں اور شریعت کو بگاڑ رکھا ہے۔ یہ تو اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم  
کو انسانی صحیفہ سمجھتے ہیں، بھلا ان کو آپ کیسے راضی کر سکتے ہیں۔

کتاب  
دینے کا  
وعدہ

بہر حال اللہ نے بنی اسرائیل پر اپنے اس انعام کا ذکر کیا کہ اس نے  
انہیں دشمن سے نجات دی۔ اور پھر دوسرا انعام یہ یاد دلایا وَوَعَدْنَاکُمْ  
جَانِبَ الطُّورِ الْاَیْمَنِ اَوْ تَمَّسَیْ دَعْدَہُ کَیَا کُوہِ طور کی دائیں جانب کا  
اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔  
کوہِ طور کوئی زیادہ اونچا پہاڑ نہیں ہے، تاہم اس کی دامنہ جانب قدرے  
بلند ہے تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ پہاڑ کی اس جانب آکر  
چالیس دن تک اعتکاف کریں تو پھر آپ کو مطلوبہ کتاب عطا کر دی جائے  
گی۔ دراصل کتاب کی خواہش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی قوم کی فرمائش  
پر کی تھی۔ جب یہ قوم فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر صحرائے سینا میں پہنچی تو انہوں  
نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ مصر میں تو ہم فرعون کے غلام تھے، وہاں  
نہ ہمارے کوئی تہذیب تھی اور نہ کوئی قانون جس پر از خود عمل کر سکتے۔ اب ہم



آزاد ہیں لہذا اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمارے لیے قانون کی کوئی کتاب نازل کرے جس پر ہم عمل پیرا ہو سکیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے درخواست اللہ کی بارگاہ میں پیش کی تو حکم ہوا کہ اپنی قوم کے بعض سرکردہ آدمیوں کو لے کر وہ طور کی دہنی سمت میں آجاؤ۔ وہاں پر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاؤ۔

پہلے تیس دن کی مدت مقرر کی اور پھر اُسے بڑھا کر چالیس دن کر دیا۔ تو فرمایا ایا کرو گے تو میں تمہیں تورات یعنی قانون عطا کروں گا جس پر بنی اسرائیل عمل پیرا ہو کر دنیا اور آخرت میں فلاح پاسکیں گے۔ چنانچہ چالیس دن کے اعتکاف کے بعد اللہ نے تورات عطا فرمائی جس کی تفصیلات سورۃ اعراف اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہیں۔ اسی کتاب کے عطا کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے طور کی دہنی جانب کا وعدہ کیا۔

تورات ایک روحانی نعمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ کتاب عطا کرنے کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل سے اس کتاب پر عمل کرنے کا پختہ عہد لیا تھا، مگر اسرائیلیوں نے اس میں کمزوری دکھائی۔ اللہ نے فرمایا وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ (اعراف - ۱۷۱) اور اُس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے پہاڑ کو اُس کے اُوپر معلق کر دیا اور فرمایا کہ اب کتاب پر عمل کرنے میں پس و پیش کرتے ہو، پختہ عہد کرو۔ ورنہ یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گر دیا جائے گا سورۃ البقرہ میں بھی ہے وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ (آیت - ۹۳) ہم نے کوہ طور تمہارے سروں پر بلند کر دیا اور حکم دیا کہ اس عطا کردہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ چنانچہ اسرائیلیوں نے پھر پختہ عہد کیا کہ ہم اس کتاب پر عمل پیرا رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی انعام تھا مگر اسرائیلیوں نے اس کی قدر نہ کی۔

کتاب اللہ  
بطور روحانی  
نعمت

آج مسلمانوں کے پاس بھی اللہ کی عظیم الشان کتاب قرآن حکیم موجود ہے

مگر مسلمانوں میں صحیح ایمان موجود نہیں جس کی وجہ سے نہ ان کے اذہان صحیح ہیں۔ اور نہ کتاب کے ساتھ حقیقی عقیدت موجود ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قُرب قیامت میں لَا يَبْقَى مِنْكَ الْكِتَابُ إِلَّا دَسْمَةٌ کتاب اللہ کے محض نقوش ہی باقی رہ جائیں گے، اس کی تعلیم، تفہیم اور اس پر عمل ختم ہو جائے گا۔ قرآن پاک میں اولین اور آخرین کا علم موجود ہے، صحیح احادیث میں اس کی تشریح بھی موجود ہے، مگر مسلمان ہیں کہ اس کے علوم و معارف کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کتاب کو مضبوطی سے نہیں پکڑو گے فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (المائدہ ۵۰) تو پھر اس کے بعد کون سی کتاب آئے گی۔ جس پر ایمان لاؤ گے، یہ تو اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس کے بعد سالت اور کتب سماویہ کی آمد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں دنیا اور آخرت کی فلاح کا راز پنہاں ہے اس کتاب کا دعویٰ ہے ذَلِكِ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (البقرہ - ۲) کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ اس کے ذریعے تقویٰ اختیار کرنے والوں کی صحیح راہنمائی ہوتی ہے۔ منافق اس سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے۔ مگر یہ ہماری بد قسمتی کی انتہا ہے کہ اس عظیم نعمت کی موجودگی میں ہم اس کے فیوض و بركات سے محروم ہیں۔ دنیا میں لاتعداد قانون بنتے ہیں جن میں ہزاروں خامیاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے قانون میں ترمیم کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے اس کیجہ ہو یا برطانیہ، روس ہو یا جرمنی، چین ہو یا جاپان قانون میں تبدیلی مسلسل جاری رہتی ہے۔ یہ صرف مسلمان ہیں کہ قرآن کہ ہم کی صورت میں ایسا قانون موجود ہے جو پاکیزہ اور اٹل ہے اور اس میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت پیش نہیں آتی، یہ قیامت تک کے لیے یکساں طور پر کارآمد قانون ہے۔ جو انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔

آج دنیا میں مسلمانوں کی ذہنی غلامی کا یہ حال ہے کہ ان میں ملی شعور تک باقی نہیں رہا۔ یہ نہ تو اپنے ذہن سے پروگرام بنا سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ ان کے تمام پلان (منصوبے) امریکہ، روس یا انگریز کے ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کی تمام سکیموں میں ایک مشترک قدر یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی غلامی میں جکڑا جائے۔ آج ملک میں کوئی ایسا پلان موجود نہیں جو ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا سدباب کر سکے اور مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دے۔ ہر سال خسارے کا بجٹ بنتا ہے اور ملک مقروض سے مقروض تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی مسیحا آج تک پیدا نہیں ہوا جو ملک کو غیر اقوام کی اقتصادی اور ذہنی غلامی سے آزاد کر سکے۔ کتنی ذلت کی بات ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی نظام بھی بین الاقوامی پابندیوں سے آزاد نہیں۔ کہنے کو تو ہم آزاد ملک کے آزاد باشندے ہیں مگر بدترین قسم کی ذہنی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کاش کہ مسلمان اللہ کی کتاب سے راہنمائی حاصل کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کو مشعلِ راہ بناتے خلفائے راشدین کے دورِ وائے پروگرام بناتے، مگر یہ سب کچھ بھول کر ہم نے اختیار کو ہی اپنا ہادی و راہنما تسلیم کر لیا ہے اور ہر معاملے میں انہی کی رائے کو صواب سمجھتے ہیں۔ یہودیوں، عیسائیوں اور اشترکیوں نے ہمارے اذہان کو اس قدر مڑو کر دیا ہے کہ اب ہم انہی کے دماغ سے سوچتے اور انہی کے پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔ کتاب کی روحانی نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مادی نعمت کا ذکر کیا ہے جو اُس نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ یہ لوگ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں پہنچے تو ان پر غلامی کے اثرات ابھی تک موجود تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں شام و فلسطین کی سرزمین دوبارہ عطا کر دے گا۔ مگر یہ لوگ غلامانہ ذہن کی وجہ سے اس قدر لپٹ ہو چکے تھے کہ جہاد کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا **فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ**

من و سلوی  
بطور مادی  
نعمت



عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً؟ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ط فَلا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (البائده - ۲۶) سرزمین شام فلسطین ان پر چالیس سال تک عزم قرار دے دی گئی ہے۔ یہ اسی صحرا میں سرگرداں پھرتے رہیں گے، لہذا اے موسیٰ! آپ اس فاسق قوم پر کچھ افسوس نہ کریں۔ بنی اسرائیل اس صحرا میں نظر بند ہو کر سزا محکمت ہے تھے۔ مگر اللہ نے اس حالت میں بھی ان کو اپنے انعامات سے نوازا۔

اس لوق و دق صحرا میں بنی اسرائیل کے لیے اولین مسئلہ پانی اور خوراک کا تھا۔ ان کو لباس کی ضرورت تھی، جب یہ لوگ مصر سے نکلے تھے تو اللہ نے عرصہ تک ان کے مصری لباسوں کو ان کے جسموں پر قائم رکھا اور محجزانہ طور پر ان کو بچھٹنے سے محفوظ رکھا۔ چھ سات لاکھ کی آبادی کے لیے رات کو روشنی کا انتظام کیا۔ پانی کے لیے بارہ چشمے جاری کر دیے۔ اور خوراک کے لیے فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر مین اور سلویٰ نازل فرمایا۔

مَنَّاء کا لفظی معنی احسان ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا کہ اُس نے بنی اسرائیل کے لیے بغیر مشقت کے روزی کا سامان پیدا کر دیا۔ یہاں یہ مین سے مراد ترنجبین جیسا شجرہ کا ایک مادہ ہے۔ جو بنی اسرائیلی بستیوں میں بارش کی صورت میں نازل ہوتا تھا۔ یہ لوگ اُسے اکٹھا کر لیتے جو ان کی بہترین خوراک بنتا۔ انسانی جسم کی نشوونما کے لیے دو بنیادی چیزیں ضروری ہیں۔ ایک شکر اور دوسری لحمیات۔ اطباء کہتے ہیں کہ ایک تندرست آدمی کے لیے سات سو کیلوری حرارت کی ضرورت ہوتی ہے جو اُس کے جسم میں موجود شکر سے پوری ہوتی ہے۔ آپ جو بھی خوراک استعمال کرتے ہیں وہ معدے اور جگر میں جا کر شکر انکوری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر خون میں شامل ہو کر انسانی جسم کی توانائی کو برقرار رکھتی ہے۔ اگر جسم



بیش سکر کا نظام خراب ہو جائے تو ذیابیطس (SUGAR شوگر) کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے انسانی جسم کی شکمہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اور وہ گھل گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے اُن کی خوراک کی ایک بنیادی ضرورت من نازل کر کے پوری کر دی۔

خوراک کا دوسرا لازمی جزو لحمیات (پروٹین) ہیں جسے اللہ نے سلویٰ کی شکل میں مہیا فرمایا۔ سلویٰ بٹیر کی قسم کا ایک جانور تھا۔ ہوا انہیں غول در غول بنی اسرائیل کی بستیوں کے قریب لے آتی تھی۔ اور پھر یہ لوگ انہیں پکڑ کر خوراک بنالیتے تھے۔ تمام حلال جانوروں اور پرندوں میں سے لطیف ترین گوشت بٹیر کا ہے، اللہ تعالیٰ ہی پریمے بنی اسرائیل کو بیٹھے بٹھے بھج دیتا تھا، وہ انہیں پکڑ کر ذبح کرتے اور اپنی خوراک بنالیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوراک بھی اسی طرح وقت مہیا فرمائی جس طرح خود رکھنیاں ہوتی ہیں جو بہار اور بہسات کے موسم میں بغیر محنت کے خود بخود آگ آتی ہیں اور لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلْكَمَّاتُ مِنْ صِلَةِ الْمَرْءِ وَمَا وَهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ یعنی کھنیاں من ہی کی قسم سے ہیں جن کا پانی آنکھوں کی امراض کے لیے شفا بخش ہے کھنیاں پکا کر بطور سالن بھی استعمال کی جاتی ہیں اور اُن کا ذائقہ بھی گوشت سے ملتا جلتا ہے۔ تو اللہ نے سلویٰ نازل فرما کر بنی اسرائیل کے لیے گوشت کا بندوبست بھی کر دیا۔ اگر پاکیزہ گوشت میسر آجائے تو انسان کی تسلی ہو جاتی ہے اللہ نے اہل بہشت کے متعلق فرمایا ہے وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ (الواقعہ - ۲۱) کہ اُن کو پرندوں کا من پسند گوشت حاصل ہوگا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سلویٰ کا انتظام بھی کر دیا۔

خوراک کا بندوبست کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا کُلُوا مِنْ

طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ إِنَّ يَاقِينُہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ اور اس معاملہ میں سرکشی اختیار نہ کرو۔ اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرنا کیونکہ اگر ایسا کرو گے فَجْجَلْ عَلَيْكُمْ عَذَابِي تَوْقَمِ بِمِيرِ غَضَبِ اتے گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ خدا کی نعمتوں کی ناقدری کر کے، خدا کی کتاب کی توہین کر کے اور بد علی کا مظاہرہ کر کے تم بچ جاؤ گے۔ نہیں بلکہ ایسا کر کے میرے غضب کو دعوت دینا ہے وَكَانَ يَجْجِلُ عَلَيْهٖ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا، وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا رہا۔ ایسا شخص ذلت اور عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

ایمان اور  
اعمال صالحہ

آگے اللہ نے تصویر کا دوسرا رخ بھی واضح فرمایا وَآتِ الْفَقَارَ لِمَنْ تَابَ وَأَمَرَ وَعَمَلَ صَالِحًا بیشک میں بہت نچھٹے والا ہوں اُس شخص کو جس نے کفر، شرک اور معاصی سے توبہ کر لی۔ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت رسالت، ملائکہ، کتب سمار یہ اور قیامت پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد اُس شخص نے نیک اعمال بھی انجام دیے۔ ایسے نیک اعمال جن کی شریعت مطہرہ تصدیق کرتی ہے اور خود انسانی عقل بھی انہیں اچھا ہی سمجھتی ہے۔ فرمایا ثُمَّ أَهْتَدَىٰ پھر ایسا شخص ہدایت کے راستے پر قائم رہا۔ اُس نے مفسدین اور مقہورین کا راستہ اختیار نہ کیا۔ سچے دل سے تائب ہوا، ایمان لایا اور اعمال صالحہ انجام دیے تو ایسے شخص کے لیے میری بخشش کے دروازے کھلے ہیں۔ ہدایت کے راستے پر قائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تادمِ مرگ صحیح راستے پر چلتا رہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (الحجر - ۹۹) اپنے پروردگار کی اطاعت و عبادت میں مصروف رہو، یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔

موسیٰؑ کی

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر آنے کی دعوت دی تو عجلت

آپ کے دل میں اللہ سے محبت کا اتنا اشتیاق پیدا ہوا کہ باقی لوگوں کو ہمراہ لے جانے کی بجائے فوری طور پر اکیلے ہی چلے آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے استفسار آیا وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَمُوسَى۔ اے موسیٰ علیہ السلام! تجھے اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر جلدی چلے آنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تو عرض کیا قَالَ هُمْ أَوْلَاءُ عَلَيَّ أَتْرَىٰ وَهَلْ لَكَ قَوْمٌ بَعْدِي؟ اے پیچھے ہی آئے ہیں۔ وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ اے پروردگار! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی اس لیے کی ہے تاکہ تو راضی ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کا حکم ملتے ہی جلدی جلدی تیار ہو گئے اور انہوں نے ذرا بھی دیر نہ کی۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ اللہ کے حکم کی جتنی جلدی تعمیل ہوگی، اللہ اتنا ہی راضی ہوگا۔

قَالَ اللَّهُ نَفَرًا فَيَا قَدْ فَدَّ بِكَ قَوْمَكَ مِنْ أَعْدَائِكَ اے موسیٰ! ہم نے تیرے چلے آنے کے بعد تیری قوم کو فتنے میں ڈال دیا۔ آگے آرہا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر جانے کے لیے تیار ہوئے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ آپ کے جانے کے بیس دن بعد سامری کا واقعہ پیش آگیا اور اُس نے قوم کو شرک میں مبتلا کر دیا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ نے یہاں اشارتاً فرمایا ہے وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو سامری نے گمراہ کر کے اُن سے بچھڑے کی پوجا کرائی اور اس طرح انہیں شرک میں مبتلا کر دیا۔

فَرَجَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ  
لِقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ  
عَلَيْكُمْ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ  
مِّن رَّبِّكُمْ فَاخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِي ۚ <sup>(۸۶)</sup> قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا  
مَّوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمَلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ  
الْقَوْمِ فَقَدْ فَنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ <sup>(۸۷)</sup> فَخَرَجَ  
لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ  
وَاللَّهُ مُوسَىٰ ۚ فَنَسِيَ <sup>(۸۸)</sup> أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ  
إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۚ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا <sup>(۸۹)</sup>

ترجمہ :- پس کوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضبناک ، اندوہناک  
کہنے لگے اے میری قوم کے لوگو! کیا تم سے تمہارے پروردگار  
نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا دراز ہو گئی تم پر مدت یا  
ارادہ کیا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی  
طرف سے ، پھر تم نے خلاف کیا میرے وعدے کا <sup>(۸۶)</sup>  
وہ کہنے لگے کہ ہم نے نہیں خلاف کیا آپ کے وعدے  
کا اپنے اختیار سے لیکن ہم سے اٹھوائے گئے قوم کی زینت  
کے بوجھ ۔ پس ہم نے اُن کو پھینک دیا تھا ۔ پس اسی طرح



ڈالا سامری نے (۸۷) پس نکالا ان کے لیے بچھڑا ، ایک جسم تھا جس کے لیے بچھڑے کی آواز تھی ۔ انہوں نے کہا ، یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ۔ پس وہ ٹھول گیا (۸۸) کیا نہیں دیکھتے یہ کہ وہ نہیں لوٹتا اُن کی طرف بات کا جواب ، اور نہیں مالک ان کے لیے نقصان اور نہ نفع

کا (۸۹)

اس سے پہلے اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو بحر قلزم میں غرق کرنے کا واقعہ بیان کیا ۔ پھر بنی اسرائیل کو اپنی عطا کردہ نعمتیں یاد دلائیں ۔ ان میں روحانی نعمت اللہ کی کتاب تورات تھی جو بنی اسرائیل کی اپنی خواہش کے مطابق انہیں عطا کی گئی اللہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے چند منتخب آدمیوں کے ہمراہ کوہ طور پر چالیس دن اعتکاف کیا تو اللہ نے نعمت عطا کی ۔ اسی دوران میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطلاع بھی دی کہ اُن کی قوم سامری کی تحریک پر بچھڑے کی پوجا جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو چکی ہے ۔

رابط آیات

سامری کی شخصیت کے متعلق مفسرین کرام نے مختلف باتیں بیان کی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں یہ شخص شمال کی طرف سے آنے والے قبائل میں سے سمیری قبیلے کا ایک فرد تھا ، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایران کے صوبہ کرمان کا رہنے والا تھا ۔ بعض اس کا تعلق منگول نسل کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ شمال کی طرف سے یہی لوگ آئے تھے بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ سامری شام کی ایک بستی سامرہ کا رہنے والا تھا اور اسی نسبت سے سامری کہلاتا تھا لیکن بعض مفسرین کا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی اسرائیل ہی کا ایک فرد تھا ، بلکہ بعض تو اسے موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد یا خالہ زاد بھائی بتلاتے ہیں مگر یہ آپ پر ایمان نہیں رکھتا تھا ۔ اگرچہ اپنی قوم میں ملاحلا ہوا تھا مگر منافق آدمی تھا ۔ امام ابن جریر اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ تفسیری روایت بیان کی ہے کہ اس شخص کا اصل نام

سامری  
کون تھا

موسیٰ بن نضر تھا جب کہ اللہ کے نبی موسیٰ بن عمران تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اللہ نے غیر معمولی طریقے پر فرعون کے گھڑیوں کی تو اس موسیٰ یعنی سامری کی پرورش کسی غار میں ہوئی۔ جب یہ بنی اسرائیل کے کسی گھڑیوں پیدا ہوا تو فرعونی حکم کے مطابق اس کے بھی قتل کیے جانے کا در تھا، لہذا اس کی ماں اس کو کسی غار میں پھینک آئی کہ شاید اسی طریقہ سے اس کی جان بچ جائے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی پرورش حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے کی۔ جبرائیل اپنی دو انگلیاں اس کے منہ میں ڈالتے تھے جس میں سے ایک انگلی سے دودھ اور دوسری سے شہد نکلتا تھا جو اس نوزائیدہ بچے کی خوراک بنتا تھا بعض تین انگلیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اس تیسری انگلی سے مکھن برآمد ہوتا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق کسی شاعر نے بڑی پتے کی بات کی ہے۔

مُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ جِبْرِيلُ كَافِرٌ

وَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

جس موسیٰ کی پرورش جبرائیل علیہ السلام نے کی، وہ تو کافر ہوا، مگر جس موسیٰ کی پرورش فرعون کے ہاتھوں ہوئی اس کو رسالت کا مرتبہ عطا ہوا۔ بہر حال یہ شخص اسرائیلیوں میں سے ہی تھا اور انہیں میں ملا ہوا تھا۔ اس کی مثال شیطان کی ہے جو جن ہو کہ فرشتوں میں ملا ہوا تھا۔ اور جس کے متعلق اللہ نے وضاحت فرمادی كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (الکہف - ۵۰) جس طرح شیطان نے موقع ملنے پر اپنی کبروت ظاہر کی اور فرشتوں کی صحبت سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ مردود ٹھہرا، اسی طرح سامری بھی بنی اسرائیل سے تعلق کے باوجود موقع ملنے پر اپنی خباثت سے باز نہ آیا اور لوگوں کو کچھ پڑے کی پوجا پر لگا دیا۔ اور اس طرح ہمیشہ کے لیے ملعون ٹھہرا۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے دورانِ اعتکاف ہی اطلاع دے دی

تھی کہ آپ کی قوم فتنے میں مبتلا ہو چکی ہے۔ چنانچہ جب چالیس دن کی مدت پوری ہوئی فرجع موسیٰ الخ قومہ غضبان اسفان واپس لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف اس حالت میں کہ وہ غصے سے بھرے ہوئے اور غمگین تھے۔ آپ نے آکر دیکھا کہ لوگ کچھڑے کی پوجا کر رہے ہیں تو سخت ناراض ہوئے سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے کہ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر بڑی خفگی کا اظہار کیا کہ اُن کی موجودگی میں قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے۔ قوم کو بھی سخت ڈانٹ ڈپٹ کی کہ تم نے یہ کیا کام شروع کر دیا ہے۔ توحید کا سبق دینے والے اللہ کے نبی کے لیے یہ بات واقعی اندوہناک تھی کہ اُن کی چند دن کی علیحدگی کے دوران ہی قوم گناہ میں مبتلا ہو گئی۔ اللہ کے نبی کے لیے اس سے بڑھ کر کیا غم ہو سکتا تھا کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے ہزاروں لوگ شرک جلی میں مبتلا ہو جائیں۔

ہر اہل ایمان کے لیے یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ کوئی شخص اُس کے سامنے دینِ حق کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ مگر آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ معاشی بد حالی کی وجہ سے بنگلہ دیش کے دس لاکھ مسلمان عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ افراد ہی حیثیت سے مسلمان ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ حکومتی سطح پر ایسے بے بس لوگوں کو کوئی تعاون حاصل ہوتا ہے۔ دراصل اس وقت دنیا کی سپر پاورز نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو بے بس کر رکھا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ہمارے اس پاکستان میں بہت سے لوگوں کو عیسائی اور بعض کو مرزائی بنا لیا گیا ہے، مگر کسی کے کان پر جون تک نہیں رینگتی۔ دنیا میں عیسائیت نے وسیع جال پھیلا رکھا ہے۔ اُدھر دہریت بھی منہ کھولے مسلمانوں کو ہڑپ کر جانا چاہتی ہے۔ جو کہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا حادثہ ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام

کا اپنی قوم کے خلاف غضب اور افسوس فطری امر تھا۔

خدا کی غضب  
کو دعوت

قوم کی یہ حالت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کا ردِ عمل یہ تھا۔ قَالَ يَقَوْمِ فَرَّيَا  
اے میری قوم کے لوگو! اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا  
کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ وعدہ تو یہی  
تھا کہ اپنے منتخب آدمیوں کے ساتھ کوہِ طور پر چالیس دن تک عبادت و  
ریاضت میں مصروف رہو تو تمہیں تمہاری مطلوبہ کتاب عطا کر دیں گا۔ چنانچہ  
اس وعدے کے مطابق ہم طور پر چلے گئے اور پھر تم نے پیچھے کیا گل کھلائے  
فَرَّيَا أَفْطَا اَلْعَهْدُ کیا تم پر کوئی زمانہ دراز گزر گیا تھا۔ کہ تم  
شُرک میں مبتلا ہو گئے۔ کل چالیس دن کی مدت میں سے صرف بیس دن  
میں ہی تم بگڑے گئے اور پھر تم کو معذور بنالیا۔ فرمایا کیا مدت دراز ہو گئی تھی،  
اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ مِنْ رَبِّكُمْ  
تم نے جان بوجھ کر یہ ارادہ ہی کر لیا تھا کہ تم پر خدا تعالیٰ کا غضب اترے  
تم نے تو خود اللہ کے غیظ و غضب کو دعوت دی ہے۔ فَاَخْلَفْتُمْ  
مَوْعِدِيْ پس تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں نے  
تمہیں تاکید کی تھی کہ راہِ راست پر قائم رہنا اور توحیدِ خداوندی کا دامن نہ چھوڑنا  
میں نے ہارون علیہ السلام کو بطور نائب بھی تمہارے پاس چھوڑا، اور میں نے  
صاف کہا تھا وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِيْنَ (الاعراف- ۱۴۲)  
کہ فساد یوں کی راہ پر نہ چلنا، مگر تم تو حد سے تجاوز کر گئے اور میری بات  
پر عمل نہ کیا۔

بچھڑے کی  
مجہر سازی

موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کے جواب میں قَالَ لَوْ اَنَّ لَوْ كُوْنُ لَوْ  
کہا مَا اَخْلَفْتُكَ مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا اے (موسیٰ علیہ السلام) !  
ہم نے آپ کے ساتھ کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی اپنے اختیار  
سے نہیں کی۔ ملک کا لفظ تین قراتوں سے کیا جاتا ہے۔ یعنی ملک



ملک اور ملک۔ ملک اور ملک کا معنی کسی چیز کا قبضہ اور تصرف ہوتا ہے جبکہ ملک کا معنی بادشاہی ہے۔ تاہم اس مقام پر ملک سے مراد اختیار اور طاقت ہے۔ کہنے لگے ہم نے وعدے کی خلاف ورزی خود بخود نہیں کی۔ بات

یہ ہے وَلَکِنَّا حَمَلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ لَمْ یَمِمْ سے قوم کی زینت کے بوجھ اٹھوائے گئے۔ اوزار جمع وزر ہے جس کا معنی بوجھ یا گناہ ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ زیورات ہیں جو مصر سے چلتے وقت اسرائیلیوں نے قبطیوں سے تقریب میں شرکت کے لیے مستعار لیے تھے۔

پھر کیا ہوا، کہنے لگے فَقَدْ فَتَّهَا ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا چونکہ ان کے مالک قبطی لوگ غرق ہو چکے تھے، اس لیے یہ ان کو واپس نہیں کیے جاسکتے تھے اور نہ ہی ان کا استعمال ہمارے لیے جائز تھا، لہذا ہم نے ان زیورات کو کسی جگہ دفن کر دیا یا پھینک دیا تاکہ یہ استعمال میں نہ آسکیں۔

فَكَذَّبْتَ الْقَى السَّامِرِیَّ اور اس طرح سامری نے بھی ان کو پھینک دیا۔ اس کے بعد سامری کے شیطانی ذہن نے کام کیا۔ اُس نے ان تمام زیورات کو جمع کیا، سناروں کا کام تو جانتا ہی تھا فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْدًا اُس نے ان زیورات کو ڈھال کر بچھڑے کی ایک صورت بنا ڈالی وہ بچھڑا

کیا تھا؟ جَسَدًا لَّهُ خُورًا ایک مجسمہ تھا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی۔ جب اسرائیلیوں نے سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے کو بولتے ہوئے دیکھا فَقَالُوا تَوَكَّنْ لَكُمْ هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى تمھارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود تو یہ ہے۔ فَتَنَّى پس

موسیٰ علیہ السلام بھول کر طور پر کہاں چلے گئے ہیں؟ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بات بنی اسرائیل کے بعض بیوقوف اور غالی قسم کے لوگوں نے کی تھی، وگرنہ سمجھدار لوگ ایسی بات نہ کر سکتے تھے۔ مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب بچھڑے سے آواز نکلتی تھی تو یہ

لوگ اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانے تھے بعض رقص کرتے اور کئی دوسری  
 یہودہ حرکات کرتے۔ اس طرح سامری کی تحریک پر یہ لوگ شرک کی لعنت  
 میں گرفتار ہو گئے۔

اس آیت کرمیہ میں زیورات کو بوجھ اور گناہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا  
 ہے کہ ان کا استعمال اسرائیلیوں کے لیے جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ قبیلوں سے  
 عاریتاً لائے تھے مگر اُن کو واپس نہ کر سکے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زیورات  
 اسرائیلیوں نے مانگ کر نہیں لیے تھے بلکہ جب فرعون غرق ہوئے تو اللہ  
 کے حکم سے سمندر نے اُن کے زیورات باہر پھینک دیے تھے جو ان کو لبطو  
 غنیمت حاصل ہوئے۔ مگر پہلی قوموں میں مالِ غنیمت کا استعمال بھی جائز  
 نہیں تھا، یہ صرف آخری امت کے لیے اللہ نے جائز قرار دیا ہے۔ مالِ  
 غنیمت کے متعلق پہلی قوموں کے لیے دستور العمل یہ تھا کہ وہ سارا مال اکٹھا  
 کر کے کسی ٹیلے پر رکھ دیتے تھے جسے آگ آکر خاکستر کر دیتی تھی۔ بہر حال قبیلوں  
 کے زیورات کو گناہ اور بوجھ اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کا استعمال اسرائیلیوں  
 کے لیے روا نہیں تھا۔

گائے پستی گائے پستی  
 دراصل اسرائیلی، بچھڑے کی پوجا پر اس لیے آسانی سے مائل ہو گئے کہ  
 گائے پستی پرانی اقوام مثلاً مصریوں میں قدیم زمانے سے رائج تھی اور اسرائیلی  
 اس سے واقف تھے۔ اس برصغیر میں بھی ہندو گائے کو مقدس جانور سمجھ کر  
 اس کی پوجا کرتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے پیشاب اور گوبر کو بھی نہ صرف پاک  
 سمجھتے ہیں بلکہ ناپاک کو پاک بنانے والا مادہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان ہندوؤں  
 کے باورچی خانے میں چلا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کے ہاتھ یا  
 پاؤں لگنے سے یہ جگہ ناپاک ہو گئی ہے، چنانچہ اُس کی طہارت کے لیے  
 اس پر گائے کے گوبر کا لیپ کرتے ہیں۔ بہر حال اس تصور کے پس منظر  
 میں جب بچھڑے کے مجسمے سے بچھڑے کی آواز نکلی تو اسرائیلی اُس پر

لٹو ہو گئے اور اُسے معبود تسلیم کر لیا۔ انسانی دماغ کی کمزوری اور اُس کی بے عقلی  
 کی یہ انتہا ہے کہ جب ماننے پر آتا ہے تو بچھڑے کو معبود بنا لیتا ہے اور جب  
 انکار کرتا ہے تو اللہ کے نبیوں کو بچھڑا دیتا ہے۔ اللہ نے یہاں پر بچھڑے  
 کے متعلق اجمالاً بات کی ہے۔ اس کے دو کراہز، آگے آئے ہیں۔  
 بچھڑے کے پیاریوں پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے۔  
أَفَلَا يَعْرِوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا کیا یہ بیوقوف لوگ اتنا بھی نہیں  
 دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی بات کا جواب بھی نہیں دیتا۔ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ  
ضَرًّا وَلَا نَفْعًا اور نہ ان کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے  
 اس جاہل قوم نے اس کو کیسے معبود تسلیم کر لیا، جو نہ خالق ہے، نہ قدرت  
 نامہ کا مالک ہے، نہ عالم الغیب ہے، نہ ان کی کسی بات کا جواب دے  
 سکتا ہے۔ یہ صفات تو خداوند تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، لہذا معبودِ برحق وہی  
 ہے۔ ایسے ہی کفار و مشرکین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ إِنَّ  
شَرَّ الدِّينِ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِي لَا  
يَعْقِلُونَ (الافعال - ۲۲) ان کی مثال گونگے بہرے بدتمیزین جانوروں  
 کی ہے جو عقل سے خالی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ شرک عقلاً بھی  
 درست نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی جنگل یا پہاڑ کی چوٹی پر ہو جہاں کسی بنی باسلف  
 کا گزرنہ ہو، تو اس سے نماز روزے وغیرہ کی پوچھ تو نہیں ہوگی، لیکن اگر  
 اس نے شرک کیا تو پکڑا جائے گا کیونکہ اللہ نے اُسے عقل جیسی نعمت  
 عطا کی ہے جسے بڑے کار لا کر وہ اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے دلائل  
 قدرت کو دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتا تھا۔ اگر اُس نے اپنی  
 عقل کو صحیح استعمال نہیں کیا اور شرک میں مبتلا ہو گیا تو قابلِ مؤاخذہ ہو  
 گا، کیونکہ خدا کی توحید کو عقلی طور پر ماننا بھی ضروری ہے۔

ہوتے (۹۲) کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ کیا تم نے





جس کی رحمتوں کی بارش تم پر ہر آن ہو رہی ہے۔ مگر تم نے خدائے رحمان کی بجائے پچھڑے کی پرستش شروع کر دی، یہ کتنی زیادتی کی بات ہے، آپ نے قوم سے یہ بھی فرمایا **فَاتَّبِعُونِي** تم میرا اتباع کرو، میرے نقش قدم پر چلو، میری بات مانو اور پچھڑے کی پوجا نہ کرو۔ بنی ماموہ من اللہ ہوتا ہے جس کا اتباع فرض ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي** **يُحِبِّكُمْ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ** (آیت - ۳۱) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دیگا۔ بنی کے اتباع سے خدا کا قرب اور اُسکی محبت نصیب ہوتی ہے۔ چونکہ ہر نبی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ہارون علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ میری پیروی کرو، میرے راستے پر چلو **وَاطِيعُواْ اَمْرِيْ** اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔ **مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَام** اپنی نیابت میرے سپرد کر گئے ہیں۔ ان کی نیابت میں نظامِ شریعت اور نظامِ حکومت دونوں شامل ہیں، لہذا ان کی غیر حاضری میں میری اطاعت تمہارا فرض ہے۔ نیابت کے متعلق سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ **مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَام** نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے فرمایا **اُخْلَفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ** (آیت - ۱۴۲) میرے بعد میری قوم میں میری خلافت کا حق ادا کرنا، ان کی اصلاح کرنا، اور فسادلوں کے راستے پر نہ چلنا۔ اسی فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو شرک کی نجاست سے بچانے کی ہر چند کوشش کی مگر قوم نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا بلکہ کہنے لگے **قَالُوْا لَنْ نَّبْرِيْحَ عَلَیْہِ عَقِبٰیۨنَ** ہم ہرگز نہیں ٹکیں گے بلکہ اسی (شرک) پر جمے رہیں گے حتیٰ کہ جمع

اَلَيْسَا مُوسٰی یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس واپس آجائیں ۔  
 قوم نے صاف کہہ دیا کہ جب تک موسیٰ طور سے واپس نہیں آجائے ہم تمہاری  
 بات ماننے کو تیار نہیں بلکہ اسی طرح اپنے نظریے پر قائم رہیں گے ۔ عکوف  
 کا معنی رک جانا یا ٹھہر جانا ہوتا ہے ۔ سخت کاف بھی اسی مانے سے ہے  
 لوگ خانہ خدا میں رک جاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت  
 کہہ کے اپنے گناہوں کی معافی حاصل کر سکیں ۔ بہر حال بنی اسرائیل کے  
 لوگوں نے ہارون علیہ السلام کی بات ماننے کی بجائے ان کیساتھ سختی سے پیش آنا شروع کر دیا ۔  
 یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ قرآن پاک کے مطابق  
 پچھڑے کی پوجا کا فتنہ سامری نے شروع کیا تھا جس کا اصل نام موسیٰ بن  
 نضر تھا اور جس کا تفصیلی تذکرہ کل کے درس میں ہو چکا ہے ۔ مگر افسوس کی  
 بات ہے کہ موجودہ تورات میں اس واقعہ کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے  
 جس سے اصل تورات میں تحریف کی واضح نشان دہی ہوتی ہے ۔ موجودہ  
 تورات میں طلائی، پچھڑا سازی اور اسے معبود بنانے کے عمل کو سامری کی  
 بجائے ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے (العیاذ باللہ) بائبل  
 میں بعض دوسری تحریفات کا پتہ بھی چلتا ہے ۔ سلیمان علیہ السلام کے متعلق  
 ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کے کہنے پر گھر میں بت رکھے اور اہل طرح  
 بت پرستی کا ارتکاب کیا ۔ آپ تو اللہ کے نبی اور صاحب صحیفہ رسول  
 ہیں، آپ سے بت پرستی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے ؟ یہ سب یہودیوں  
 اور عیسائیوں کی تحریفات ہیں ۔ جو انہوں نے اللہ کی کتابوں میں کی ہیں ۔ اللہ  
 کے نبیوں کے متعلق بائبل میں بعض دیگر بد اخلاقی کی باتیں بھی داخل کر  
 دی گئی ہیں جن کی قرآن پاک صراحت کے ساتھ تردید کرتا ہے ۔ اللہ کے  
 پاک نبی ایسی خرافات سے بالکل پاک تھے ۔

تورات میں  
تحریف

ہارون علیہ السلام  
کو سرزنش

جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ خود



ساختمہ پچھڑے کے گرد جمع ہیں، کوئی سجدہ کر رہا ہے کوئی رقص کر رہا ہے اور کوئی اس کے سامنے مناجات کر رہا ہے۔ ایسی بے ہنگم حالت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سرزنش کی۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید بھائی نے حق نیابت ٹھیک طور سے انجام نہیں دیا جس کی وجہ سے قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے، قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا يَهْرُودُ مَا مَنَّكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوا اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکا جب کہ تو نے قوم کو گمراہ ہوتے دیکھا اَلَا تَتَّبِعُنِ کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ جب تم نے دیکھا کہ قوم شرک میں مبتلا ہو رہی ہے تو تم نے فوراً آکر مجھے خبردار کیوں نہ کیا اَفْعَصَيْتَ اَمْرِي کیا تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہے؟ میں نے تو تجھے کہا تھا کہ میری غیر موجودگی میں لوگوں کی اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستے پر نہ چلنا، مگر یہاں تو شرک جیسا قبیح فادہ بہ پاسے تم نے اسے کیونکر برداشت کیا، اور میرے پاس نہ آئے؟ موسیٰ علیہ السلام چونکہ علوی طبیعت کے آدمی تھے، انہیں اپنے بھائی پر اس قدر غصہ آیا کہ اُن کی داڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر يَجْرُهُ اِلَيْهِ (اعراف ۱۵۰) اپنی طرف کھینچا۔

ہارون علیہ السلام کا عذر

اس سرزنش کے جواب میں قَالَ ہارون علیہ السلام نے کہا يَا بَنُوٓمِ اے میری ماں کے بیٹے! ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ اگرچہ عمر میں ہارون علیہ السلام بڑے تھے مگر اللہ نے مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ عطا فرمایا تھا۔ تو ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ”بھائی“ کی بجائے ”ماں کے بیٹے“ کہہ کر مخاطب کیا تا کہ اُن میں جذبہ ترحم پیدا ہو اور اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو۔ پھر کہا لَا تَاْخُذْ بِسَخِيَّتِي وَلَا بِاُسْرِي بھائی! میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑو یعنی مجھ پر سختی نہ کرو۔ بلکہ اس معاملہ میں



میرا غدر تو سن لو کہ میں آپ کے پیچھے کیوں نہ چلا آیا۔ کہنے لگے کہ میں نے تو ان لوگوں کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر ان الْقَوْمَ اسْتَغْفِرُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونِي بے شک یہ قوم تو مجھے کمزور سمجھتے ہوئے قتل کرنے کے درپے تھی۔ فَكَادَتْ شِمْتُ بِي الْأَعْدَاءُ (اعراف - ۱۵۰) آپ میری سرزنش کیسے دشمنوں کو خوش نہ کریں، یہ کہیں گے کہ دیکھو بھائی بھائی آپس میں لڑ پڑے ہیں، لہذا آپ میری معذرت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اس کے بعد کوئی کارروائی کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں آپ کے پیچھے اس وجہ سے نہیں آیا اِنْ تَحْشِلْتُمْ اَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِیْلَ مجھے ڈر تھا کہ آپ یوں نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا ہے ظاہر ہے کہ اگر میں قوم کی شکایت لے کر آپ کے پاس آتا تو کچھ لوگ میری حمایت کرتے اور کچھ ان مشرکین کی پارٹی میں شامل ہو جاتے اور اس طرح قوم دو واضح گروہوں میں بٹ جاتی۔ میں ان کو اکٹھا رکھنے کے خیال سے آپ کے پاس نہیں آیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ یہ بھی نہ کہہ دیتے وَلَکُمْ تَرْقُبُ قَوْلِی کہ تو نے میرے حکم کا انتظار نہیں کیا یعنی بغیر اجازت کیوں آگئے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اجتہادات مختلف تھے۔ ہارون علیہ السلام کا اجتہاد یہ تھا کہ انہیں قوم کے درمیان رہ کر ہی ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، ان کا خیال تھا کہ اگر میں ان سے علیحدہ ہو گیا تو شاید پھر قوم کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ برخلاف اس کے موسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد یہ تھا کہ جب قوم اس قدر بیہودگی پر کمر بستہ ہو گئی تھی تو ہارون علیہ السلام کو ان سے علیحدگی اختیار کر لینا چاہیے تھی۔

بہر حال ہارون علیہ السلام نے یہ غدر پیش کیا کہ میں نے قوم میں تفریق کے خوف سے اُن سے علیحدہ ہونا پسند نہ کیا۔ اب ایک طرف شرک ہو رہا تھا اور دوسری طرف قوم میں تفرقہ بازی کا ڈر تھا مگر ہارون علیہ السلام نے فرقہ بندی کے مقابلے میں شرک کو بدداشت کر لیا کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اکٹھے رہ کر وہ ان کو سمجھاتے سمجھاتے رہیں گے تو معاملہ درست ہو جائے گا۔ اور قوم شرک سے باز آجائے گی۔ اور اگر اُن سے علیحدہ ہو جائے تو اصلاح کا امکان بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ہارون علیہ السلام نے پارٹی بازی کو پسند نہ کیا کیونکہ یہ بہت بڑی لعنت ہے۔ اس وقت دنیا بھر کے مسلمان سیاسی اور مذہبی پارٹی بازی کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے ان کی ساکھ ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ پارٹی بازی ملکی ہویا بین الاقوامی دونوں تباہ کن ہیں۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کی جائز بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہوتی اور "مخالفت پر اُنے مخالفت" کے نظریہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے ہارون علیہ السلام نے تفرقہ بازی کو قبول نہ کیا۔

ایک اشکال  
اور اس کا  
جواب

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے مگر انہوں نے بھائی کی اس قدر تذلیل کیوں کی کہ انہیں سر اور وارٹھی سے پکڑ کر گھسیٹا۔ یہ تو بظاہر گناہ معلوم ہوتا ہے جس کی توقع اللہ کے نبی سے نہیں کی جاسکتی۔ دراصل گناہ کا ارتکاب نیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر ارادہ نہ ہو تو یہ گناہ نہیں بلکہ خطا یا نسیان ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے بھائی کی جو تحقیق کی تھی، ان کی یہ ناراضگی اللہ کی خاطر تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید ہارون علیہ السلام سے کوتاہی ہوئی ہے۔ اور جو ناراضگی اللہ کی رضا کے لیے کی جائے وہ گناہ میں شمار نہیں ہوتی۔

اس قسم کی صورت حال موسیٰ علیہ السلام کو ایک قبیلے کے قتل کے معاملہ میں بھی پیش آئی تھی۔ آپ سے قتل ضرور ہوا تھا مگر آپ کی نیت یا ارادہ قتل کا

نہیں بلکہ اسرائیلی کو ظلم سے نجات دلانے کا تھا۔ وہاں بھی قتل کرنا غلامی طور  
 پر سخت گناہ کا کام تھا مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیونکہ آپ نے اراداً  
 یہ قتل نہیں کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اس قسم کے حالات سے  
 گزرنا پڑا انتیس سال تک کے طویل و عطا و نصیحت کے باوجود جب آپ کی  
 قوم راہِ راست پر نہ آئی اِذْ ذَٰلِكَ مَغَاضِبًا (الانبیاء - ۸۷) تو غصے  
 میں آکر قوم سے علیحدہ ہو گئے۔ آپ کا یہ غصہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں  
 تھا بلکہ خدا تعالیٰ کے لیے تھا کہ قوم کو سمجھاتے ہوئے اتنا طویل عرصہ ہو گیا  
 ہے مگر ان کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہیں۔ یہ لوگ کفر و شرک سے باز  
 نہیں آئے۔ تو یونس علیہ السلام کی لغزش بھی گناہ کے زمرے میں نہیں آتی  
 اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بھائی کو سرزنش کرنا بھی کوئی گناہ کی بات نہیں تھی  
 کیونکہ انہوں نے یہ کام اللہ کی خاطر ناراضگی کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر جب  
 ہارون علیہ السلام کا عذر آپ پر واضح ہو گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے  
 معافی کی درخواست بھی پیش کر دی اور عرض کیا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِآخِيْ  
 وَ ادْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ (الاعراف - ۱۵۱) اے پروردگار! مجھے  
 اور میرے بھائی کو معاف فرما۔ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَامِرِيُّ ⑨۵ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا  
 لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ  
 فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ⑨۶ قَالَ فَاذْهَبْ  
 فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ  
 لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ يُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلَى إِلْهِكَ الَّذِي  
 ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْبِفَنَّهُ فِي  
 الْيَمِّ نَسْفًا ⑨۷ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا  
 هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑨۸

ترجمہ :- کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) پس کیا حال ہے تیرا  
 سامری ⑨۵ اُس نے کہا کہ میں نے دیکھا اس چیز کو جس کو  
 دوسروں نے نہیں دیکھا، پس میں نے بھری ایک مٹھی رسول  
 (جبرائیل علیہ السلام) کے قدم سے، پس میں نے اُس کو ڈال دیا  
 اور اس طریقے سے آمادہ کیا مجھے میرے نفس نے ⑨۶  
 کہا (موسیٰ نے) دُور ہو جاؤ۔ پس بیشک تمہارے لیے دنیا  
 میں (یہ سزا ہے) کہ تم کہو گے "مت چھوڑو" اور بیشک  
 تیرے لیے ایک وعدہ ہے۔ ہرگز نہیں ہو گا اُس کے  
 خلاف۔ اور دیکھ تو اپنے اس معبود کی طرف جس پر تو  
 جھک گیا تھا۔ ہم اس کو ضرور جلا دیں گے، پھر ہم اس



کو ضرور اڑائیں گے سمندر میں اڑانا ﴿۹۷﴾ بیشک تمہارا معبود وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ

وسیع ہے ہر ایک چیز پر علم کے اعتبار سے ﴿۹۸﴾

ربط آیات

موسیٰ علیہ السلام کتاب لے کر کوہ طور سے واپس آئے تو قوم کو شرک میں مبتلا دیکھ کر سخت برہم ہوئے۔ پہلے اپنے بھائی کو سرزنش کی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو بے قصور ہیں۔ انہوں نے تو افہام و تفہیم کی پوری کوشش کی تھی مگر قوم نہ مانی اور اٹا اُن کے قتل کے دیے ہوئے۔ ہارون علیہ السلام نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایمان والوں کو ساتھ لے کر باقی قوم سے الگ ہو جائیں اور کوہ طور کی طرف چل دیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ جماعت میں ایسا تفرقہ پیدا ہو جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کی بے گناہی کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ اُن دونوں کو معاف کر دے۔

سامری کی  
کمرشلہ سازی

ہارون علیہ السلام کی سرزنش کے بعد موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ اطلاع تو آپ کو طور پر ہی اللہ نے بذریعہ وحی دے دی تھی کہ آپ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا گیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے سامری سے خطاب کیا قَالَ فَحَاخَظُّبُكَ يٰ سَامِرِيُّ فرمایا، کیا حال ہے تیرا اے سامری! یعنی تم نے کچھ بنا کر گمراہی کا یہ سلسلہ کیوں شروع کیا؟ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور خلیفہ وقت بھی تھے لہذا انہیں باز پرس کا پورا حق تھا۔ اس کے جواب میں قَالَ سَامِرِيُّ نے کہا کہ کچھ سازی کی وجہ یہ بنی بَصُرْتُ بِمَا لَكُمْ يَبْصُرُ وَاٰهٍ میں نے وہ کچھ دیکھا جو دوسرے لوگ نہ دیکھ سکے فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُولِ پس میں نے مٹھی بھری رسول (جبرائیل) کے نقش قدم سے۔ فَنَبَذْتُهَا پس میں نے اس کو ڈال دیا اس بچھڑے کے اندر۔ وَكَذٰلِكَ سَوَّيْتُ لِحٰثِ نَفْسِيْ کہنے لگا کہ میرے نفس نے مجھے اس چیز پر آمادہ کیا۔ بعض اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ مجھے وہ

بات سوجھی جو دوسروں کو نہیں سوجھی تھی۔ میں نے پہلے تو رسول کا اتباع کیا مگر پھر ٹھوڑا دیا، اور میرے نفس نے اسی طریقے سے مجھے آمادہ کیا تھا، چنانچہ میں نے یہ بچھڑا بنا ڈالا۔

تاہم عام مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں پر رسول سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ سامری نے گھوڑے کے نقش پا سے کچھ مٹی اٹھالی تھی جسے اُس نے سونے سے بنائے ہوئے بچھڑے میں ڈال دیا تو اُس سے یہ کثمتہ معرض وجود میں آگیا اور بچھڑے سے آواز آنے لگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ جس سونے کا بچھڑا بنایا گیا وہ اسرائیلیوں کے پاس قبطیوں کی امانت تھا اور اسرائیلیوں کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔ اُدھر جب اس سونے پر جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی بابرکت مٹی پڑی تو حق و باطل کے اختلاط سے یہ کثمتہ بن گیا۔ اس میں سے زندہ بچھڑے کی سی آواز آنے لگی۔

سامری نے یہ مٹی کیسے حاصل کی؟ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرعونی لشکر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں بحر قلزم پہنچا تو اُس وقت وہ سمندر کے خشک راستے پر اترنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرے تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جو انسانی شکل میں گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ انہوں نے اپنا گھوڑا سمندری راستے پر ڈال دیا جسے دیکھ کر فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر میں اتر گیا۔ سامری قریب کھڑا دیکھ رہا تھا کہ جس جگہ پر جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کا قدم لگتا ہے۔ وہاں جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ اُس نے جان لیا کہ یہ کوئی غیر معمولی چیز ہے چنانچہ اُس نے گھوڑے کے نقش قدم سے مٹی بھر مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھ لی جو بعد میں سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی تو وہ بولنے لگا۔

بعض مفسرین سامری (موسیٰ بن ظفر) کی غیر معمولی پرورش کے واقعہ

کی طرف بھی گئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سامری کی پیدائش پر فرعون کے خوف سے اُس کی ماں سامری کو غار میں پھینک آئی تھی۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ آکر اس کے منہ میں تین انگلیاں ڈالتے تھے، ایک میں سے دودھ، دوسری میں سے شہد اور تیسری انگلی میں سے مکھن نکلتا تھا۔ جس سے سامری کی پرورش ہوئی۔ تو بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ سامری نے غار میں قیام کے دوران جبرائیل کی کوئی خصوصیت دیکھ کر ان کے قدموں کی مٹی حاصل کر لی ہو، اور پھر یہ مٹی سونے کے پچھڑے میں ڈال دی ہو جس سے وہ بولنے لگا۔ تاہم عام مفسرین بحر قلزم میں جبرائیل کے گھوڑے کے نقش پا والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

اگلی بات میں مفسرین کا قدرے اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ مذکورہ مٹی ڈالنے سے سونے کا بنا ہوا پچھڑا فی الواقع گوشہ پست کا بنا ہوا زندہ پچھڑا بن گیا تھا اور اُس کی فطرتی آواز آنے لگی تھی۔ البتہ دوسرے مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ پچھڑے کی ہئیت نہیں بدلی تھی، وہ بدلتے سونے کا مجسمہ تھا مگر اُس میں سے آواز پچھڑے کے بولنے کی آہی تھی۔ قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اسی نظر پر کی تائید کرتے ہیں۔ اس پچھڑے کے لیے جَسَدُ اللہِ خَوَارِ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پچھڑے کی شکل و صورت کا ایک ڈھانچہ تھا جس سے پچھڑے کے بولنے کی آواز آتی تھی۔

سامری کا جرم اس قدر سنگین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا کہ اس میں خاص مصلحت تھی۔ اس کی مثال جنگ حنین میں بھی ملتی ہے جس شخص نے اعتراض کیا تھا، وہ واجب القتل تھا حضرت خالدؓ نے عرض کیا کہ حضور!

سامری کی  
دنوی سزا

اجازت دیں تو میں اس شخص کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا، ایسا نہ کرو، اس کی اولاد اور پیروکاروں میں سے ایسے گمراہ لوگ نکلیں گے جو ایسی غازیں پڑھیں گے کہ تم ان کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو بیچ سمجھو گے، مسلمانوں والی شکل و صورت ہوگی مگر وہ اسلام سے اس طرح نکل چکے ہوں گے، جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔

جس طرح حضور علیہ السلام نے اس شخص کے قتل کی اجازت نہ دی اسی طرح سامری کو بھی چھوڑ دیا گیا، البتہ اس کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ سزا ملی۔ دنیوی سزا کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا قَالَ فَاذْهَبْ حَبْلًا جَا، دور ہو جا فان لك في الحَيَاةِ بَشْك تیرے لیے اس دنیا میں سزا یہ ہے اَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ کہ تو لوگوں سے کہتا پھرے گا۔ مجھے مت چھونا۔ تم پر ایک وحشت طاری ہو جائے گی اور تم انسانیت کے دائرہ سے نکل کر وحشی بن جاؤ گے۔ ادھر اُدھر بھاگتے پھر گے، ہر قریب آنے والے شخص سے کہو گے کہ میرے قریب نہ آنا اور مجھے ہاتھ نہ لگانا، وجہ یہ تھی کہ جو شخص سامری کو ہاتھ لگا دینا تھا یا وہ کسی شخص کو چھو لیتا تھا تو دونوں کو شدید قسم کا بخار ہو جاتا تھا۔ دنیا میں چھوٹ جھات کی بیماری اسی سامری کے ذریعے پھیلی، اس بیماری کا سردار یہی شخص تسلیم کیا جاتا ہے۔

سامری کی  
اعزوی سزا

یہ تو اس کی دنیوی سزا کا ذکر تھا، اب اعزوی سزا کے متعلق فرمایا وَ اِنَّكَ لَكَ مَوْعِدًا اور تمہارے لیے ایک وعدہ ہے لَنْ تَخْلَفَنَّهُ جس کی ہرگز خلاف ورزی نہیں ہوگی، یعنی یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس وعدے سے مراد آخرت کا وعدہ ہے۔ جب قیامت کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ تو یہ وعدہ اس وقت سزا کی صورت میں پورا ہوگا، شاہ عبدالقادر کا یہی قول ہے۔ اور شاید



اس وعدے سے رجال کا خروج بھی مراد ہو کیونکہ رجال یہود میں سے ہوگا اور سامری کے فساد کی تکمیل کرے گا۔

مجھے کے  
ساتھ سلوک

اُدھر بچھڑے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا  
وَأَنْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنْتَبَهُ  
اس معبود کی طرف تو دیکھو جس پر تم جھکے پڑے تھے، اُس کو معبود مان کر اس کے  
ساتھ سجدہ اور رقص کرتے تھے۔ دیکھو! ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے  
ہیں۔ فرمایا لَتَحْرِقَنَّاهُ، ہم اسے جلا ڈالیں گے ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي  
الْبَحْرِ نَسْفًا پھر ہم اس کی راکھ کو سمندر میں اڑا دیں گے یعنی بجھیر  
دیں گے۔ پھر اس مجھے کے ساتھ ہی سلوک کیا گیا۔ اس کو آگ میں جلا کر  
راکھ بنا دیا گیا اور پھر اس راکھ کو دریاؤں میں بہا دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان  
ہو چکا ہے کہ اس بچھڑے کے متعلق مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ بعض کہتے  
ہیں کہ سامری کے مٹی ڈالنے سے یہ گوشت پوست کا بنا ہوا سچ مچ کا بچھڑا  
بن گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مجسمہ ہی تھا مگر اُس سے بچھڑے  
جیسی آواز آتی تھی۔ اگر وہ گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا ہو تو اس کا  
جلا نا آسان تھا کہ ایسے واقعات دنیا میں پیش آنے ہوتے ہیں، اور اگر  
وہ طلائی بچھڑا ہی تھا تو اس کا براہ بنا کر جلا دیا گیا ہوگا۔ اگرچہ اس پر  
زیادہ محنت کم فی پڑتی ہے۔ بہر حال اُسے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

شعار شرک  
کی تردید

قرآن پاک کے ان الفاظ سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ  
موسیٰ علیہ السلام نے اس سونے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ نہ تو دوبارہ  
زیورات میں تبدیل کیا، نہ اس کے سکے بنا کر تقسیم کیے اور نہ کسی دوسری  
صورت میں اس سے استفادہ کیا۔ بلکہ اُسے جلا کر ضائع کر دیا، حالانکہ  
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہی عَنِ امْتَاعَةِ الْمَالِ کو یونہی ضائع کرنے  
سے منع فرمایا ہے۔ محققین اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس مال کے

غیباغ میں شعار کفر و شرک کی تذلیل پائے، وہ مال حقیقت میں ضائع نہیں ہوتا۔ چونکہ یہاں پر شرک کے شعار کی تذلیل مقصود تھی۔ انہوں نے کچھڑے کو معبود بنالیا، لہذا اس کی تذلیل و تحقیر کر کے اُسے ضائع کر دینا اس کے دنیوی طور پر مستفید ہونے سے بہتر تھا۔ چنانچہ اگر کسی قیمتی سے قیمتی بت کو بھی توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا جائے۔ تو یہ درست ہے۔ اس طرح کوئی تصویر خواہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو اُسے پھاڑ کر ضائع کر دینا چاہیے۔ اسی طرح کچھڑے وغیرہ کی بنائی ہوئی کمر لوں کا بھی یہی حکم ہے کہ انہیں جلا کر رکھ کر دو۔ اس طرح کا غیباغ جائز ہے خود حضور علیہ السلام نے بھی تمام بت پاش پاش کر دیے۔ آپ نے ان کے بتیل تانبے یا سونے چاندی کا کوئی دوسرا مصرف نہیں نکالا بلکہ سب کو توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا۔ رافضیوں کے بنائے ہوئے تعزیے اور مذبح جناح بھی اسی تعریف میں آتے ہیں اور ضائع کرنے کے قابل ہیں، خواہ ان پر کتنی بڑی رقم سی کیوں نہ صرف ہوئی ہو اور ان کی بعض چیزیں قابل استعمال ہی کیوں نہ ہوں۔

معبود برحق

فرمایا تمھارا معبود نہ کچھڑا نہیں بلکہ اِنَّمَا اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تمھارا معبود تو وہ معبود برحق ہے کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ حقیقی معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو نفع نقصان اور قدرت تمام کا مالک ہے۔ جہلا کچھڑا جو تمھاری کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ تمھارے کسی کام نہیں آسکتا۔ وہ معبود کیسے بن گیا؟ اور اس کا انجام تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جلا کر اس کی رکھڑی پانیوں میں بکھیر دی گئی۔ جو خود اپنی ذات کی حفاظت نہیں کر سکا، وہ تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے اور کیسے معبود بن سکتا ہے؟

فرمایا وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اُس معبود حقیقی کا علم تو ہر چیز پر  
 حاوی ہے۔ وہ علیم کل ہے، خالق اور مربی ہے، نافع اور ضار ہے۔  
 وہی ہر چیز کا منتصف ہے۔ لہذا اُس کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنانا تو  
 بڑی حماقت کی بات ہے، پھر اس بچھڑے کی وجہ سے اس کے پیاروں  
 کو بڑی سخت اٹھانا پڑی۔ ان مشرکوں کی توبہ کی قبولیت کے لیے ان کے  
 واسطے قتل کی سزا مقرر ہوئی۔ اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام نے کھڑے  
 ہو کر خدا کی حد اُن پر جاری کی، چنانچہ بنی اسرائیل میں سے اہل ایمان نے  
 خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مشرک رشتہ داروں کو قتل کیا اور اس طرح ہزاروں  
 اسرائیلی مائے گئے۔ اس طرح اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور وہ آخرت  
 کے عذاب سے بچ گئے۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ  
 آتَيْنَكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۖ <sup>طہ</sup> ۹۹ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ  
 يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۖ ۱۰۰ خَلِيدِينَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ  
 لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۖ ۱۰۱ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي  
 الصُّورِ ۖ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۖ ۱۰۲  
 يَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۖ ۱۰۳  
 نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ  
 طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۖ ۱۰۴

ترجمہ :- اسی طریقے سے ہم بیان کرتے ہیں آپ پر خبریں  
 اُن کی جو پہلے گزرے ہیں۔ اور تحقیق ہم نے دیا آپ کو  
 اپنی طرف سے ایک نصیحت نامہ ۹۹ جس نے اعراض  
 کیا اس سے، بیشک وہ اٹھائے گا قیامت والے دن  
 بوجھ ۱۰۰ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ اور بڑا ہے ان  
 کے لیے قیامت والے دن کا بوجھ ۱۰۱ جس دن کہ پھونکا  
 جائیگا صور میں، اور ہم اکٹھا کریں گے مجرموں کو اُس  
 دن نیلوں آنکھوں والے ۱۰۲ چپکے چپکے سے آپس  
 میں بات کریں گے (اور کہیں گے) نہیں مٹھے تم  
 مگر دس دن ۱۰۳ ہم خوب جانتے ہیں اُس بات



کو جو وہ کہتے ہیں۔ جب کہ گا اُن میں سے زیادہ بہتر طریقے والا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن (۱۰۷)

رہنما آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ کے سلسلے میں سامری کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے کتاب لیکر کوہ طور سے واپس آئے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ کی توحید کو ماننے والے بعض لوگ شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ لوگ سونے کے بنے ہوئے بچھڑے کی پوجا کرنے لگے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ڈانٹ ڈپٹ کی کہ تمہاری موجودگی میں قوم کیسے گمراہ ہو گئی؟ جب انہوں نے اپنی صفائی پیش کر دی تو موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اُس نے بچھڑا سازی کا سارا واقعہ بیان کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے دھتکا دیا، اور فرمایا کہ جاؤ تمہیں اس جرم کی دنیا میں بھی سزا ملے گی اور تم چھوٹ چھات کی لعنت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ جب بھی کوئی شخص تمہیں لمس کرے گا، وہ خود بھی تپ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور تمہیں بھی کر دے گا۔ نیز فرمایا کہ وعدے کے مطابق تمہیں آخرت میں بھی ضرور سزا ملے گی۔

سونے کے مجسمے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اس کو چور چور کر کے جلا کر رکھ کر دیں گے اور بچھڑے سے پانی میں بہا دیں گے۔ تاکہ شرک کے اس شعار کی تذلیل ہو اور لوگ دیکھ لیں کہ ان کے خود ساختہ معبود کا کیا حشر ہوا ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے خبردار کیا کہ تمہارا معبود برحق اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ قادر مطلق، خالق، مالک، مربی، مدبر اور متصرف فی الامور ہے۔ وہ بیہوش کو مبعوث کرتا ہے، اُن پر کتابیں نازل کرتا ہے اور خیر و شر کے انجام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کا علم محیط اور قدرت نام ہے، لہذا معبود ہونے کا حق بھی صرف اسی کو حاصل ہے۔ جو کوئی مخلوق ہیں سے کسی کو معبود بنائے گا۔ وہ شرک میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھے گا۔ ایسے شخص کو تائب ہو کہ

توحید خداوندی پر ایمان لے آنا چاہیے۔

پہلے لوگوں  
کا حال

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں سابقہ اقوام کی سرکشی کے حالات بیان کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ سرکش لوگوں کے برخلاف اپنے مکتب کو جاری رکھیں۔ نیز انہیں نافرمان لوگوں کے انجام سے نصیحت پکڑنی چاہیے کہ کہیں ان کے نقش قدم پر چل کر یہ بھی ناکامی کا منہ نہ دیکھیں۔ چونکہ سابقہ اقوام کے حالات کا علم بجز وحی الہی ممکن نہیں اور وحی انبیاء پر نازل ہوتی ہے، لہذا اس میں غمنا بنوت و رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ معاد اور نزول کتاب کے مضامین بھی آگئے ہیں۔

ارتشاد ہوتا ہے کَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ جس طرح ہم نے اس مقام پر موسیٰ، ہارون، علیہما السلام اور فرعون کا حال بیان کیا ہے، اسی طرح ہم آپ پر ان لوگوں کی خبریں بیان کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تو نسبتاً قریبی زمانہ ہے ہم اس سے پہلی اقوام کا حال بھی بیان کرتے ہیں کہ انہیں اللہ کے نبی کس طرح پیغامِ حق پہنچاتے تھے اور انہوں نے اس کا کیا جواب دیا اور پھر ان کا کیا حشر ہوا۔ اس قسم کے واقعات کا بیان کرنا معجزہ ہے کیونکہ سابقہ اقوام کے صحیح صحیح حالات تاریخ سے تو معلوم نہیں ہوتے اور یہ صرف اور صرف وحی الہی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے یہ واقعات آپ کو ٹھیک ٹھیک پہنچائے ہیں، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان کرتے ہیں۔

قرآن بطور  
ذکر

اس کے بعد قرآن پاک کی حقانیت کا ذکر ہوتا ہے وَقَدْ اَتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا اور البتہ تحقیق ہم نے دیا ہے آپ کو اپنی طرف سے ایک نصیحت نامہ۔ اس نصیحت نامہ سے مراد





دنیا میں قسم ہم پر سوار تھے، آج ہم تمھاری گردن پر سوار ہوں گے، انسان دنیا میں جو بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ گویا اُس پر سوار ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمائی ہے کہ دنیا میں جس شخص نے کسی کا حق تلف کیا ہوگا، وہ قیامت کے دن اُس پر بوجھ بن کر سوار ہوگا۔ اگر کسی شخص نے کسی کا مال یا جانور غصب کر لیا ہے تو قیامت کے دن وہ اُسے اٹھا کر لائے گا حتیٰ کہ اگر کسی نے بالشت بھر زمین چھینی ہے تو زمین کا وہ حصہ ساتوں زمینوں تک اکھاڑ کر اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا اور وہ اسے کھینچتا ہوا میدانِ محشر میں آئے گا۔ اگر کسی نے گائے بھینس چوری کی ہے، مکان پر ناجائز قبضہ کیا ہے، کپڑے کی کانٹھ چرائی ہے تو وہ ہر چیز گردن پر اٹھائے ہوئے حاضر ہوگا جس سے غاصب کو بڑی تکلیف اور اس کی بڑی تزییل ہوگی۔ بعض بوجھ مفید بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس مقام پر گناہوں کے جس بوجھ کا ذکر ہے اس میں تباہی و بربادی کا سامان ہی ہوگا۔

قرآن پاک سے اعراض کے متعلق سورۃ الزخرف میں ہے وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ (آیت ۳۶) جو شخص خدا کے رحمن کے اس نصیحت نامے سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو مرنے دم تک اس کو گمراہ کرتا ہے گا۔ اور پھر اسی حالت میں اُس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کلامِ الہی سے روگردانی کے متعلق آگے اسی سورۃ میں بھی آ رہا ہے وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی (آیت ۱۲۴) قیامت والے دن ہم ایسے شخص کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ مولا کریم! میں تو دنیا میں بننا تھا، تو نے مجھے نابینا کیوں اٹھایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس طرح تو نے دنیا میں میری آیتوں سے منہ موڑا، اسی طرح آج ہم نے تمھاری آنکھیں ہی اُچک لی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نصیحت نامے سے وَمَا يَذَّكَّرُ اَلَا اُولٰٓئِكَ اَبْرارٌ (آل عمران - ۷) صرف اہل عقل و خرد ہی نصیحت پر تے



ہیں۔ جو لوگ صحیح عقل سے کام نہیں لیتے وہ دنیا میں بھی بھٹکتے رہتے ہیں۔  
اور آخرت میں تو ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

اعراض و معنوں میں

اعراض سے مراد قرآن پاک سے کھلا انکار بھی ہے جیسا کہ کافر اور  
مشرک لوگ کرتے ہیں۔ اور اعراض یہ بھی ہے کہ منافقوں کی طرح زبان سے  
تواقرار کہہ لیا ہو مگر نہ تو دل سے تسلیم کیا اور نہ اسے اپنا دستور العمل بنایا مسلمانوں  
کو حسرت اور کاہل بنا دیا گیا ہے، انہیں الٹی سیدھی رسومات میں اکھاڑ دیا گیا  
ہے اور کفار نے ایسا غلط پریکٹس کیا ہے کہ مسلمان قرآن پر عمل پیرا ہونے  
سے ہچکچاتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم و تعلم میں غفلت برتی جاتی ہے، اس کی  
غلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے قرآن کی اشاعت سے اغراض برتا  
جا رہا ہے، یہ سب چیزیں قرآن سے اعراض میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کو  
تو عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ تاکہ لوگ ایک پکے سچے مسلمان کو دیکھ کر  
اسلام اور قرآن کی حقانیت کو تسلیم کریں۔ اور اگر ایک مسلمان کے شرک، بدعت،  
اور معاصی کو دیکھ کر کوئی شخص اسلام اور قرآن سے متنفر ہوتا ہے تو اس کا وبال  
ایسے بدقماش شخص پر ہوگا۔ اور وہ قرآن سے اعراض کرنے کا مجرم سمجھا جائیگا۔  
فرمایا گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا واقعہ اس دن پیش آئے گا یَوْمَ يُنْفَخُ  
فِي الصُّورِ حَسْرَتِ دُنْیَا میں پھونکا جائے گا۔ یعنی جب قیامت کا  
بگل بجے گا۔ اور محاسبے کا عمل شروع ہوگا تو اس دن گناہگاروں کو اپنے  
گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ حضور علیہ السلام سے صور کے متعلق درایت  
کیا گیا تو آپ نے فرمایا قَدْ يُنْفَخُ فِيْہِ یہ ایک سینک کی شکل و صورت  
کی چیز ہے جس میں قیامت کے دن پھونک ماری جائے گی۔ اس سینک  
کا باریک حصہ اسرئیل نے منہ میں لے رکھا ہے اور منتشر ہے کہ کب اللہ کا  
حکم ہو تو وہ اس میں پھونک مائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ صور میں دو دفعہ  
پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ پھونکنے سے کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی

صور اسرئیل

اور دوسری مرتبہ چھونکا جائے گا تو تمام لوگ حجاب کتاب کی منزل کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، شیخ ابن عربی جو صاحب کشف بزرگ ہوئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت افسوسناک ہے کہ ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اس کے دہانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب اس میں چھونکا ماری جائے گی تو ساری کائنات درمہم برہم ہو جائے گی، اتنی خوفناک آواز ہوگی۔

نیکوں آنکھوں  
والے مجرم

فرمایا، یہ اُس دن کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جس دن صور میں چھونکا جائے گا وَخَشَرُ الْمُجْرِمِينَ كَيَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور اس دن صم مجرموں کو نیلگوں آنکھوں کے ساتھ اکٹھا کر دیں گے۔ کہنجی آنکھوں والے یہ لوگ نہایت ہی بد شکل ہوں گے۔ رومی لوگوں کی آنکھیں اکثر ایسی ہوتی ہیں اور عرب لوگ ان سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ طے عیب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نیلگوں آنکھوں والی عورت کی اولاد کو بٹی زرقا کا نام دیا جاتا تھا بعض فرماتے ہیں کہ زرقا سے مراد اندھے ہیں، یعنی ایسے لوگوں کو اندھا کر کے اٹھا یا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور امام ابن جریر نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ البتہ بعض اس کو عیب ناک پر محمول کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھیں عیب ناک ہوں گی اور ایسی بد نما ہوں گی کہ ان کو دیکھنے سے نفرت پیدا ہوگی۔

دنوی زندگی  
کی قلت

فرمایا، ان نیلگوں آنکھوں والے مجرموں کی حالت یہ ہوگی يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ وہ آپس میں سرگوشی کریں گے۔ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا کہ تم نہیں گھڑے دنیا میں یا بزرخ میں مگر صرف دس دن۔ اس سے دنیا اور بزرخ دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ یہ ساری طوالت دس دن سے زیادہ نہیں تھی۔ جب انہیں اگلی دنیا کی طویل مسافت نظر آئے گی تو اس دنیا کی زندگی بمع بزرخی زندگی کے بالکل قلیل نظر آئے گی۔ اسی لیے آپس میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ہفتہ عشرہ ہی رہے ہیں، مگر اللہ نے فرمایا لَمْ عَرَفْ لَشَدَى صَلَاتُكَ مَلِيعٌ مَكْتَبُهُ رَجِيمٌ دِلْوَبُهُ (فیاض)

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ  
 کہیں گے۔ فرمایا یہ تو دس دن کی بات کرتے ہیں اِذْ يَقُولُ امْثَلُهُمْ  
 طَرِيقَةً اِنَّ ہیں سے بہتر طریقے والا یا زیادہ دانشمند آدمی یوں کہے گا  
 اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا کہ تم تو دنیا میں صرف ایک دن ٹھہرے ہو۔  
 سورۃ الروم میں ہے کہ مجرم لوگ قسم اٹھا کر کہیں گے مَالِ بَثْنًا غَيْرُ  
 سَاعَةٍ (آیت - ۵۵) کہ وہ ایک گھنٹی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے بات  
 تو دونوں کی خلاف واقعہ ہے کیونکہ دنیا میں تو انسان دس، بیس، پچاس یا  
 سو سال کا عرصہ بھی گزارتا ہے اور پھر زمانہ برزخ کا کوئی شمار نہیں جو قرون  
 تک طویل ہو سکتا ہے مگر آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا و برزخ  
 کی زندگی بالکل قلیل محسوس ہوگی۔ بعض شاعر لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا زمانہ تو  
 صرف دو دن کا ہونا ہے یعنی ایک دن رضا کا اور دوسرا ناراضگی کا مطلب  
 یہ ہے کہ زیادہ بہتر روش والا آدمی دنیا و برزخ کی پوری زندگی کو ایک دن  
 کے برابر خیال کرے گا۔ جیسے سورۃ النساء میں ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا  
 قَلِيلٌ (آیت - ۷۷) آپ کہہ دیں کہ دنیا کا ساز و سامان تو بالکل محصور  
 ہے کیونکہ ابدی زندگی کے مقابلے میں یہاں کے ہزاروں سال بھی کچھ حیثیت  
 نہیں رکھتے۔ سورۃ النہج میں دنیا کی زندگی کی قلت کے متعلق  
 فرمایا کہ لوگ اُس دن محسوس کریں گے لَعَلَّكُمْ يَكْبِتُونَ اِلَّا عَشِيَّةً  
 اَوْ ضُحًى (آیت - ۴۶) کہ وہ دنیا میں صرف اتنا عرصہ ٹھہرے جتن  
 دن کا پچھلا پہر یا دو پہر کا وقت ہوتا ہے۔ قیامت والے دن یہ زندگی جمع  
 اپنے تمام تر لوازمات اتنی قلیل نظر آئے گی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي  
 نَسْفًا ۝۱۰۵ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝۱۰۶ لَا تَرَىٰ فِيهَا  
 عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝۱۰۷ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ  
 لَا عِوَجَ لَهُ ۚ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا  
 تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝۱۰۸ يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ  
 إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝۱۰۹  
 يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا  
 يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝۱۱۰

ترجمہ :- اور سوال کرتے ہیں آپ سے یہ لوگ پہاڑوں  
 کے بارے میں ۔ پس آپ کہہ دیجئے ، بکھیر دیگا اُن کو  
 میرا پروردگار بکھیر دینا ۝۱۰۵ پس کہہ دے گا اُن کو صاف  
 ہموار زمین ۝۱۰۶ نہیں دیکھے گا تو اُس میں کوئی کجی اور  
 نہ کوئی ٹیلہ ۝۱۰۷ اُس دن پیچھے لگیں گے پکارنے والے کے  
 اس کے لیے کوئی کجی نہیں ہوگی ۔ اور دب جائیں گی  
 آوازیں خدائے رحمن کے ڈر سے ۔ پس نہ سنے گا تو  
 مگر ہلکی آواز ۝۱۰۸ اُس دن نہ فائدہ پہنچائے گی سفارش مگر  
 اس کو کہ اجازت دی اس کے لیے خدائے رحمن



نے، اور پسند کیا اُس کی بات کو (۱۹) جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور نہیں احاطہ کرتے یہ اس کے بائے میں علم کے ساتھ (۱۱۰)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن پاک ایک فصیحت نامہ ہے جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت والے دن گناہوں کا بہت بڑا بوجھ اٹھائے گا۔ اور قیامت کے دن کے متعلق فرمایا کہ یہ اُس وقت واقع ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا اور مجرموں کو نہایت ہی قبیح شکل میں اکٹھا کیا جائے گا۔ وہ ذلت کے مارے سرگوشی میں بات کریں گے۔ اُن میں سے کوئی کہے گا کہ ہم دنیا اور برزخ میں صرف دس دن ٹھہرے اور جو زیادہ سمجھا رہا ہوگا، وہ کہے گا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا میں ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیا و برزخ کا عرصہ بالکل قلیل محسوس ہوگا۔

مضبوط پہاڑوں کی شکستگی

اب آج کے دس میں اللہ نے وقوعِ قیامت ہی کے ضمن میں پہاڑوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَكَيْسَ لَكُنَّا عَنِ الْجِبَالِ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کافر اور مشرک استہزاء کے انداز میں کہتے تھے کہ تمہارے کہنے کے مطابق قیامت کو ہر پہر درہم برہم ہو جائے گی تو ان پہاڑوں کا کیا ہوگا جو اتنے مضبوط ہیں اور اپنی تخلیق کے دن سے لیکر آج تک اپنی جگہ پر قائم و دائم ہیں۔ اس دُنیا میں پہاڑوں کو مضبوطی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے کسی چیز کی پختگی اور مضبوطی کو ظاہر کرنے کے لیے اُسے پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے کہتے ہیں کہ اپنا عقیدہ پہاڑ کی طرح مضبوط رکھو، اس میں ذرہ بھر لغزش نہیں آنی چاہیے عرب لوگ اپنے ہمدرد پیمان کی پختگی کے متعلق کہتے ہیں ۔

تَنْوُلُ الْجِبَالَ الرَّاسِيَّاتِ وَقَلْبُنَا  
عَلَى الْعَهْدِ لَا يَلْوِي وَلَا يَتَغَيَّرُ

پہاڑوں جیسی مضبوط چیز تو اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے۔ مگر ہمارے عہد و پیمان اتنے پختہ ہیں کہ ان میں تغیر و تبدل نہیں آسکتا، ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے بھی کہا ہے۔

بجودِ خنیزہ و محکم چو کوہاں زری

چونش مزی کہ ہواتند و شعلہ بیباک است

مستقل مزاج بن کر پہاڑوں کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہو، تنکے کی طرح مت بنو کہ ہوائیں تیز اور شعلہ بیباک ہے۔ اگر تم نے تنکے کی طرح کمزوری دکھائی تو ہوائیں تمہیں لے اڑیں گی اور بکھیر دیں گی۔ جب کہ بیباک شعلہ آگ تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گا۔ اگر تمہارا عقیدہ اور اخلاق پہاڑوں کی طرح مضبوط ہو گا تو پھر تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ ہر مضر چیز تمہاری بچتگی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی۔ بغرضیکہ پہاڑوں کی مضبوطی کا تصوق قدیم زمانے سے پایا جاتا ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام کے مخاطبین نے آپ سے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن اتنے مضبوط پہاڑوں کا کیا بنے گا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا يَكُونُ فِيهَا حَرٌّ مُّغِيرٌ آپ کہہ دیجئے کہ میرا یہ دور دگارا ان کو بکھیر دیگا، بکھیر دینا۔ مطلب یہ کہ جب قیامت برپا ہوگی تو مضبوط اور بلند و بالا پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے۔ سورۃ الشارحہ میں ہے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ مختلف رنگوں کے پہاڑ اس طرح پیس دیے جائیں گے کہ وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے دھنچ ہوئی رنگین اون ہوتی ہے۔ دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ پائے جاتے ہیں، کوئی سرخ ہیں اور کوئی سفید، کوئی سیاہ ہیں اور کوئی براؤن۔ جب قیامت کا حادثہ پیش آئے گا تو یہ

سب دھنک نیے جائیں گے اور مختلف رنگوں کے مرکب سے ان کا کچھ اور ہی رنگ ہوگا، گویا یہ دھنکی ہوئی اون ہے۔

زمین بہت  
چٹیل میدان

جب ہمارے اور چھوٹے موٹے ٹیلے گرد و غبار کی صورت میں فضا میں بکھر جائیں گے فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا تو اللہ تعالیٰ زمین کو چھوڑ دے گا۔ بطور چٹیل میدان۔ قاعا کا معنی چٹیل میدان جس میں اونچ نیچ نہ ہو اور صَفْصَفًا کا معنی ہموار اور چکنی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے بالکل ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جائیں گے اور اپنی جگہ پر نظر نہیں آئیں گے۔ فرمایا پھر زمین کی حالت یہ ہوگی لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا کہ تو نہیں دیکھے گا اس میں کوئی ٹیڑھا پن اور نہ کوئی ٹیلہ مطلب یہ ہے کہ زمین بالکل ہموار اور راستہ سیدھا ہوگا، اس میں کوئی موڑ یا ٹیلہ وغیرہ نہیں ہوگا، ساری زمین برابر ہو کر دی جائیگی۔ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اُس نے ان چیزوں کو مضبوطی اور پائیداری بخشی ہے اور وہ اس سارے نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) کو تبدیل بھی کر دے گا، کسی چیز کو اُس کی موجودہ حالت پر نہیں ہنسنے دے گا۔ دوسری سورتوں میں آسمانی کمروں (PLANETS) کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ بھی سارے درہم برہم ہو جائیں گے۔

دوڑتے  
ہوئے  
جلیٹے

فرمایا جب حساب کتاب کی منزل آئیگی يَوْمَ يَذْتَبِعُونَ الدَّاعِيَ اُس دن پکارنے والے کے پیچھے لگیں گے۔ جب خدا کے حکم سے فرشتہ بارگاہِ رب العزت میں پیشی کے لیے بلائیگا تو سب لوگ آواز کی سمت پر دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ اور ایسے بیدار ہو جائیں گے جیسے تیر اپنے نشتے پر جاتا ہے لَا عِوَجَ لَهُ اور دوڑنے والوں میں کوئی ٹیڑھا پن بھی نہیں ہوگا، اور نہ ہی آواز میں کوئی کجی ہوگی۔ اس دُنیا میں تو لوگوں نے کجی اختیار کی اور اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کا انکار کیا، تمسخر کیا اور طرح طرح کی تاویلیں کر کے اُس پکار کو ٹالنے کی کوشش کی، مگر حساب سے

والے دن ایسی کوئی بات نہیں ہوگی بلکہ سب کے سب بلاچون و چیرا دوڑے چلے جائیں گے۔

آوازیں لپٹ  
ہو جائیں گی

فَرَمَا اِس دِنَ يَه الْقَلَابُ كَيْ اَئِي كَا وَخَشَعَتِ الْاَصْوَابُ  
لِلرَّحْمٰنِ خدائے رحمن کے سامنے ساری کی ساری آوازیں دب جائیں  
گی۔ اللہ کے خوف سے کوئی شخص اونچی آواز میں بات نہیں کر سکے گا۔ فَكَلَّا  
تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا پس تم نہیں سنو گے مگر ہلکی سی آواز۔ جب کوئی بات  
چہیت ہوگی تو اتنی لپٹ آواز ہوگی جیسے کان اچھونسی ہوتی ہے یا پاؤں کی  
ہلکی سی آہٹ ہوتی ہے۔ ہموس شیر کو بھی کہتے ہیں، وہ جب چلتا ہے، تو  
اس کے پاؤں کی آہٹ بالکل مدہم سی ہوتی ہے۔

قبولیت سفارش  
کی دو شرط

فَرَمَا كَيْوَمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِس دِنَ کوئی سفارش بھی  
فائدہ نہیں دے گی مگر دو شرطوں کے ساتھ۔ پہلی شرط یہ ہے اِلَّا مَن  
اِذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کہ اُس شخص کے لیے خدائے رحمن نے اجازت  
دی ہو۔ اور دوسری شرط یہ کہ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا کہ اُس کی بات پر اللہ تعالیٰ  
راضی ہو۔ اور اللہ راضی اُس بات پر ہوگا جو اُس کو پسند ہوگی اور اُسی شخص کے حق  
میں اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت دیں گے۔ اللہ کی پسندیدہ بات ایمان  
اور عقیدے کی پاکیزگی ہے، سورۃ النمر میں اللہ کا فرمان ہے۔ وَادْعُ  
تَتَشْكُرُوْا يَرْضَاهُ لَكُمْ (آیت ۷۷) اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو  
گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اسی طرح ایمان لاؤ گے، کلمہ توحید قبول  
کرو گے۔ تو اللہ راضی ہوگا۔ اگر ناشکر ہو کر گئے، کفر اور شرک کا ارتکاب  
کرو گے تو اللہ راضی نہیں ہوگا، غرضیکہ سفارش کی قبولیت کے لیے خدا تعالیٰ  
کی رضا اور بات کی پسندیدگی کے ساتھ سفارش کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت  
کی بھی ضرورت ہے، تب جبکہ سفارش مفید ہوگی۔

سفارش کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سی جگہوں پر بیان فرمایا ہے



مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے مَن ذَا الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ  
(آیت - ۲۵۵) کون ہے جو اُس کے پاس سفارش کرے، مگر اس کی  
اجازت سے۔ سفارش پیش کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اجازت کی  
ضرورت ہے۔ اللہ کے نبی، فرشتے، شہید، اولیاء اللہ، مومنین کا ملین  
سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی پیشگی اجازت کے ساتھ حتیٰ کہ سید المرسلین  
اور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی شفاعت  
حضریٰ اور شفاعت کبریٰ کر سکیں گے۔

جبری سفارش  
کی تردید

سفارش کے معاملہ میں مشرکین نے غلط عقیدہ بنا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں  
کہ اُن کے شرکاء اللہ کے محبوب ہیں، خدا تعالیٰ اُن کی بات کسی صورت میں  
بھی رد نہیں کر سکتا، اُسے وہ سفارش مانتی ہی پڑتی ہے امام رازیؒ اپنی تفسیر  
میں ایسی سفارش کو جبری سفارش کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ  
محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو دنیا کے  
بادشاہوں پر قیاس کر لیا ہے۔ دنیا میں بادشاہوں اور بڑے بڑے ڈکٹیٹروں  
کو بعض اوقات اپنی مرضی کے خلاف بھی سفارش قبول کرنا پڑتی ہے، وہ  
جانتے ہیں کہ اگر فلاں بااثر امیر کی بات نہ مانی تو وہ اس کے لیے مشکلات  
کھڑی کر سکتا ہے، لہذا وہ بادلِ خواستہ بھی سفارش منظور کرنے پر مجبور ہوتے  
ہیں۔ برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے  
اُسے اپنی سلطنت کے زوال کا کوئی خطرہ نہیں، لہذا وہ کسی کی سفارش قبول  
کرنے پر مجبور بھی نہیں۔ جو شخص اللہ کو بادشاہوں پر قیاس کرتا ہے۔ وہ مخلوق  
کی صفت خدا تعالیٰ میں مان کر شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اجازت دی ہے کہ وہ  
ایک ایک دُعا کر لیں جو قبول کی جائے گی۔ سارے انبیاء نے وہ دُعا دنیا میں  
ہی کہہ لی اور وہ قبول ہو گئی، مگر میں نے یہ دُعا قیامت کے دن کے لیے

مؤمنہ کو رکھی ہے۔ اُس دن میں یہ دعا اپنی امت کے گنہگاروں کے حق میں مانگوں گا، مگر ساتھ یہ بھی فرما دیا قہی نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَن مَّاتَ مِنْ اُمَّتِيْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا (ہ سلم) یہ دعا میری امت کے اُس شخص کے حق میں انشاء اللہ مقبول ہوگی جس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنایا ہوگا۔ کافر، مشرک، منافق، ملحد، بد اعتقاد اور فاسد العقیدہ کے حق میں سفارش قبول نہیں ہوگی، اور نہ اس کی اجازت ملے گی۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مطلقاً شفاعت کا انکار بھی کافروں والا عقیدہ ہے۔ فتاویٰ ہندازیہ میں ہے مَنْ اَنْكَرَ شَفَاعَةَ الشَّافِعِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَهُوَ کَافِرٌ۔ کوئی شخص یہ کہے کہ شفاعت کا کوئی تصور ہی نہیں تو یہ عقیدہ باطل ہوگا، کیونکہ شفاعت قرآن و سنت سے ثابت ہے مگر بعض شرائط کے ساتھ جن کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح میزان کا انکار بھی کفر ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ میزان قائم ہوگا، اور اعمال تولدے جائیں گے۔ جو شخص کوئی الٹی سیدھی تاویل کرتا ہے، وہ بدعتی اور گمراہ ہوگا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اللّٰہُ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو خوب جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز انسان آخرت کی زندگی کے لیے آگے بھیجتے ہیں اور جو کچھ اس دُنیا کے لیے پیچھے رکھتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اگر آگے بھیجتے ہیں جہت مراد لی جائے تو یہ بھی درست ہے کہ انسان اپنے آگے پیچھے کی ہر چیز کو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہر شے سے واقف ہے۔ وہ علیم کل ہے اور اُسے ذرے ذرے کا علم ہے، کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔ سورۃ النبا میں موجود ہے کہ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا

اللہ تعالیٰ  
علیم کل ہے

يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (آیت - ۴۰) جس دن ہر آدمی  
 آگے بھجی گئی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اگر کوئی نیچے بھجی ہے تو  
 وہ بھی نظر آئے گی اور اگر برائی بھجی ہے، تو وہ بھی دیکھ لے گا۔ اگر کوئی  
 غلط رسم چھوڑ آیا ہے، حرام کی کمانی پیچھے چھوڑی ہے، خدا تعالیٰ سب کو  
 جانتا ہے، ہر شخص کے حالات اس کی نگاہ میں ہیں اور انہی کے مطابق اس  
 کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

فَرَمَا وَلَا تُحِيطُوا بِهٖ عِلْمًا اَوْ رَأْيًا اور انسان علم کے اعتبار سے  
 اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ انسان نہ تو اللہ تعالیٰ کے مقدرات کا  
 احاطہ کر سکتے ہیں، نہ معلومات کا، نہ مخلوقات کا، نہ اس کی مصنوعات  
 کا اور نہ ہی اس کی ذات اور صفات کا۔ انسان کا علم بالکل محدود ہے جبکہ  
 خدا کا علم غیر محدود ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہر چیز کا احاطہ  
 کرنے والی تو اللہ کی ذات ہے، مخلوق اس کے علم کا احاطہ کسے کر سکتی  
 ہے اللہ نے فرمایا وَمَا اَوْتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا  
 (بنی اسرائیل - ۸۵) تمہیں تو بالکل قلیل علم دیا گیا ہے اور تم اتنا ہی جانتے  
 ہو جتنا علم تمہیں دیا گیا ہے۔ علم محیط کا مالک صرف خدا تعالیٰ ہے۔

طہ ۲۰

آیت ۱۱۱ ۲ ۱۱۵

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ  
ظُلْمًا ۝۱۱۱ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَا يَخُفُّ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۝۱۱۲ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ  
قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ  
يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝۱۱۳ فَتَعَالَى  
اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ  
أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝۱۱۴  
وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ  
يَجِدْ لَهُ عِزْمًا ۝۱۱۵

ترجمہ :- اور پست ہو جائیں گے چہرے حجّ اور قیوم کے  
سامنے ۔ اور تحقیق ناکام ہوا وہ شخص جس نے ظلم اٹھایا ۝۱۱۱  
اور جو شخص عمل کرے گا نیکیوں میں سے بشرطیکہ وہ ایماندار  
ہو ، پس نہ خوف کھائے گا وہ زیادتی کا اور نہ کسی  
نقصان کا ۝۱۱۲ اور اسی طرح اتارا ہے ہم نے اُس  
قرآن کو عربی زبان میں ، اور ہم نے اس میں پھیر پھیر کر  
بیان کی ہیں ڈرانے والی باتیں تاکہ یہ لوگ بچ جائیں ، یا یہ  
ظاہر کرے ان کے لیے نصیحت ۝۱۱۳ پس بلند ہے  
اللہ تعالیٰ کی ذات جو بادشاہ ہے سچا اور (اے پیغمبر!)



آپ جلدی نہ کریں قرآن کے ساتھ قبل اس کے کہ پوری کی جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور آپ یوں کہیں

”اے پروردگار! زیادہ کہ میرا علم“ (۱۱۴) اور البتہ تحقیق ہم نے عہد کیا آدم علیہ السلام کی طرف اس سے پہلے۔ پس وہ بھول گئے اور نہ پائی ہم نے اُن کے لیے پختگی (۱۱۵)

ربط آیات

یہ سورۃ بنیادی طور پر تسلی کے مضمون میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی فرعون کے ساتھ کشمکش کا ذکر کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو تسلی دی کہ آگے آنے والی مشکلات اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد کیا۔ رسالت اور قیامت کے مسائل بیان کیے۔ اسی ضمن میں کل کی آیات میں پہاڑوں کا ذکر ہوا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت برپا ہونے کے بعد پہاڑوں جیسی مضبوط چیز کا کیا حال ہوگا؟ اللہ نے اس کا جواب بھی مرحمت فرمایا کہ آج بلند و بالا اور مضبوط نظر آنے والے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور زمین بالکل ہموار ہو جائے گی۔ اُس میں کوئی اونچ نیچ یا گڑھا، کھائی باقی نہیں رہے گی۔ اُس دن کسی میں بلند آواز سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوگی، اور نہ ہی کوئی سفارش مضید ہوگی۔ تاوقتیکہ کہ اُس کے لیے خدائے رحمن کی طرف سے اجازت ہو اور جس شخص کے لیے سفارش مطلوب ہو، اُس کی بات اللہ کو پسند ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا ذکر ہوا، اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، اس کی مخلوقات اُس کے مقدرات غرضیکہ کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔

چہڑوں کی  
ذلت

آج کی پہلی آیت میں قیامت ہی کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے وَعَنْتِ الْوُجُوہُ اُس دن چہرے پست اور ذلیل ہو جائیں گے آج دنیا میں بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگ موجود ہیں مگر قیامت کے دن جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے

تو اُن کے چہرے ذلت کے مارے جھکے ہوئے ہونگے ظاہر ہے کہ خوشی، غمی یا خسر و غنوت کے آثار چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے چہرے اس دنیا میں سرکشی اور تکبر کی وجہ سے کھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، وہ چہرے قیامت کے دن کمزور، ذلیل اور پست ہو جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے یُخْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ كَأَمْثَالِ الذُّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَاهُ قُجُوهَهُمُ الذِّلَّةُ وَالصِّغَارُ جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں انہیں قیامت والے دن چوٹیوں کی سی حالت میں اٹھایا جائے گا اور اُن کے چہروں پر ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔ تکبر روحانی بیماریوں میں سے بدترین قسم کی بیماری ہے جو کہ اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس مال زیادہ آگیا یا علم کی فراوانی ہوگئی ہے تو ذرا ذرا سی بات پر اکثر دکھاتا ہے اور سیدھے طریقے سے بات کرنے کی بجائے منہ پھللا پھللا کر بات کرتا ہے۔ اس غرور و تکبر کا نتیجہ قیامت والے دن ظاہر ہوگا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم زمین پر اکثر کھرجو گے تو اِنَّكَ لَكُنْ تَخْرِقُ الْاَرْضَ وَلَكِنْ تَبْلُغُ الْجِبَالَ طُولًا (بنی اسرائیل۔ ۳۷) نہ تم زمین کو بھاڑ سکتے ہو اور نہ تمھارا سر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے بلکہ تم وہی پانچ چھوٹے آدمی ہی رہو گے۔ غرور و تکبر ابلیس کی صفت ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اے ایمان والو! ایک دوسرے کے سامنے سرکشی نہ کیا کرو، تکبر اور غرور نہ کرو بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ۔

تکبر ایک ایسا موزی مرض ہے کہ انسان اولاً اس کا اظہار ان لوگوں کے سامنے کرتا ہے، اور پھر جب اس میں بچتہ ہو جاتا ہے تو پھر خدا کے سامنے بھی کہہ نہ لگتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور خدا متعالیٰ

کے حکم کی تعمیل میں اکثر دکھانے لگتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص بالآخر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ قیامت والے دن ساری اکثر نکل جائیگی اور جس طرح اُس دن متکبرین کی آوازیں پسٹ ہو جائیں گی۔ اسی طرح اُن کے چہرے بھی ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

حتیٰ اور قیوم

فرمایا چہروں کی یہ پشتگی اُس ذات کے سامنے ہوگی لِلّٰحِیِّ الْقَیُّوْمِ جو زندہ اور قائم ہے۔ حی سے مراد وہ ذات ہے جو خود زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتے والی ہے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اُس نے یہ حیات کسی سے مستعار نہیں لی۔ اس کے یہ غلاف پوری مخلوق کی زندگی اللہ کی عطا کردہ ہے جب اللہ تعالیٰ یہ صفت اپنی کسی مخلوق سے چھین لیتا ہے تو اُس مخلوق پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ انسان ہوں یا جن، فرشتے ہوں یا چرند، پند اور نباتات سب کو اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی زندگی کو زوال ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال ہے اور یہی حی کا معنی ہے۔

اسی طرح قیوم اُس ذات خداوندی کی صفت ہے جو خود قائم ہے اور اُس نے دوسری مخلوق کو قائم کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسروں کا سہارا ہے مگر اُسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ تو فرمایا کہ قیامت والے دن اُس ذات کے سامنے چہرے پسٹ اور ذلیل ہوں گے جو زندہ اور قائم ہے حضور علیہ السلام نے اللہ کی انہی صفات کے ساتھ ورد بھی بتایا ہے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ حَمْدُکَ اسْتَغِیْثُ اے زندہ اور قائم و دائم خدا میں تیری رحمت کا سوالی ہوں، اپنی رحمت کو ہمیشہ میرے شامل حال رکھو۔

ظلم کا بدلہ

چہروں کی در ماندگی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا اور تحقیق وہ ناکام ہوا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔ ظلم کا معنی ہے وَضَعَ الشَّیْءَ فِی غَیْرِ مَحَلِّهِ کسی چیز



کو اپنے اصل مقام کی بجائے کسی دوسری جگہ پر رکھ دینا۔ تاہم اس مقام پر یہ ظلم سے مراد کفر اور شرک ہے، اور اس کے بعد معصیت کا نمبر آتا ہے اور جس نے کفر، شرک اور معصیت کا بوجھ اٹھایا، وہ یقیناً ناکام ہو گیا۔ قیامت والے دن خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اُسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کے متعلق فرمایا ہے **الْبَشَرُ لظلم عظیم** (لقمان ۱۳) بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح کفر کے متعلق فرمایا **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظالمون** (البقرہ ۲۵۴) کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ سورۃ آل عمران میں ہے **وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ رَأَتْ** (۱۳۵) جنہوں نے بے حیائی کی بات کی یا اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ یہاں بھی ظلم سے مراد کفر، شرک یا بدعتیہ کی بات ہے۔ بہر حال جس نے قیامت والے دن ظلم کا بوجھ اٹھایا، وہ ناکام ہو جائے گا۔

معتبر اعمال  
صالحہ

اس کے بالمقابل فرمایا **وَمَنْ يَكْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ** جس نے عمل کیا نیکیوں میں سے، یعنی اچھے اعمال انجام دیے۔ ہر اچھا عمل وہ ہے جسے شریعت مطہرہ اچھا قرار دے اور عقل سلیم بھی اُس کی اچھائی کو تسلیم کرے۔ مثلاً عبادت خداوندی ایک نیک کام ہے۔ جسے عقل بھی مانتی ہے۔ اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی نیک اعمال میں سے ہے جسے شریعت ضروری قرار دیتی ہے اور عقل تسلیم کرتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؑ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں نیکیوں کا ذکر ہے اس سے مراد چار بنیادی عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔ ان عبادات کو انجام دینے والا آدمی یقیناً کامیاب ہو گا۔ باقی ساری نیکیاں چاہے ان کا تعلق قرآن سے ہو یا واجبات سے، منہن سے ہو یا مستحبات سے ان چار بنیادی نیکیوں کے تحت آتی ہیں۔

فرمایا جس شخص نے نیک اعمال کیے **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** بشرطیکہ وہ



مومن ہو۔ گویا نیکی کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان کے بغیر کسی نیکی کا کوئی اعتبار نہیں۔ انسان کا عقیدہ صحیح اور فکر کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہونی چاہیے، تب اس کے اعمال عبادت معتبر ہوں گے، ورنہ رائیگاں جائیں گے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا، حضور! عبداللہ ابن جدعان سرارانِ مکہ میں سے بڑا سخی آدمی تھا، وہ ایک ایک مجلس میں سو سو اونٹ بخش دیتا تھا۔ تو کیا ایسے شخص کی سخاوت اُس کے لیے مفید ہوگی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن اس کی یہ نیکی اس کے لیے کچھ فائدہ مند نہ ہوگی، کیونکہ اِنَّہٗ لَمَّا یَقُلْ رَبِّ اَعْفِرْ لِيْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ اُس نے زندگی میں ایک دن بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ اس کا قیامت کے دن یہ یقین ہی نہیں تھا۔ حالانکہ توحید، رسالت، ملائکہ، کتب سماویہ کی طرح قیامت کے دن پر ایمان لانا بھی اجزائے ایمان میں سے ہے۔ چونکہ اس کا ایمان ہی نہیں ہے۔ لہذا اُس کی سخاوت جیسی نیکی کا کبھی کچھ اعتبار نہیں ہوگا اور اُسے اس کا کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ آگے سورۃ الانبیاء میں بھی آ رہا ہے فَہُمْ لَیْسَ یَعْمَلُوْنَ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَہُمْ مُّؤْمِنُوْنَ فَلَا کُفْرَانَ لَّسَعِیْہِ (آیت ۹۴) جو کوئی نیک کام کرتا ہے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کے عمل کی نافرمانی نہیں کی جائیگی۔

بہر حال نیکی کی قبولیت کے لیے پہلی بنیاد صحیح عقائد ہے۔ اس کے بعد صحیح عمل، صحیح اخلاق اور صحیح نیت آتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریق بھی رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کے عقیدے کی اصلاح کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسری چیزیں آتی ہیں۔ چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی سلسلے الے بھی جب کسی کو بیعت کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے توبہ

کہہ دیتے ہیں اور اس کا ایمان درست کہہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر، شرک سے  
 بیزاری کا اعلان کرو۔ کیونکہ آگے نیکی کی بنیاد اسی پر موقوف ہے۔ غرضیکہ تمام  
 انبیاء اور صلحاء کی تعلیم میں تصحیح عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔  
 فرمایا جس نے نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو فداً یَخَافُ ظُلْمًا  
 وہ شخص ظلم کا خوف نہیں کھائے گا وَلَا هَضْمًا اور نہ اُسے نقصان کا ڈر  
 ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جس نے بنیادی طور پر اپنے ایمان کو صحیح بنا لیا اور پھر  
 نیک اعمال انجام دیے، اس کے ساتھ کوئی زیادتی یا نا انصافی نہیں ہوگی،  
 نہ اُس کی کسی نیکی کو ضائع کیا جائے گا۔ اور نہ کوئی ناکردہ گناہ اس کے سر ڈالا  
 جائے گا۔ وہ ہر قسم کی زیادتی اور نقصان سے مامون ہوگا۔

قرآن در  
 عربی زبان

اس سے پہلے پانچویں رکوع میں گزر چکا ہے کَذٰلِكَ فَخَصَّ  
 عَلَيْكَ مِثْرَ اَنْبَاءٍ مَا قَدْ سَبَقَ اللّٰهُ نَبَاً حضرت موسیٰ  
 علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح  
 ان سے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان کرتے ہیں۔ اب یہاں پر قیامت کے  
 بعض واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مذکورہ بالا مضمون  
 کے ساتھ ربط کیا ہے اور فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا  
 اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ مطلب یہ کہ  
 موسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے لوگوں کے واقعات کو بیان کرنے کے  
 لیے ہم نے قرآن حکیم کو عربی زبان میں اُتارا ہے۔ اُس کے ذریعے نہ صرف  
 سابقہ واقعات کی نشاندہی ہوتی ہے بلکہ آنے والے واقعات کی ضروری  
 جھلک بھی پیش کی جاتی ہے۔ وقوع قیامت کی تمام تفصیلات اسی  
 عربی قرآن کے ذریعے ہی معلوم ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم عربی  
 زبان میں نازل کر کے اس زبان کو بڑی فصیلت بخشی ہے۔ قرآن کا مطلب  
 ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

کی تلاوت کی بار بار تلقین کی ہے۔ سورۃ المنزل میں ہے فَاَقْرِءْ وَاَمَّا  
تَذَكُّرُكَ الْقُرْآنِ (آیت - ۲۰) جتنا ممکن ہو اس قرآن کو پڑھو،  
نماز میں پڑھو، اس کے علاوہ تلاوت کرو، یہ ٹریجی بار بکت کتاب ہے۔

جسے اللہ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے  
کہ قرآن کو عربی زبان میں ہی پڑھنے سے حق تلاوت ادا ہوگا۔ اگر اس کا ترجمہ  
دنیا کی کسی بھی زبان میں پڑھا جائے گا تو اللہ کے حکم قرآن خوانی کا حق ادا نہیں  
ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز بھی غیر زبان میں ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ نماز میں  
قرآن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور وہ عربی میں ہے۔

فرمایا، ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اُتارا ہے وَصَرَّفْنَا فِيهِ  
مِنَ الْوَعِيدِ اور ہم نے پھیر پھیر کر اس میں ڈرانے والی اور تنبیہ والی  
باتیں بیان کی ہیں اور اس سے مقصود یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ لوگ  
برائی سے بچ جائیں متقی وہ شخص ہے جس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو جائے  
اور وہ کفر، شرک اور معاصی سے بچ جائے۔ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تقویٰ  
کے متعلق فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت بر حد و شرع است" یعنی شریعت  
کی حدود کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے۔ جب تک انسان کفر، شرک، نفاق،  
بدعات اور معاصی سے نہ بچے، وہ متقی نہیں کہلا سکتا۔ اگر کوئی شخص عزیمت  
ایمان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے تو کافر ہوگا۔ اور اگر وہ شریعت  
کے کسی حکم میں شک یا تردد کا شکار ہے تو منافق ہے۔

قرآن ذریعہ  
تقویٰ و  
نہایت

فرمایا ہم نے قرآن پاک میں پھیر پھیر کر مثالیں بیان کی ہیں کہ لوگ متقی بن  
جائیں اَوْ يَحْدِثْ لَهُمْ ذِكْرًا يَلْوُكُونَ میں اس قرآن کے ذریعے  
نصیحت کی بات ہی آجائے۔ گذشتہ رکوع میں بھی گنہ چکا ہے وَقَدْ  
اتَّبَعْتُكَ مِنْ لَدُنَّا بِكَرٍّ (آیت - ۹۹) ہم نے اپنی طرف سے  
آپ کو ایک مکمل "نصیحت نامہ" عطا فرمایا ہے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ ایک



مضمون کو مختلف عنوان سے بار بار بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کر لیں اور پھر اس کے احکام و فرامین پر عمل کرنے کے دنیا و آخرت دونوں جگہ مسرور ہو جائیں۔ اور اس قرآن پاک کو نازل کرنے والی ذات کون ہے، فرمایا فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات ہے جو بجا بادشاہ ہے۔ اسی نے یہ عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے جو تقویٰ اور نصیحت کا ذریعہ ہے۔

ضبط قرآن  
میں تعجیل

اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان کو ضبط قرآن سے متعلق ایک بات سمجھائی ہے۔ جب جبرائیل علیہ السلام قرآن پاک کا کوئی حصہ کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ اس کو جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ وہ آیات اذہر ہو جائیں اور ان کے بھول جانے کا کوئی امکان نہ رہے۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ آپ قرآن کے ضبط کرنے میں جلدی نہ کریں مِنْ قَبْلِ أَنْ يَنْفُصَنِيَ إِلَيْكَ وَحْيُهُ قبل اس کے کہ آپ کی طرف وحی مکمل کر دی جائے مطلب یہ کہ آپ قرآن کو بھول جانے کا خطرہ محسوس نہ کریں کیونکہ اس کا ضبط اور حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ اسی مضمون کو اللہ نے سورۃ العنقرہ میں اس طرح بیان کیا ہے لَا تَعْجَلْ بِهِ لساناً لَتَعْجَلَ بِهِ (آیت - ۱۶) آپ قرآن کو ضبط کرنے کے لیے زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں۔ إِنَّ عَلَيْكَ جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (آیت - ۱۷) کیونکہ اس کا اکٹھا کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعلیٰ میں مزید قلی دلائی سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى ہم آپ کو ایسا پڑھا دیں گے کہ آپ ایک حرف بھی نہیں بھولنے پائیں گے۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (آیت - ۱۸) ماسوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود کسی حصہ کو بھولانا چاہے یا منسوخ کرنا چاہے۔ لہذا آپ اطمینان رکھیں اور



جلدی جلدی ضبط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ آپ اس طرح دعا کریں وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔ علم اللہ تعالیٰ کی غیر محدود صفت ہے لہذا اس میں اضافہ کی ہر آن دعا کرنے کی چاہیے۔ قرآن پاک کے علوم و معارف نہ ختم ہونے والے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَنْقُضِي عَجَائِبَاتِ الْقُرْآنِ یعنی قرآن کے عجائبات، علوم و معارف اور خالق و دقاتق کبھی ختم نہیں ہوں گے اور قیامت تک آنے والے لوگ ان سے فیض حاصل کرتے رہیں گے۔ چونکہ قرآن پاک خدا تعالیٰ کی سنت ہے لہذا اس کے علوم و معارف کا اختتام اللہ کی صفت کے اختتام کے مترادف ہے جب خدا کی صفت غیر محدود ہے اور یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ اس جلد بازی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ اور البتہ تحقیق اس سے پہلے ہم نے آدم علیہ السلام کی طرف عہد کیا فَنَسِيَ پس وہ بھول گئے۔ وَلَكَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا اور ہم نے اُن میں سختی نہ پائی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام سے عہد کیا تھا کہ جنت میں رہو مگر ایک خاص درخت کے قریب نہ جانا، مگر وہ غفلت کی وجہ سے بھول گئے اور درخت کے قریب چلے گئے۔ اگر آپ احتیاط کرتے تو شیطان کی وسوسہ اندازی سے بچ جاتے مگر انہوں نے جلدی کی اور ممنوعہ درخت کا پھل چکھ لیا۔ لہذا حضور علیہ السلام کو بھی جلد بازی سے منع فرمایا گیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام بھول گئے تو اُن کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ آدم نے انکار کیا تو اُن کی اولاد بھی ایسا کرتی ہے۔ عربی محاورہ ہے

أَوَّلُ النَّاسِ أَوَّلُ نَاسٍ یعنی سب سے پہلا انسان سب سے پہلے بھولنے والا بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے التَّوَدُّعُ مِنَ الرَّحْمَتِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ یعنی آہستگی

آدم علیہ السلام  
کی مثال

خدا نے رحمن کی طرف سے ہے اور علبہ بازی شیطان کی طرف سے ہے۔  
 آدم علیہ السلام مجھول گئے، ان میں احتیاط اور بچتگی کا فقدان تھا، مگر یہ آپکا  
 گناہ شمار نہیں ہوتا کیونکہ گناہ نیت اور ارادے کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تو  
 محض مجھول تھی، اس میں نیت اور ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا مگر اس کے  
 باوجود اللہ نے آزمائش میں ڈال دیا کیونکہ بڑے لوگوں کے لیے معمولی سی  
 بات بھی بڑے امتحان کا باعث بن جاتی ہے آدم علیہ السلام پہلے انسان  
 اور اللہ کے ذریعہ نشان بنی تھے، لہذا معمولی سی لغزش سے ان پر استلا آگئی  
 اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ضبطِ قرآن میں علبہ بازی سے منع فرمایا ہے  
 اور ساتھ آدم علیہ السلام کی مثال بیان کی ہے کہ وہ بھی اسی علبہ بازی کی وجہ  
 سے مجھول گئے جو کہ بے احتیاطی کا نتیجہ تھا۔ علبہ بازی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ  
 اس کی وجہ سے بعض اوقات انسان کو ہدایت اٹھانا پڑتی ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ  
 أَبَى ۖ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ  
 فَلَا يُخْرِجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ۖ إِنَّ لَكَ  
 إِلَّا تَجُوعٌ فِيهَا وَلَا تَعْرِى ۖ ۝۱۱۸ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَوُا  
 فِيهَا وَلَا تَصْحَى ۝۱۱۹

ترجمہ:- اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب کہ ہم  
 نے کہا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کے لیے۔ پس  
 انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا ۝۱۱۶ ہم نے  
 کہا اے آدم! بیشک یہ تیرا دشمن ہے اور تیری بیوی  
 کا۔ پس یہ نہ نکالے تم دونوں کو جنت سے، پس  
 تم مشقت میں پڑ جاؤ گے ۝۱۱۷ بیشک تمہارے لیے  
 (اس جنت میں یہ ہے) کہ نہ تم بھوکے ہو گے اس  
 میں اور نہ برہنہ ۝۱۱۸ اور تم نہ اس میں پیاسے ہو گے  
 اور نہ تم دھوپ کی تکلیف اٹھاؤ گے ۝۱۱۹

بطر آیات

اس سورۃ مبارکہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کی فرعون  
 کے ساتھ کشمکش کا حال بیان کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے  
 تسلی کا سامان پیدا کیا۔ پھر رسالت کا ذکر ہوا اور ساتھ ساتھ قیامت کا حال بھی بیان ہوا۔  
 مومنین اور کافروں کو پیش آنے والے حالات کا ذکر ہوا۔ پھر قرآن پاک کے متعلق اللہ

نے فرمایا کہ یہ ایک نصیحت نامہ ہے، اللہ نے اس کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ پھر آپ سے فرمایا کہ آپ اس کو پڑھنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ اس کا ضبط اور بیان ہمارے ذمہ ہے، ہم اس میں سے ایک حرف بھی نہیں سننے دیں گے بلکہ آپ کو پورا پورا یاد کرادیں گے۔ فرمایا جلدی کرنے کی بجائے آپ اللہ تعالیٰ سے اضافہ علم کے لیے دعا کرتے رہیں۔ پھر اللہ نے اسی ضمن میں آدم علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ جلد بازی میں غلطی کر بیٹھے جس کا خمیازہ انہیں مشقت کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

انابت اور  
سکرشی کا تقابل

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی ابلیس کے ساتھ کشمکش کا ذکر فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام میں انابت تھی جب کہ ابلیس میں سکرشی تھی۔ ان دونوں کا تقابل دراصل مومن اور کافر کا تقابل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ جب ان سے لغزش ہوئی تو انہوں نے فوراً اللہ کے حضور گڑ گڑا کر معافی طلب کر لی۔ دوسری طرف ابلیس کی سکرشی کا تذکرہ ہے کہ اُس نے حکم خداوندی سے سرِ تالی کی تو اُس پر اڑ گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ذرا اُس واقعہ کو یاد کرو وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ وَبَسُّوْا کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرو۔ فَسَجَدُوْا ان سب نے سجدہ کیا اِلَّا ابْلٰیْسَ آج سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آدم علیہ السلام کے لیے یہ سجدہ ان کی فضیلت اور برتری کے اظہار کے لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اِخۡ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ: ۳) چونکہ اس خلافت کے اہل فرشتے نہیں بلکہ انسان تھے، اس لیے اللہ نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کروایا، تاکہ اس تعظیم کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری ثابت ہو جائے۔



یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے فرشتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سجدہ تعظیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ سورۃ ص میں ہے فَسَجِدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ (آیت ۲۰) یعنی سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا اس سے بعض مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ تمام کے تمام فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا اور سبھی نے سجدہ کیا خواہ ان کا تعلق ملائکہ اعلیٰ سے تھا یا ملائکہ اسفل سے، مگر امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے سارے فرشتے مراد نہیں بلکہ ملائکہ اسفل کے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، اور ابلیس انہی فرشتوں میں شامل تھا۔ جہاں تک ابلیس کا تعلق ہے، وہ تو فرشتوں کی نوع میں ہی شامل نہیں تھا۔ کیونکہ ہم سورۃ کہف میں پڑھتے ہیں كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (آیت ۵۰) وہ جنات کی نوع میں سے تھا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی۔ اصل بات یہ ہے کہ ابلیس تھا تو جنات میں سے ہی مگر اس کا رہن سہن فرشتوں کے ساتھ تھا اور فرشتوں کے ساتھ جنات کو بھی سجدے کا حکم ہوا تھا۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے یہ خطاب موجود ہے۔

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (آیت ۱۲) تو ابلیس فرشتوں میں ملا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتا تھا۔ حضرت یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ برس خدا تعالیٰ کی عبادت کی مگر ایک حکم کی نافرمانی سے راندہ درگاہ محضرا۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ ملائکہ اعلیٰ کا ہے جن میں حاملین عرش فرشتے، عرش کے گرد طواف کرنے والے فرشتے اور علیین کے فرشتے ہیں اس کے بعد آسمانوں کے درجہ بدرجہ فرشتے ہیں اور پھر فضا کے فرشتے اور آخر میں زمین والے فرشتے ہیں جو ملائکہ اسفل کہلاتے ہیں۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے والے ملائکہ اسفل کے فرشتے

تھے اور ابلیس بھی انہی میں شامل تھا۔

ابلیس کے متعلق سورۃ بقرہ میں آجَب وَاسْتَكْبَرَ کے الفاظ آتے ہیں یعنی اُس نے سجدے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ تکبر بھی کیا، کہنے لگا کہ میں آدم علیہ السلام کو کیسے سجدہ کروں جب کہ میں اُس سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ صَلَٰفِ (الاعراف) مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا جب کہ آدم کو مٹی سے۔ کہنے لگا میرے مادہ تخلیق میں بلندی کا عنصر پایا جاتا ہے اور مٹی میں پستی کی صفت ہے، لہذا میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کے سامنے کیسے سجدہ کروں۔ یہ تکبر اولین اخلاقی بیماری ہے جو کائنات میں ابلیس کے ذریعے ظاہر ہوئی۔ ابلیس میں حد کا مادہ بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کو ابلیس کی دشمنی سے آگاہ فرمادیا۔ اس مقام پر اللہ نے مکمل تفصیلات بیان نہیں کیں، صرف اتنا حصہ بیان کیا ہے جس سے آدم علیہ السلام کی امانت اور ابلیس کی سرکشی کا اظہار ہوتا ہے۔

تَعْظِیْمِ سَجْدَہ

سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک عبادت کا اور دوسرے تعظیم کا۔ سجدہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے روا ہے، البتہ تعظیمی سجدہ اللہ کے سوا دوسروں کے سامنے بھی ہوتا رہا ہے۔ سابقہ شریعتوں میں سجدہ تعظیم روا تھا۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو تعظیمی سجدہ ہی کیا تھا۔ قدیم زمانوں میں بادشاہوں اور دیگر امراء کے سامنے بھی تعظیمی سجدہ ہوتا تھا آخری شریعت میں یہ سجدہ بھی حرام ہو چکا ہے۔ توفرشتموں کا آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ تعظیمی سجدہ ہی تھا۔

دونوں سجدوں میں نیت کا ہی فرق ہوتا ہے۔ عبادت کا سجدہ وہ ہے جو بندے اپنے پروردگار کے حضور معبود بہ حق سمجھ کر کرتے ہیں، اور تعظیمی سجدہ وہ ہے جو ملاقات کے وقت کسی بڑے آدمی کی تعظیم کے لیے کیا

جانتا ہے، اور اسے آداب میں شمار کیا جاتا ہے، نہ کہ عبادت کے طور پر۔  
اب ہماری شریعت میں یہ دونوں سجدے ناجائز ہیں۔ سجدہ عبادت غیر اللہ  
کے سامنے تو ہر حالت میں کفر و شرک ہے اور سجدہ تعظیم حرام ہے۔ اسی  
لیے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے  
تو اس پر کفر کا قطعی حکم عاید ہوگا۔ اُس نے بت کی وہی تعظیم کی جو بندے اپنے  
پروردگار کی کرتے ہیں، لہذا ایسا شخص کافر ٹھہرا، لیکن اگر کوئی شخص کسی بزرگ  
یا قبر کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو ایسے شخص سے وضاحت طلب کی جائیگی۔  
کہ اُس نے کیا سجدہ کیا۔ اگر وہ کہے کہ اس سجدہ کے لیے میری نیت  
اسی تعظیم کی تھی جو بندے اپنے رب کے لیے کرتے ہیں، تو ایسے شخص  
پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔ اور اگر وہ کہے کہ میری نیت ملاقات پر محض اکرام  
کی تھی تو پھر اس فعل کو حرام سمجھا جائے گا۔ اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا۔  
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں کہ  
تعظیمی سجدہ ایک ایسا فعل ہے جس کے متعلق فیصلہ نیت کی بنیاد پر ہی کیا جاسکتا  
ہے۔ ہماری شریعت میں اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان موجود ہے لَا تَسْجُدُوا  
لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ  
(رحمہ السجدہ - ۳۷) نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اللہ تعالیٰ  
کو کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے مطلب یہی ہے کہ اگر کسی شخص نے  
عبادت کا سجدہ کیا ہے تو کفر ہوگا اور اگر تعظیمی سجدہ کیا ہے۔ تو پھر یہ حرام ہوگا۔  
اللہ نے فرمایا کہ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے  
سے انکار کر دیا تو ہم نے آدم علیہ السلام کو خبردار کر دیا فَقُلْنَا يَا آدَمُ  
إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ، ہم نے کہا، اے آدم! یہ ابلیس  
تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے بلکہ پوری نوع النسانی کا دشمن ہے خواہ  
وہ مرد ہو یا عورت، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بئیس میں اس طرح

ابلیس کی  
آدم دشمنی



بیان کیا اَلَمْ اَعٰهَدْ اِلَيْكُمْ لَبَنِيْ اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ كَانَ كَرُمًا عَدُوًّا مُّبِيْنًا اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس نے بہت سول کو گمراہ کیا، لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ اے آدم! ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ اس سے خبردار رہنا فَلا يَخْرُجَنَّكُمَا مِنْ الْجَنَّةِ کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا۔ اگر یہ ایسا کہہ نے میں کامیاب ہو گیا فَتَشْفٰی تو تم مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جنت میں تمہیں ہر چیز بلا مشقت صحت حاصل ہو رہی ہے، اور جنت سے نکل گئے تو پھر تمہیں محنت کر کے یہ چیزیں حاصل کرنا پڑیں گی۔

انسان کے  
بنیادی حقوق

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اُن چار بنیادی حقوق کا ذکر کیا ہے جو آدم علیہ السلام کو جنت میں حاصل تھے۔ فرمایا اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوعَ فِيْهَا جنت میں تمہیں بھوک کی پریشانی نہیں ہوگی، یعنی تمہارے لیے خوراک کا انتظام ہوگا۔ یہاں پر دوسری سہولت یہ ہوگی وَلَا تَعْرٰی کہ تم بے ہنہ بھی نہیں ہو گے، یعنی تمہیں لباس مہیا کیا جائے گا۔ فرمایا تَمِيْرٍ سَهْلٍ یہ ہوگی وَاَنْتُمْ لَا تَظْمَءُو فِيْهَا کہ تمہیں یہاں پیاس بھی نہیں ستائے گی کہ تمہارے لیے پانی کا وافر انتظام ہوگا۔ اور چوتھی چیز یہ ہے وَلَا تَضْحٰی کہ تم دھوپ کی شدت سے بھی محفوظ رہو گے یعنی تمہارے رہنے کے لیے مکان ہوگا جو تمہیں گرمی سردی سے بچائے گا۔

یہ چاروں چیزیں جو آدم علیہ السلام کو جنت میں میسر تھیں، دنیا میں اُسکی اولاد کے لیے بنیادی حقوق میں شامل ہیں یعنی خوراک، لباس، پانی اور مکان اس میں دو چیزیں تعلیم اور صحت بھی شامل کر لی جائیں تو انسان کے کل چھ بنیادی حقوق ( بن جاتے ہیں جو انسان



کو ہر حالت میں کسی نہ کسی صورت میں ملنے چاہئیں۔ آجکل عالمی ادارے  
 یونیسکو (UNESCO) نے ان بنیادی حقوق کا سہرا اپنے سر پر  
 باندھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ حقوق تو اللہ نے انسان کو قرآن و  
 سنت کے ذریعے عطا کیے ہیں۔ مذکورہ چار حقوق کے علاوہ جن کا ذکر  
 ان آیات میں کیا گیا ہے، باقی دو حقوق کا ذکر بھی قرآن پاک میں دوسرے  
 مقامات پر موجود ہے۔ تعلیم کے متعلق مولانا عبد اللہ سندھی سورۃ بقرہ کی آیت  
 اَلَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ  
 وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ  
 اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ (آیت ۱۵۹) کا حوالہ دیتے  
 ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ کا حکم چھپانے والوں پر لعنت کی گئی  
 ہے، لہذا کتمان احکام کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام باتوں کی  
 تعلیم عام ہونی چاہیے۔ اس لحاظ سے یہ انسان کا بنیادی حق بنتا ہے۔  
 فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے اتنی تعلیم جبری ہونی چاہیے کہ جس سے  
 اُس کی ضروریات دین پوری ہو سکیں۔ اگر اہل حل و عقد اس کا انتظام نہیں  
 کیں تو وہ خدا اور خدا کی مخلوق کی لعنت کے مستحق بنتے ہیں۔

جہاں تک صحت کا تعلق ہے، یہ بھی ہر انسان کے لیے ضروری  
 ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان نہ عبادت کر سکتا ہے اور نہ جہاد کا فریضہ  
 ادا کر سکتا ہے۔ عبادت کا حکم اللہ نے جگہ جگہ دیا ہے۔ وہی عبادت  
 اربعہ جو ہر اہل ایمان پر اللہ نے فرض کی ہیں اور جہاد کے متعلق بھی اللہ نے  
 سخت تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ الانفال میں یہ حکم موجود ہے **وَاعِدُوا اللّٰهَ**  
**مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** (آیت ۶۰) دشمن کے مقابلے کے  
 لیے حرب استطاعت قوت فراہم کرو۔ بیمار آدمی تو دشمن کا مقابلہ نہیں  
 کر سکتا۔ لہذا صحت کی برقراری بھی انسان کے بنیادی حقوق میں داخل ہے۔

مذکورہ بالا پہلے چار بنیادی حقوق کے متعلق ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ **لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ سِوَى هَذِهِ الْخَصَالِ** یہ چار بنیادی ضروریات ہر انسان کا بنیادی حق ہیں۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان کو یہ اشیاء اعلیٰ درجے کی ہی حاصل ہوں، تاہم جیسی کیسی بھی ہوں، ملنی چاہئیں۔ خوراک کے لیے **جَلْفِ الْخُبْزِ** کے الفاظ آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے سرغن غذا ہی لازمی نہیں، خشک روٹی تو ہونی چاہیئے۔ اس سے کوئی انسان محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ اسی طرح پانی بھی خوراک کا حصہ ہے وہ بھی ہر شخص کے لیے ضروری ہے، اللہ نے لباس کے متعلق فرمایا ہے **يَكْنِيْ اَدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لُبَاسًا يُؤَارِعُ مَسْوَآتِكَ وَرَحِيْشًا (الاعراف - ۲۶)** اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہاری ستر پوشی بھی ہو اور تمہارے لیے زینت کا باعث بھی ہو۔ لباس ہر حال ہر شخص کو ملنا چاہیئے خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح گرمی سردی سے بچنے اور آرام و سکون کے لیے گھر کا ہونا بھی ضروری ہے اور کوئی شخص اس سے محروم نہیں رہنا چاہیئے، یہ مکان ذاتی ملکیت نہ بھی ہو سکے تو کم از کم کرائے کا تو ہونا چاہیئے۔ جنت میں یہ چیزیں آدم علیہ السلام کو فری حاصل تھیں اور دنیا میں اللہ نے بعض چیزیں عام رکھی ہیں جن سے ہر شخص بغیر مشقت کے فائدہ اٹھا سکتا ہے مثلاً روشنی ہر جاندار کے لیے ضروری ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو مفت میسر آتی ہے۔ اس پر کسی شخص کا کنٹرول نہیں ہے۔ دوسرے نمبر پر ضروری چیز ہوا ہے۔ یہ بھی کسی مخلوق کے قبضہ میں نہیں ہے بلکہ ہر جاندار کو فری ملتی ہے۔ ہوا کے ذریعے انسانی جسم میں آکسیجن پہنچتی ہے جو کہ انسانی اور حیوانی زندگی کا لازمی جزو ہے، پھر تیسرا نمبر پانی کا ہے جو کہ ہر جاندار کے لیے لازمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی ذی روح زندہ نہیں

رہ سکتا۔ اطباء کے بیان کے مطابق انسانی زندگی کا دار و مدار دورانِ خون پر ہے جس میں اسٹیٹ فیصد پانی اور سینکڑے فیصد باقی معدنیات وغیرہ ہیں۔ لہذا ہوا اور روشنی کی طرح پانی بھی ہر شخص کے لیے فری ہونا چاہیئے۔ پانی پر کوئی ٹیکس عاید نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کے لیے فری واٹر سپلائی کا انتظام کرے۔

البتہ خوراک ایسی چیز ہے جس کے حصول کے لیے ہر جاندار کو کچھ نہ کچھ محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ کوئی مزدوری کرتا ہے، کوئی زراعت پیشہ ہے۔ کوئی کارخانہ میں کام کرتا ہے اور کوئی ملازمت اختیار کرتا ہے صنعت اور تجارت وغیرہ سب حصولِ رزق کا ذریعہ ہیں اور انسان ان ذرائع کو برائے کار لا کر خوراک حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح مکان بھی ہر شخص کے لیے ضروری ہے اور اس کے لیے خود محنت کرنی کی ضرورت ہے اس کا بالکل فری ملنا محال ہے۔ یہ سب بنیادی ضروریات ہیں جو آدم علیہ السلام کو جنت میں مفت حاصل تھیں۔ تو اللہ نے خبردار کیا کہ اگر شیطان کے بہکاؤ میں آکر جنت سے نکل گئے تو پھر تمہیں یہ نعمتیں فری حاصل نہیں ہوں گی بالکل۔ ان کے حصول کے لیے محنت مشقت کرنا ہوگی۔

یہ سب بنیادی سہولتیں ہر شخص کو ملنی چاہئیں مگر ان میں مساوات قائم نہیں کی جاسکتی بلکہ لوگوں کے درجات میں تفاوت ضرور ہوگا۔ خود قرآن نے اس تفاوت کو قائم رکھا ہے۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (الزخرف - ۳۲) ہم نے بعض کے درجات بعض کے مقابلے میں بلند کیے۔ ہر شخص کی دماغی اور جسمانی صلاحیتیں مختلف ہیں، لہذا ان کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ کسی کو وافر رزق ملتا ہے اور کسی کو کم۔ کسی کو زیادہ سہولتیں ملتی ہیں اور کسی کو کم۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی تو خوب پیٹ بھر کر کھائے اور کوئی بالکل بھوکا رہے۔ چاہے روکھی سوکھی ملے، ہر شخص کو ملنی چاہیئے۔

درجات  
تفاوت

اسی طرح اگر کوئی محلات میں رہتا ہے تو دوسرے کو کم از کم چھوٹی پڑی تو ملنی  
 چاہیے کہ اس کا بنیادی حق ہے۔ ہر شخص کی صحت کی برقرار رکھنے کا انتظام ہونا  
 چاہیے، بنیادی اور ضروری تعلیم سے کوئی شخص محروم نہیں رہنا چاہیے ایک  
 اچھی حکومت کی یہی علامت ہے کہ وہ انسانوں کے بنیادی حقوق کس حد تک  
 ادا کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ وَأَتِ كُلَّ ذِي  
حَقٍّ حَقَّهُ ہر شخص کو اس کا حق ملنا چاہیے۔ جس نظام حکومت میں لوگ  
 بنیادی حقوق سے محروم ہیں، وہ ظالمانہ نظام ہے۔ اکثر ان کی نظام میں بھی  
 سرسراہٹ محاد ہے جس میں دین، شریعت اور خدا کا کوئی تصور نہیں، ان کا مساد  
 کا دعویٰ بھی محض فریب ہے۔ وہاں تو جبر و تشدد کا دور دورہ ہے جو ظلم ہے  
 غرضیکہ نظام وہی بہتر ہے جس میں انسان کے بنیادی حقوق کی ضمانت ہو جو دنیا



فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ  
 عَلَى شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُلَى ۚ ﴿١٢٠﴾ فَأَكَلَا  
 مِنْهَا فَبَدَتَ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطِفَقَا يَخْصِفَانِ  
 عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ﴿١٢١﴾  
 ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ﴿١٢٢﴾ قَالَ  
 اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا  
 يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا  
 يَضِلُّ وَلَا يَشْغَى ﴿١٢٣﴾

ترجمہ :- پھر وسوسہ ڈالا اُس کی طرف شیطان نے  
 کہا، اے آدم! کیا میں تجھے بتلاؤں ایک ہمیشگی کا درخت  
 اور ایسی بادشاہی جو کبھی بوسیدہ نہ ہو ﴿۱۲۰﴾ پھر ان دونوں  
 (میاں بیوی) نے کھایا اُس (درخت) سے۔ پس ظاہر ہو  
 گئے دونوں کے لیے جسم کے مستور حصے، اور شروع  
 کیا دونوں نے ڈھانپنا اپنے اوپر جنت کے پتوں سے  
 اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی، پس بے راہ  
 ہوئے ﴿۱۲۱﴾ پھر منتخب کیا ان کو ان کے پروردگار نے  
 پس رجوع کیا اُس کی طرف مہربانی کے ساتھ اور راہ  
 دکھائی ﴿۱۲۲﴾ فرمایا (اللہ نے) اتر جاؤ تم دونوں اس

سے کھٹے، بعض تمھارے بعض کے لیے دشمن ہوں گے۔  
پس جب آئے گی تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت  
پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی، پس نہ وہ گمراہ ہوگا  
اور نہ وہ تکلیف میں مبتلا ہوگا (۱۲۳)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی انابت، کمال اور فضیلت  
اور اس کے ساتھ ساتھ ابلیس کی سرکشی کا ذکر کیا۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں جو سہولتیں  
حاصل تھیں اُن کا بیان ہوا، مگر شیطان نے وسوسہ اندازی کے ذریعے آدم علیہ السلام  
اور حوا کو جنت سے نکلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی خبردار کر چکے تھے کہ اے آدم!  
ابلیس نے نہ تو میرے حکم کی تعمیل کی ہے اور نہ تمھاری فضیلت کو تسلیم کیا ہے،  
یہ تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، اس سے بچتے رہنا، کہیں یہ تمھیں جنت  
سے نہ نکلوا دے، اس کے بعد ابلیس نے آدم اور حوا کو بہکانا شروع کیا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب  
ہوا اور آدم اور حوا کو زمین پر اتارنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ سورۃ بقرہ، سورۃ اعراف اور کئی دوسری سورتوں میں مختلف  
طریقوں سے بیان کیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی خلافت و نیابت  
کے اعتبار سے بیان کیا گیا تھا، اور اس سورۃ میں یہ واقعہ بیان کرتے وقت آدم علیہ السلام  
کی انابت اور ابلیس کی سرکشی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ واقعہ اللہ نے انجام کار کے  
اعتبار سے بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے رسالت کا بیان ہوا، اور اس سے پہلے  
اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون نازل فرمایا معاد  
کے سلسلے میں پھر آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ انہوں نے جلد بازی کی اور بھول گئے جس  
کے نتیجے میں مشقت میں پڑ گئے۔

شیطان کی  
وسوسہ اندازی

اب آج کی آیات میں شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی اور اس کے نتیجے  
میں آدم اور حوا کے جنت سے نکل جانے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَوَسَّوْا  
اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ پھر وسوسہ اندازی کی شیطان نے آدم علیہ السلام کی طرف۔ وسوسہ

پوشیدہ اور مخفی آواز کو کہا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان نے نہایت ہی مخفی انداز میں آدم علیہ السلام کو بہکانا شروع کیا۔ سورۃ اعراف میں ہے۔  
 وَقَاسَمَهُمَا آتَيْنَا لَكُمَا لَمَعًا لِّمَنِ النَّصِيحَيْنِ شَيْطَانُ نَآدَمَ  
 اور حوا و دونوں کے سامنے قسم اٹھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میری بات پر عمل کر کے تو فائدے میں رہو گے، اور اس طرح اُن دونوں کو بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اللہ کی قسم اٹھا کر بات کرتا ہے تو اُس پر یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔

مفسرین کرام اس مسئلہ میں بحث کرتے ہیں کہ شیطان تو جنت سے باہر تھا، پھر اُس نے آدم علیہ السلام و حوا کی طرف وسوسہ اندازی کیسے کی اس ضمن میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُس وقت تک علیحدگی کا حکم نہیں آتا تھا، شیطان جنت کے اندر باہر آتا جاتا تھا جس کی وجہ سے اُسے وسوسہ دینے کا موقع مل گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وسوسہ اندازی کے لیے قریب جانا ضروری نہیں شیطان اگرچہ جنت کے دروازے سے باہر ہی رہتا تھا مگر اُس نے دُور سے ہی وسوسہ ڈال دیا اور اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

دائمی زندگی  
کا تصور

ارشاد ہوتا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو اس طرح بہکا یا قَالَ  
 يٰآدَمُ هَلْ اَدْرَاكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ كُنْ لَكَ اِلٰهٌ اَدَمُ!  
 کیا میں بتاؤں تجھے ہمیشگی کا درخت؟ یعنی میں تجھے ایک ایسے درخت کی نشاندہی کرتا ہوں کہ اگر اس کا پھل کھا لو گے تو تمہیں دائمی زندگی حاصل ہو جائیگی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جنت میں آرام و آسائش سے رہو گے اور کبھی بھی یہاں سے نکلے نہیں جاؤ گے۔ ہمیشگی کا تصور انسان کے لیے بڑا خوش گن ہے، لہذا آدم علیہ السلام بھی اس کے لیے مائل ہو گئے۔  
 ہمیشہ رہنے کی خواہش پرانی قوموں میں بھی پائی جاتی تھی۔ سورۃ الشعراء میں اللہ

نے قوم عاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بڑی بڑی عمارت، گنبد، مینار اور حوض وغیرہ بناتے تھے لَعَلَّكُمْ تَتَّخِذُونَ گویا کہ تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ تو شیطان نے بھی آدم علیہ السلام کو اسی بات سے ورغلا یا کہ میں تمہیں ایک ایسا نسخہ بنا سکتا ہوں جس کے ذریعے تم جنت کی دائمی زندگی پاسکو۔

لازوال  
سلطنت

دوسری چیز جس کا لالچ شیطان نے آدم علیہ السلام کو دیا، وہ تھا۔ وَكَانَ مُلْكُ لَا يَبْئَلُ کہنے لگا کیا میں تمہیں ایک ایسی بادشاہی نہ بتاؤں، جو بوسیدہ نہ ہو۔ یعنی ایسی سلطنت کی نشاندہی کروں جس کو کبھی زوال نہ آئے۔ سلطنتوں کے عروج و زوال کی داستانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ جس سلطنت کا دنیا میں کبھی لوہا مانا جاتا ہے وہ ایک نہ ایک دن شکست و ریخت کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ آج تک دنیا کی کسی بادشاہت کو دوام حاصل نہیں ہوا۔ پرانے مصریوں، ایرانیوں، کھاندانیوں اور بابلیوں کی بڑی بڑی سلطنتیں مگر آخر ان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ آج سے پچاس سال پہلے سلطنت برطانیہ کا طوطی بولتا تھا۔ اپنی وسعت و قوت کے اعتبار سے برطانیہ عظمیٰ (گریٹ بریٹن GREAT BRITAIN) کہلاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، مگر آج اس کی یہ حالت۔ ہے کہ انگلینڈ کے چھوٹے سے جزیرے میں مسدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اب جزیرہ آئرلینڈ بھی علیحدگی کی کوشش کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت بھی بالآخر زوال کا شکار ہو جاتی ہے، مگر شیطان نے آدم علیہ السلام کو ایسی سلطنت بتلانے کا وعدہ کیا جس کو کبھی زوال نہ آئے۔

بادشاہی کے اسی تصور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بھی جنتوں کے لیے بادشاہی کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں دیے گئے بعض اشارات سے پتہ چلتا ہے کہ جنت میں جانے والا ہر انسان بادشاہ ہوگا۔ اُس کو بادشاہوں جیسا اعزاز



اکرام حاصل ہوگا، خدمت گار، محلہ، محلات، آرام و آسائش کی تمام سہولتیں اور وسیع ملک حاصل ہوگا، اُس کے ہر حکم کی بغیر کسی رکاوٹ کے تعمیل ہوگی، جس طرح دنیا کا بادشاہ خود مختار ہوتا ہے اسی طرح ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ غرضیکہ شیطان نے ایسی ہی لازوال بادشاہی کا آدم علیہ السلام کو لالچ دیا۔ اور اس طرح انہیں بہکا کر جنت سے نکلوا دیا۔

آدم اور حوا  
کا پھل کھانا

سورۃ بقرہ میں آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ہم نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو، وہاں سے باافراط کھاؤ وہاں سے تمھارا جی چاہے، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا مبادا کہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ۔ مگر شیطان نے یہی وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل کھا لو گے تو دائمی زندگی اور لازوال بادشاہت نصیب ہو جائیگی۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس پیش کش کے متعلق آدم علیہ السلام نے کچھ پس و پیش کیا مگر حضرت حوا اس سے زیادہ ہی متاثر ہو گئیں اور انہوں نے پھل کھالیا اور اس کے بعد آدم علیہ السلام کو بھی اس بات پر آمادہ کر لیا اور انہوں نے بھی وہ پھل کھالیا۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا فَكُلَا مِنْهَا، اُن دونوں نے وہ پھل کھالیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر حوا خیانت نہ کرتی یعنی پھل کھانے میں پہل نہ کرتی تو دنیا کی کوئی عورت اپنے خاوند کیساتھ خیانت کا ارتکاب نہ کرتی غرضیکہ اُن دونوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب حضرت حوا نے پھل کھایا تو اُن کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر جب وہی پھل آدم علیہ السلام نے کھایا اور دونوں کے متعلق شیطان کی سازش مکمل ہو گئی فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا

برائی اور  
شر کو پستی

پس دونوں کے مستورہ حصے ظاہر ہو گئے یعنی دونوں میاں بیوی کا جلتی لباس  
اُتر گیا اور وہ بالکل برہنہ ہو گئے۔ سَوَاۃُ النّٰن کے اگلے پچھلے مستورہ حصوں  
کو کہا جاتا ہے۔ سَوَع کا لفظی معنی برائی ہوتا ہے، اور اعضائے مستورہ  
کو سَوَاۃُ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر ہونا انسان کو ناگوار گزارنا ہے  
یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے لہذا ان اعضا کا ڈھانپنا فرض ہے بمنہ احمد  
کی روایت کے مطابق ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصہ جسم ستر میں داخل  
ہے جس کا کھل جانا سخت عیب کی بات ہے۔ متمدن دنیا کے انسان خواہ  
مومن ہوں یا کافر، کسی قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی رنگ اور  
نسل کے لوگ ہوں برہنہ کی عیب ہونے پر سب کا اتفاق ہے انسان  
کا لباس جہاں اُس کی ستر پوشی کرتا ہے، وہاں اس کے لیے باعثِ نینت  
بھی ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں بعض ایسے سرچھپرے لوگ بھی ہوئے  
ہیں جنہوں نے اپنی فطرت کے خلاف برہنہ کی کوشش کیا۔ ۱۹۲۹ء میں جرمنی میں  
"انجمن البیانِ فطریہ" (نیچرل سوسائٹی NATURAL SOCIETY) کے نام سے  
ایک انجمن معرضِ وجود میں آئی تھی جس کی نمبر شپ کے لیے برہنہ ہونا ضروری  
تھا۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنی مخصوص جگہ میں جاتے تھے تو مرد و زن سب اپنا  
لباس اتار کر برہنہ ہو جاتے تھے۔ شیطان نے ان کو اس طرح اسودا دیا کہ وہ  
جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے۔ مگر جن میں فطرت کی ذرا بھی رفق باقی ہے وہ  
ہمیشہ پردہ پوشی کرتے ہیں حتیٰ کہ وحشی قبائل، جن کو لباس میسر نہیں، وہ بھی گھاس  
پھوس ستر پوشی کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی شائع ہونے  
والی بعض تصاویر سے ان کے تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ بہر حال جب آدم علیہ السلام  
اور حضرت حواؑ کے اعضائے مستورہ کھل گئے تو انہیں شرم محسوس ہونے لگی۔  
میاں بیوی ایک دوسرے کو برہنہ کی حالت میں دیکھ رہے تھے اور ادھر  
فرشتے بھی ان کی یہ حالت مشاہدہ کر رہے تھے۔ تو پھر کیا ہوا وَطِیفًا





کیا ہے مثلاً مولانا مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو آدم علیہ السلام اطاعتِ رب کے بلند مقام سے معصیت کی پستی میں جا گہرے۔ مودودی صاحب ہمارے زمانے کے مفسرِ قرآن ہیں مگر انہوں نے تفسیر میں بہت سی غلطیاں بھی کی ہیں۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری جو حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے داماد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر القرآن میں ایک سو غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ مولانا مودودی ذہین و فطین آدمی تھے، مگر ان کی کمزوری یہ تھی کہ انہوں نے اساتذہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور محض مطالعہ کے زور پر چلتے تھے۔ آپ صحافی تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف تھے مگر تفسیر میں غلطیاں بھی کی ہیں۔

مفسرِ قرطبی، مولانا ثناء اللہ پانی پتی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انبیاء کی لغزشوں کا بھی موقع ہے موقع ذکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ جہاں قرآن میں اس کا تذکرہ آجائے، اُس کو بیان کر دینا درست ہے مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ غیر ضروری باتوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، جو الیا کہے گا، نقصان اٹھائے گا۔ دائمی زندگی والی بات بھی غیر ضروری تھی مگر آدم علیہ السلام اس کے پیچھے پڑ کر مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ سورۃ الاعراف میں شیطان کا یہ بہکاوا بھی موجود ہے کہ اُس نے آدم علیہ السلام اور حواؑ سے کہا تھا کہ تم اس درخت کا پھل کھا لو، اللہ نے اس سے اس لیے منع کیا ہے۔ اَنْ تَكُونَا مَلَکَیْنِ کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ آدم علیہ السلام کے لیے یہ بھی غیر ضروری بات تھی، کیونکہ ملکیت تو آدم علیہ السلام کی مطلوب چیز نہیں تھی مگر آدم علیہ السلام اس کے پیچھے بھی پڑ گئے تو نقصان اٹھایا۔

لغزش کی  
معافی

جب آدم علیہ السلام اور حواؑ سے غلطی کا ارتکاب ہو گیا تو پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح معافی طلب کی، کہنے لگے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سَئَةً وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ



مِنَ الْخُسْرِیْنَ (اعراف - ۲۳) اے ہمارے پروردگار! ہم نے واقعی اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے یعنی ہم سے لغزش ہو گئی ہے، اب اگر تو مہربانی نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ ثُمَّ اجْتَابَهُ رَبُّهُ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا فَتَابَ عَلَيْهِ اور آپ کی طرف مہربانی کے ساتھ رجوع کیا اور نہ صرف آپ کی لغزش کو معاف کیا بلکہ وہکدلی آپ کو راہ بھی دکھائی کہ سیدھا راستہ یہ ہے اس پر چلے جاؤ۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب تو بہ اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے مہربانی کے ساتھ رجوع کرنا۔ اور جب یہی لفظ بندے کے لیے استعمال ہو تو معنی یہ ہوتا ہے کہ بندہ مذمت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

پھر کیا ہوا؟ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیعًا تم دونوں (آدم اور حوا) یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ۔ اُس وقت یہ دونوں میاں بیوی ہی تھے۔ لہذا انہی کے لیے اتر جانے کا حکم ہوا، اُن کی باقی اولاد تو زمین پر آکر ہوئی۔ لہذا یہ حکم ساری نوع انسانی کے لیے نہیں تھا۔ سورۃ البقرہ میں جمع کا صیغہ بھی ہے وَقُلْنَا اهْبِطُوا (آیت - ۳۶) ہم نے کہا سب اتر جاؤ۔ یہاں پر آدم علیہ السلام حوا اور شیطان تینوں مراد ہیں کہ سب زمین پر اتر جاؤ۔ البتہ یہ بات یاد رکھنا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بعض تم میں سے بعض کے دشمن ہوں گے۔ مرد عورت کا دشمن ہوگا، بھائی بھائی کا، باپ بیٹے کا اور ایک قرابتدار دوسرے قرابتدار کا۔ چنانچہ اُس وقت سے لے کر عداوت کا سلسلہ چلا آرہا ہے سب سے پہلی عداوت آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں پیدا ہوئی جس کا ذکر سورۃ مائدہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد سابقہ تاریخ پڑھ لیں، کس قدر قتل و غارتگری نظر آتی ہے، اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دشمنی اور عداوت

ہر روز کتنے گل کھلاتی ہے۔

ہدایت کی  
پیروی

اللہ نے فرمایا، میری یہ بات بھی سن لو فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي  
هُدًى جَب تَمَّحَاے پاس یعنی تمھاری اولاد کے پاس دنیا میں میری ہدایت  
آئے گی۔ میرے نبی آئیں گے، میری کتابیں آئیں گی، شریعت اور احکام نازل  
ہوں گے تو فرمایا فَمَنْ اتَّبَعَ هٰذَاى جس شخص نے میری ہدایت کی  
پیروی کی فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ مشقت  
میں پڑے گا۔ ایسے شخص کو بلاشبہ فلاح نصیب ہو جائیگی اور وہ اس جنت میں پیدا  
چلا آئیگا جس سے اب تمھیں اُترنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے  
اَنْ تِلْكَمُ الْجَنَّةُ اُورِثْتُمُوَهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ  
(اعراف - ۴۳) یہ جنت تمھارے جد امجد کی وراثت ہے جو تمھیں پہنچی کرنے  
پر حاصل ہوگی۔ ایمان لاؤ گے، نیک اعمال انجام دو گے تو جنت کا راستہ  
بالکل آسان ہو جائے گا۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرو گے دنیا میں گمراہ  
نہیں ہو گے تو آخرت میں اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچ جاؤ  
گے۔ اس بات سے اللہ نے اُسی وقت آگاہ کر دیا تھا جب آدم علیہ السلام  
کو جنت سے اُتر جانے کا حکم دیا۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا  
وَذَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ۝ (۱۲۴) قَالَ رَبِّ لِمَ  
حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝ (۱۲۵) قَالَ  
كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ  
تُنْسَى ۝ (۱۲۶) وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ  
يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ط وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ۝ (۱۲۷)  
أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ  
يَمْشُونَ فِي مَسْكِينِهِمْ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ  
لِّأُولِي النُّهَى ۝ (۱۲۸)

۱۶

ترجمہ :- اور جس شخص نے اعراض کیا میرے ذکر سے ،  
پس بیشک اُس کے لیے گہراں ہو گا تنگی کا ، اور اٹھائیں  
گے ہم اُس کو قیامت کے دن اندھا ۝ (۱۲۴) وہ کہے گا ، اے  
میرے پروردگار ! تو نے کیوں اٹھایا مجھے اندھا ، اور بیشک میں  
تو دیکھنے والا تھا ۝ (۱۲۵) فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) اسی طریقے سے  
آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں ، پس تو نے اُن کو فراموش  
کر دیا ، اور اسی طرح آج کے دن تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی  
معاملہ کیا جائے گا ۝ (۱۲۶) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اُس

کو جو اسراف کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ ایمان نہیں لاتا۔ اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور زیادہ باقی رہنے والا ہے (۱۲۷) کیا واضح نہیں ہوئی ان لوگوں کے لیے یہ بات کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی قومیں ہلاک کی ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ اُن کے ٹھکانوں میں، بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل رکھنے والے لوگوں کے لیے (۱۲۸)

رابطہ آیات

اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کی حقیقت بیان کرنے کے بعد معاد کا مسئلہ بیان فرمایا، اور اس سلسلے میں آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اُن کی انابت کا ذکر ہوا۔ ابلیس کے انکار اور اس کی سرکشی کا بیان ہوا۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں ملنے والی سہولتیں شیطان کی وسوسہ اندازی کے نتیجے میں چھین لی گئیں اور دونوں میاں بیوی کو زمین پر اُترنے کا حکم ہوا۔ اللہ نے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ تم میں سے بعض ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ نوع انسانی کے لیے ایک مقررہ وقت یعنی قیامت تک کے لیے زمین پر رہائش پذیر ہونا ہو گا۔

اس غلطی پر آدم علیہ السلام سخت تادم ہوئے۔ انہوں نے گڑ گڑا کر اللہ سے معافی مانگی تو اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی، اُن کو برگزیدہ بنایا اور پھر اُن کو راستہ دکھایا۔ اب اس جنت کے مقام تک پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آئے، اُس کے پیغمبر آئیں اور کتابیں نازل ہوں، تو جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہیں ہو گا، اور پھر آخرت میں جنت کے مقام تک پہنچنے میں کوئی مشقت بھی نہیں اٹھائے گا۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری ضروری بات کا ذکر کیا ہے وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ جِس نے میری یاد سے روگردانی کی۔ ذکر سے

ذکر الہی سے  
اعراض



مراد یاد بھی ہے اور نصیحت بھی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ قرآن پاک اور دیگر کتب سماویہ اور صحائف نصیحت نامے اُس وقت کے لوگوں کے لیے باعثِ فوز و فلاح تھے۔ قرآن پاک کے متعلق خاص طور پر اللہ نے فرمایا وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ایک ذکر یعنی نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔ جہاں تک خدا تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا تعلق ہے تو یاد بھی جمی ہوگی۔ جب اُس پر ایمان لائیں گے اور ایمان لانے کا ذریعہ بھی وحی الہی یعنی قرآن پاک ہے۔ تو فرمایا جس نے اعراض کیا میری یاد سے یا میرے نصیحت نامے سے فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا تو اُس کے لیے تنگی والا گھرانہ ہوگا۔

تنگی معیشت کی توجہات

آیت ہذا کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرے گا۔ اُس کی معیشت تنگ ہو جائیگی اور وہ دنیا میں عسرت کی زندگی بسر کرے گا، مگر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اللہ کے بڑے بڑے مافران اور سرکش لوگ اور حکومتیں بڑی آسودہ حال ہیں اور یہ لوگ نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ برخلاف اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اَشْدُّ الْبُكَاءِ الْاَبْدِیُّ دُنْیَا میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزراؤں اور مقربین کے لیے اس دنیا کی معیشت زیادہ تنگ ہے۔ اس اشکال کے پیش نظر مفسرین کہہ ام نے اس آیت کو یہ کہہ کر تین توجہات بیان کی ہیں۔

بے اطمینانی

فرماتے ہیں کہ اس مقام پر معیشت کی تنگی سے مراد عسرت کی زندگی نہیں بلکہ بے اطمینانی اور بے سکونی مراد ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قوم یا ملک اللہ کی یاد اور اس کے نصیحت نامے سے اعراض کرے گا۔ اُس کو اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوگا خواہ اس کے پاس آرام و راحت کے کتنے ہی سامان کیوں نہ موجود ہوں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حکمران ہوں

یا امرا، سرمایہ دار ہو یا کارخانہ دار، دولت مند ہو یا لینڈ لارڈ ان کے ہاں سکھ  
 اور چین ہمیشہ مفقود رہتا ہے، ایسے لوگ ہر وقت پریشان اور مضطرب  
 رہتے ہیں۔ کیونکہ اطمینانِ قلب اور سکون کے لیے تو اللہ کی یاد کی ضرورت  
 ہے جو ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کا فرمان ہے اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ  
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد - ۲۸) دل کی تسکین تو ذکرِ الہی سے  
 ہوتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سونے کے پہاڑ بھی ہوں تو ان سے اطمینان  
 قلب نہیں خرید جاسکتا، اسی لیے ان کی زندگی کو تنگی سے موسوم کیا گیا ہے۔  
 اطمینان اور سکون والی حیاتِ طیبہ کا نسخہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الخل میں بیان فرمایا  
 ہے مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً جس شخص نے ایمان لانے کے بعد  
 نیک اعمال انجام دیے ہم اُسے پاکیزہ زندگی عطا کرتے ہیں جس میں اُسے سکون  
 اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ذکرِ الہی سے اعراض کرنے  
 والوں کے حصے میں حیاتِ خبیثہ آتی ہے۔ جس میں برائیاں ہی برائیاں ہوتی  
 ہیں۔ حرص اور لالچ ہوتا ہے جو اُن کے دل و دماغ پر مسلط ہو کر انہیں بے سکونی  
 کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ جو شخص نہ حقوق ادا کرتا ہے اور  
 نہ فراموش، اُسے اطمینانِ قلب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ  
 میری یاد سے منہ موڑنے والوں کی معیشت تنگ کر دی جائے گی۔ یہ پہلی  
 توجیہ ہے۔

(۲)  
 معصیت کی  
 زندگی

مفسرینِ کرام معیشت کی تنگی کی دوسری توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ  
 ذکرِ الہی سے اعراض کرنے والے معصیت کی زندگی بسر کریں گے۔ اُن کی  
 فکر فاسد اور عقیدہ بگڑا ہوا ہوگا، اخلاق خراب اور اعمال قبیح ہوں گے۔  
 ایسے لوگوں کا نیکی میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس لیے یہ معصیت کی زندگی گزار  
 گے اور معیشت تنگ ہو جانے سے ہی مر رہیں گے۔

مفسرین کرام کا ایک طبقہ منجملہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ وغیرہم فرماتے ہیں کہ معیشت کی تنگی سے مراد برزخ کی زندگی کی تنگی ہے اس دنیا کی زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ جائے گی، لیکن درمیان میں برزخ یعنی قبر کی زندگی بھی درپیش ہے۔ اس زندگی کا کچھ نمونہ حضور علیہ السلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ بعض آدمیوں کی قبر اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ وہ اس شخص کو اتنا دبوچے گی کہ اُس کی پلپٹاں ایک دوسری میں داخل ہو جائیں گی۔ اور بعض کے متعلق فرمایا کہ اُن پر ننانوے<sup>۹۹</sup> سال تک مسلط کر دیے جائیں گے جو صاحبِ قبر کو ہر وقت ڈستے رہیں گے۔ کہیں کچھ موڑوں کا ذکر بھی آتا ہے کہیں یہ بھی فرمایا کہ نافرمانوں پر تھوڑا بے دراز فرشتے مسلط کر دیے جائیں گے، اُن کے پاس اتنے زہر و دستِ محقورے ہوں گے کہ اگر کسی پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فرمایا کہ ذکرِ الہی سے اعراض کرنے والوں کو اتنی سخت سزا دی جائے گی۔ اس کو معیشت کی تنگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف اہل ایمان اور ذکرِ الہی سے شغف رکھنے والوں کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی جو حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نیک آدمی کی قبر ستر ستر ہاتھ کشادہ ہو جائے گی، جنت کی طرف اس میں کھڑکی کھل جائے گی جس کے ذریعے جنت کی خوشبو آنے لگے گی اور اُس شخص کے نیک اعمال بہترین شکل میں تشکل ہو کر اُس کے سامنے آئیں گے، یہ اُس کی برزخ کی حیاتِ طیبہ ہوگی، قبر میں اُن کے پاس فرشتے بھی آئیں گے مگر انہیں کسی قسم کی وحشت نہیں ہوگی کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے والے کسی شخص پر وحشت نہیں ہوگی۔

جب برزخ کی زندگی ختم ہو جائے گی تو آخرت کی منزل آئے گی۔ اس منزل میں اللہ نے اعراض کرنے والوں کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے وَخَشَرَةُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی قیامت کے دن ایسے شخص کو ہم



اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ یہ اندھا پن ایک خاص وقت تک کے لیے بطور سزا ہوگا اور جب حساب کتاب کا وقت آئے گا تو بینائی واپس کر دی جائے گی۔ بہر حال ایسے لوگوں کو اندھا پن کی یہ ذلت و رسوائی برداشت کرنا پڑے گی

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا وَّه كہے گائے میرے پروردگار! تو نے کیوں اٹھایا مجھے اندھا اور بینک میں تو دیکھنے والا تھا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنٰسِی السُّرٰتَعٰلٰی فرمائے گا اسی طریقے سے آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں پس تو نے ان کو فراموش کر دیا اور اسی طرح آج کے دن تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَكَمْ یُعْذِرُ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اُس کو جو اسراف کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ ایمان نہیں لاتا اور

پھر حساب کتاب کے بعد فرمایا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ہ ذکر الہی سے اعراض کرنے والے کے لیے آخرت کا عذاب شدید اور دیر پا ہوگا۔ ایسے شخص کو جو سزا بزرخی زندگی میں ملی یا حشر کے دن اٹھتے وقت ملی وہ اس کے جرائم کے مقابلے میں ناکافی تھی، لہذا آخرت کی سخت اور دائمی سزا میں بھی مبتلا ہوگا۔ اللہ نے یہ انجام بھی بیان فرمادیا۔

فَرَمٰۤا اَفْلَحَ كَیْہْدِ كَہْمُكُمْ اَهْلٰكُنَا قَبْلَہُمْ مِّنَ الْفُرُوْقِ كہا ان لوگوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگ ہوں یا بعد والے، سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ جب انہوں نے ظلم، زیادتی اور زنا فرمائی تو شعاع بنا لیا تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا۔ آج ان کی حالت یہ ہے یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِہُمْ لوگ ان کے مسکنوں پر سے گزرتے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں کے شہر اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ لوگ قدیم مصری، یونانی، ایرانی، بابلی،



کلدرانی، گندھارا، ہڑپہ وغیرہ کے لوگوں کی تباہ حال بستیوں کو حسرت بھری  
 نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ کبھی یہ لوگ بھی دنیا میں برسرِ اقتدار تھے۔ ان کے  
 علم، فن اور مہتر کا طوطی بولتا تھا مگر آج ان کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہے۔  
 یہ عبرت کے مقامات ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔  
 فرمایا، یاد رکھو! اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی  
 ان باقیات میں عقلمند لوگوں کے لیے نشانیاں اور دلائل ہیں۔ ان کو دیکھ  
 کہ اہلِ غرور کچھ جانتے ہیں کہ نافرمانی، غرور اور تکبر کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے  
 اور اس سے بچنا چاہیئے۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا  
 چاہیئے، اُس کی اطاعت کو شعار بنانا چاہیئے۔ اُس کے پیچھے ہوئے  
 پیغمبروں پر ایمان لانا چاہیئے اور اس کے ارسال کردہ نصیحت نامے کو  
 دستور العمل کے طور پر قبول کر لینا چاہیئے۔ اسی میں حیاتِ طیبہ پا جانے کا  
 راز ہے اور اسی میں النانیت کی فلاح ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا  
وَأَجَلَ مُّسَمًّى ۖ (۱۲۹) فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ  
بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا  
وَمِنْ أَنَايِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ  
تَرْضَىٰ (۱۳۰)

ترجمہ :- اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی ہے  
تیری پروردگار کی طرف سے ، اور ایک مقررہ وقت ، تو البتہ  
ہلاکت لازم ہو جاتی (۱۲۹) پس آپ صبر کریں اُن باتوں  
پر جو یہ کہتے ہیں ۔ اور آپ تسبیح بیان کریں اپنے پروردگار  
کی تعریف کے ساتھ سوچ کے طلوع سے پہلے ، اور  
سوچ کے غروب سے پہلے ، اور رات کی گھڑیوں میں ۔  
پس تسبیح بیان کریں ، اور دن کے اطراف میں ، تاکہ آپ  
راضی ہو جائیں (۱۳۰)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر اور نصیحت سے اعراض کرنے  
والوں کا انجام بیان فرمایا تھا۔ ایک تو اُن کی معیشت تنگ ہو جائے گی ، یعنی وہ سکون  
اور اطمینان سے محروم ہو جائیں گے اور اُن کی قبر کی زندگی بھی بڑی تنگی میں گزرے  
گی ۔ اور دوسری بات یہ کہ جب حشر میں اٹھیں گے تو اندھے ہوں گے ۔ اس کے  
بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر سابقہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کا حال بھی

بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ان واقعات میں صاحبِ عقل لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ دراصل یہ آیات سورۃ ہذا کی ابتدائی آیات کے ساتھ مربوط ہیں وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں نازل کیا گیا، بلکہ إِلَّا تَذَكُّرَ لِمَنْ يَخْشَى (آیت ۳) یہ تو ایک نصیحت نامہ ہے اس شخص کے لیے جو ڈر گیا۔

اس سورۃ مبارکہ کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور دوسری طرف فرعون اور اس کے حواریوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ درحقیقت یہ واقعات بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دلائی ہے کہ دیکھو! اللہ کے پہلے نبیوں کو کس قدر تکالیف آئیں مگر وہ اپنے مشن پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔ اسی طرح آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو بھی بڑے مشکل حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے مگر بالآخر کامیابی آپ کی ہوگی۔ مشکلات کے یہ سارے بادل چھوٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو دنیوی اور اخروی فلاح نصیب کرے گا۔

قانونِ امہال  
و تدریج

آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے نافرمانوں کی ہلاکت و تباہی تو یقینی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کو خاص وقت تک مہلت بھی دیتا ہے تاکہ لوگ توبہ کر کے معصیت سے باز آجائیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ امہال و تدریج ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (اعراف ۱۸۲) ان کو بتدریج پکڑیں گے۔ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ طَرِيقًا كَيْدِيٍّ مَتِّينٍ (اعراف ۱۸۳) میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ بیشک میری تدبیر مضبوط ہے اگر اللہ کا قانونِ امہال و تدریج نہ ہوتا تو یہ لوگ فوری طور پر سزا کے مستحق ہو جاتے مگر اللہ کا یہ طے شدہ قانون ہے کہ وہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی، اور طے شدہ

بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ امہال و تدریج کے ذریعے نافرمانوں کو ہدایت دیتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی لَکَانَ لَزَامًا لِّاَفْرَادٍ اور قوموں کی ہلاکت لازم ہو جاتی اور دوسری یہ وَلَجَلٌ مُّشْتَبٰہٌ کہ ہر کام کیلئے ایک وقت مقرر ہے ہر شخص اور قوم کے عروج و زوال کا وقت مقرر ہے۔ مجرموں کی سزا اور صالحین کی جزا کا وقت مقرر ہے۔ پیدائش اور موت کا وقت مقرر ہے۔ جس طرح ہر انسان کی انفرادی طور پر عمر مقرر ہے اسی طرح بحیثیت مجموعی قوموں کی عمر بھی مقرر ہوتی ہے۔ تو فرمایا اگر خدا تعالیٰ کا قانونِ امہال و تدریج اور ہر کام کا مقرر وقت نہ ہوتا۔

صبر کی  
تلقین

آگے تسلی کے مضمون کے طور پر حضور علیہ السلام سے خطاب ہے کہ اگر کفار و مشرکین آپ کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں طعن و تشنیع کرتے ہیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ فَاَصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُوْنَ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں۔ مشرک اور کافر لوگ اہل ایمان پر طعن کرتے تھے۔ اُن کے دین کو بُرا بھلا کہتے تھے اور جسمانی تکلیفیں بھی پہنچاتے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ آپ اس کے جواب میں صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

صبر بہت بڑی حقیقت اور ملتِ ابراہیمیہ کا اہم ترین اصول ہے۔ جس طرح توحید، شکر، ذکر، تعظیم شاعر اللہ وغیرہ ملتِ ابراہیمیہ کے اصول ہیں، اسی طرح صبر بھی ایک اصول ہے۔ ہر تکلیف کے مقابلے میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل وقت میں نماز اور صبر سے استعانت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے، اور واضح طور پر فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ - ۱۵۳) اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو یہاں پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دشمن کی ایذا رسانیوں اور طعنہ زنی پر آپ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔



فرمایا مصائبِ اَلَام کے مقابلے میں ایک تو صبر کریں اور دوسرا کام  
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کریں اُس کی  
تعریف کے ساتھ، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس تسبیح و تحمید سے مراد  
نماز کا التزام ہے کیونکہ نماز تسبیح و تحمید اور مناجات سے ہی عبارت  
ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی کئی آیات  
میں صلوٰت خمسہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس  
مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اَقِمِ الصَّلَاةَ  
لِدُلُوكِ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ  
میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سورج  
کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک کے عرصہ میں چار نمازیں  
ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آجاتی ہیں جب کہ قرآن الْفَجْرِ  
میں فجر کی نماز کا بیان ہے۔ تو اس طرح گویا پانچوں نمازوں کا ذکر اس  
ایک آیت میں آگیا ہے۔ اور پھر حَافِظُوا عَلَى الصَّلَاةِ  
وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى (البقرہ ۲۳۸) تمام نمازوں اور خاص طور  
پر نماز عصر کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات  
پر اللہ تعالیٰ نے اوقات کا ذکر اور تسبیح و تحمید کا ذکر کر کے بھی نماز  
کی ادائیگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ نماز کی ابتدا ہی تسبیح و تحمید  
سے ہوتی ہے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ..... الخ  
اس آیت کریمہ میں بھی تسبیح و تحمید کے عنوان سے پانچوں نمازوں کے  
اوقات کا تعین کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، اپنے پروردگار کی  
تسبیح و تنزیہ بیان کر و قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ سُرُجِ  
طلوع ہونے سے پہلے۔ ظاہر ہے کہ اس سے فجر کی نماز مراد ہے  
کیونکہ طلوع شمس سے پہلے ہی نماز ادا کی جاتی ہے۔ پھر فرمایا

وَقَبْلَ غُرُوبِهَا سَوْرَجَ كَ غُرُوبِ سَیْلِ اللّٰہِ کی تسبیح و تحمید بیان کرو  
یعنی نماز پڑھو، اور یہ وقت نماز عصر کا ہے یہ دو نمازوں کا ذکر ہو گیا، جو کہ  
بڑی اہم نمازیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللّٰہ کا دیدار ایمان  
والوں کو نصیب ہوگا۔ اور اس کا سب سے قوی ذریعہ فجر اور عصر کی نمازیں  
ہیں، لہذا کوشش کرنی چاہیے کہ یہ دونوں نمازیں کسی طرح فوت نہ ہونے  
پائیں۔ صبح کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور نماز کے فوت ہو جانے کا  
خطرہ۔ اور عصر کا وقت کاروبار کا وقت ہوتا ہے اور اس مصروفیت کی وجہ  
سے نماز رہ جاتی ہے، لہذا ان دونوں نمازوں کی سخت تاکید کی گئی ہے۔  
ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَرَجَ صَلَّی الْبَرْدِیْنِ  
دَخَلَ الْجَنَّةَ اِنْ نَمَازَ کَوْصَحَّحَ طَوْرَہُ بِرِوَقْتِ اَدَاکَہُ نَہُ وَاَلِ  
جَنّت کے مستحق ہو جائیں گے۔

آگے فرمایا وَمِنْ اٰنَاہِ الْیَلِ فَسَبِّحْ اور رات کی گھڑیوں  
میں بھی اللّٰہ کی تسبیح بیان کرو، یعنی نماز پڑھو۔ اور یہ عشاء کی نماز ہے جسے  
عربی میں عتمہ بھی کہتے ہیں۔ جب مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو عشاء  
کا وقت شروع ہو جاتا ہے، رات کی نمازوں میں تہجد کی نماز بھی آتی ہے  
مگر وہ نفلی نماز ہے جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح آیا ہے وَمِنْ  
الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِہِ نَافِلَةً لَّکَ بہر حال اس مقام پر اِنَاہِ الْیَلِ  
سے عشاء کی نماز مراد ہے جو کہ فرض ہے۔ یہ تین نمازیں ہو گئیں۔

پھر فرمایا وَاطْرَافَ النَّہَارِ اور دن کی دونوں اطراف میں بھی  
تسبیح و تحمید کرو یعنی نماز پڑھو۔ ظاہر ہے کہ دن کے ابتدائی نصف کے  
اختتام پر ظہر کا وقت ہوتا ہے اور دوسرے نصف کے اختتام پر مغرب  
کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو گویا اطراف النہار سے ظہر اور مغرب کی  
نمازیں مراد ہیں۔ اس طرح گویا اس ایک آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر

اگیا ہے صحیحین کی روایت میں فرضیت نماز کے متعلق آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ  
اَفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلٰتٍ فِيْ الْيَوْمِ الْوَاحِدِ لِيَسْلٰتِ الشَّرُّ  
نے تم پر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اپنی لوات  
نمہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

شرعیات  
کے چارائندہ

چکڑا لوبی اور پودینہ جیسے شہین حدیث ہر چیز کا ثبوت قرآن پاک سے  
طلب کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ مطالبہ سراسر باطل ہے کیونکہ شریعت مطہرہ  
کا ماخذ صرف قرآن نہیں بلکہ فقہائے کرام نے اس کے چار ماخذ بیان کیے  
ہیں یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ پانچ نمازوں کے متعلق قرآن پاک  
سے صرف مذکورہ اشارات ملتے ہیں جب کہ مکمل تصریح سنت رسول سے  
حاصل ہوتی ہے، لہذا یہ کہنا کہ قرآن میں پانچ نمازوں کی صراحت موجود نہیں  
ہے، قابل قبول نظر یہ نہیں ہے۔ یہ حال شریعت کا کوئی مسئلہ ان چاروں  
ماخذوں میں سے کسی ایک سے بھی ثابت ہو جائے تو وہ ہمارے لیے  
حجت ہوگا۔ اگر کوئی چیز ان ماخذوں میں سے کسی ایک سے بھی پایہ ثبوت  
کو نہیں پہنچتی تو پھر وہ خلاف دین سمجھی جائے گی۔ جو چیز قرآن پاک سے  
صرحتاً ثابت ہو، وہ تو بہر صورت قابل قبول ہے۔ اور اگر کوئی چیز قرآن  
سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتی مگر حضور علیہ السلام کے قول یا عمل سے ثابت  
ہوتی ہے تو وہ بھی دین کا جزو ہے اگر کوئی مسئلہ سنت سے بھی پوری  
طرح واضح نہیں ہوتا مگر اس پر صحابہ کا اتفاق ہے، تو بھی ہمارے  
لیے عین دین ہے۔ اگر کوئی چیز ان تینوں ذرائع سے پایہ ثبوت تک نہیں  
پہنچتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اجتہاد کا قانون بتلادیا ہے اس  
قانون کے مطابق ائمہ مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں اور مطلوبہ مسئلہ کا حل قرآن و  
سنت سے استنباط کر کے پیش کر دیتے ہیں، اور ایسا حل بھی امت کے  
لیے ایسا ہی قابل قبول اور حجت ہوتا ہے جیسے پہلے تین ذرائع سے حل

ہونے والے مسائل۔ بہر حال یہ سارے مانتہ شریعت کی دلیل ہیں۔ اس کے  
 باوجود اگر کوئی پانچوں نمازوں کا ثبوت صرف قرآن پاک سے طلب کرے  
 تو اس کا یہ مطالبہ ہی غلط ہے اگرچہ صلوٰت خمسہ کے اشارات قرآن پاک  
 میں بھی موجود ہیں۔

حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہما کے حلیل القدر صحابی ہیں۔  
 آپ تین سال تک ناسور اور بواسیر کی بیماری میں مبتلا رہے مگر کبھی حرف  
 شکایت زبان پر نہیں لائے بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے  
 حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے فرشتے آکر ان کو سلام کرتے تھے  
 کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے فلاں مسئلہ قرآن کی رو سے بتائیں تو  
 آپ سخت ناراض ہو گئے۔ فرمایا، تم ہر چیز قرآن سے کیسے معلوم کر سکتے ہو  
 فرمایا اللہ نے قرآن میں تو اصول بیان کیے ہیں جسکی تشریح حضور علیہ السلام  
 نے اپنے قول اور عمل سے کر دی ہے اور وہی ہمارے لیے حجت ہے  
 قرآن میں ہر چیز کی جزئیات نہیں ہیں۔ بھلا بناؤ تو نماز کی رکعتوں کی تعداد قرآن  
 کی کس آیت میں ہے، اور زکوٰۃ کا نصاب کہاں مذکور ہے؟ یہ تو اللہ  
 کے نبی نے بتایا ہے کہ فلاں فلاں نماز کی اتنی اتنی رکعتیں اور ہر رکعت کے  
 ہر رکن میں فلاں فلاں کلمات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح سونے چاندی یا بھیر،  
 بکریوں اور اونٹوں کے نصاب بھی حضور علیہ السلام کی سنت سے معلوم  
 ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا تیل و زج کے جملہ احکام کس سورۃ میں آئے ہیں۔  
 وہاں اصول تو موجود ہے **وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ (البقرہ ۱۹۶)**  
 یعنی حج اور عمرہ اللہ کی رضا کے لیے کرو، مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ کس تاریخ  
 کو کس مقام پر چاہا ہے اور فلاں جگہ پر کون کون سی مناجات کرنی ہے اور  
 کون کون سا عمل بالفعل ادا کرنا ہے۔ اسی طرح حج کی جنایات کی تفصیل بھی  
 قرآن میں موجود نہیں۔ مگر یہ سب باتیں حدیث نبوی سے معلوم ہیں، لہذا



یہ عین حق ہیں۔ غرضیکہ ہر معاملہ کا ثبوت قرآن پاک سے طلب کرنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں اور نہ ایسا ثبوت مہیا کیا جاسکتا ہے۔

نماز درجہ  
رضی

فرمایا مذکورہ اوقات میں اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کریں یعنی نماز پڑھیں لَعَلَّكَ تَرْضٰی تاکہ آپ راضی ہو جائیں مطلب یہ کہ صبر اور نماز کے التزام کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ صبر کے ذریعے آپ میں برداشت کا مادہ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے آپ مصائب کا مقابلہ کر سکیں گے اور بہت سی قباحتوں سے بچ جائیں گے اور نماز ادا کرنے سے روحانی طاقت پیدا ہوگی اور آپ کا تعلق باللہ درست رہے گا۔ یہ دونوں فلاح کے اصول ہیں۔ لہذا آپ دنیا میں بھی کامیاب رہیں گے اور آخرت میں چل کر بھی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔ یہ تو ان الفاظ کے عام معانی ہیں۔ اور اگر اسے حضور علیہ السلام کی ذات کے ساتھ مخصوص کیا جائے تو بلند مرتبے کا مطلب یہ ہوگا۔ عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (نبی اسرائیل ۹) اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور آپ کو شفاعت کا مقام نصیب ہوگا۔ سورۃ الضحیٰ میں ہے وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہ بھی شفاعت کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔ آگے اسی رکوع میں نماز کے متعلق مزید ہدایات آرہی ہیں۔

وَلَا تَحْمدَنَّ عینیکَ اِلی ما مَتَّعنا بِہِ اَزْوَاجاً مِنْہُمْ  
 زَہْرَۃَ الْحَیوۃِ الدُّنْیَاہُ لِنَفِثَہُمْ فِیْہِ ۖ وَرِزْقُ  
 رَبِّکَ خَیْرٌ وَّابْقِ ۝ (۱۳۱) وَامْرُ اَہْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ  
 عَلَیْہَا ۖ لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُکَ ۖ وَالْعَاقِبَۃُ  
 لِلتَّقْوَی ۝ (۱۳۲)

ترجمہ :- اور نہ دراز کریں آپ اپنی آنکھیں اُس کی  
 طرف جو فائدہ دیا ہم نے اُس چیز کے ساتھ مختلف قسم  
 کے لوگوں کو اُن میں سے ۔ یہ رونق ہے دنیا کی زندگی  
 ہے تاکہ ہم آزمائیں اُن کو اس میں ۔ اور تیرے رب  
 کی (دی ہوئی) روزی بہتر ہے اور دیرپا ہے (۱۳۱) اور  
 حکم دیں آپ اپنے متعلقین کو نماز کا اور خود بھی اس  
 پر قائم رہیں ۔ ہم نہیں سوال کرتے آپ سے روزی کا  
 بلکہ ہم ہی آپ کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام ہمیشہ  
 تقویٰ کے لیے ہے (۱۳۲)

رابط آیات

در اصل یہ ساری سورۃ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں  
 کی تسلی کے لیے نازل فرمائی ۔ اہل ایمان کفار و مشرکین کے ہاتھوں سخت پریشانی اور  
 ایذا رسانی میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کر کے  
 مسلمانوں کو تسلی دلائی کہ اہل ایمان کو ہمیشہ ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑتے ہیں لہذا  
 آپ بد دل نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے رہیں، آخری فتح تمہاری ہی ہوگی ۔

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی طرف سے دی جانے والی تکالیف پر عیسر کرنے کی تلقین کی تھی۔ اور ساتھ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس میں اللہ نے انہیں نمازوں کا اٹھانا اور ذکر کے نماز پر مداومت اختیار کرنے کے لیے کہا تھا۔

آزمائش  
بزرگ  
رفاعت  
بالغہ

اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان دنیوی لحاظ سے بڑی عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے باغی اور نافرمان لوگ عیش و آرام میں کھیل رہے تھے۔ ان کے پاس مال و دولت، جانور، مکان، ہوا رہا سب کچھ تھا مگر اللہ کی توحید کو ماننے والے ان چیزوں سے محروم تھے اور وہ مالدار مشرکین کی طرف رشک آمیز نظروں سے دیکھتے تھے۔ اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ اور نہ دراز کریں آپ اپنی آنکھیں اُس فائدے کی طرف جو ہم نے طرح طرح کے لوگوں کو دیا ہے۔ یعنی آپ کفار و مشرکین کو عطا کردہ دنیوی مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کیونکہ یہ چیز ان لوگوں کے حق میں فائدہ مند نہیں ہے بات کفار و مشرکین کی ہو رہی ہے اور طرح طرح کے لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین بھی کئی قسم کے لوگوں پر مشتمل تھے۔ بعض یہودی تھے۔ بعض نصاریٰ بعض بت پرست اور بعض مادہ پرست، اسی طرح بعض مجوسی تھے، اور بعض ستارہ پرست۔ فرمایا، ان میں سے کسی کو بھی آسودہ خال دیکھ کر آپ اُس کی طرف رشک آمیز نظریں نہ اٹھائیں زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ تو محض دنیا کی رونق ہے جو کہ قلیل اور عارضی ہے اور ہم نے یہ کچھ وقت کے لیے ان کو اس لیے عطا کیا ہے لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ تاکہ اس کے ذریعے ان کو آزمایا جائے کہ یہ مال و متاع حاصل کرنے کے بعد ان میں سے کون ہے جو ہمارا شکریہ ادا کرتا ہے اور کون ہے جو ناشکری کا مرتکب

ہوتا ہے۔ نہ ہر دراصل کسی درجہ یا پہلو کے شگوفے کو کہتے ہیں۔ جس میں  
 وقتی طور پر تو بڑی نشادابی اور رونق ہوتی ہے مگر یہ جلدی ہی مرجھا کر ختم ہو جاتا ہے  
 کفار و مشرکین کی رفاہیت بالغہ کو بھی اللہ نے اسی شگوفے کی مثال بیان کی ہے  
 کہ شگوفے کی طرح دنیا کا مال و اسباب، عیش و آرام اور تمام چیزیں جلد ہی ختم  
 ہو جانے والی ہیں۔ انسان کے لیے کار آمد اور دیر پا چیز ایمان اور نیکی ہے  
 اگر کسی کو یہ چیز حاصل نہیں تو پھر اس کی ساری رونق اس کے لیے باعث  
 وبال ہے کیونکہ اس کے ذریعے ہم ان کی آزمائش کرتے ہیں۔ پس فرمایا  
 آپ ان کے جاہ و شہرت پر تعجب نہ کریں اور نہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر  
 دیکھیں کہ یہ چیز ان کے حق میں مفید نہیں ہے۔

رشک کی  
 ممانعت

حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی نافرمان، باغی اور  
 سرکش کی اچھی حالت دیکھ کر رشک نہیں کرنا چاہیے اور نہ اپنے لیے ایسی  
 حالت کی دُعا کرنی چاہیے کیونکہ اس کا آخری نتیجہ شہابی کی صورت میں نکلتا ہے  
 فرمایا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے ہاں ایسے لوگ کس چیز سے ملنے والے  
 ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب نہیں بلکہ مبغوض ہیں کیونکہ یہ چیزیں ان کو آزمائش  
 کے واسطے عطا کی ہیں اور چند دن بعد ان کے لیے نقصان کا باعث بننے والی  
 ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور جاہ و اقتدار پر بھی رشک نہیں کرنا چاہیے  
 کہ یہ بھی چند دن کی بات ہے اور پھر ان کے لیے اندھیری رات ہے۔  
 آخرت میں یہ چیزیں ان کے لیے سخت مضرت ثابت ہوں گی۔ اللہ کی محبوبیت  
 کی علامت نیکی، ایمان اور تقویٰ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر دنیا میں  
 بھی حصہ مل گیا تو خوشنحی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو بھی دنیا میں  
 سے حصہ دیتا ہے اور بُرے لوگوں کو بھی دیتا ہے۔ کس کو کتنا حصہ ملتا ہے۔  
 اس کی مصلحت اور حکمت خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی مخلوق نہیں جانتی۔ بہر حال  
 اللہ تعالیٰ نے رفاہیت بالغہ کے متعلق فرمایا کہ یہ نافرمانوں کو حاصل ہے



مگر ہم نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔

فرمایا ان نافرمانوں کا مال و اسباب تو عارضی ہے اور ان کے لیے وبال جان ہے مگر یاد رکھو! وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقٰی آپ کے پروردگار کی عطا کردہ روزی بہتر اور دیرپا ہے بمفسرین کلام فرماتے ہیں کہ رِزْقُ رَبِّكَ سے مراد حلال اور طیب روزی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان آور نیکی والوں کو عطا کرتا ہے وگرنہ رزق تو سب کو اللہ ہی دیتا ہے چاہے کوئی ایمان والا ہو یا باغی اور سسرش۔ فرق یہ ہے کہ نافرمانوں کی روزی عارضی اور منصر ہے جبکہ ایمان والوں کی روزی بہتر اور دیرپا ہے۔ اکثر مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس روزی سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو وہاں حاصل ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ روزی دنیا کی روزی کی نسبت ہزار درجے بہتر اور دائمی بھی ہوگی جو کبھی چھپنی نہیں جائے گی۔

بہتر رزق کا اطلاق اس رزق پر بھی ہوتا ہے جس میں سے تمام حقوق ادا کر دیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر اس کے بندوں کے حقوق بھی عائد کئے ہیں۔ اگر اُس نے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے۔ عزیز و اقارب، یتیموں، مسکینوں اور یتیم خانوں کے حقوق ادا کر دیے ہیں تو پھر باقی ماندہ روزی اس کے لیے بہترین روزی ہے جس کے اثرات ابد الابد تک قائم رہیں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ لوگو! مالِ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ لوگوں کو ان کا حق پورا پورا ادا کرو۔ اور پھر بَقِیَّتِ اللہِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (ہود - ۸۶) جو کچھ تمھارے پاس بچ جائے وہی تمھارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم مومن ہو۔ برخلاف اس کے اگر تم ایسا مال استعمال کر رہے ہو جس میں دوسرے لوگوں کے حقوق بھی شامل ہیں تو پھر یہ مال تمھیں مفید نہیں ہو سکتا۔ ترمذی اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ دنیا کا مال اسباب



حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے رُكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا يَوْمَ يَوْمٍ يُّرَى دُنْيَا اَوْرَاسِ كَسَاوَسَامَانَ سَيِّئَةً يُّرَى -  
 ظاہر ہے کہ دنیا کافی ہے، اُس نے ایک نہ ایک دین ختم ہو جانا ہے  
 مگر نماز کا اجر و ثواب ابدی ہے اور یہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ فجر کے فرائض  
 سے پہلے ان سنتوں کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، حضور علیہ السلام نے  
 ان کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ خود حضور علیہ السلام کا عمل یہ تھا کہ اذان  
 ختم ہوتی تو آپ فوراً دو سنتیں ادا کر لیتے اور اس کے بعد دو فرضوں کے  
 لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

نماز ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ یہ ام العبادات المقربہ  
 یعنی اللہ کا قرب دلانے والی عبادات میں سے سب سے افضل عبادت  
 نماز ہے۔ یہ اہل ایمان کا شعار ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔  
 بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ یعنی بندے  
 اور کفر کے درمیان فرق صرف ترک نماز کا ہے، جس شخص نے نماز ترک  
 کر دی، اُس نے گویا کفر میں قدم رکھ دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ واقعی  
 کافر بننا ہے یا نہیں مگر کفر کی طرف اس نے قدم تو ڈال دیا۔ ایمان کے  
 بعد دوسرے سوال قیامت کے دن نماز ہی کے متعلق کہوگا۔ لہذا نماز کو بالالتزام  
 ادا کرنا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس  
 پر قائم رہیں۔

ہر روزی روح کی روزی کا ذمہ خود خدا تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا  
 ہے لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا هَمُّ آدَمَ يَوْمَ يَوْمٍ يُّرَى دُنْيَا اَوْرَاسِ كَسَاوَسَامَانَ سَيِّئَةً يُّرَى -  
 نَحْنُ نَرْزُقُكَ هَمُّ آدَمَ يَوْمَ يَوْمٍ يُّرَى دُنْيَا اَوْرَاسِ كَسَاوَسَامَانَ سَيِّئَةً يُّرَى -  
 کہ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا کے آقا اپنے غلاموں سے کمائی کر کے  
 خود کھاتے ہیں، مگر اللہ فرماتا ہے کہ ہمیں تمہاری کمائی کی ضرورت نہیں  
 لے مسلم ص ۲۵۱ ۱۶۲ ترمذی ص ۳۷۶ (فیاض)

روزی بڑی  
 خدا تعالیٰ



بلکہ تمہیں بھی روزی ہم خود دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کا معاملہ طویل  
اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اسباب مہیا کرتا ہے تو بندوں کو رزق ملتا ہے  
یہ نہ سمجھنا کہ کوئی کارخانہ دار، زمیندار، جاگیردار، وڈیرا یا حکومت کا کوئی عہدار  
روزی کا ذمہ دار ہے۔ یہ چیز اللہ نے مخلوق کے ہاتھ میں نہیں دی۔ آپ  
سورۃ بنی اسرائیل میں پڑھ چکے ہیں۔ قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ  
خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ  
الْإِنْفَاقِ، وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا (آیت - ۱۰۰) اگر  
روزی کا انتظام بندوں کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ خرچ ہو جاتے کہ ڈر سے  
روک رکھتے اور لوگ بھوکوں مرنے لگتے، انسان تو تنگ دل ہی واقع ہوا ہے  
اللہ نے رزق کی ہم سب سانی خود اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہے۔ هُوَ الرِّزَّاقُ  
ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (الذاریت - ۵۸) رزق تو خدا تعالیٰ سے جو زبردست  
قوت والا ہے اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے وَكَأَيُّ مِّنْ دَائِلَةٍ لَّا  
تَحْمِلُ رِزْقَهَا عَلَى اللَّهِ يَرِزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ (العنکبوت - ۶۰)  
کتنے جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے ہیں جو اپنی روزی اپنی پشت پر نہیں  
لا دے پھرتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں بھی روزی دیتا ہے، اور  
تمہیں بھی۔ اسباب رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا  
ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم  
سے فرمایا تھا کہ خدا کے سوا تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو، وہ تو کسی چیز کے مالک  
نہیں ہیں۔ وہ تمہاری روزی کا بند و بست نہیں کر سکتے۔ روزی کی ہم سب سانی  
قبضہ خداوندی میں ہے ثَابِتُهُ عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقُ (العنکبوت - ۲۵)  
لہذا روزی اللہ کے ہاں ہی تلاش کیا کرو۔ آج کل دنیا کی حکومتیں خوراک کے بڑے  
بڑے منصوبے بناتی ہیں تقسیم رزق کے بڑے بڑے منصوبے بھی کرتی ہیں مگر  
ان کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوتا، بلکہ لوگ مزید خیر الی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔



انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ روزی کے جائز ذرائع اختیار کرے اور پھر نتیجہ  
 خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ روزی کا بندہ و بستی خود کہہ گیا۔ اور نماز پڑھنے  
 رہو، خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو تو اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ  
 يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
 (طلاق - ۳، ۲) خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی  
 راستہ ضرور نکال لیگا۔ اور ایسی جگہ سے روزی دینا جو لمبی کے وہم و گمان میں بھی  
 نہ ہوگی۔

ایک اور بات بھی ہے کہ اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض واقع  
 ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے کسب کے مقابلے میں نماز کو نزدیک کرنے کی اجازت  
 نہیں دی کیونکہ روزی بہم پہنچانا خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، لہذا فرض عبادت  
 مقدم ہیں۔ فرمایا روزی کے معاملہ میں اس عقائد کو بچتہ رکھو۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى  
 اور یاد رکھو کہ اچھا انجام ہمیشہ بہرہ گیری کو ہی حاصل ہوگا۔ فسق، فجور، کفر،  
 شرک اور نافرمانی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ بہتر انجام توحید، ایمان، اخلاص  
 اور تقویٰ سے والوں کا ہی ہوگا۔

نماز اور  
 کسب  
 معاش

طہ ۲۰

آیت ۱۳۲ تا ۱۳۵

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِم  
 بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (۱۳۲) وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ  
 بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ  
 إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِّن قَبْلِ أَنْ نُنْزِلَ  
 وَنُخْرِجَ (۱۳۳) قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا  
 فَسَتَعْلَمُونَ مَنِ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ  
 وَمَنِ اهْتَدَىٰ (۱۳۵)

ترجمہ :- اور کہا (نافرمان لوگوں نے) کہ کیوں نہیں آتی  
 ہمارے پاس نشانی اس کے رب کی طرف سے کہ  
 نہیں آئی ان کے پاس واضح نشانی جو پہلے صحیفوں میں  
 ہے (۱۳۲) اور بیشک اگر ہم ان کو ہلاک کرتے عذاب کے  
 ساتھ اس سے پہلے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار  
 کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف رسول - پس ہم تیری  
 آیتوں کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و رسوا  
 ہوں (۱۳۳) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک انتظام  
 کرنے والا ہے، پس تم بھی انتظار کرو - پس عنقریب  
 تم جان لو گے کہ کون ہیں سیدے راستے پر چلنے  
 والے، اور کون ہیں ہلاکت یافتہ (۱۳۵)

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے  
 صحابہ کرامؓ کے لیے تسلی کا مضمون بیان فرمایا ہے اور آپ کو صبرِ کمالی  
 ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے حق تبلیغ ادا کرتے رہیں۔  
 اور مخالفوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کریں، دیکھیں حضرت موسیٰ اور ہارون  
 علیہما السلام نے کس طرح فرعون اور اس کی قوم کے سرکش لوگوں کا مقابلہ  
 کیا، کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ  
 نے نافرمان کفار و مشرکین کی یہودہ باتوں اور طعن و تشنیع کے مقابلے میں صبر  
 اختیار کرنے اور نماز پر مداومت کی نصیحت کی۔ اس کے بعد اللہ نے دنیا  
 میں نافرمان لوگوں کی رہنمائی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آپ ان کی طرف نگاہ  
 اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ ان کا یہ ظاہری مال و اسباب، زیب و زینت اور  
 آسودہ حالی محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ یہ چیزیں دے کر  
 اللہ تعالیٰ انہیں آزمانا چاہتا ہے کہ ان میں سے کون ہے جو شکر یہ ادا کرتا  
 ہے اور کون ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ نے رزق کے متعلق یہ اصول  
 بھی بتلادیا کہ ہر جاندار کو روزی کی فراہمی اُس کی اپنی ذمہ داری ہے، اسباب  
 رزق وہی فراہم کرتا ہے جس سے لوگوں کو ضروریاتِ زندگی میسر آتی ہیں۔  
 نیز فرمایا کہ اچھا انجام ہمیشہ متقیوں کا ہی ہوگا۔

نشانی کا  
 مطالبہ

اب آج کی آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی طرف سے ان  
 کی من پسند نشانی کے مطالبے کا ذکر کر کے اُس کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے  
 وَقَالُوا يَهُودُ يَأْتِيَنَّكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِمْ هَٰؤُلَاءِ  
 اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں آتی یعنی کوئی ایسی نشانی ظاہر  
 ہونی چاہیے جو ہماری پسند کی ہو حقیقت یہ ہے کہ جب بات کو نہ مانتے  
 تو پھر اسی قسم کے بے معنی اعتراضات اور مطالبات پیش کیے جاتے ہیں  
 سورۃ بنی اسرائیل میں گنہگار ہے کہ اس قسم کے ضدی لوگوں نے حضور ﷺ

کے سامنے مطالبہ پیش کیا تھا کہ ہمارے لیے زمین میں چھتے بہادور ہمارے  
سامنے آسمان سے کتاب سے کہہ آؤ۔ تمھارے لیے کھجوروں اور انجوروں کے  
بانغات ہونے چاہئیں، تب ہم ایمان لائیں گے۔ تو یہاں بھی اسی بات  
کی طرف اشارہ ہے کہ اُن لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس ہماری مرضی کی  
نشانی کیوں نہیں آتی۔ اگر ہماری من پسند نشانی ظاہر ہو جائے۔ تو ہم ایمان  
لے آئیں گے۔

حضرت علیہ السلام  
بطور نشانی

اللہ تعالیٰ نے اس مطلب کے جواب میں فرمایا کہ ان کا یہ مطالبہ محض  
نہ ماننے کا ایک بہانہ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَهْتَفُوْنَ بِمَا يَدَّعُوْنَ  
مَا فِي الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِ کیا ان کے پاس وہ واضح نشانی نہیں  
آچکی جس کا ذکر پہلے صحائف میں موجود ہے؟ حابقہ کتب سماویہ میں جو نشانی  
بیان کی گئی ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ سے پہلی کتابوں  
میں موجود ہے کہ آخری زمانے میں اللہ کا ایک عظیم الشان رسول آئے گا،  
جس پر خدا تعالیٰ ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ نشانی  
تو حضور علیہ السلام کی شکل میں آچکی ہے، لہذا اب یہ مزید کون سی نشانی کا مطالبہ  
کمر ہے ہیں۔ یہ پیش گوئی حضرت شعیب علیہ السلام کے صحیفے میں بھی تھی۔  
اِذَا سَابَعْتُ نَبِيًّا اُمِّيًّا فِي الْاُمِّيِّينَ یعنی میں امی قوم  
میں ایک امی نبی بھیجوں گا۔ تو رات میں یہ بات موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ نے  
موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اے موسیٰ! میں تیرے بھائی  
بندوں میں تیرے جیسا عظیم الشان رسول بھیجوں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام  
ڈالوں گا۔ بھائی بندوں سے ملو دوسرے خاندان بنی اسماعیل اور کلام ڈالنے کا  
مطلب قرآن پاک عطا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی آمد کی  
پیش گوئی انجیل، زبور اور دوسرے صحائف میں بھی موجود تھی۔ قرآن پاک شاہد  
ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں تمھاری طرف رسول



بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تو رات کا مصدق ہوں وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي  
مِنَ الْغَدِ اسْمَاءُ أَحْمَدُ (الصف - ۶) اور اپنے بعد تمہیں  
ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ بہر حال اللہ نے  
فرمایا کہ یہ لوگ کون سی نشانی طلب کرتے ہیں، کیا حضور خاتم النبیین صلی اللہ  
علیہ وسلم کی صورت میں نشانی نہیں آچکی؟

اس کے علاوہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کیا یہ نبی وہی بات نہیں کرتا  
جو اس سے پہلے نبی کرتے آئے ہیں۔ تمام انبیاء کا دین متفقہ دین ہے، لہذا  
نبی آخر الزمان نے بھی وہی تعلیم پیش کی جو پہلے نبی پیش کرتے رہے ہیں۔  
لہذا دین کی حقانیت کے ثبوت کے لیے تو یہ نشانی بھی کافی ہے کہ اللہ  
کے آخری نبی کا دین سابقہ انبیاء کے دین سے مطابقت رکھتا ہے۔

قرآن مجید  
نشانی

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کیا ان کے پاس  
واضح نشانی نہیں آئی۔ تو اس نشانی سے مراد قرآن پاک ہے۔ سورہ العنکبوت  
میں موجود ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے  
کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی، تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں نشانیاں ظاہر  
کہ نہ تو اللہ کا کام ہے، میں تو ڈر رہا ہوں والا ہوں اور کھول کر بیان کرنے  
والا ہوں۔ آگے واضح نشانی کے متعلق فرمایا أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا  
أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ (آیت - ۵۱) کیا  
ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب  
یعنی قرآن پاک نازل فرمایا ہے جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اِنْ تَرَوْهُ  
ذَلِكُمْ فَكُفُّوا عَنْهُ وَارْجِعُوا إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ ۚ تَتَذَكَّرُونَ بِشَاكٍ اس  
کتاب میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور ایمان لانے والی قوم کے لیے  
یاد دہانی ہے۔ گویا سب نشانیوں سے بڑھ کر نشانی اللہ کی یہ کتاب ہے  
اس کی موجودگی میں باقی کون سی نشانی رہ جاتی ہے۔ سورۃ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے اِنَّ هٰذَا كَفٰى الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِکَ ①۸ صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ  
 وَ مُوسٰی ①۹ قرآن کی بیان کردہ باتیں تو پہلی کتابوں یعنی صحائف ابراہیم اور  
 موسیٰ علیہما السلام میں بھی موجود ہیں۔ گویا قرآن پاک تمام صحیفوں کی تعلیمات کا  
 جامع ہے۔ تو کیا قرآن پاک جیسی عظیم نشانی کے علاوہ کسی اور نشانی کی ضرورت  
 باقی رہ جاتی ہے؟ یہ لوگ محض ضد اور عناد کی وجہ سے من پسند نشانیاں طلب  
 کرتے ہیں۔ وگرنہ واضح نشانیاں تو موجود ہیں۔ قرآن اس لحاظ سے بھی بیکنہ ہے  
 کہ یہ پہلی کتابوں کا مصدق ہے جسے فرمایا مٰصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْہِ  
 وَاَنْزَلْنَا التَّوْرٰتَ وَالْاِنْجِیْلَ (آل عمران - ۳) اللہ کی ذات وہ  
 ہے جس نے قرآن پاک کو نازل فرمایا جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے  
 اس آیت کہ یہ میں آمدہ لفظ بینہ کا ترجمہ ہم نے واضح نشانی کیا ہے  
 تاہم یہ لفظ کثیر المعانی ہے اور مختلف مقامات پر اس کے مختلف معانی آئے  
 ہیں مثلاً سورۃ بینہ میں ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین اس وقت تک کفر  
 سے باز نہیں آئیں گے حَتّٰی تَاْتِیَہُمْ الْبَیِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ  
 اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ  
 یعنی واضح چیز آجائے اور وہ واضح چیز یا نشانی کیا ہے؟ اللہ کا رسول ہے  
 جو پاکیزہ صحیفے پڑھتا ہے۔ تو اس مقام پر بینہ سے مراد حضور علیہ السلام کی  
 ذات مبارکہ ہے۔ گویا آپ اس لحاظ سے بھی واضح نشانی ہیں کہ آپ قرآنی  
 تعلیمات کا مجسم نمونہ ہیں۔

بینہ سے مراد معجزہ بھی لیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم  
 نے آپ سے کہا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ (ہود - ۵۳) اے  
 ہود! آپ ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں لائے۔ آپ نے جواب دیا کہ  
 معجزات تو آپ کے ہیں مگر تم ضد اور عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے۔ اسی  
 طرح بینہ کا معنی واضح دلیل، واضح حکم یا واضح اصول بھی ہوتا ہے سورۃ البقرہ

”بینہ“ وسیع تر  
 معنوں میں

میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ  
 الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى (۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بینات اور  
 ہدایت میں سے چھپاتے ہیں، فرمایا ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے  
 اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ بینات اور ہدایت  
 میں فرق یہ ہے کہ بینات سے مراد وہ واضح چیزیں ہیں جنہیں کوئی شخص معمولی  
 توجہ سے بھی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً اللہ کی توحید بڑی واضح چیز ہے جسے فطرت  
 سلیم اور عقل سلیم کھنے والا ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ  
 لا شریک ہے اور ہدایت وہ چیز ہے جس کو استاد کے سامنے زانوئے تلمذ  
 طے کر کے سیکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً حلال حرام، جائز ناجائز، تعظیم شعاثر اللہ وغیرہ  
 ایسے مسائل ہیں جنہیں بغیر استاد کے نہیں سیکھا جاسکتا۔ سورۃ فتح میں ہے  
 هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (آیت ۲۸) اللہ تعالیٰ  
 کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔  
 گویا یہ باتیں اللہ کے پیغمبر یا ان کے پیروکاروں سے سکھینی پڑتی ہیں غرضیکہ  
 بعینہ کا اطلاق ان سب باتوں پر ہوتا ہے جن کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔  
 اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ایک باطل دعوے کا  
 ذکر کیا ہے وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ اَگہ ہم  
 ان کو اس کتاب کے نزول سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے: ظاہر ہے کہ کتاب  
 تو نبی پر نازل ہوئی تو مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم انہیں نبی کی بعثت سے پہلے  
 ہی عذاب میں مبتلا کر دیتے لَقَالُوْا رَبَّنَا كُوْلًا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا  
 رَسُوْلًا تَوَدُّهُ كَتَبْتُمْ عَلٰی ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول  
 کیوں نہ بھیجا فَتَتَّبِعْ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی  
 تاکہ ہم تیری آیتوں کا اتباع کرے تے قبل اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جائے  
 اگہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینا چاہتا تو بغیر نبی بھیجے بھی دے سکتا تھا۔

اتباعِ رسل  
کا دعویٰ



کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل عسیا جو ہر عطا کیا ہے جس کے ذریعے وہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتے تھے مگر اللہ نے نبی بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر اتمام حجت کہہ دی تاکہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ سورۃ النسا میں بھی ہے کہ ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے لَعَلَّكُمْ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ كَعِدَةِ الرُّسُلِ (آیت - ۱۶۵) تاکہ بیوقوفوں کے آنے کے بعد کوئی عذر نہ کہہ سکے۔ سورۃ المائدہ میں بھی ہے کہ اے اہل کتاب ہمارے رسول تمھارے پاس آچکے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ آجاءنا من کُتُبِیْہِمْ قَوْلًا نَّذِیْرٌ (آیت - ۱۹) کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا غرضیکہ اللہ نے تمھارے پاس نبی اور رسول بھیجے، کتابیں آئیں، واعظ اور مبلغ بھیجے، عقل دی، اللہ کی پہچان کے سارے اسباب مہیا کیے تاکہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آجاتا تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔ فرمایا اب اتمام حجت کے بعد صورت حال یہ ہے لَیْهْلِكُ مَنْ هَمَلَكَ عَنْ بَیِّنَاتٍ وَکَیْفَیْ مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَاتٍ (الانفال - ۴۲) کہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل کے بعد ہلاک ہو، اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ واضح دلیل کے بعد زندہ رہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا اتباع رسل کا دعویٰ باطل ہے۔ جہاں تک ان کی ذلت و رسوائی کا تعلق ہے تو جب کوئی شخص یا گروہ دنیا میں مغلوب ہو جاتا ہے تو وہ ذلت اٹھاتا ہے اور جب آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگا، تو سخت رسوائی ہوگی۔ ابدی سزا کے مستحق کافروں پر بڑی ذلت اور رسوائی ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے فَجَلَّ اِلَیْہِمْ یَغْمِرُ اِلَیْہِمْ اِنْ لَوْکُمْ دِیْنٌ کُلٌّ مَّا تَرَوْکُمْ فَتَرَوْکُمْ اَشْرَکَیْنِ رَہْءَیْنِ لَہِمْ اَنْتُمْ تَرْکَبُوْنَ الشَّجَرَةَ فَتَنْزِلُوْنَ (یعنی منظر یہ ہے، لہذا تم بھی انتظار کرو۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحَابُ الصِّرَاطِ



السَّوِيَّ تہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ سیدھے راستے پر چلنے والا کون ہے  
وَمَنْ اَهْتَدٰی اور ہدایت یافتہ کون شخص ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے  
طریقے پر رہ کر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں  
پھر دیکھنا اچھا نتیجہ کس کے حق میں نکلتا ہے۔ سورۃ ہود میں ہے وَانْتَظِرُوا  
اِنَّا مُنْتَظِرُونَ (آیت ۱۲۲) فرمایا تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرنے  
والے ہیں۔ میر تقی میر نے پوری زندگی کو انتظار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

بود نقش و نگار ساسے کچھ

اور صورت اک اعتبار ساسے کچھ

یہ مہلت جسے کہیں ہیں عمر

دیکھو تو انتظار ساسے کچھ

فرمایا، آج تو مخالفت کرتے اور دین حق پر اعتراضات کرتے ہو تمہیں غمگین  
پتہ چل جائے گا کہ صراطِ مستقیم یہ کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے۔

اس مقام پر صراطِ مستقیم والا اور ہدایت یافتہ دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں  
حالانکہ لفظ ہر ایک ہی شخص دو فہم صفت سے متصف ہوتا ہے ان دونوں  
میں فرق یہ ہے کہ جو صراطِ مستقیم پر ہے، وہ ابھی راستے پر چل رہا ہے اور جس  
کو ہدایت یافتہ کہا گیا ہے، وہ منزلِ مقصود تک پہنچ چکا ہے۔ جو شخص ابھی  
چل رہا ہے اس کے منزل پر پہنچنے کا پورا یقین تو نہیں ہو سکتا، البتہ جو  
ہدایت یافتہ ہے وہ منزل پر پہنچ کر کامیاب ہو چکا ہے۔

سورة  
الانبياء  
مكمل

سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتُ وَاثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً فِيهَا سَبْعٌ مِائَتَاتٌ

سُورَةُ اَنْبِيَاءِ مَكِّي ہے اور یہ ایک سو بارہ آیات اور اسی سات سو کلمے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ  
مُعْرِضُونَ ① مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ مِّنْ رَبِّهِمْ  
مُّحَدِّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ②  
لَا هِيَ قُلُوْبُهُمْ وَاَسْرُوْا النَّجْوٰى ۚ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا  
هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَأْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ  
تُبْصِرُوْنَ ③ قُلْ رَّبِّیُّ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَاءِ  
وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ④ بَلْ قَالُوْا اضْغَاثُ  
اَحْلَامٍ ۚ بَلِ افْتَرٰهُ ۚ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِآیَةٍ  
كَمَا اَرْسَلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَا اَمْنَتْ قُلُوْبُهُمْ  
مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفْهَمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

ترجمہ :- قریب آگیا ہے لوگوں کے لیے ان کا حساب

اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے

ہیں ① نہیں آتی اُن کے پاس کوئی نصیحت اُن کے رب کی طرف سے نئی (اور تازہ) مگر وہ سنتے ہیں، اور کھیل میں لگے ہوئے ہیں ② کھیل میں پڑے ہوئے ہیں، اُن کے دل، اور اُن لوگوں نے پوشیدہ طور پر مٹنگ کی جنہوں نے ظلم کیا (اور کہنے لگے) نہیں ہے یہ شخص مگر انسان تمہارے جیسا۔ کیا تم بھٹکتے ہو جادو میں، اور تم دیکھ رہے ہو ③ کہا (پیغمبر نے) میرا پروردگار جانتا ہے بات کو آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے ④ بلکہ اِن لوگوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خواب ہیں (جو یہ پیش کرتا ہے) بلکہ اِس کو گھڑیا ہے اس نے۔ بلکہ یہ تو شاعر ہے۔ پس لائے ہمارے پاس نشانیاں ایسی جیسا کہ بھیجے گئے تھے پہلے لوگ ⑤ نہیں ایمان لائے اِس سے پہلے کسی بستی والے۔ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے۔ کیا یہ ایمان لائیں گے؟ ⑥

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الانبیاء ہے۔ اگرچہ اس میں لفظ "انبیاء" کا ذکر نہ کیا گیا ہے، تاہم اس میں بہت سے انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت نوح، ادریس، یونس، ایوب، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک مذکور ہے اس لیے اس سورۃ کو سورۃ الانبیاء کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بعض سورتیں جیسے سورۃ منزل، مدثر، آن، فاتحہ وغیرہ تو مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں، مگر یہ سورۃ مبارکہ مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی۔ اِس کی ایک سو بارہ آیات سات رکوع - ۱۱۳۸ الفاظ اور ۴۱۶۸ حروف ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم



علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ نبی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء کے متعلق ارشاد فرمایا اِنَّهُنَّ مِنَ الْاَوَّلِ وَهُنَّ مِنَ الْاٰخِرِ یعنی یہ سورتیں میرا پرانا اور قیمتی مال ہیں جن کی میں حفاظت کرتا ہوں یعنی ان کو دُسرانا رہتا ہوں۔

مضامین  
سورۃ

اس سورۃ کے مضامین گزشتہ سورۃ طہ سے ملتے جلتے ہیں۔ ویسے بھی تمام مکی سورتیں عام طور پر عقائد کے بارہ میں ہی بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر ہے جو کہ اس سورۃ کے مرکزی مضامین ہیں۔ اس سورۃ میں رسالت کے ضمن میں بشریت انبیاء کا خاص طور پر ذکر ہے۔ سائے نبی اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے محمد انسان تھے۔ علاوہ ازیں وحدتِ ملتِ انبیاء کا ذکر ہے یعنی اللہ کے تمام نبیوں کی ملت ایک ہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا ذکر بھی اس سورۃ میں آیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کا پیغام اُس کی مخلوق تک پہنچاتے تھے اور اپنی حاجات میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے تھے اور کس طرح اُس کی مناجات کرتے تھے اور اپنی ضرورتیں پیش کرتے تھے۔ اس ضمن میں رسالت کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والے یا اُس کا انکار کرنے والوں کا رد بھی ہو گا۔ ضمناً ملائکہ کا ذکر بھی آئے گا۔ یاجوج ماجوج کا تذکرہ بھی ہے۔ گزشتہ سورۃ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا طریقہ تبلیغ کا تفصیل کے ساتھ ذکر تھا، مگر اس سورۃ میں یہ ذکر اجمال کے ساتھ آئے گا، البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ بعض دوسرے انبیاء کا مفصل ذکر بھی موجود ہے۔

قرب قیامت  
میں غفلت

اکثر سورۃ کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے حروفِ مقطعات سے کی ہے اور بعض کی ابتدا میں تسبیح و تحمید بطور تمہید آئی ہے۔ البتہ بعض سورتیں بغیر تمہید کے شروع کر دی گئی ہیں۔ ان میں یہ سورۃ اور آگے سورۃ نور بھی شامل

ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں نافرمانوں کو ان کے انجام سے براہ راست ڈرایا گیا ہے، لہذا اسے بغیر تمہید کے شروع کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ طہ کے آخر میں بیان ہوا تھا کہ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے، تم بھی انتظار کرو اور پھر حلیہ ہی جان لو گے کہ سیدھے راستے پر چلنے والا کون آدمی ہے اور منزل مقصود پہ پہنچنے والا کون ہے۔ اب اس سورۃ کی ابتدائی آیت گذشتہ سورۃ کی اختتامی آیت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے لیے حساب کتاب کی منزل قریب آچکی ہے وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مَّعْرِضُونَ اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کرنے والے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بوٹ بعد الموت اور محاسبہ اعمال کی طرف اشارہ فرمایا ہے حساب کتاب کے قریب آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا آخری نبی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی آخری کتاب قرآن حکیم آچکے ہیں نواب قیامت آنے میں کیا دیر رہ گئی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ علامات آنے کے بعد بھی چودہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر ابھی تک نوحاب کتاب کی منزل نہیں آئی۔ اس کے جواب میں اللہ کا یہ ارشاد موجود ہے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَهُمْ يَقْرَبُونَ (المعارج - ۷۶) یعنی لوگ قیامت کو دور سمجھ رہے ہیں مگر ہمارے حساب سے وہ قریب آچکی ہے۔ اللہ کا آخری نبی آچکا ہے، اس نے اللہ کا آخری پروگرام پیش کر دیا ہے۔ اب نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نئی کتاب۔ صرف محاسبے کی منزل باقی ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ یہ قریب آچکی ہے۔

یہ تو اجتماعی محاسبے کی بات ہے کہ قیامت برپا ہو جائیگی اور پھر تمام لوگوں کو حساب کتاب کے لیے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ البتہ حساب کتاب کی ایک انفرادی منزل بھی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ مَاتَ

قَدْ قَامَتْ قِيَامَتُہُ ہومر گیا اس کی قیامت تو برپا ہو گئی جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو عالم برزخ میں اُس کے حجاب کتاب کا سلسلہ توقیر ہی شروع ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کا محاسبہ تو قریب آچکا، صرف مرنے کی دیر ہے، مگر وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں، گویا انہیں اپنے محاسبہ اعمال کی خبر ہی نہیں ہے۔ وہ نہ صرف اپنے دنیا کے اعمال و اشتغال میں مہمک ہیں، بلکہ اس محاسبہ کی منزل کی طرف توجہ دلانے والے کی مخالفت بھی کر رہے ہیں۔

نصیحت  
اعراض

آگے اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی تعدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، مَا يَأْتِيهِمْ رَمِيَتْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ تُخَذِّتُ اُنْ کے پروردگار کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ مگر وہ اسکو سنتے ہیں وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ مگر کھیل کود میں مشغول ہیں مطالب یہ کہ اللہ کے نافرمانوں نے یہ ضیوہ بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے کسی حکم یا نصیحت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ اس کو سنتے تو ضرور ہیں مگر نہ اس پر غور کرتے ہیں اور نہ عمل کی نوبت آتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ آخرت کی تیاری سے بالکل ہی غافل ہیں۔

فرمایا، نہ صرف اُن کے ظواہر کھیل کود کی طرف راغب ہیں بلکہ لَاهِبَةٌ قُلُوبُهُمْ اُن کے دل بھی لہو و لعب میں مشغول ہیں۔ اُن کے دل دماغ میں کوئی اچھی بات آتی ہی نہیں۔ اس کے برخلاف وہ کھیل تماشے، گانے بجانے، کھانے پینے اور دیگر دنیاوی اشتغال ہی کے پروگرام بناتے رہتے ہیں اور پھر اپنی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ تو قرآن پاک کے نزول کے زمانے کی بات کی ہے، آج کے دور میں لہو و لعب کے سامان تو ہزاروں گنا بڑھ چکے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں ریڈیو اور ٹیلیوژن کے پروگرام سے فرصت نہیں۔ آدھی آدھی رات تک اس کے سامنے بیٹھنے فحش فلمیں، گلے



اور ڈراموں سے دل بہلاتے رہتے ہیں، نہ نماز کی فکر ہے، نہ روزے کی اور نہ کسی دین پر نیچر کے کلام کی۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی میچوں کی رباؤ نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں رکھا ہے۔ ہمارے جیسے غریب ملک کے لوگ بھی کئی کئی دن تک کمر کٹ بیچ سے دل بہلاتے رہتے ہیں اور اس دوران انہیں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ملتی، نہ فیکٹریوں میں کام ہوتا ہے اور نہ دفتروں میں۔ تمام کام ٹھپ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ان کے دل بھی کھیل کود میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

بشریتِ ریل  
سے انکار

نا فرمانوں کی دوسری خصلت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے۔  
وَاسْرِوْا النَّجْوٰی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور ان لوگوں نے پوشیدہ  
میٹنگ کی جہنوں نے ظلم کیا۔ سازشی لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حق کو  
مٹانے کے لیے خفیہ میٹنگیں کرتے ہیں، ان میں منصوبہ بندی ہوتی ہے اور  
پھر اس پر عملدرآمد شروع ہو جاتا ہے۔ حق دیا طل کی یہ کشمکش شروع سے ہی  
چلی آ رہی ہے۔ بہر حال ان ظالموں نے نہ تو قرآن پاک جیسے نصیحت نامے  
کی طرف توجہ کی اور نہ ہی اس نصیحت نامہ لانے والے نبی آخر الزمان علیہ السلام  
پر ایمان لائے، بلکہ یہ کہہ کر ان کا انکار کر دیا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ  
یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے، بھلا اس معمولی سے آدمی کو ہم کیسے رسول تسلیم کریں  
مشرکین اور یہ نے نافرمان اللہ کے نبیوں پر ہمیشہ سے ہی اعتراض کرتے چلے  
آئے ہیں کہ ان کی مالی پوزیشن اچھی نہیں۔ ان کے پاس کو کھٹی اور کار نہیں، ان کو نہ  
چاکر اور باغات نہیں، بھلا ان کو ہم رسالت کی گدی پر کیسے بٹھا دیں، مکے  
کے مشرک تو خاص طور پر کہتے تھے لَوْ لَا نُنَزِّلُ هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی  
رَجُلٍ مِّنْ الْقَدِیْمِیْنِ عَطِیْمٍ (الزحرف - ۳۱) بھلا  
یہ قرآن حکیم مکے اور طائف کی دو بڑی بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں  
نہ نازل ہوا۔ مکے میں ابوالحکم، مغیرہ اور شبیبہ جیسے سردار ہیں۔ طائف میں



عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابو طالب کے یتیم بھتیجے کے علاوہ نبوت کے لیے کوئی دوسرا آدمی ہی نہ ملا، اُن کی نگاہ میں مال و دولت، جاہ و اقتدار اور اعلیٰ سوسائٹی ہی معیار نبوت تھا۔ جب کہ اللہ کے نزدیک نبوت و رسالت کا معیار ایمان، نیکی، تقویٰ اور اخلاق ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام میں یہ چیزیں کمال درجے کی پائی جاتی ہیں۔ تمام انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اخلاق سب سے بلند فرمایا ہے۔ **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ (القلم - ۴)** یعنی آپ خلق عظیم کے مالک ہیں انبیاء کا تقویٰ، نیکی، عمل، مخلوق خدا سے ہمدردی اور کلام ایک معیار ہوتا ہے لہذا اُن کا یہ اعتراض باطل ہے کہ یہ تو ہمارے جلیا ایک انسان ہی ہے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ پر یہی اعتراض کیا تھا فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّثَّا وَاحِدًا تَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذَا أَتَيْنَاهُ ضَلَلْنَا (القلم - ۲۴) کہنے لگے کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کا اتباع کر لیں۔ یہ تو بڑی ہی بیوقوفی کی بات ہوگی۔ کہتے تھے کہ اس کا اتباع کرنا تو بیوقوفوں کا کام ہے۔ خدا ہم اس کو کیسے رسول مان لیں؟ اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں دیا ہے۔

کہتے تھے کہ یہ ہے تو معمولی حیثیت کا آدمی مگر اس کی بات میں اثر ضرور ہے، ہونہ ہو یہ جادو کا اثر ہے، پھر دوسرے لوگوں سے کہنے لگے۔

**أَفَتَأْتُونَكَ السِّحْرَ كَمَا تَقُولُونَ؟ وَأَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ** حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ تو ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے۔ گویا مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام کے کلام کو سحر سے تعبیر کیا (العیاذ باللہ) اور بعض دیگر ناروا اعتراضات بھی کیے۔ ان کے جواب میں قل اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رَبِّ يَكْفُرُ الْقَوْلُ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَمِثْرُورٍ دُغَارٍ خُوبٍ جَانِبِ

سحر گری کا  
النزام

اُس بات کو جو آسمان میں ہو یا زمین میں یہ مطلب یہ کہ ایسی بات کرنے والا کوئی آسمان پر ہو یا زمین پر ہو، اللہ تعالیٰ ان سب کے اقوال کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ محض تعصب اور عناد کی بناء پر سحر گری کا الزام لگا رہے ہیں۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ ہر بات کو سننا بھی ہے اور ہر چیز کو جانتا بھی ہے۔ ان منکرین کی باتیں اور حالات اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں۔ وہ ایک مقررہ وقت میں ان سے ضرور انتقام لے گا۔

انکار کے  
ہمارے

فرمایا ان بد بختوں نے نہ صرف حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا آدمی خیال کیا اور ان کے کلام کو سحر سے تعبیر کیا بلکہ کلّ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ کہنے لگے یہ تو پریشان خواب ہیں۔ اس شخص کو مختلف قسم کے پریشان کن ڈراؤنے خواب آتے ہیں جنہیں یہ قرآن کہہ کر پیش کر دیتا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرنے کے بعد قبر مبارک اور آخرت کے حالات بیان کرتے، جنت اور دوزخ کے ثواب و عذاب کی بات کرتے، تو منکرین کہتے کہ یہ تو اس کے پریشان خواب ہیں جو بیان کرتا رہتا ہے ورنہ ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ مثنیٰ کہ بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ اَفْتَرَدَ کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ خود طبع آزمائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی نازل کردہ آیات ہیں، لہذا اس کی بات کا اعتبار نہ کرو اور اپنے راستے پر چلتے رہو یہ تمہیں تمھارے آباؤ اجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض لوگوں نے یوں کہا بَلْ هُوَ شَاعِرٌ یہ شخص نو شاعر ہے شاعروں جیسی تخیلاتی اور بے تکی باتیں کہتا ہے، اس کے پیچھے مٹ لگو۔ یہ تمہیں گمراہ کر دے گا۔ پھر کہنے لگے کہ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے کہ یہ واقعی خدا کا نبی ہے فَلْيَاْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْاَوَّلُونَ تو پھر یہ بھی کوئی نشانی لے آئے جیسا کہ پہلے رسول لاتے ہیں

ہیں۔ اُن کا مطالب یہ تھا کہ ثنائی کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام نے  
پتھر سے اونٹنی نکال دی۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر عضا اور پید بیضا جیسے  
معجزات ظاہر ہوئے۔ تو اس طرح یہ بھی کوئی ثنائی یا معجزہ پیش کرنے  
یہ سب نہ ماننے کے بہانے تھے ورنہ حضور علیہ السلام تو بہت سی نشانیاں  
پیش کر چکے تھے اور سب سے بڑی ثنائی خود قرآن تھا، مگر جنہوں نے نہیں  
ماننا تھا وہ اس قسم کے اعتراضات کرتے رہے۔ اس کے برخلاف حضرت  
ابودرہجہ جیسے منصف مزاج لوگ بھی انہی میں موجود تھے جنہوں نے آپ کی  
صداقت کو فوراً پہچان لیا اور ایمان لے آئے۔ آپ کے بھائی انیس مکے میں  
آئے، حضور علیہ السلام کے متعلق دیکھا سنا اور پھر واپس جا کر حضرت ابودر  
غھاری کو رپورٹ پیش کی کہ وہ شخص کاہن نہیں کیونکہ کاہن لوگ جھوٹ  
بولتے ہیں، غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور فیس وصول کرتے ہیں  
مگر اس مدعی نبوت میں یہ خصلتیں نہیں پائی جاتیں۔ میں نے خود کاہنوں  
کی باتیں سنی ہیں، مگر اس شخص میں وہ بات نہیں ہے۔ کہنے لگا کہ یہ شخص  
جادوگر بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اپنا الگو سیدھا کرنے کے لیے غلط باتیں  
کہتے ہیں۔ یہ شاعر بھی نہیں کیونکہ شاعر لوگ ٹک بندہ کہتے ہیں، کسی کی  
مدح کر دی، کسی کی قدح کر دی۔ یہ تخیل کی وادیوں میں گھوڑے دوڑاتے  
پھرتے ہیں جس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ شاعروں کے کلام میں صبح اور  
غلط ہر قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس میں قافیہ اور ردیف ہوتا ہے، جگر ہوتے  
ہیں مگر اس شخص کی بات مختصر اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ میں نے اس کے  
کلام کو شاعروں کے اوزان کے ساتھ بھی پڑھا، مگر یہ کوئی اور ہی چیز  
ہے۔ نہ شعر جس قدر جھوٹا ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ داد ملتی ہے۔ مگر یہ شخص  
حق کے سوا زبان سے کچھ نہیں نکالتا۔ یقیناً یہ شخص اپنے دعوے میں  
سچا اور خدا کا نبی ہے۔

بہر حال منکرین نے انکار کے لیے کئی بہانے تراش رکھے تھے، وگرنہ نشانیاں تو بہت سی دیکھ چکے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے قرآن سے بڑی کون سی نشانی ہو سکتی ہے۔ پہلی کتابوں میں اس کی پیشن گوئیاں موجود تھیں اس کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بہت سے معجزے ظاہر ہوئے مگر بد نصیب لوگ ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے۔

گذشتہ آیت میں منکرین کا یہ اعتراض بھی گزر چکا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے جیسا انسان ہی ہے، ہم اس پر کیسے ایمان لے آئیں تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَا آمَنْتَ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا إِنَّ سَیْلَی سَیِّئٍ لِّیْ وَآلِیْ اِیْمَانٍ نِّیْسٍ لَّائِیْ کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہو۔ مطلب یہ کہ انکار کا وطیرہ صرف مشرکین تک ہی محدود نہیں بلکہ اس سے پیشتر جس قوم کو بھی ہم نے ہلاک کیا وہ اپنے اپنے انبیاء پر ایمان نہیں لائے تھے، لہذا آپ ان لوگوں سے بھی زیادہ توقع نہ رکھیں کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ مکہ کے سرکردہ آدمیوں میں اکثر ایمان کی نعمت سے محروم رہے اور ہلاک ہوئے۔ یہ لوگ قرآن کو شعر و شاعری سے تعبیر کرتے ہیں، کوئی جادو بتا رہا ہے اور کوئی بد بخت نبی آخر الزمان کو مجنون کا لقب دے رہا ہے، یہ سب انکار کے بہانے ہیں اور ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا کام نہ لیتا ثبوت ہیں۔ فرمایا کیا آپ ایسے لوگوں سے توقع رکھتے ہیں اَفْهَمُوْا یٰۤاٰیْمٰنُۢنَّ کہ یہ ایمان لے آئیں گے۔ فرمایا، ایسا نہیں ہے۔ آپ اپنا حق تبلیغ ادا کرنے کے بعد انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔



وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَسَئَلُوا  
 أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷﴾ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ  
 جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿۸﴾  
 ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ  
 وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿۹﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا  
 فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ:- اور نہیں بھیجے ہم نے اس سے پہلے رسول  
 مگر مرد جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ پس پوچھ لو  
 (اے انکار کرنے والو) علم والوں سے اگر تم نہیں  
 جانتے ﴿۷﴾ اور ہم نے نہیں بنایا اُن (رسولوں) کو ایسے  
 اجسام کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ ہی وہ ہمیشہ  
 رہنے والے تھے ﴿۸﴾ پھر ہم نے سچا کیا اُن کے ساتھ  
 وعدہ۔ پس ہم نے اُن کو نجات دی، اور اُس کو بھی  
 جس کو ہم نے چاہا، اور ہلاک کیا ہم نے اسراف  
 کرنے والوں کو ﴿۹﴾ البتہ تحقیق ہم نے نازل کی ہے  
 تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لیے نصیحت  
 کا سامان ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿۱۰﴾

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر فرمایا ہے

ربط آیات

اور نبیوں کے طریقہ تبلیغ کو واضح کیا ہے۔ اس میں نافرمانوں کو بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور اس سلسلے میں نبوت و رسالت پر اعتراضات اور شکوک و شبہات کو رفع کیا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کے بارے میں دو چیزوں کا بطور خاص ذکر فرمایا۔ انہوں نے پوشیدہ طور پر ٹینگ کی اور پیغمبر اور قرآن کے متعلق غلط نظریہ قائم کیا، قرآن پاک کے متعلق کہا کہ یہ شعر و شاعری، سحر یا پریشان خواب ہیں۔ اللہ کے آخری نبی کو کاہن، ساحر اور شاعر کہا گیا، اور اس طرح دینِ حق کا انکار کر دیا گیا۔

اسلامی پروگرام  
کی مخالفت

گذشتہ آیات میں آمدہ الفاظ وَأَسَسُوا الْجُوعَى بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مشرکین نے قصی ابن کلاب کے مکان دار الذودہ کو اپنا اسمبلی ہال بنا رکھا تھا جہاں اسلام کے خلاف خفیہ اجلاس ہوتے اور اسلام کے راستے کو روکنے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بنتے۔ آج بھی دنیا میں غیر مسلم اقوام اسلام کے پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی سکیمیں سوچتی رہتی ہیں۔ یہودی، عیسائی، دھرمی، ملحد، کمیونسٹ، ہنود اور دیگر باطل مذاہب والے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ہنود اسلام اللہ کا سچا دین ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جس سے اسلام دشمن طاقتوں کو مکمل طور پر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کی حفاظت صرف مسلمانوں کے ذمے ہوتی، تو یہ کب کے معدوم ہو چکے ہوتے۔ تاریخی لحاظ سے دیکھ لیں کہ مسلمان کس قدر زوال کا شکار ہیں۔ گذشتہ آٹھ صدیوں سے مسلمان سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی لحاظ سے انحطاط کا شکار ہیں۔ تمام اسلامی سلطنتیں کمزور ہیں بغیر صلیبہ تا تاریخوں کے زمانے میں جب مسلمانوں کا پاؤں پھلا ہے پھر سنبھل نہیں سکا۔

بشریتِ انبیاء

گذشتہ درس میں گنہگار چکا ہے کہ منکرین کا ایک اعتراض یہ تھا۔ ہل

هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَهْدِيكُمْ اللَّهُ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔  
 مجھلا اس کو تم رسول کیسے مان لو گے؟ اس میں تو کوئی خاص بات نہیں  
 ہے۔ کوئی فرشتہ ہوتا جس میں انسانی لوازمات نہ ہوتے تو ہم مان بھی لیتے۔  
 مگر ایک انسان کو نبی مان کر ہم خسارے میں کیوں پڑیں؟ تو اس اعتراض  
 کے جواب میں اللہ نے یہاں فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا  
 رِجَالًا لَّوْحِي أَلَيْسَ هُمْ أَوَّلُ نَبِيٍّ أُرْسِلَ فِيهِمْ؟ اور ہم نے اس سے پہلے نبی اور  
 رسول مگر وہ مرد ہی تھے اور ہم اُن کی طرف وحی نازل کیا کرتے تھے۔  
 مطلب یہ کہ نبی آخر الزمان کا انسان ہونا کوئی الٹھی بات نہیں بلکہ اس  
 سے پہلے ہم نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے وہ انسان تھے اور مردوں  
 میں سے تھے۔ کوئی جن یا فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق انسانوں کی طرف نبی  
 بن کر نہیں آیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ انسان انسان ہی سے استفادہ حاصل کر  
 سکتے ہیں اور یہ چیز کسی دوسری مخلوق سے ممکن نہیں۔ لہذا اس میں شک  
 کافر بن اور منکر بن کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اگر تم اس حقیقت سے نااہل ہو اور تمہیں یقین نہیں ہے کہ  
 سابقہ تمام انبیاء بھی انسانوں میں سے آئے ہیں تو پھر فَسْئَلُوا أَهْلَ  
 الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اہل ذکر یعنی علم والے لوگوں  
 سے دریافت کر لو، اگر تم خود نہیں جانتے۔ تمہارے پاس اہل کتاب  
 موجود ہیں جو سابقہ کتب کا علم رکھتے ہیں، وہ تمہیں بتا دیں گے کہ سابقہ  
 انبیاء واقعی انسان تھے۔ تم میں تاریخ دان حضرات بھی ہوں گے جو کہ پرانی  
 تاریخ سے واقف ہوں گے، اُن سے تصدیق کر لو۔ انبیاء علیہم السلام کی  
 انسانیت، آدمیت اور بشریت کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت نوح  
 ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب انسان ہی تو تھے، حتیٰ کہ پوری  
 بنی نوع انسان کے عدا مجد حضرت آدم علیہ السلام بھی سب سے اولین انسان اور بشر تھے۔

ایک بات تو یہ ہو گئی کہ ہر نبی انسان ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے وہ رِجَالاً یعنی مرد ہوتے ہیں۔ کوئی عورت کبھی منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہوئی، بلکہ ایک لاکھ سے زائد تمام انبیاء اور رسل مردوں میں سے مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی بڑی فضیلت بخشی ہے جتنی کہ انہیں نبوت کے بعد دوسرے درجے صدیقیت کا مقام عطا کیا ہے، مگر نبوت عطا نہیں کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے

كَمَلَتْ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرًا مَرْدُونَ مِنْ سَعَةِ كَالْمَلِكِ  
وَلَمْ يَكْمَلْ مِنَ النِّسَاءِ كُنْزٌ هِيَ (یعنی انبیاء، رسل اور صدیق) گزے ہیں  
إِلَّا مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ مَكْرُورَتوں میں سے اللہ نے مریم بنت  
وَخَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ عَمْرُن، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون کی  
وَآسِيَةَ بِنْتِ مَزَاحِمَ فضیلت بخشی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ  
امْرَاةَ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے  
عَائِشَةَ عَلَى النَّسَاءِ جیسے تہہ بد کھانے کی باقی کھانوں پر  
كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى ر کہ یہ عربوں میں بڑا مرغوب کھانا  
سَائِرِ الطَّعَامِ ہے

حضرت عائشہؓ کی فضیلت آپ کی طاہری حسن و جمال، فتاہت اور دین میں سمجھ کی وجہ سے ہے۔ آپ نے دین کی بڑی خدمت کی۔ امت کی عورتوں کی تربیت کی اور ان کو دین سکھایا۔ اللہ نے حضرت مریمؑ کے بارے میں فرمایا ہے وَأَمَّا صِدْقَةٌ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ صدیقہ تھیں۔ اللہ نے آپ کو اتنی بڑی فضیلت عطا فرمائی تھی۔ تاہم کسی عورت کو اللہ نے نبی نہیں بنایا۔ امام شعرانیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ نے امیر شاد یعنی ہدایت اور راہنمائی کا کام اصلاً مردوں کے سپرد کیا ہے اور عورتوں کو مردوں کے تابع رکھا ہے۔



عورتوں کو کار تبلیغ کا مکلف نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعیت کے سارے کام منجملہ نظام حکومت، جمعہ ائمہ دین اور نماز کے لیے جماعت کا قیام اور فریضہ جہاد اللہ نے براہ راست مردوں کی ذمہ داری میں دیا ہے۔

زن و مرد کا دائرہ کار

بعض عورتوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! مرد جہاد میں براہ راست حصہ لے کر بڑی فضیلت حاصل کرتے ہیں مگر ہم عورتیں اس سے محروم ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جہاد کُلُّ الْحَاجِّ تمہارا جہاد حج ہی ہے، جنگ میں براہ راست حصہ لینا تمہارے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ ہاں اگر دوران جنگ غیر معمولی حالات پیش آجائیں تو پھر عورتیں لڑائی کے دوران بالواسطہ حصہ لے سکتی ہیں، مثلاً مجاہدین کو پانی پلانے یا ان کی سرہم ٹچی کے کام میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ عورتیں اور مرد ہر میدان میں برابر برابر ہیں۔ عورتیں مکلف ہونے میں تو مردوں کے مساوی ہیں مگر احکام میں نہیں۔ اللہ نے وراثت میں ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر رکھا ہے عورتوں پر نماز باجماعت فرض نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس حد تک فرمایا ہے کہ جب تمہاری عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دیا کرو وَبِیْنَ تَہْتِ خَیْرٌ لَّهِنَّ مِمَّا اُنَّ کَ تَحْضُرُہِی اُن کے لیے بہتر ہیں عورت کی نماز مسجد کی نسبت گھر میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے اگر راستہ پر امن ہو، عورت نے بھڑکیلا لباس نہ پہن رکھا ہو، خوشبو نہ لگائی ہو، تو اُسے مسجد میں جانے کی اجازت ہے تاہم عورت جتنی تار بچی اور بند کمرے میں نماز ادا کرے گی اتنا ہی زیادہ اجر کی مستحق ہوگی۔

عورتیں مردوں کے تابع رکھی ہیں۔ فوج، پولیس، نظام حکومت عورتوں کا کا دائرہ کار نہیں ہے۔ البتہ بعض غیر معمولی حالات میں عورتیں ضروری معاملات میں تعاون تو کر سکتی ہیں مگر یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے ہیں سب کے سب مرد تھے، کسی دوسری جنس سے نہیں تھے۔ فرمایا اگر تمہیں کسی قسم کا شک تہ تو اہل علم سے دریافت کرو، وہ تمہیں بتلا دیں گے کہ یہ بات درست ہے۔

ذکر کے  
مختلف  
معانی

ذکر کے کئی معانی آتے ہیں۔ صاحب قاموس کہتے ہیں کہ ذکر کا معنی کسی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے اور اس کا معنی شہرت بھی ہوتا ہے۔ ذکر شرف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم قریش کے لیے باعث عزت و شرف ہے۔ وَالْقُرْآنُ ذِی الذِّکْرِ قسم ہے عزت اور شرافت والے قرآن کی۔ اسی طرح قرآن کا معنی کتاب بھی آتا ہے جس میں دینی مسائل اور مل کا ذکر ہو۔

بہر حال فرمایا کہ سائے نبی انسان اور مرد ہوئے ہیں، اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں تو اہل علم سے اس بات کی تصدیق کر لو۔ نبی اور رسول کا انسان ہونا کوئی عجیب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو باعث شرف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کو بشر کہنے سے نعوذ باللہ ان کی توہین ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے نبی کا مقام بحیثیت انسان، دینی، اخلاقی علمی اور عملی لحاظ سے ہوتا ہے۔ نبی کی روحانیت اور عمل اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔ اس کا ایک ہی عمل ساری امت کے اعمال پر بھاری ہوتا ہے نبوت کا تعلق روحانیت اور اخلاق کی بلندی سے ہوتا ہے۔ انسان ہونا منصب نبوت کے ہرگز منافی نہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَدًّا إِلَّا يَكُونُ

انبیاء میں  
انسانی لائق

الطَّعَامَ ہم نے انبیاء کے جسم ایسے نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں انسان ہونے کے ناطے سے انبیاء کو بھوک بھی لگتی تھی اور بعض اوقات بھوک کی وجہ سے بے چین بھی ہو جاتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑتے تھے۔ مطلب یہ کہ کھانا دنیا کمال کے منافی امر نہیں ہے۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے باہر نکلے۔ دیکھا کہ حضرت ابو جہر صدیقؓ بھی گھر سے باہر ہیں۔ پوچھا تم کیسے آئے ہو؟ عرض کیا آپ کی زیارت کے لیے اس کے مقوڑی درید بعد حضرت عمرؓ بھی آگئے۔ ان سے دریافت کیا کہ تم کیسے گھر سے باہر آئے؟ عرض کیا، بھوک نے ستار لٹا ہے مگر گھر میں کچھ نہیں ملا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، میں بھی ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا چلو ابوالثیم انصاریؓ کے باغ میں چلتے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اُس صحابی نے ٹھنڈا پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور جگر ذبح کر کے گوشت بھی پیش کیا جو کہ حضورؐ اور آپ کے دونوں جاں نثاروں نے تناول فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ٹھنڈا پانی اور کھجوریں ایسی نعمتیں ہیں کہ جن کے متعلق قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا۔

ایک موقع پر حضورؐ ایک دیوار کے ساتھ ٹپک لگا کہ تشریف فرما تھے۔ ایک صحابی آئے وَهُوَ مُقْعَصٌ الْجُوعِ ان کا پیٹ بھوک کی وجہ سے چپک گیا تھا۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے حضور علیہ السلام بڑے کمزور معلوم ہوئے ہیں۔ آپ فوراً گھر گئے اور بیوی سے پوچھا کہ کیا گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے؟ کیونکہ حضور علیہ السلام بھوک کی وجہ سے پریشان ہوئے ہیں اور پھر آگے حضورؐ اور بہت سے صحابہ کو کھانا کھلانے کا واقعہ آتا ہے۔ غرضیکہ بھوک نبیوں کو بھی لگتی ہے اور ان پر دیگر امور طبعیہ جیسے پیاس، فضلے حاجت، سونا جاگنا، بیماری، تندرستی، زخمی ہونا، ہنسنا،

رونا، موت اور حیات وغیرہ بھی وارد ہوتے ہیں۔  
 فرمایا، ہم نے انبیاء کو کھانا کھانے سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ انبیاء و اولاد اور بیویوں  
 سے بھی پاک نہیں تھے، اللہ کا فرمان ہے وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَ  
 ذُرِّيَّةً (الرعد - ۳۸) انبیاء شادی بھی کرتے ہیں اور ان کے لمبے اولاد  
 بھی ہوتی ہے اور دیگر انسانوں کی طرح و صاکانُوا خِلْدِیْنِ  
 وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوتے بلکہ اپنا دنیا کا یہ دور ختم کر کے اپنے پروردگار  
 کے لمبے چلے جاتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا اَفَاِنْ مِتَّ فَهُمُ  
 الْخُلْدُ وَاَنْتَ (الانبیاء - ۳۲) اگر آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ لوگ  
 ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ یہ بھی تو مرنے والے ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے  
 اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر - ۳) آپ بھی فوت ہونے  
 والے ہیں اور یہ لوگ بھی۔ اس دنیا میں کسی کو بھی دوام حاصل نہیں۔ اللہ کا عام  
 قانون بھی یہی ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَاقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ۱۸۵)  
 ہر نفس کو موت آتی ہے۔ سب کے اللہ کے حضور پیش ہو کر حساب کتاب  
 دینا ہے۔ غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان اور مرد تھے، اللہ نے ان پر وحی  
 نازل فرمائی، کتاب دی، علم اور شریعت دی، ان کو امت کے لیے نمونہ بنایا  
 ان کا اخلاق بلند کیا۔ وہ اپنے علم، عمل اور اخلاق کے ذریعے مخلوق خدا کو صراطِ مستقیم  
 کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اللہ نے ان کو عام انسانوں کی نسبت بلند مرتبہ  
 عطا فرمایا تھا۔ یہی ان کی خصوصیت تھی، تاہم ان کے انسان ہونے میں کوئی  
 شبہ نہیں ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ صَدَقْتُهُمُ الْوَعْدَ پھر ہم نے ان سے  
 سچا وعدہ کیا۔ اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ وہ انہیں  
 خلافت عطا کرے گا اور ان کے مشن کو کامیاب بنائے گا۔ اللہ نے  
 اپنا وہ وعدہ پورا فرمایا۔ فَانْجَيْنَاهُمْ وَمَتَّ نَسَاءُ پھر ان کو بھی

اہل ایمان  
 کے ساتھ وعدہ



نجات دی دشمن کے مقابلے میں اور اُن کو بھی جن کو ہم نے چاہا۔ جو بھی ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے، اللہ نے اُن کو دشمنوں سے نجات دی۔ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے انبیاء کے واقعات بیان کیے ہیں اور پھر اُن کی اقوام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے جیسے قوم نوح، قوم ہود، قوم لوط، قوم شعیب، قوم صالح وغیرہ۔

قرآن بطور نصیحت

آگے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک جیسی عظیم نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے۔ فِيهِ ذِكْرُكُمْ جس میں تمہارے لیے نصیحت کا سامان ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ذکر سے مراد شرف بھی ہے یعنی یہ قرآن تمہارے اور تمہاری قوم کے لیے باعثِ عزت و شرف بھی ہے۔ اس سے بڑی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک قریش کی زبانِ عربی میں نازل فرمایا اور اُن کو دین کا اولین داعی بنایا۔ آپ کی قوم کو ساری دنیا کا استاد بنایا۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (آیت ۱۲۳) تم نئی سے تعلیم حاصل کر کے آگے پوری امت کے معلم بن جاؤ۔ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یوسف - ۲) ہم نے قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ سب سے پہلے عرب لوگ خصوصاً قریش اس سے مستفید ہوں، اور پھر اس مشن کو آگے چلا دیں۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں جنگ صفین تک صحابہ کرامؓ قرآن پاک کے پیغام کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کے حالات میں اجتماعی جمود

پیدا ہو گیا۔ ان کی ترقی رک گئی اور زوال کا دور شروع ہو گیا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 نشاۃ ثانیہ میں اسلام کو بہتری عطا فرمائے یقین ہے کہ آخری دور میں محسوس  
 اسلام کو غلبہ نصیب ہو گا۔ اور باقی تمام ادیان مغلوب ہو جائیں گے۔ بہر حال  
 فرمایا کہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارے  
 لیے نصیحت ہے، شرف اور عزت ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُونَ  
 کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اللہ نے یہ  
 کتنی بڑی نعمت تمہیں عطا کی ہے اللہ کے انعام کا شکریہ ادا کرو اور قرآن  
 پاک اور رسالت پر اعتراض نہ کرو بلکہ ان پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمھاری  
 فلاح و کامیابی ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ⑪ فَلَمَّا أَحْسُوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ⑫ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ⑬ قَالُوا يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَمِدِينَ ⑮ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادٍ ⑯ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ لَهْوًا لَا تَخَذُوهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَىٰ أَنْ كُنَّا فَعِيلِينَ ⑰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدِّ مَغْهً فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ⑱

ترجمہ :- اور ہم نے بہت سی بتیاں ہلاک کیں کہ وہاں کے رہنے والے ظالم تھے ۔ اور اٹھائے ہم نے اس کے بعد دوسرے لوگ ⑪ پھر جب انہوں نے محسوس کیا ہماری گرفت کو تو اچانک وہ اس سے بھاگنے لگے ⑫ (ارشاد ہوا) مت بھاگو ، اور لوٹو اُس خوشحالی کی طرف جس میں تم ڈالے گئے تھے اور اپنے گھروں کی طرف تاکہ

تم سے سوال کیا جائے (۱۳) انہوں نے کہا، افسوس ہمارے سینے  
 بیشک تجھے ہم نظم کرنے والے (۱۴) پس برابر رہی یہی بات  
 اُن کی یہاں تک کہ ہم نے کہہ دیا اُن کو کٹے ہوئے  
 کھیت اور بجھی ہوئی آگ کی طرح (۱۵) اور نہیں پیدا کیا ہم  
 نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان  
 ہے، کھیتے ہوئے (۱۶) اور اگر ہم چاہتے کہ ہم بنائیں  
 اس کو کھیل، تو بناتے ہم اس کو اپنے پاس، اگر ہم کرنے  
 والے ہوتے (۱۷) بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کو باطل کے اوپر  
 پس وہ اُس کے سر کو پھوٹ ڈالتا ہے۔ تو اچانک  
 وہ (باطل) زائل ہونے والا ہوتا ہے۔ اور تمہارے لیے  
 ہلاکت ہے اُن باتوں سے جو تم بیان کرتے ہو (۱۸)

رابطہ آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے محاسبہ اعمال کا ذکر کیا کہ لوگوں کے حساب  
 کتاب کی منزل قریب آچکی ہے۔ مگر یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ قریب  
 قیامت کا احساس اس وجہ سے ہے کہ اللہ کا آخری نبی اور اُس کی آخری کتاب  
 آچکی ہے اور اب قیامت کبریٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ جہاں تک انفرادی  
 حساب کتاب کا تعلق ہے تو یہ انسان کی انفرادی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے  
 لہذا حساب کتاب کی منزل کا قریب ہونا اس لحاظ سے بھی درست ہے۔ اس کے  
 بعد اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی خفیہ میٹنگوں کا ذکر کیا کہ وہ اسلام کو ناکام بنانے کی ہر ممکن  
 منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اُن کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ ہم ایک انسان کو کیسے پیغمبر  
 تسلیم کر لیں۔ اللہ نے اُن کے اس نظریہ کا رد فرمایا اور واضح کیا کہ اس سے پہلے  
 تمام انبیاء اور رسل انسانوں میں سے ہی آتے رہے ہیں، لہذا نبی آخر الزمان علیہ السلام  
 کا انسان ہونا کوئی اچھے کی بات نہیں ہے۔ فرمایا اگر تمہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے



تو اہل علم سے تصدیق کرو۔ تاریخ دانوں سے پوچھ لو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ سابقہ انبیاء بھی واقعی انسان ہی تھے، کوئی نبی کسی غیر مخلوق سے نہیں آیا، اور نہ ہی غیر انسان سے کسی انسان کی رہنمائی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ تُقْلِدُونَ كَمَا مَثَلَهُ بَعْضُ شَائِبِ  
کہتے ہیں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ناواقف آدمی کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کا اسے علم نہ ہو وہ علم والے سے پوچھ کر عمل کرے۔ چونکہ ایک عام آدمی خود اجتہاد نہیں کر سکتا، لہذا اس کے لیے صاحب علم کی تقلید ضروری ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی آیات دو سر مقامات پر بھی موجود ہیں۔  
اللّٰهُرَّ نَبِیَّہُمْ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اُن کے احجام الیہ نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ یہ تو فرشتوں کی خاصیت ہے کہ وہ کھانے پینے اور مباشرت کی ضروریات سے پاک ہیں۔ البتہ دیگر انسانوں کی طرح لوازمات بشریہ بیوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آتے۔ اپنی طبعی عمر پوری کر کے باقی انسانوں کی طرح وہ بھی اپنے رب کے پاس چلے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل ایمان کے ساتھ کامیابی کا اور نافرمانوں کے ساتھ ناکامی کا جو وعدہ کیا ہے، اُس کو پورا کر دیں گے۔ درمیان میں اللہ نے بطور نصیحت فرمایا کہ تمھارے لیے ایک ایسی عظیم کتاب نازل کی گئی ہے جس میں تمھارے لیے ہر نصیحت ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ تمھارے لیے کتنی عزت اور شرف کا مقام ہے کہ اللہ نے تمھاری زبان میں ایک عظیم الشان نصیحت نامہ نازل فرمایا ہے۔ اور تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا حال بیان کر کے انداز کیا ہے کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم بھی نافرمانی کرو گے تو خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ارشاد ہوتا ہے وَکَمْ قَصَمْتُمْ فِی قُرْیَۃٍ

نا فرمانوں  
کے لیے  
انذار

ہم نے کتنی ہی بستیوں کو پیس ڈالا کہ انت ظالمۃ جن کے ہمنے والے  
 ظالم لوگ تھے۔ ظلم و تعدی اور کفر و شرک کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔  
 قصم کا لفظی معنی توڑنا ہوتا ہے۔ یعنی ہم نے ان بستیوں کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور  
 کر دیا۔ وَإِنشَانَا بَعْدَ هَاقَوْمًا آخِرِينَ اور اس کے بعد ہم  
 نے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ کھڑا کر دیا۔ جب ایک نافرمان قوم کو صفحہ ہستی  
 سے ناپید کیا تو دوسری قوم کو عروج دے دیا۔ قوم نوح کو ہلاک کیا تو انہی  
 جگہ قوم ہود اور قوم صالح کو کھڑا کر دیا۔ پھر جب انہوں نے بھی ظلم و تعدی  
 کا بازار گرم کیا تو انہیں بھی نیست و نابود کر دیا گیا اور ان کی جگہ دوسری  
 قومیں برسرِ اقتدار آگئیں۔ فرمایا تم یہ نہ سمجھو کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔  
 اگر تم بھی اپنی فبیح حرکات سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام  
 سے مختلف نہیں ہوگا۔

اللہ نے سابقہ اقوام کے متعلق فرمایا فَلَمَّا أَحْسُوا يَأْسُكَ  
 جب انہوں نے ہماری گرفت اور عذاب کو محسوس کیا، یعنی جب ان پر ہمارے  
 عذاب کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں إِذَا هُمْ مِّنْهَا يَتَكَصُّونَ  
 تو اچانک وہ ان سے اڑھیں لگا کر بھاگنے لگے، رخص کا معنی اٹھوڑے کو  
 اڑھیں لگا کر تیز دوڑانا ہوتا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ عذاب درجہ نہ نافرمانوں  
 نے اس سے بچنے کے لیے گھوڑے کی سی تیزی کے ساتھ اڑھیں اڑھیں بھاگنے  
 کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا لَا تَنْكُصُونَ اب  
 مت بھاگو۔ تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اس طرح بھاگنے کی بجائے  
وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أَنتُمْ بِمُعْرِِفِينَ واپس آؤ اس خوشحالی اور آسودگی  
 کی طرف جس میں تم ڈالے گئے تھے۔ اتراف کا معنی خوشحالی، آسودگی اور تن آسانی  
 ہوتا ہے۔ فرمایا تمہیں ہر قسم کی سہولتیں ماحل تھیں۔ وَمَسَكِنِكُمْ تم اپنے  
 گھروں اور باغات میں سکونت پذیر تھے۔ اللہ نے تم کو فرمایا، اب کدھر





کے نبیوں سے استنزا کیا، کتاب الہی کا انکار کیا اور اپنی آسودہ حالی میں ہی مگن رہے۔ ہم نے غلطیہ و گمراہی کی کامیابی کے لیے سرمایہ اور قوت لگائی، بیشک ہم ہی ظالم تھے۔

ارشاد خداوندی ہے فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ اَنْ كِي يَه  
پکارا بلبر جاری رہی یعنی وہ اعترافِ جہم کرتے رہے حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ  
حَصِيدًا خَمِيدًا یہاں تک کہ ہم نے کھڑیا ان کو کٹا ہوا کھیت  
اور بچھ جانے والی آگ کی مانند۔ جب کھیت پک کر تیار ہو جاتا ہے تو فصل  
کاٹ لی جاتی ہے اور باقی کچھ نہیں بچتا، حصید کا یہی معنی ہے۔ اور جب  
آگ خوب بھڑکنے کے بعد بالکل بجھ جاتی ہے اور اس کی حرارت اور روشنی  
کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا تو اس کو خمد کہتے ہیں بمطلب یہ کہ اعتراف  
جہم کے بعد ہم نے انہیں بالکل نیست و نابود کر دیا، گویا کہ وہ دنیا میں کبھی آئے  
ہی نہ تھے۔ اس قسم کی بہت سی قوموں کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے،  
اور بعض کا نہیں کیا کیونکہ اس کا اپنا فرمان ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ  
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء) ۱۶۴  
کہتے ہی رسول ہیں جن کا ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے اور ایسے بھی ہیں  
جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا ہے۔ یہ بات اللہ نے تنبیہ اور انداز کے طور پر  
فرمائی ہے تاکہ نزولِ قرآن کے زمانے اور بعد میں آنے والے لوگ سابقہ اقوام  
کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

مقصود تخلیق  
کائنات

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ  
وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادٍ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو  
اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کھیلنے ہوئے۔ یعنی پوری کائنات  
اللہ نے محض کھیل تماشے کے لیے پیدا نہیں فرمائی ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا (ص ۲۷۱) یہ تو کافروں کا گمان ہے کہ یہ کائنات کھیل



تماشتہ ہے۔ ہم نے اس کارخانہ حیات اور اس کی تمام مصنوعات کو خالص حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور اسکی کوئی غرض اور مصلحت ہے جو کہ ظاہر ہونے والی ہے۔ اس کائنات کا آغاز بھی ہے اور اس کا انجام بھی۔ یہ سارا سلسلہ اللہ نے بنی نوع انسان کو بام عروج تک پہنچانے کے لیے قائم کیا ہے۔ اہل ایمان اچھی طرح جانتے ہیں اور کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران - ۱۹۱) اے ہمارے پروردگار! تو نے اس کائنات کو بے سود نہیں پیدا کیا، اس کی کوئی غرض و غایت ہے اور وہ یہی ہے کہ انسان ترقی کی منازل طے کرے اور خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائے۔ لہذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں نوزخ کی نرا سے بچالے۔

مزید ارشاد خداوندی ہے لَوْ اَرَادْنَا اَنْ نَّخَذَ لَهٗوْا لَا نَخَذَ لَهٗ مِنْ لَّدُنَّا اَگے ہم اس کائنات کو کھلونا ہی بنانا چاہتے تو یقیناً ہم اُسے اپنے پاس بناتے اَنْ كُنَّا فَاعِلِيْنَ اگے ہم ایسا کرنے والے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کائنات کو کھیل تماشتہ بنانا ہوتا تو ہم اسے اپنے پاس ہی رکھ دیتے، اسے مخلوق کے سامنے کیوں رکھتے؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں روم اور یونان بڑی متمدن سلطنتیں سمجھی جاتی تھیں وہاں کے لوگ تھیسٹروں میں کھیلے کھیل تماشتہ میں مصروف رہتے تھے۔ ان کی دل لگی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ زندہ غلاموں کو شیر کے آگے ڈال دیتے تھے۔ شیر ان کو دیکھتے ہی دیکھتے چیر چھاڑ کر کھا جاتے تھے اور بڑے بڑے امرا اس کھیل سے محظوظ ہوتے تھے۔ آج بھی دنیا میں اسی قسم کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ قتل، اغواء اور دہشت کی وار داتیں سر عام ہو رہی ہیں، بیگناہ لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور صاحبان اقتدار اپنی آنکھوں سے تماشتہ دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ

نے اس قسم کے کھیل تماشے کے لیے کائنات کو تخلیق نہیں کیا۔ آج دنیا میں جس قدر ظلم و زیادتی ہو رہی ہے، **مِلْکُ یَوْمِ الدِّیْنِ** انصاف کے دن کا مالک یہ ورکار ایک دن ضرور انصاف کرے گا اور کسی ظالم کے ساتھ کوئی رعایت نہیں بہتی جائے گی۔ بہر حال فرمایا کہ اگر ہم کائنات کو لہو و لعب کا ذریعہ بناتے تو پھر مخلوق کے سامنے پیش نہ کرنے بلکہ اسے اپنی صفات کے مشاہدے تک ہی محدود رکھتے۔

حق باطل  
کی کشمکش

آگے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی کشمکش کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے **بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ حَتَّىٰ تُبَاطِلَ حَقِيقَتُهُ** یہ ہے کہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینکتے ہیں جبکہ نتیجہ یہ ہوتا ہے **فَإِذَا هُوَ ذَرْوًا مِّنْ دُخَانٍ** حق باطل کے دماغ کو پھوٹا ڈالتا ہے اور اس طرح حق و باطل کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور پھر حق کے مقابلے میں باطل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ باطل کی کشمکش اور پھر اس کی ناکامی کا ذکر اللہ نے سورۃ الرعد میں بھی کیا ہے اللہ نے باطل کی مثال سیلاب میں اٹھنے والی جھاگ سے دی ہے کہ وقتی طور پر جھاگ میں بڑا جوش و خروش ہوتا ہے مگر وہ جلدی ہی ختم ہو جاتی ہے، اور زرغین مٹی نیچے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی دھات کو نے چاندی وغیرہ کو گھسیلا جاتا ہے تو اس کے اوپر بھی جھاگ آ جاتی ہے تو جلدی ہی ختم ہو جاتی اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے۔ حق و باطل میں یہی فرق ہے۔ باطل میں وقتی طور پر بڑا جوش ہوتا ہے مگر وہ جلدی ہی مغلوب ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان میں حق و باطل کی کشمکش ہر وقت جاری رہتی ہے ایک طرف انسان میں موجود ملکیت کا مادہ ہوتا ہے اور دوسری طرف بہیمیت کا۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بہیمیت کو کمزور کیا جائے اور ملکیت کو طاقتور بنایا جائے تاکہ انسان کو ابدی فلاح حاصل ہو جائے۔ اگر اس کے برخلاف بہیمیت کو غلبہ حاصل ہو گیا تو انسان ہمیشہ

کے لیے ناکام ہو جائے گا۔ اس دنیا میں حق و باطل ہمیشہ آپس میں کھراتے رہتے ہیں اور پھر نتیجے کے اعتبار سے غلبہ حق کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ باطل دنیا میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس کا جوش و خروش حجاگ کی طرح ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فہم اور انجام کے اعتبار سے بھی حق کو ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینکتے ہیں، پھر حق باطل کا سر پھوٹ ڈالتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطل زائل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی اللہ نے یہ عام قانون بتلایا ہے **وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا** (بنی اسرائیل - ۸۱) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا، باطل جانے والی چیز ہی ہے۔

سورۃ مؤمن میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے **إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَيُؤْمِنُ الْآخِرَةُ** (آیت - ۵۱) نتیجے اور مشن کے اعتبار سے ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو ہی غلبہ عطا فرمائیں گے۔ اگرچہ ان پر کڑی آزمائشیں آتی ہیں مگر بالآخر مشن انہی کا کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اس دنیا میں انہیں کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی وہی سرخرو ہوتے ہیں۔

فرمایا **وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ** اے منکرین! حق کا مقابلہ کرنے والو! قرآن کو پریشان خواب۔ کہنے والو! نبی کو اپنے جیسا انسان کہنے والو! ہلاکت اور تباہی تمہارے مفکر میں ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم کہتے ہو، خدا تعالیٰ کی توحید کے بارے میں تمہارا نظریہ درست نہیں تم اللہ کے نبیوں کی توحید کرتے ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ماننے کے لیے تیار نہیں، انہی باتوں کی وجہ سے تمہارے لیے تباہی اور بربادی ہے۔ اللہ نے یہ تنبیہ اور وعید بھی فرمادی ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا  
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ①۹  
يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْثُونَ ②۰ أَمْ اخَذُوا  
إِلَهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ②۱ لَوْ كَانَ فِيهِمَا  
إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ  
عَمَّا يُصِفُونَ ②۲ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ  
يُسْأَلُونَ ②۳ أَمْ اخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلُ  
هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعِيَ وَذِكْرٌ مِّنْ  
قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ  
مُعْرِضُونَ ②۴

ترجمہ :- اور اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین  
میں ۔ اور وہ جو اُس کے نزدیک ہیں ، نہیں تکبر کرتے اُس  
کی عبادت سے اور نہ وہ تھکتے ہیں ①۹ تبیح بیان کھتے  
ہیں رات اور دن اور وہ کوتاہی نہیں کھتے ②۰ کیا ان لوگوں  
نے بنا لیے ہیں معبود زمین سے ۔ کیا وہ زندہ کر کے  
اٹھائیں گے ②۱ اگر ہوتے ان دونوں (زمین اور آسمان)  
میں معبود اللہ کے سوا ، تو البتہ یہ (زمین و آسمان) بگڑ جاتے



پس پاک ہے اللہ تعالیٰ، جو عرش کا مالک ہے، اُن چیزوں سے جو یہ لوگ بتلاتے ہیں (۲۲) نہیں پوچھا جاسکتا اُس سے جو وہ کرتا ہے، اور اِن سے سوال کیا جائے گا (۲۳) کیا اُن لوگوں نے بنا لیے ہیں اُس کے ورے اور معبود؟ آپ کہہ دیجیئے کہ لاؤ اپنی دلیل۔ یہ ذکر ہے اُن کا جو میرے ساتھ ہیں، اور ذکر ہے اُن کا جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں۔ بلکہ اِن میں سے اکثر نہیں جانتے حق بات کو، پس وہ اعراض کرنے والے ہیں (۲۴)

رابط آیات

گزشتہ درس تک کا زیادہ تر حصہ رسالت کے تذکرے پر مشتمل تھا۔ کافر اور مشرک اللہ کے نبیوں پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ تو انسان ہیں، بھلا ہم ان کا اتباع کیسے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا تردیدی جواب دیا۔ پھر پہلے لوگوں کا حال بیان کیا اور عذاب کی وعید سنائی۔ نافرمانوں کا انجام بھی بیان فرمایا۔ اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد کیا ہے۔ گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کے کارخانے کو محض لہو و لعب کے لیے نہیں بنایا بلکہ یہ اُس کی حکمت پر مبنی ہے۔ اس کائنات کا آغاز بھی ہے اور اس کا انجام بھی۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح

ارشاد ہوتا ہے وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اُسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہر چیز کو پیدا بھی اُسی نے کیا ہے اور ہر چیز کی تدبیر بھی وہی کرتا ہے۔ وہ سب چیزوں کا مالک ہے اور ہر چیز پر اُسے تصرف حاصل ہے۔ قدرت کے کارخانہ کو محض کھیل تماشہ سمجھنا بیوقوفی کی بات ہے، اُس نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا بلکہ ہر چیز کے ساتھ اُس کی حکمت اور مصلحت وابستہ ہے۔

اس کے علاوہ وَمَنْ عِنْدَہٗ جو مخلوق اُس کے نزدیک ہے، یعنی ملائکہ جنہیں اللہ کا قرب نصیب ہے، وہ بھی اُسی کی ملکیت میں ہیں۔ فرشتے اپنے پروردگار

کے تابع فرمان ہیں کہ لَا یَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ جب مقررین خدا اُس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے تو پھر باقی مخلوق کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں غفلت کریں۔ انسان تو فرشتوں کی نسبت زیادہ محتاج ہے، لہذا ان کا بطریق اولیٰ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہ کریں۔ تو فرشتوں کے متعلق فرمایا کہ ایک تو وہ اپنے رب کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور دوسرا یہ کہ وَلَا یَسْتَكْبِرُونَ وہ تھکتے بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرنے کے باوجود ان پر تھکاوٹ کے اثرات پیدا نہیں ہوتے۔ ان کا کام یہ ہے یُسَبِّحُونَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وہ رات دن اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں لَا یَفْتُرُونَ مگر ذرہ برابر بھی سستی نہیں کرتے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔

یہاں پہ ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بعض دیگر فرانس بھی سونپ رکھے ہیں تو یہ فرانس اور عبادت اکٹھے کیسے انجام دیتے ہیں۔ بادی النظر میں تو ایک وقت میں ایک کام ہی ہو سکتا ہے۔ یا تو اپنے رب کی عبادت کریں یا دیگر فرانس انجام دیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ فرشتوں کا عبادت کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی انسان غیر ارادی طور پر ہر وقت سانس لیتا رہتا ہے یا وقفے وقفے سے آنکھ جھپکتا ہے۔ ہر شخص دنیا کے سائے کام محنت مزدوری، کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت، کھانا پینا، سونا جاکنا وغیرہ انجام دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سانس بھی لیتا رہتا ہے جس کے لیے اُسے کوئی محنت مشقت نہیں کرنا پڑتی کسی دوسرے کام کو چھوڑ کر سانس لے یا آنکھ جھپک لے۔ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا عبادت کرنا بھی بالکل اسی طرح ہے۔ وہ انسان کے سانس لینے اور آنکھ جھپکنے کی طرح بلا تکلف اللہ کی عبادت، اس کی تسبیح و تحمید بھی ادا کرتے

سہتے ہیں اور اپنی دیگر ریونی بھی یہی سہتے ہیں۔ فرشتوں کی توجہ ہر وقت ذات خداوندی کی طرف لگی رہتی ہے اور وہ باقی فرائض بھی انجام دیتے سہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب غلبتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو ان کی زبان سے خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اسی طرح بے اختیار جاری ہو جائیگی۔ جس طرح اس دنیا میں کوئی انسان یا حیوان بغیر اختیار و ارادہ کے سانس لیتا ہے جس طرح سانس لینا باقی اشغال کے مانع نہیں اسی طرح فرشتوں کا عبادت کرنا بھی ان کے دیگر فرائض کی انجام دہی میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

شُرک کی  
تہدید

اب اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا اثبات اور شرک کی تردید بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَمْرًا تَخْذُوا الْهَكَهَ مِنْ الْاَرْضِ کیا ان کفار و مشرکین نے زمین سے معبود بنالے ہیں؟ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اَنْ تَعْبُدُوهُ اَمْ اَنْ تَعْبُدُوهُ اَمْ اَنْ تَعْبُدُوهُ اَمْ اَنْ تَعْبُدُوهُ؟ ظاہر ہے کہ دوبارہ زندہ کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ اور جو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا۔ لہذا زمین کی کسی چیز کو معبود بنانا نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔ مشرک لوگ زمینی مخلوق ہیں سے پتھروں اور پہاڑوں کو معبود بنا لیتے ہیں۔ پتھروں سے تہ لاشے ہوئے بت تو نزول قرآن کے زمانہ میں عام تھے، یہاں ہندوستان کے مشرک بندھیا چل یا بعض دوسرے پہاڑوں کو بھی الہ مانتے ہیں اور ان کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی معبود برحق کی کر نی چاہیے۔ بعض گنگا، جمنا جیسے دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں، سانپ کی پوجا کرنے والے ناگ پتھی بھی موجود ہیں۔ بعض لوگ شمس و قمر اور بعض پانی کی پرستش کرتے ہیں۔ بعض آگ کے پجاری ہیں اور بعض ہوا کے، بندروں کی پوجا کر نیوالے ہنومان کو مقدس سمجھتے ہیں۔ گائے، بلی اور درختوں کے پجاری بھی برصغیر میں ملتے ہیں۔ الغرض! فرمایا کہ ان لوگوں نے زمینی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جاتا ہے۔

بعض فرشتوں جیسی آسمانی مخلوق کو بھی اللہ مانتے ہیں۔ بعض جنات کے پجاری ہیں۔ کدھچی اور بعض دوسری جگہوں پر سوج پرست پائے جاتے ہیں جو ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر طلوع شمس کے وقت اُسکی تعظیم کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ کیا انہوں نے زمین کی مخلوق کو معبود بنا رکھا ہے؟ کیا یہ معبود قیامت کے دن انہیں زندہ کریں گے؟ نہیں، یہ اُن کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو مٹی اور پتھر کی بے جان چیزیں ہیں، اور جو جاندار بھی ہیں۔ اُن کو کچھ اختیار حاصل نہیں۔ لہذا وہ کسی کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتے۔ قدرتِ تامہ کا مالک صرف خدا تعالیٰ ہے۔

ردِ شرک پر  
دلیل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ردِ شرک پر ایک دلیل قائم کی ہے۔  
ارشاد ہوتا ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا  
 اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتے تو کائنات کا نظام بکسر بگڑ جاتا۔ زمین و آسمان اپنی موجودہ حالت پر قائم نہ رہتے۔ ممکن اور علم اصول والے اس دلیل کو دلیلِ قانع کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔ جس کی بنیاد تنہا احم اور تضاد پر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک سے زیادہ معبود ہوں گے تو ہر معبود مختلف امور کا ارادہ کرے گا۔ ایسی صورت میں اگر یہ ارادے پورے ہو جائیں تو ان میں تضاد ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک معبود کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس کو فنا کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اگر فرض کر لو کہ دونوں معبود آپس میں کسی امر پر اتفاق کر لیتے ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں کی قوت برابر ہر برابر ہے یا کم و بیش۔ اگر برابر ہے تو اتفاق مشکل ہے اور اگر کم و بیش ہے تو پھر کمزور معبود عاجز ہوگا اور الہ بننے کے قابل نہیں ہوگا۔ بالآخر مانا پڑے گا کہ اللہ صرف ایک ہے جو خالق، مدبر، منصور اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ قدرت کا موجودہ نظام پورے قرینے اور نظم کے ساتھ



قیامت تک چلتا ہے گا جو کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ارض و سما میں کسی معبود ہوتے تو اُن کا آپس میں تصادم (CLASH) ہو جاتا اور کائنات کا نظام نہ چل سکتا۔

یہی دنیا کا دستور ہے کہ ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ شیخ سعدیؒ کا مقولہ تو زبانِ نذرِ عام ہے کہ ”وَنُشْ دُرُوشِ اَیْکِ گُورِ دُرُی مِی تُو سَمَا سَکَتِ ہِی لَکِیْن دُو بادشَاہِ اَیْکِ مَلْکِ مِی اَکُٹے نَہِی سَہِ سَکَتِ“ اللہ نے دو کے مقام پر فرمایا ہے اِذَا لَا بُدَّ تَخَوُّا لِی الْعَرْشِ مَسْبُورًا (بنی اسرائیل ۶۲) اگر اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو وہ عرشِ والے کی طرف مقابلہ کرنے کے لیے جاتے اور اس طرح بڑا فساد برپا ہوتا۔

مشہور ہے کہ عبد الملک ابن مروان نے اپنے ایک حریف کو قتل کر دیا کیونکہ وہ بھی حکومت کرنے کا خواہشمند تھا۔ قتل کرنے کے بعد کہنے لگا کہ مقتول مجھے بڑا ہی عزیز تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ دو سانڈھ تو ایک خشک اونٹنی پر اکٹھے نہیں ہو سکتے، بھلا ہم ایک سلطنت میں کیسے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ دیکھو! اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو ارض و سما کا سارا نظام بگڑ جاتا۔ چونکہ یہ نظام احسن طریقے سے چل رہا ہے لہذا ثابت ہوا کہ معبودِ بہ حق بھی ایک ہی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ اس مسئلہ کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ عبادت نام ہے کامل درجے کے نذلل اور انتہائی درجے کی عاجزی کا۔ یہ دونوں چیزیں صرف اُسی ذات کے سامنے اختیار کی جاسکتی ہیں جو اپنی ذات اور صفات میں ہر طرح سے کامل ہو اور اختیار رکھتا ہو۔ اُس ذات کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں۔ یہ ایسی ذات ہے جو نہ عاجز ہے، نہ کمزور اور نہ مغلوب۔ وہ کسی کام کے لیے کسی دوسری ہستی سے مدد نہیں لیتا، بلکہ سب کچھ اپنی مرضی اور ارادے سے کرتا ہے۔ اس کے ارادے ہیں

کوئی چیز کاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگر زمین میں ایک کی بجائے دو خدا ہوتے تو ظاہر ہے کہ دونوں بے عیب اور یکساں شان کے مالک ہوں گے۔ اگر پورے عالم بالا اور زمین کی تخلیق و تدبیر میں دونوں متفق ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے خدا سے کام نہیں چل سکتا۔ لہذا دونوں نے مل کر اس کاہ خانہ قدرت کو بنایا اور چلایا۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی کامل نہیں کیونکہ انہیں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے۔ ایسی صورت میں دونوں میں سے کوئی بھی الوہیت کے قابل نہیں۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی سارے کام انجام دے سکتا ہے تو پھر دوسرا خدا یقیناً بیکار ہوگا، پھر اُس کی کیا ضرورت رہ گئی، لہذا ایسا بیکار محض خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر دوسرا وی خداؤں میں کشمکش شروع ہو جائے تو ایک غالب ہوگا اور دوسرا مغلوب۔ تو اس حالت میں الوہیت کے لائق وہی ہوگا جو غالب آئے گا، اور اس طرح بھی ایک ہی خدا ماننا پڑے گا۔ اگر دو خداؤں کی آپس میں نزور آزمائی کی نوبت آجائے تو جنگ و جدال میں ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور ارض و سما کا نظام قائم نہیں رہ سکے گا۔ چونکہ نظام کائنات مستحکم طریقے سے چل رہا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ اس نظام کو چلانے والا وعدہ لا شرک ہے۔ وہ ہر لحاظ سے کامل اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ علیم کل اور قادر مطلق ہے، وہ خالق مدبر اور متصرف ہے، اُس کے ارادے میں کوئی چیز منہرجم نہیں ہو سکتی۔

آگے ارشاد ہوتا ہے فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش عظیم کا مالک ہے ان چیزوں سے جو لوگ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ یہ سب

ہاتھ غلط ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں سے پاک ہے۔ وہ مختار مطلق ہے  
لَا تُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُوَ يُجَاوِبُ عَمَّا تَسْأَلُ، اُس سے کوئی  
باز پرس نہیں کر سکتا وَهُمْ يُسْئَلُونَ بَلْغَمُهُمْ ان لوگوں سے  
پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا، اور فلاں کیوں نہ کیا؟

تفویض اختیارات  
کی نفی

شرک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ مان کر اُس کے  
ماتحت چھوٹے خداؤں کو بھی تسلیم کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بڑے  
خدا نے اپنے ماتحتوں کو بعض اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ اگلی آیت میں  
اسی بات کا رد ہے۔ فرمایا اَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ  
کیا انہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے ورے (ماتحت) معبود؟ ظاہر ہے کہ  
خدا تعالیٰ کے مقابلہ کا تو کوئی نہیں ہے مگر اُس نے اپنے کچھ کار ساز بنا رکھے  
ہیں اور انہیں اختیار دے دیا ہے کہ فلاں فلاں کام تم انجام دے لیا کرو۔  
گویا ایسے معبود خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات سے لوگوں کو نفع یا نقصان  
پہنچاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا  
کہ وہ دوسروں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتا پھرے، ہر چیز کا مدبر  
تو وہ خود ہے يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ  
(المرسجدہ - ۵) بلندیوں سے پستیوں تک ہر چیز کا تدبیر کنندہ وہ  
آپ ہے۔ اُسے کائنات کی نگرانی میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ پھر  
وہ دوسروں کو اختیار کیوں دے گا۔ اس قسم کا اعتقاد پرانے مشرکین میں ضرور  
پایا جاتا تھا۔ حج کے موقع پر جب وہ تلبیہ پکارتے تھے تو کہتے تھے۔  
لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک  
نہیں اِلَّا شَرِيكَكَ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَكَ اَبَتُهُ تَبْرُؤُ  
وہ شریک ضرور ہیں جن کا تو خود مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی مالک  
ہے جن کا اختیار تو نے انہیں دے رکھا ہے۔ گویا مشرکین لات ہنات



وغیرہ کو خدا تعالیٰ کا شریک اس لحاظ سے سمجھتے تھے کہ اُس نے انہیں بعض اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ بھی حاجت روائی اور مشکل کنائی کرتے ہیں۔ فرمایا تم نے جو شریک بنا رکھے ہیں۔ ان کا کیا ثبوت ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اُسے پیش کر دو۔ کوئی کتاب، کوئی صحیفہ لاؤ جس میں لکھا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں ہستی کو فلاں فلاں اختیارات تفویض کر دیے ہیں اپنے دعوے کی تائید میں کوئی معطلی دلیل لاؤ یا کوئی نقلی دلیل لاؤ، تاکہ پتہ چلے کہ تم کس حد تک سچے ہو۔ مگر قیامت تک ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکے گی۔

معبود واحد  
پر اتفاق

آگے قرآن پاک کی صداقت کا تذکرہ ہے هَذَا ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ اس قرآن پاک میں میرے ساتھ والے لوگوں کا ذکر ہے وَذِكْرُ مَنْ قبلیٰ اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں چنانچہ اگلے اور پچھلے سب اس بات پر متفق ہیں کہ معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے نہ اُس کا مد مقابل کوئی شریک ہے اور نہ اُس کے درے کوئی شریک ہے کہ جس کو اُس نے اختیار دے رکھا ہو۔ یہ سب جھوٹے دعوے ہیں۔ تمام آسمانی کتابیں، صحیفے اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں يَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لا الحق مگر اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے۔ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے فَهُمْ مُّعْرِضُونَ اور وہ اعراض کرتے ہیں۔ بشرکین مکہ جہالت کی بناء پر دھاندلی کرتے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے قرآن پاک کو مسترد کر دیا۔ وہ اپنے عقلی دھوکے چلاتے تھے اور یہودہ باتیں کرتے تھے۔ اکثر لوگ حق سے اعراض کرتے تھے۔ بہر حال تمام کتبِ سماویہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر متفق ہیں اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کا ذکر کیا ہے۔



وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْهِ إِلَيْهِ  
 أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ (۲۵) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ  
 وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ (۲۶) لَا يَسْبِقُونَهُ  
 بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ (۲۷) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
 أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ  
 ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ (۲۸) وَمَنْ  
 يَّقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌُ مِّمَّنْ دُونِهِ فَذَلِك  
 نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ (۲۹)

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے اس سے پہلے کوئی  
 رسول مگر یہ کہ ہم وحی کرتے تھے اُس کی طرف کہ  
 نہیں ہے کوئی معبود مگر میں ۔ پس میری ہی عبادت  
 کرو ۝ (۲۵) اور کہا اُن لوگوں نے کہ بنا لیا ہے خدائے  
 رحمان نے بیٹا ۔ پاک ہے اُس کی ذات ۔ بلکہ وہ تو بندے  
 ہیں باعزت ۝ (۲۶) وہ نہیں جلدی کرتے اُس کے سامنے  
 بات ہیں ، اور وہ اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ۝ (۲۷)  
 وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے ، اور جو  
 کچھ اُن کے پیچھے ہے اور وہ نہیں سفارش کرتے مگر

اس کے حق میں جس کو وہ (اللہ تعالیٰ) پسند کرتا ہے، اور وہ اُس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں (۲۸) اور جو شخص کے اُن میں سے کہ میں اللہ ہوں، اُس کے سوا، پس ایسے شخص کو ہم بدلہ دیں گے جہنم کا۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظلم کرنے والوں کو (۲۹)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکوں کا رد فرمایا جنہوں نے زمین کی مختلف چیزوں کو معبود تسلیم کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ارض و سما میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو سارا نظام کائنات بگڑ جاتا چونکہ کائنات کا نظام بالکل ٹھیک چل رہا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ پورے نظام کو کنٹرول کرنے والا صرف ایک ہی خدا ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات اُن تمام لغویات سے پاک ہے جن کو وہ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور مختار مطلق ہے، لہذا اُس سے کسی بات میں باز پرس نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ساری مخلوق کے محاسب کا حق رکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ورے معبود بنا رکھے ہیں، وہ اس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل لائیں۔ تمام کتب سماویہ اور صحائف اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہی پیغام اللہ کے تمام انبیائے کرام نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔

درس توحید

آج کی آیت میں بھی توحید ہی کا درس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ هُمْ نَعْبُدُ إِلَّا تَفْجِئَ إِلَيْهِ مَكْرَاسُ كِي طَرَفِ سِی وَحِی كِی أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا كِه بَشِیَک مِی رے سوا کوئی معبود نہیں۔ فَاعْبُدُونِ لِه اِعْبَادَت بھی صرف میری ہی کرو۔ اسی بات کو اللہ نے سورۃ آل عمران میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ (آیت - ۶۲) اور نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف اللہ معبود برحق وہی ہو سکتا ہے۔ جو علیم کل، قادر مطلق اور نافع و ضار ہو۔ وہ خالق اور مالک ہے، وہ رب العلمین ہے۔ اُس نے رسولوں

کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں، انسان کو عقل، فہم اور شعور دیا اور اس طرح انسان کی ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے۔ انبیاء کے علاوہ معلم اور مندر آئے ہو لوگوں کی تعلیمی ضروریات پوری کر سکیں۔ ان تمام ذرائع ہدایت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا عبادت کے لائق کوئی کہستی نہیں کیونکہ اللہ کی صفات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتیں۔

الوہیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ خالق ہو مگر سفتِ خلق بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ سورۃ فاطر میں اللہ نے استفسار یہ انداز میں فرمایا ہے هَلْ مِنْ خَالِقِ غَيْرِ اللَّهِ يَخْلُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (فاطر - ۳) کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں ارض و سما سے روزی پہنچاتا ہے؟ جب اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر اللہ بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے۔ مخلوق میں سے خواہ فرشتے ہوں یا جنات، انسان ہوں یا حیوان یا پرند اور پرند کوئی بھی الوہیت کے قابل نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ وہ ذات ہو سکتی ہے جو الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہو۔ یعنی وہ خود بھی زندہ ہو اور دوسروں کو بھی زندگی بخشتا ہو جو خود بھی قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھتا ہو۔ ان صفات کی حاصل صرف ذات خداوندی ہے، لہذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (آل عمران ۲) اسی لیے فرمایا کہ ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر ہم نے اُس کی طرف وحی کی کہ میرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، لہذا میری ہی عبادت کرو۔ میرے سوا نہ کوئی مشکل کشا ہے نہ حاجت روا نہ علیم کل اور نہ قادر مطلق۔

آگے اللہ تعالیٰ نے عقیدہ اہمیت کا رد فرمایا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ وہ تو اولاد سے پاک ہے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا

عقیدہ رکھنے والے مشرکین عرب میں سے جی تھے۔ قبیلہ بنو خزاعہ میں اس عقیدے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے جیسا کہ دوسری سورتوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ بعض ایسے ظالم بھی تھے جو اسے حقیقی معافی پر مجبور کرتے تھے۔ جیسے فرمایا وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجًا (۱۵۸) انہوں نے خدا تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ ناطہ قائم کر لیا تھا جس کے نتیجے میں وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ نے فرمایا أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا (۲۰) اے ظالمو! کیا تمہارے لیے تو تمہارے رب نے بیٹے پسند کیے اور اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں تجویز کیا۔ یہ کہتی یہود وہ بات ہے کہ جس چیز کو تم خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہو۔ اُدھر یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی اللہ نے بیان کیا۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبہ ۳۰) یہودیوں نے کہا کہ عذیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اس وقت یہودیوں کی کل آبادی دو کروڑ کے لگ بھگ ہے مگر ان میں سے ایک قلیل فرقہ ابنیت کا قائل ہے۔ مولانا محمد قاسم ناتوئی کے ایک خادم امیر شاہ خاں آج سے کوئی سو سو سال پہلے شام و فلسطین کی سیاحت پر گئے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو عذیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا یہاں شہر میں تو ایسا کوئی آدمی نہیں البتہ بعض دیہات میں ایسے لوگ مل جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک گاؤں میں چند آدمی اس عقیدہ کے نکل آئے۔ یہ بات امیر شاہ خاں نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے سامنے بیان کی تھی۔

عیسائیوں میں عقیدہ ابنیت دو طرح سے پایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ

۱۔ تفسیر عثمانی مسئلہ (فیاض)



مسیح علیہ السلام کو مجازی معنوں میں خدا کا بیٹا مانتے ہیں یعنی یہ کہ آپ اللہ کے مقرب اور پیارے ہیں۔ جیسا کسی کا بیٹا کسی کو محبوب ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے پیارے کو اختیار سے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرے۔ اللہ نے اس کا بھی رد فرمایا ہے کہ اُس نے مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار سے رکھا ہے۔ عیساؤں میں ایک قلیل تعداد ایسی بھی ہے جو مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا تسلیم کرتی ہے، چنانچہ وہ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حقیقی اولاد مانی جائے تو خدا تعالیٰ حادث ثابت ہوتا ہے نہ کہ ازلی اور ابدی۔ اس لحاظ سے وہ عیناک اور محتاج بھی ہوگا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ الصمد (الاخلاص - ۲) وہ بے نیاز ہے۔ هُوَ الْغَنِيُّ (نوس - ۶۸) وہ غنی ہے نہ کہ محتاج۔ انسان اس لیے بیٹے کی خواہش رکھتا ہے کہ اُس کی نسل قائم رہے اور وہ اسے بڑھاپے میں مددگار ثابت ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تو نہ بقائے نسل کی ضرورت ہے اور نہ کسی سہارے کی وہ ازلی ابدی ہے ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ وہ قادر مطلق، علیم کل اور متصرف فی الامور ہے اسے کسی سہارے اور مدد کی بھی ضرورت نہیں سہارے کی تلاش تو اس کی صمدیت کے خلاف ہے بلکہ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔

فرشتوں کی  
فرمانبرداری

فرمایا، یہ لوگ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے ہیں، حالانکہ بِسْمِ عِبَادِ مَلِكٍ مَّوْنٍ وہ تو اُس کے عزت والے بندے ہیں، مقرب اور معصوم ہیں۔ گزشتہ آیات میں گنہ رجحکا ہے کہ اُس کے فرشتے ہر وقت اُس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تمسکاً و ط بھی محسوس نہیں کرتے اُن کے لیے بندہ ہونا ہی باعثِ شرف ہے، نہ وہ خود الہ ہیں اور نہ خدا کی اولاد اُن کی فرمانبرداری کا یہ عالم ہے لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وہ بات میں سبقت نہیں کرتے یعنی اللہ کے حکم کے بغیر بات بھی نہیں کرتے

وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ جو حکم ہوتا ہے، فوراً تعمیل کرتے ہیں۔

گناہگاروں کے  
حق میں سفارش

فرمایا یَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ وہ ان کی پیدائش سے لے کر اگلے پچھلے تمام حالات سے واقف ہے فرمایا یہ ایسے بزرگ فرشتے ہیں وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وہ تو کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے سوائے اس کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر فرشتے بھی کسی کی سفارش نہیں کرتے حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے نبی، فرشتے اور ایمان والے بھی گناہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ میری سفارش میری امت کے حق میں کبیر گناہوں کے بارے میں ہوگی۔ صغیرے گناہ تو اللہ تعالیٰ فیسے ہی معاف کر دیتا ہے یا انسان کی نیکیوں کے ذریعے معاف ہو جاتے ہیں، لہذا سفارش کبار کے متعلق ہوگی، البتہ کفر اور شرک کے بارے میں کوئی سفارش قابلِ مقبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ ایسے لوگوں کے حق میں راضی ہو گا جن کا عقیدہ پاک ہو گا۔ حضور نے فرمایا، میری سفارش اُن کے حق میں ہوگی لَعَنَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ جنہوں نے شرک نہیں کیا ہو گا۔ پچھلی سورۃ میں بھی گنہگار چکا ہے کہ سفارش اُس شخص کے حق میں ہوگی مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (طہ - ۱۰۹) جس کے لیے خدائے رحمان اجازت دے گا اور سچی بات بھی اللہ کو پسند ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بات اُس شخص کی پسند ہوگی جو توحید والا ہو گا، اللہ کا فرمان ہے وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَارْتَضَىٰ تَشْكُرُوا وَارْتَضَىٰ لَكُمْ (النصر - ۱) اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے راضی نہیں ہوتا بلکہ اگر شکر کرو گے تو وہ

راضی ہوگا۔ اللہ اگرچہ کفر کرنے کی توفیق تو دے دیتا ہے مگر اس کو پسند نہیں کرتا۔ اگر توفیق اس کے حق میں ہوگا۔ جس کا اعتقاد صحیح ہوگا۔

خوف خدا

فرمایا وہ **مَرَّ مَرَّتٍ خَشْيَتُهُ مُشْفِقُونَ** فرشتے اللہ کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ زمین پر ٹھٹھ کی طرح نہایت عاجزی کے ساتھ پڑا ہوا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے انکاری کر رہے ہیں اور ڈرتے والے ہیں۔ جس کو خدا کا جتنا قرب حاصل ہوگا، وہ اس کے جلال و عظمت سے اتنا ہی زیادہ ڈرتا ہوگا۔

حاملین، عرش فرشتے، حافضین حول العرش فرشتے، علین کے فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اسی لیے اللہ کا زیادہ خوف رکھتے ہیں کہ وہ مقام قرب میں ہوتے ہیں۔ انہیں خدا تعالیٰ کی شان اور عظمت کا علم ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے **وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ**

الوہیت کا  
دعوئے

**مِّنْ دُونِهِ اَنْ يَّمْنُ** میں سے جو یہ کہے کہ میں خدا کے در سے الہ ہوں فرشتہ ہوئی ہو یا کوئی مقرب ہو، جو بھی الوہیت کا دعویٰ کرے گا قَدْ لِكَ تَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔ اگرچہ مقرب ہیں الہی سے الوہیت کا دعویٰ محال ہے مگر پھر بھی اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے گا۔

تو وہ جہنم رسید ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے **كَذٰلِكَ يَجْزِي الْظٰلِمِيْنَ** فرمایا ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اور ظالم کون ہیں؟ فرمایا **وَالْكَافِرُوْنَ هُمْ الظّٰلِمُوْنَ** (البقرہ - ۲۵۴)

کافر ہی ظالم ہیں۔ نیز فرمایا **اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** (لقمن ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور دیگر مقربین کی بابت کا ذکر کیا ہے کہ وہ تو صرف خدا تعالیٰ کی الوہیت کے قائل ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی کو اپنا ولی اور کارساز سمجھتے ہیں اور خود الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے۔

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتْ  
 رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ  
 أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ (۳۰) وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ  
 تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ  
 يَهْتَدُونَ ۝ (۳۱) وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ  
 وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ (۳۲)

ترجمہ:- کیا نہیں غور کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر  
 اختیار کیا ہے کہ بیشک آسمان اور زمین بند تھے، پس  
 ہم نے اُن کو کھول دیا۔ اور بخشتی ہم نے پانی سے ہر  
 چیز کو حیات۔ کیا یہ یقین نہیں رکھتے (۳۰) اور بنائے ہم  
 نے زمین میں بوجھل پہاڑ تاکہ وہ ان کے ساتھ مضطرب نہ  
 ہو۔ اور بنائے ہم نے اس (زمین) میں کٹودہ راستے تاکہ  
 یہ لوگ راہ پائیں (۳۱) اور بنایا ہم نے آسمان کو ایک  
 چھت محفوظ۔ اور یہ لوگ اس کی آیتوں سے اعراض کرنے والے

ہیں (۳۲)

رابطہ آیات

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا ذکر کیا۔ پھر شرک کرنے والوں کی تردید  
 فرمائی اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ انبیاء کے متعلق فرمایا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت  
 کے بیان کرنے پر متفق تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت





میں جھگڑا کیا اسی طرح سورۃ الفیل میں فرمایا اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ① کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے لاکھوں والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ واقعہ بھی حضور علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کا ہے لہذا یہاں بھی روایت سے بصارت مراد نہیں بلکہ جاننا یا معلوم کرنا مراد ہے کہ ہم نے علم کے ذریعے آپ کو بتلادیا ہے کہ فلاں فلاں واقعہ اس طرح پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی مزید وساست، سورۃ یوسف میں فرمادی۔ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِكَ صَرْفُ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ إِلَيْكَ؟ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ (آیت - ۱۰۲) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، کیونکہ آپ خود تو ان کے پاس اُس وقت نہیں تھے۔ گویا یہ بات آپ کو بذریعہ علم معلوم ہوئی۔ بعض لوگ ایسی ہی آیات سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، کیا آپ نے دیکھا؟ اس کا مطلب ہے کہ آپ وہاں موجود تھے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ یوسف کی مذکورہ آیت اور اس قسم کی بعض دوسری آیات میں اس مسئلہ کو حل فرمادیا ہے کہ ایسے واقعات آپ علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا علم آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا تھا۔

رتق اور  
فتق

فرمایا کیا ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں؟ اگر معلوم نہیں تو اب ہو جائے گا اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا کہ بیشک آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کسول دیا۔ یہاں پر رتق اور فتق کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں معنی ہیں اور مفعول کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی پہلے آسمان اور زمین مرتوق یعنی بند تھے، پھر مفتوح یعنی کھل گئے، آسمان و زمین کی بندش

اور کٹا دہی کے متعلق مفسرین کرام مذکورہ طرح سے تفسیر بیان کرتے ہیں۔  
 رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کی بندش کا مطلب  
 یہ ہے کہ آسمان سے بارش کا خود اُپڑا گیا تھا اور زمین کی بندش یہ ہے  
 کہ زمین سے روئیدگی ختم ہو چکی تھی۔ نہ بارش ہوتی تھی اور نہ بارش پھل اور  
 اناج پیدا ہوتے تھے۔ خشک سالی کی وجہ سے زمین کے پتے بھی خشک ہو  
 چلے تھے۔ ایسی صورت میں اگر نمیں بھی نہ ہوں اور کنوئیں کا پانی بھی خشک  
 ہو جائے تو سخت مشکل پیش آتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ خضرؑ  
 دجال کے زمانے میں بڑے قحط پڑیں گے۔ آسمان و زمین بند ہو جائیں گے اور  
 سخت قسم کی خشک سالی ہوگی۔

اور فتق یعنی کھولنے سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو آسمان اور زمین بند تھے  
 پھر ہم نے ان کو کھول دیا یعنی آسمان سے بارش برسنے لگی اور زمین سے  
 پھل، غلہ اور سبزہ اُگنے لگا۔ فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ایک حالت کو کس طریقے  
 سے دوسری حالت میں بدل دیتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل  
 ہے جس کا لوگ ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آسمان کی طرف سے بارش  
 برسانا اور زمین سے چارہ، سبزیاں اور غلہ اُگانا اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ  
 کا شاہکار ہے۔ لہذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر  
 ایمان لے آئیں، مگر ان کافروں پر اس مشاہدہ قدرت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔  
 بعض دوسرے مفسرین کہہ ام رتق اور فتق کو دوسرے معانی پر محمول کرتے  
 ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رتق کا معنی اتصال ہوتا ہے۔ یعنی پہلے ارض و سماء  
 آپس میں ملے ہوئے تھے۔ تخلیق سے پہلے ان کا مادہ ایک ہی تھا، پھر  
 قَفَقْنَهُمَا ہم نے ان دونوں کو جدا جدا کر دیا۔ گویا فتق کا معنی جدا جدا  
 کر دینا ہے۔ بعض دوسری سورتوں میں بھی ہے کہ زمین اور آسمان ابتدا میں  
 ایک تار یک مادے کی شکل میں تھے۔ پھر زمین کو الگ اور آسمان کو الگ کر

دیا گیا اور ان کے طبقات بنائیے گئے۔ بہر حال فرمایا کہ کیا کافر لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ قرآن پاک کی اطلاع کے مطابق ارض و سما علیٰ ہوتے تھے، پھر اللہ نے ان کو الگ الگ کر دیا۔ اور یہ کام صرف اللہ وحدہ لا شریک کا ہی ہو سکتا ہے۔ جب زمین و آسمان کا موجودہ نظام اپنی مدت پوری کرے گا، تو اللہ تعالیٰ پھر انہیں گڑ گڑ کر کے پورے نظام کو درہم برہم کر دے گا، آسمان زمین اور ان میں موجود تمام آسمانی کمرے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور پورا نظام شمسی ختم ہو جائے گا۔ تو فرمایا کیا یہ کافر لوگ اس بات کو نہیں جانتے یا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ارض و سما پہلے ہی ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

زندگی بخشی  
پانی

پھر فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی۔ ظاہر ہے کہ تمام جانداروں بلکہ نباتات کی زندگی کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ پانی کے بغیر نہ کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتا ہے اور نہ درخت اور کھیتیاں۔ اللہ نے کچھ مخلوق ایسی بھی پیدا کی ہے جو ہمیشہ پانی میں رہتی ہے اور اگر وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی پانی سے باہر آجائے تو زندہ نہیں رہ سکتی۔ مچھلیاں، مینڈک، مگر مچھ اور کیڑے مکوڑے اللہ کی کتنی ہی مخلوق ہے جو پانی کے اندر ہی پیدا ہوتی ہے، وہیں زندگی گزارتی ہے اور پھر وہیں مر جاتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی، گویا پانی سب کا حیات ہے۔

پانی سے سب کو لطف بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ نے قطرہ آب سے انسان جیسی اشرف المخلوقات بھی کو پیدا کیا۔ اگرچہ فرشتوں کو نور سے اور جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے مگر زمین کی اکثر مخلوق بشمول چرند، پرند، کیڑے مکوڑے اور ہر قسم کے حیوانات کو پانی کے ذریعے ہی حیات نصیب ہوتی ہے۔ ہر جاندار کے مادہ حیات میں پانی کی کثرت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا انحصار



دورانِ خون پر موقوف ہے اور جدید تحقیق کے مطابق خون میں انسی فیصد پانی اور باقی بنیئل فیصد دیگر اجزاء ہیں۔ تو اس لحاظ سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ اگر کسی جاندار کے جسم میں پانی کی کمی پیدا ہو جائے تو خون سمجھ کر ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح جانداروں اور نباتات کو پانی کے ذریعے زندگی بخشی ہے۔ یہ اُس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی جلا یا وجعلنا فی الارض رکوعاً  
رواسی اور بنائے ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ۔ اَنْ تَمِیدَ بِہِمْ  
تاکہ زمین ان کے ساتھ مضطرب نہ ہو۔ زمین کا اضطراب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ زمین جھجے اور ڈولنے نہ پائے یعنی اس کا توازن برقرار ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سمندر میں آوڑ دریاؤں میں چلنے والے جہازوں اور کشتیوں پر پتھر وغیرہ ڈال کر ان کو بوجھل بنا دیا جاتا ہے تاکہ کشتی یا جہاز پانی کی تند و تیز لہروں میں ڈولنے نہ پائے، زمین بھی دیگر کمرؤں کی طرح ایک کمرہ ہے جو فضا میں تیر رہا ہے چونکہ یہ کسی دوسری چیز پر ٹکی ہوئی نہیں ہے اس لیے اس میں اضطراب پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔ تو اس امکان کو ختم کرنے کے لیے اللہ نے اس پر بڑے بڑے پہاڑوں کی صورت میں بوجھ ڈال دیا ہے، دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے پہاڑ ہیں وہ اسی مقصد کے لیے اللہ نے پیدا کیے ہیں۔

زمین کے اضطراب کا دوسرا معنی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ قائم کر دیے ہیں تاکہ انسانی حیات میں اضطراب پیدا نہ ہو۔ اللہ نے پہاڑوں میں انسانی ضروریات کی بہت سی چیزیں مثلاً پتھر، درخت، چٹان، اور قسم قسم کی معدنیات پیدا کی ہیں جو انسان کی روزمرہ زندگی میں کام آتی ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو یہ چیزیں بھی

نہ ہوتیں اور اس طرح انسانی زندگی مضطرب رہتی ۔

فرمایا ایک تو ہم نے زمین میں پہاڑ پیدا کیے۔ وَجَعَلْنَا فِيْهَا

فِجَاجًا سَبِيْلًا اور پھر ان میں کٹادہ راستے بھی بنائے۔ دنیا میں بڑے بڑے لمبے اور بڑے بڑے سرفک پہاڑ موجود ہیں۔ کوہ ہمالیہ کھٹمنڈو سے لے کر ایران تک تین ہزار میل لمبا ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی مونٹ ایورسٹ دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے۔ اگر ایسے دشوار گزار پہاڑوں میں راستے یعنی درے نہ ہوتے تو ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک میں نہ جاسکتے اور لوگ ایک ہی جگہ میں مسدود ہو کر رہ جاتے۔ ان دروں کی وجہ سے ایک جگہ سے

دوسرے جگہ آنا جانا ممکن نہ ہوا، باہمی میل جول اور تبادلہ اشیاء کا موقع میسر آیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے درمیان میں کٹادہ راستے بھی بنائے لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ تاکہ لوگ راہ پائیں اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے

فرمایا نشانات قدرت میں سے ایک یہ بھی ہے وَجَعَلْنَا

السَّمَاءَ سَقًا مَّحْفُوْطًا ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ آسمان کو زمین کے اوپر ایک قے کی شکل میں کھڑا کر دیا جس میں کوئی سوراخ نہیں۔ یہ بڑا مضبوط اور بڑا محفوظ ہے۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے زمین کو کھپوٹا بنایا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً اور آسمان کو چھت بنایا۔ بناؤں اصل قے یا خیمے کے کھڑا کرنے کو کہتے ہیں، جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام کی پانچ بنائیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ سورۃ الشمس میں ہے وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنَاهَا قَمَرٌ آسَمَانِ کی اور اس کی بناوٹ کی۔ سورۃ ق میں فرمایا اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ

کٹادہ  
راستے

محفوظ  
چھت

فُرُوج ⑥ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے سروں پر آسمان  
کو کس کیفیت کا بنایا ہے اور اس کو کبھی زینت بخشی ہے اور اس میں کوئی  
سوراخ نہیں۔ سورۃ حٰجّہ سجدہ میں ہے وَنَبِّئَا السَّامِیَّ  
الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحٍ ۖ وَحِفْظًا (۱۲) ہم نے آسمان کو ستاروں سے  
زینت بخشی اور اس کو محفوظ رکھا۔ فرمایا ان تمام شواہد کے باوجود وہم  
عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کرنے  
والے ہیں یعنی ان میں غور و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ  
مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مَّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿۳۴﴾  
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ  
فِتْنَةً ۖ وَلَآئِنَّا تُرْجَعُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا رَأٰكُمُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ  
الْهٰتِكُمْ ۖ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿۳۶﴾  
خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ سَأُورِيكُمْ آيٰتِي فَلَا  
تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِن  
كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ  
لَا يَكْفُون عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ  
وَلَاهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ  
فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ  
اسْتَهْزَآءُ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ ۖ فَخَاقَ بِالَّذِينَ  
سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۱﴾



دین کو اور سورج اور چاند کو۔ ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں (۳۳) اور نہیں تجویز کیا ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ زندہ رہنا۔ پس اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے (۳۴) ہر ایک نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ اور ہم بتلا کرتے ہیں تم کو بُرائی اور بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لیے۔ اور ہماری طرف ہی تم سب لوٹاؤ جاؤ گے (۳۵) اور جب دیکھتے ہیں تجھ کو وہ لوگ جنہوں نے کفر کا ثبوت اختیار کیا ہے تو نہیں بتاتے تجھ کو مگر ٹھٹھا کیا ہوا اور کہتے ہیں (کیا یہی شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمہارے معبودوں کا۔ اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے ساتھ انکار کرنے والے ہیں (۳۶) پیدا کیا گیا ہے انسان۔ جلد باز۔ میں دکھاؤں گا تم کو اپنی نشانیاں، پس جلدی نہ کرو (۳۷) اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو (۳۸) اگر جان لیتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس وقت نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے۔ اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی (۳۹) بلکہ (یہ قیامت اور سزا) آئے گی اُن کے پاس اچانک پس اُن کو حیران کر دے گی۔ پس نہ طاقت رکھیں گے اُس کو ہٹانے کی اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی (۴۰) اور البتہ تحقیق ٹھٹھا کیا گیا رسولوں کے ساتھ تجھ سے پہلے۔ پس گھیر لیا اُن کو جنہوں

ہنے ٹھٹھا کیا تھا اُن میں سے اس چیز نے جس کے ساتھ وہ

ٹھٹھا کیا کرتے تھے (۴۱)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا رد و سرِ <sup>ربط</sup> دلائل قدرت کا ذکر کیا۔ ان میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ آسمان اور زمین ابتداء میں اکٹھے تھے، بعد میں ان کو الگ الگ کر دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ زمین پر جو جبل پہاڑ گارھ دیے تاکہ یہ ڈولنے نہ پائے۔ پھر ان پہاڑوں میں کشادہ راستے بنائیے اور آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ فرمایا کہ لوگ ان نشانیوں کو دیکھ کر توحید خداوندی کے قائل نہیں ہوتے بلکہ ان نشانات قدرت سے اعراض کرتے ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ نے آسمان اور زمین کے درمیان پیدا کیے گئے بعض نشانات قدرت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند کو بھی پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو نیچے اور آسمان کو اوپر پیدا کیا ہے۔

شب و روز  
کی تخلیق

اور پھر ان دونوں کے درمیان سورج اور چاند کو پیدا کر کے رات اور دن کا نظام قائم کیا ہے۔ زمین کے ایک حصے پر رات ہوتی ہے تو دوسرے حصے پر دن ہوتا ہے، اور اسی طرح رات اور دن بدل بدل کر ہر حصہ زمین پر آتے رہتے ہیں اگرچہ زمین کی انتہائی اطراف میں رات اور دن بہت لمبے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بعض مقامات پر چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے۔ تاہم عام ستم دن دنیا میں رات اور دن سو بیس گھنٹے میں مکمل ہو جاتے ہیں۔ کبھی دن قدرے بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور کبھی راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ دن رات کی یہ کمی بیشی اللہ کی حکمت پر مبنی ہے جو سورج اور چاند کی گردش پر منحصر ہوتی ہے۔ پھر اسی گردش سے موسموں میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے، کبھی گرمی کبھی سرما، کبھی بہار اور کبھی خزاں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار اور

اُس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ رات اور دن کی حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا** (الانعام - ۹۷) ہم نے رات آرام کے لیے بنائی ہے **وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا** (النہار - ۱۱) اور دن کو ذریعہ معاش بنایا ہے۔ دن کے وقت انسان کام کاج میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھک جاتے ہیں لہذا رات کو آرام کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے **جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** (الفرقان - ۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے اللہ نے یہ نظام اس کا ذکر اور شکر کرنے والوں کی سہولت کے لیے قائم کیا ہے۔ بہر حال دن کی روشنی میں انسان کے کام کاج اور دیگر مشاغل طے پاتے ہیں۔ انسان عبادت کرتا ہے، جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے، صنعت، تجارت، رزق اور محنت مزدوری کرتا ہے اور جب تھک جاتا ہے تو رات کے وقت آرام کرتا ہے تاکہ اگلے دن کی محنت مشقت کے لیے پھر سے تازہ دم ہو جائے، غرضیکہ رات اور دن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نشانات قدرت کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

سورج  
اور چاند

آگے فرمایا **وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** ہم نے سورج اور چاند کو بھی اپنی نشانیوں کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ ان دونوں کی تخلیق بھی کمال حکمت پر مبنی ہے ان کی گردش سے رات اور دن کا نظام قائم ہے۔ سورۃ یس میں فرمایا ہے کہ سورج اور چاند اپنی اپنی مقررہ منازل پر چلتے رہتے ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں اسے اپنے اپنے مدار میں گردش کہنا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ نہ سورج چاند کو پاسکنا ہے اور نہ رات دن سے سبقت کہہ سکتی ہے **كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ** (۳۳) ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ چاند پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سورج اور چاند فضا میں گردش کرتے رہے ہیں۔ پرانے سائنسدان کہتے تھے کہ سورج اور چاند آسمان کے اندر واقع

ہیں جب کہ جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ یہ آسمان اور زمین کے درمیان  
 میں محو گردش ہیں، مذکورہ بالا آیت بھی اسی نظریے کی تائید کرتی ہے کہ یہ اپنے  
 اپنے مدار میں تیرتے ہیں۔ بہر حال سورج اور پانچ نظام شمسی کا حصہ ہیں جن سے  
 دن اور رات پیدا ہوتے ہیں اور موسموں کا تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ  
 کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ کوئی ایسی ذات ضرور ہے جس نے اس سارے  
 نظام کو قائم کر رکھا ہے اور وہ ہے بھی وحدہ لا شریک، کیونکہ اگر وہ ایک  
 سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام قائم نہ رہ سکتا۔ اس کی تشریح کسی پہلے درس میں ہی  
 کی جا چکی ہے۔

موت کی  
 گھائی

کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کی رسالت پر مختلف طریقوں سے اعتراض کرتے  
 تھے۔ بعض یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ اللہ کا نبی ہے تو پھر اس پر موت طاری  
 نہیں ہونی چاہیے، یہاں اللہ نے اس بہودہ اعتراض کا جواب دیا ہے  
 وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّن  
 كَسِي الْإِنسَانُ كَيْلَ اس دُنْیَا میں ہمیشہ کی زندگی نہیں رکھی، وہ نبی ہو یا غیر نبی  
 ہر ایک نے اس دنیا میں اپنا مقررہ وقت پورا کیا اور اگلے جہاں میں منتقل ہو  
 گیا۔ اس دنیا میں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا۔ فرمایا، اے نبی علیہ السلام! أَفَإِن مِّن  
 مَّتَّ فَهُمْ الْخُلْدُ وَاگر آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو کیا  
 یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟ آپ سے پہلے جتنے نبی اور رسول گزرے ہیں  
 سب اللہ کی طرف لوٹ گئے، اور جس طرح ان کے آباد اجداد باقی نہیں رہے  
 یہ لوگ بھی ضرور موت سے ہٹنا رہیں گے، ان کو دنیا میں دوام حاصل نہیں۔  
 بعض کافر اور مشرک کہتے تھے کہ اسلام کا مشن حضور علیہ السلام کی زندگی تک ہی  
 چلے گا اور اس کے بعد خود بخود ختم ہو جائے گا۔ یہ محض آپ کے ساتھ  
 ضد، عناد اور عداوت کی وجہ سے کہتے تھے، در نہ موت کی گھائی تو ہر  
 ایک نے عبور کرنی ہے۔ سورۃ النمر میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے



اِنَّكَ مَيِّتٌ وَفَرَّغْتُمْ مَيِّتُونَ (آیت - ۳۰) اے نبی علیہ السلام! موت آپ پر بھی وارد ہوتی ہے اور ان پر بھی۔ اس کے بعد سب کو اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے اور رب کو جوابدہی کرنا ہے۔

سعدی صاحب نے گلستان<sup>۱</sup> میں ذکر کیا ہے کہ کسی نے نوشیروان بادشاہ ایران کو خوشخبری سنائی کہ آپ کا فلاں دشمن اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے خبر دینے والے شخص کا خیال تھا کہ یہ خبر سن کر بادشاہ خوش ہوگا، مگر وہ عقلمند آدمی تھا، اس نے جواب دیا ”یہج شنیدی کہ مرا بجز ارد“ اگر دشمن مر گیا ہے تو تم نے کس سے سنا ہے کہ وہ مجھے چھوڑے گا۔ میں نے بھی تو بالآخر مرنا ہے اگر عدو بدرجائے شادمانی نیست

کہ زندگانی مانیز جاودانی نیست

اگر دشمن مر جائے تو یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں ہے کیونکہ ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آنے والا ہے۔ تو فرمایا اگر آپ وفات پا جائیں گے تو کیا انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے۔ نہیں بلکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَٰلِقَةٌ الْمَوْتِ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، موت سے کسی کو بھی فرار حاصل نہیں۔

انسان کی آزمائش

پھر فرمایا وَنَبِّئُكُمْ بِالْشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ہم تمہیں آزماتے ہیں برائی اور بھلائی کے ساتھ یعنی ہر حالت میں آزمائش کرتے ہیں کبھی سختی کی حالت میں اور کبھی نرمی کی صورت میں کبھی تنگی کی حالت میں اور کبھی فراخی کی حالت میں، کبھی بیماری کے اور کبھی تندرستی دے کر کبھی محتاجی دیکھ کر اور کبھی دولت مند دیکھ کر یہ ہوتا ہے کہ انسان کا پتہ چل جائے کہ ان میں سے کھرا کون ہے اور کھوٹا کون۔ ان میں سے اللہ کا شکر گزار کون ہے اور ناشکر ہی کون ہے۔ یہ بھی پتہ چل جائے کہ ہمارے عطا کردہ مال و دولت کو عیش و عشرت اور کھیل تماشے میں لگاتا ہے یا محتاجوں کی دستگیری پر رسومات باطلہ میں لگاتا ہے یا صدقہ و خیرات میں۔ اللہ تعالیٰ ہر اچھی اور بری

حالات میں اسان کو زمانہ ہے، فرمایا یہ نہ سمجھو کہ میری نعمتوں کے استعمال کے بعد تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، بلکہ وَالَّذِينَ تَتَذَكَّرُونَ أَكْثَرُ سُبْحَانَ کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی، اور تمہیں اپنے اپنے عقیدے اور عمل کا ریکارڈ پیش کرنا ہوگا اور پھر اسی کے مطابق کاروائی ہوگی۔

کفار کی طرف سے ٹھٹھا

فرمایا، کفار و مشرکین کا حال یہ ہے وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ كَفَرُوا جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں إِنْ يَتَّخِذُوا نَكَالًا لَّهُمْ تو آپ کے ساتھ ٹھٹھا کھاتے ہیں۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ دولت مند اور آسودہ حال کافر غریب مسلمانوں کو جاتا دیکھ کر مذاق کیا کرتے تھے۔ آپس میں کہتے کہ إِنْ كَانُوا لِبَاسٍ دِجْدٍ أَوْ لِبَاسٍ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ کہ ان کا لباس دیکھو اور ان کی وضع قطع پر نظر ڈالو، پٹا پرانا لباس، بال پرانگندہ، نہ ہنسنے کو مکان، نہ کھانے کو روٹی اور نہ سفر کے لیے سواری، مگر یہ جنت کے مالک اور حوریں کے خاوند ہیں۔ اہل ایمان پر آوازے کتے تھے وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ (المطففين - ۳۰) جب پاس سے گزرتے تو کن اکھیوں سے اشارے کرتے حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اسی قسم کی باتیں کرتے تھے کہ اس شخص کے پاس نہ مال و دولت ہے، نہ باغات ہیں، نہ اچھا مکان ہے، نہ نوکر چاکر ہیں مگر دعویٰ نبوت کا کر رہا ہے۔ اس طرح گویا کافر لوگ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔

یہ بد بخت یوں بھی کہتے أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے اور ان کو برا بھلا کہتا ہے۔ گویا تمہارے معبودوں کا حقارت کے ساتھ تذکرہ کرتا ہے۔ فرمایا وَهُمْ يَذْكُرُ الرَّحْمٰنَ

هَمْ كُفْرُوكَ اور ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ خود خدائے رحمان کے  
ذکر کا احار کرتے ہیں یعنی اُس کی توحید کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے  
حقیقت میں تعجب انگیز اور افسوسناک حالت۔ تو ان کی اپنی ہے مگر یہ اَللّٰہُ  
اللہ کے نبی کے ساتھ استنہاد کرتے ہیں۔

انسان کی  
جلد بازی

ارشاد ہوتا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَاقٍ انسان کو فطرنا جلد بازی  
پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مرجع کافر اور اہل ایمان دونوں ہو سکتے ہیں۔ کفار کی جلد بازی  
یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ نبوت کا دعویٰ رہا جس قیامت اور عذاب سے  
ڈراتا ہے، وہ آکیوں نہیں جاتی؟ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو پھر ہم  
سے انتقام کیوں نہیں لیا جاتا؟ اُدھر اہل ایمان بھی بعض اوقات خواہش کرتے  
تھے کہ ان نافرمانوں پر گمراہ کیوں نہیں آتی کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں  
اور اُسکے دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ انسان کی پیدائش  
میں ہی جلد بازی رکھی ہوئی ہے۔ فرمایا سَا وَرِیْکُمْ اِلٰتِیْ میں عنقریب  
تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْا لَنْ اَنْزِلَ اس معاملہ  
میں جلدی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام ضروری نشانیاں ظاہر کر دے گا۔ پھر  
جب اتمامِ حجت ہو جائے گی تو مجرموں کو سزا بھی مل جائے گی اور اہل ایمان  
کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ فرمایا جلدی نہ کرو یہ اچھی چیز نہیں ہے۔  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے الشَّوْءُ ذُوْ مِنْ الرَّحْمٰنِ  
وَالْعُجْکَةُ مِنْ الشَّیْطٰنِ یعنی آہستگی خدائے رحمان کی طرف سے  
ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ گذشتہ سورۃ طہ میں  
بھی گزر چکا ہے کہ شیطان کے بہکانے کی وجہ سے آدم علیہ السلام نے بھی جلدی  
کی جس کی وجہ سے انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جلد بازی  
کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اگرچہ انسان فطرنا جلد بازی پیدا کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا وَیَقُولُوْنَ کَمْ مَّتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اَلَمْ کُنْتُمْ

قیامت کا  
انتظار

صَدَقَيْنِ اِگر قسم سچے ہو تو پھر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ جب اہل ایمان کفار و مشرکین کو اُن کے کفر و شرک سے باز رکھنے کے لیے انہیں آخرت کے محاسب اور عذاب سے ڈراتے، تو وہ نصیحت پکڑنے کی بجائے کہتے کہ لاؤ اپنا وعدہ پورا کرو، یعنی جس عذاب کی دہکی ہمیں دے رہے ہو، وہ کب آئے گا؟ اللہ نے فرمایا کہ آج تو یہ خود عذاب کا مطالعہ کر رہے ہیں مگر یاد رکھو! لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ اِگر کفار اُس حالت کو جانتے جب کہ وہ اپنے چہروں اور پشتوں سے دوزخ کی آگ کو نہ روک سکیں گے۔ دوزخ کی آگ ان کے جسموں کو جلا ڈالے گی مگر یہ اُسے خود روک نہ سکیں گے وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور نہ ہی کسی دوسرے ذریعے سے اُن کی مدد کی جائیگی کہ وہ عذاب الہی سے بچ سکیں۔ فرمایا اگر اس حالت کو جانتے تو یقیناً اللہ کے نبیوں اور اہل ایمان کے ساتھ ٹھٹھانہ نہ کرتے اور نہ ہی یہ پیچھتے کہ وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

باقی رہا قیامت کے وقوع کا وقت، تو اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ البتہ اثنائے ضرورت بلا دیا ہے بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً یہ ان کے پاس اچانک ہی آجائیگی۔ اس طرح انفرادی موت بھی اچانک ہی آجاتی ہے۔ فَتَبْهَتُهُمْ پھر یہ قیامت یا موت ان کو حیران کر دیگی۔ ان کے ہوش و حواس گم کر دیگی فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدِّهَا اور یہ اسکو روکنے کی طاقت بھی نہیں پائیں گے۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ پھر ان کو مہلت بھی نہیں ملے گی کہ اپنی اصلاح کر سکیں۔ قیامت اچانک آکر ان کے مطلوبہ وعدے کو پورا کر دیگی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون ہے اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (رہنمائی - ۴۹) ہر قوم اور ہر فرد کی مدت مقرر ہے اور اسی طرح قیامت



کا بھی ایک دن مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ مقررہ وقت پر موت طاری ہو کر زندگی کے تمام اشتغال کو ختم کر دیتی ہے، اور اسی طرح مقررہ وقت پر قیامت واقع ہو کر پوری کائنات کا نظام درہم برہم کر دیں گی اور پھر محاسبے کا عمل شروع ہو جائے گا۔

اہل ایمان  
کے لیے  
تسلی

آگے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے وَكَفَدِ اسْتَهْزِئُ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ اور البتہ تحقیق استہزاء کیا گیا رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے۔ ان کافروں نے اللہ کے ہر نبی اور رسول کے ساتھ اسی طرح مذاق کیا جس طرح حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ یہ تو کفار کی پرانی رسم اور ان کا پُرانا مشیورہ ہے کہ وہ انبیاء اور اہل ایمان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے عذاب کو بھی اپنے مذاق کا نشانہ بنایا، تو اللہ نے فرمایا فَخَافَ بِالْذِّیْنَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ پھر ان میں سے جن لوگوں نے ٹھٹھا کیا تھا ان کو اُسی چیز نے گھیر لیا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا تمسخر کیا کرتے تھے۔ یعنی جس عذاب الہی کو کافر لوگ بعید خیال کرتے تھے، وہی عذاب ان پر نازل ہوا اور ان کو گھیرے میں لے لیا اور اس سے بچ نکلنے کے تمام راستے مسدود ہو گئے، اور اس طرح انہوں نے عذاب الہی کے ساتھ مذاق کرنے کا مزا چکھ لیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن سے ٹھٹھا کرتا ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اگر کسی نے نبی کے ساتھ استہزاء کیا تو اس نے گویا کفر کا ارتکاب کیا۔ استہزاء میں دوسرے کی حقارت مقصود ہوتی ہے اور نبی کو حقیر سمجھنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے۔

آیت ۴۲ ۴۳ ۴۴

قُلْ مَنْ يَكْلُوْكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ  
 بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ  
 اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ  
 نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يَصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾ بَلْ  
 مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ  
 الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَأْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ  
 اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ  
 بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا مَا يَنْذِرُونَ ﴿۴۵﴾  
 وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ  
 لَيَقُولُنَّ يَوَيْكَ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، کون ہے جو تمہاری  
 حفاظت کرتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمان کی  
 گرفت سے ۔ بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی یاد سے اعراض  
 کرنے والے ہیں ﴿۴۲﴾ کیا ان کے لیے کوئی اور الہ ہیں جو  
 ان کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے سوا وہ تو طاقت نہیں  
 رکھتے اپنے نفسوں کی مدد کی، اور نہ ہماری طرف سے اُن  
 کی رفاقت کی جاتی ہے ﴿۴۳﴾ بلکہ ہم نے فائدہ دیا ان

لوگوں کو اور ان کے اباؤ اجداد کو یہاں تک کہ ان کی عمریں  
 دراز ہو گئیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ بیشک ہم چلے آہے  
 ہیں زمین پر، گھٹاتے ہیں اُس کو اُس کے اطراف سے  
 کیا یہ لوگ غالب ہوں گے؟ (۴۴) (اے پیغمبر!) آپ کہہ  
 دیجئے کہ بیشک میں ڈراتا ہوں تم کو وحی الہی کے ساتھ  
 اور نہیں سنتے بہرے لوگ پکار کو جس وقت کہ اُن کو  
 ڈرایا جاتا ہے (۴۵) اور اگر پہنچے ان کو کوئی چھینٹا تیرے  
 رب کے عذاب کا تو پھر یہ ضرور کہیں گے، اے افسوس  
 ہمارے، بیشک تھے ہم ظلم کرنے والے (۴۶)

رابطہ آیات

سورة الانبیاء میں بنیادی طور پر تین مسائل کا ذکر ہے یعنی توحید، رسالت اور معاد۔  
 اس کے علاوہ اس سورة میں مختلف انبیاء علیہم السلام کے طریقہ تبلیغ پر روشنی ڈالی گئی ہے،  
 اور اُن کی مناجات کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی حوائج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس طرح  
 پیش کرتے تھے۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر اور کفار و مشرکین کا  
 رد فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان کیے اور رسالت کے متعلق  
 شکوک و شبہات پیدا کرنے والوں کو مؤثر جوابات بھی دیے۔ فرمایا، یہ لوگ عذاب طلب  
 کرنے میں جلد بازی کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اُس حالت کو دیکھ لیں جب یہ دوزخ کی آگ کو  
 اپنے چہروں اور پشتوں سے نہیں ہٹا سکیں گے، تو ایسی باتیں نہ کریں۔ پھر اللہ نے  
 تسلی کا مضمون بیان فرمایا کہ اگر پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ لوگ ہنسی مذاق کرتے  
 ہیں، تو یہ کوئی اچنبہ کی بات نہیں کیونکہ پہلے ادوار میں بھی لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ یہی  
 سلوک کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ عذاب الہی کی بات کو بھی تمسخر میں اڑا دیتے  
 تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اُسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

گذشتہ آیت میں آخرت کے عذاب کے متعلق فرمایا تھا کہ تم عذاب الہی سے

فی امان اللہ

بچ نہیں سکو گے، اب اس دنیا کے متعلق فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ  
 یُجِبْ مَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ  
 کون ہے جو رات دن تمہاری نگرانی اور حفاظت کرتا ہے خدا نے رحمان کی  
 گرفت سے کیا تم خود اپنی حفاظت کرتے ہو یا تمہارے معبودان باطلہ تمہاری  
 حفاظت کے ذمہ دار ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی نہ کوئی انسان  
 اسی انسان کی حفاظت کرتا ہے اور نہ جن۔ بلکہ ساری مخلوق کی حفاظت کا انتظام  
 خود خدا تعالیٰ نے ہی کر رکھا ہے۔ خاص طور پر انسان کی حفاظت کے لیے  
 تو اللہ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ بعض فرشتے انسان کے  
 اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بعض انہیں جسمانی طور پر حوادث سے بچانے  
 پر مامور ہیں۔ سورۃ ق میں موجود ہے مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ  
 رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (آیت ۱۸) انسان کی زبان سے جو بھی لفظ نکلتا ہے،  
 اللہ کے فرشتے اسے فوراً ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ سورۃ الانفطار میں کراماً  
 کا تبین کا خاص طور پر ذکر آیا ہے وَانَّ عَلَیْکُمْ لَحَفِیْظٰیْنَ ہِکْرَامًا  
 کَاتِبٰیْنَ (آیت ۱۰، ۱۱) بیشک تم پر محافظ مقرر ہیں، جنہیں کراما کا تبین  
 کہا جاتا ہے یعنی معزز لکھنے والے، جو کچھ تم کہتے ہو، وہ جانتے ہیں اور لکھتے  
 چلے جاتے ہیں، اس طرح گویا تمہارے تمام اعمال محفوظ کیے جاتے ہیں۔  
 جنہیں قیامت کے دن اعمال نامے کی صورت میں تمہارے سامنے رکھ دیا  
 جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اِیُّکُمْ  
 اَدْمَرُ اَفْخَمًا هٰی اَعْمَالُکُمْ اَحْصٰیہَا عَلَیْکُمْ اے آدم کی اولاد  
 یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں ہم نے محفوظ کر رکھا ہے۔ اگر تمہارے اعمال  
 اچھے ہیں تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اگر بُرے ہیں تو اپنے آپ کو مہلت  
 کہو۔ ہم نے تمہاری اس کمائی سے کوئی ذرہ بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔  
 انسانوں کے اقوال و اعمال کی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے



برائے رہیں لی حفاظت کا یہی محل انتظام کر رکھا ہے ارشاد خداوندی ہے ۔  
 لَهُ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ  
 يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (الرعد - ۱۱) اس کے آگے اور پیچھے  
 خدائی چوکیدار ہیں جو خدا کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ نے  
 ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو انسان کو مختلف آفات و بلیات، جانات  
 اور شیطاں وغیرہ کے شر سے محفوظ رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ پھر  
 جب خدا تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو انسان سے حفاظت اٹھالی جاتی ہے  
 اور وہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا  
 ہو جاتا ہے۔ فرمایا ذرا غور تو کرو کہ تمہیں خدائے رحمان کی گرفت سے شب و روز  
 کون بچاتا ہے۔ اگر اسی معاملہ میں غور و فکر کرو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت  
 آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ فرمایا، اللہ نے تو ان کی حفاظت کا انتظام کر  
 رکھا ہے بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ مگر یہ لوگ  
 اپنے پروردگار کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں۔ نہ تو یہ خدا تعالیٰ کی نازل  
 کردہ کتاب کی طرف دھیان دیتے ہیں، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف  
 توجہ دیتے ہیں۔

غیر اللہ کی  
بے بسی

ارشاد ہوتا ہے اَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ كَمَا اَنْ كُوْنُ مَعْبُودٍ هِيَ ۔  
 تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا جو ہمارے سوا ان کو بچاتے ہیں یعنی حوادث  
 سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے معبود نہ تو جنوں میں ہیں اور نہ انسانوں  
 میں، نہ شجر میں اور نہ حجر میں، جاندار چیزیں ہوں یا بے جان، کوئی بھی با اختیار  
 نہیں ہیں۔ بے جان چیزیں تو ویسے ہی بے حس و حرکت پڑی رہتی ہیں وہ  
 نہ کسی کا کچھ سنوار سکتی ہیں اور نہ بگڑ سکتی ہیں۔ البتہ جو جاندار ہیں، وہ بھی اختیار  
 سے خالی ہیں۔ ان میں تفع یا نقصان پہنچانے کی صفت نہیں پائی جاتی۔  
 کیونکہ النافع اور الضار صرف ذات خداوندی ہے، وہ قادر مطلق، علیم کل

خالق اور مدبر ہے، اُس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات کا حامل نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ کیا اُن کے لیے ہمارے سوا کوئی اور معبود بھی ہے جو ان کی مملکت کرتے ہیں؟ پھر خود ہی اس کا جواب بھی دیا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَہ بے پیکے تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ دوسروں کی مدد کر سکیں۔ بے جان چیزیں تو جیسے ہی ناکارہ ہیں۔ جہاں چاہا بھینک دیا۔ پڑی رہتی ہیں۔ اُن کے ساتھ جو سول چاہو کر لو، وہ تو فریاد بھی نہیں کر سکتیں۔ خواہ انہیں توڑ پھوڑ دیا جائے۔ اور جو جاندار میں مثلاً ملائکہ جنات یا انسانوں میں سے انبیاء اور اولیاء تو اُن کو بھی اختیار نہیں کہ وہ کسی کی غائبہ مافوق الاسباب مدد کر سکیں، یا کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکیں۔ وہ تو خود اقرار کرتے ہیں اَنْتَ وَلِیُّنَا مَوْلٰی کَرِّمْ! تو ہی ہمارا کارساز بہت مخلوق میں سے بزرگ ترین مہستی حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہمارا کہ ہے۔ اللہ نے آپ کی زبان سے بھی یہ اعلان کر دیا لَا اَمْلَکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (الاعراف، ۱۸۸) میں تو کسی نفع نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ اے لوگو! اِنْخُ لَا اَمْلَکُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (الحسن - ۲۱) میں تمہارے حق میں بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ ہر قسم کے اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں۔ میرا کام یہ ہے کہ میں وحی الہی کا خود بھی اتباع کروں اور تم تک بھی پہنچا دوں۔ کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا یا نفع و نقصان پہنچانا میرے اختیار میں نہیں ہے فرمایا نہ تو وہ معبودانِ باطلہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں وَلَا هُمْ مَرْهُنًا فِیْ صُحُفٍ اور نہ ہماری طرف سے اُن کی مائدگی جاتی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں کریں۔

منجانب اللہ  
آسودگی

فرمایا کہ جن معبودانِ باطلہ کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ وہ تو کسی

نفع نقصان کے مالک نہیں حقیقتِ حال یہ ہے بَلْ مَتَّعْنَا هُوَ لَا يُؤَدُّ  
وَابَاءَهُمْ بِكُمُ هُمْ فِي انْ شُرُكُوتٍ اور کافروں اور ان کے اباؤ اجداد کو  
بھی فائدہ پہنچایا۔ ان کو سامانِ زیست فراوانی کے ساتھ عطا کیا۔ رفاہیت ،  
خوشحالی اور آسودگی عطا فرمائی حتیٰ ط الٰہِ عَلَیْهِمُ الْعُمُرِ یہاں تک  
کہ ان کی عمریں دراز ہو گئیں یعنی ان کو لمبی مدت تک خوشحالی عطا فرمائی۔ یہ آرام  
طلب ہو کر غفلت میں مبتلا ہو گئے۔ اور عقیدہ توحید کے بجائے شرک میں  
لوٹ ہو گئے۔ پھر نبوت پر اعتراض کرنے لگے حتیٰ کہ اُس کا انکار کر دیا۔

کفار کا  
تمنزل

فَرَمَا اِذَا يَرُوْنَ اَنَا نَاۤیْ اَلْاَرْضُ نَنْقُصُهَا مِنْ  
اَظْهَارِهَا کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اطراف سے گھٹاتے آہے  
ہیں یعنی کفار کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل رہی ہے۔ مطلب یہ کہ اسلام کی  
ترویج کے ساتھ ساتھ کافروں کا تمنزل شروع ہو چکا ہے اور ان کے علاقوں پر مسلمانوں کا تسلط  
قائم ہو رہا ہے چنانچہ قبیلہ غفار اور سلم کی مثال ہمارے سامنے ہے یہ کثیر آبادی کے قبیلے مکہ سے یکسر  
شام تک کے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی تبلیغ سے  
آدھا قبیلہ غفار مسلمان ہو گیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے  
آئے تو باقی آدھا قبیلہ بھی اسلام لے آیا۔ پھر جب سلم قبیلہ والوں نے دیکھا کہ  
قبیلہ غفار اسلام لے آیا ہے تو وہ سارے بھی مسلمان ہو گئے اور اس طرح بہت  
بڑا علاقہ کفار کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے تسلط میں آ گیا۔ پہلے یہ دونوں  
قبیلے لوٹ مار کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے۔ جب مسلمان ہو گئے تو حضور علیہ السلام

نے ان کے حق میں دُعا کی غَفَّارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی قبیلہ غفار  
کی غلطیوں کو معاف فرمائے۔ وَاسْلَمَ سَالِمَهَا اللّٰهُ اور قبیلہ سلم  
والوں کو اللہ تعالیٰ سلامتی میں رکھے۔ ان دو قبائل کے بعد پھر مین، جہر اور  
دوسرے عرب خطے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آ گئے حتیٰ کہ حضور علیہ السلام  
کی وفات تک عرب کا سارا خطہ کفر سے پاک ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عجم کے



بڑے بڑے تہذیبی بھی مسلمانوں کے زیر نگین آگئے اور اللہ کا یہ فرمان پورا ہو گیا کہ کیا یہ کافر لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم اطراف سے زمین کو گھٹاتے چلے آئے ہیں یعنی ان پر اللہ کی زمین تنگ ہو رہی ہے۔ أَفَهُمْ غَافِلُونَ کیا اب بھی یہ غلے کی توقع رکھتے ہوئے ہیں؟

مسلمانوں کا  
زوال

واقعہ صغیر تک مسلمانوں کی عالمی ترقی نقطہ عروج تک پہنچ چکی تھی اور تقریباً نصف دنیا ان کے زیر نگین آگئی تھی۔ پھر اس واقعہ نے مسلمانوں کے حالات میں تعطل (DEAD LOCK) پیدا کر دیا۔ اگرچہ ان کی عالمی تنظیم کمزور پڑ گئی مگر ترقی کا دروازہ پھر بھی کھلا رہا۔ البتہ وہ حرکت جو تیزی سے بڑھ رہی تھی اس میں کمی آگئی حتیٰ کہ چھ سو پچاس سال تک مسلمانوں کو عروج حاصل رہا اگرچہ ملکیت کی وجہ سے کمزوریاں بھی آگئیں۔ ساتویں صدی میں مسلمانوں پر زوال کی ابتدا ہوئی۔ تاتاریوں کے حملے میں ایک کروڑ مسلمان ذبح کر دیے گئے کتب خانے جلا دیے گئے اور بحیثیت مسلمان ان پر بڑے مظالم ڈھائے گئے۔ تنزل کا یہ سلسلہ آٹھ صدیوں سے جاری ہے اور ابھی تک مسلمانوں کا قدم نہیں جم سکا، کہیں محصور اہست چند دن کے لیے کوئی معاملہ درست ہو گیا، تو کام اچھا ہو گیا، وگرنہ اس دور میں اکثریت خود غرضوں، عیاشیوں اور سفاکوں کی رہی ہے۔ مسلمانوں کی عالمی تحریک برباد ہو گئی ہے اور اس وقت دنیا میں پچاس سے زیادہ ریاستیں ہونے کے باوجود ان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافر مان ہے کہ ابتدائی دور میں لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے جیسا کہ فرمایا وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونََ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (النصر - ۲) لیکن الیادور بھی آنے والا ہے جب لوگ اسلام سے فوج در فوج ہی نکلیں گے۔ اس قسم کے حوادث ہمارے زمانے میں بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ ابھی تین چار سال کی بات ہے کہ بنگال کے دس لاکھ مسلمان عیسائی بن چکے ہیں بغربت و افلاس نے انہیں مرتد



ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت یہاں عیسائیوں کی تعداد بالکل قلیل تھی مگر اب ان کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ محض بھوک اور آفیس کی وجہ سے ہورہا ہے۔ عیسائی مشنریاں لوگوں کو مالی امداد فراہم کرتی ہیں۔ انہیں تعلیم دلاتی ہیں، علاج معالجے کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہیں تو لوگ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ چیزیں مسلمانوں کے زوال پر شاہد ہیں۔ گزشتہ پانچ سالوں میں افغانستان میں سینسٹ لاکھ آدمی مارے جا چکے ہیں اور جو بے گھر ہو چکے ہیں ان کا کوئی شمار نہیں۔ عراق، فلسطین اور فلپائن میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ قبرص میں بیس لاکھ ترک ہلاک ہو چکے ہیں۔ آخر انہوں نے تنگ آ کر جزیرے کے پانچویں حصے پر قبضہ کر لیا اور وہیں سمٹ کر رہ گئے۔ یہ وہی قبرص ہے جسے مسلمانوں نے فتح کیا اور سائے کمانا مسلمانوں کے زیر تسلط رہا۔ مگر اب وہاں پر مسلمانوں کی قلیل تعداد ہی زندگی گزارنے سے عاجز ہے۔

ہندوستانی  
مسلمان

ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بھی کچھ کم ابتر نہیں۔ احمد آباد اور دوسرے صوبوں میں ہزاروں مسلمان موت کا شکار ہو چکے ہیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ایک رسالے کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ مسلمان بہت سخت جان واقعہ ہوا ہے جو ہندو اکثریت کے سامنے ڈٹا ہوا ہے۔ اگر خون آشام فسادات کسی اور قوم کے خلاف ہوتے تو ان میں سے فرد واحد بھی زندہ نہ بچتا، مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس قدر قتل و غارت کے باوجود ہندوستان میں آج بھی پندرہ کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ گزشتہ تیس پینس سال میں نو ہزار سے زیادہ ہندو مسلم فسادات ہو چکے ہیں مگر پھر بھی مسلمان ہندوؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ ہندوؤں کے تعصب کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک فقرہ کہا تھا کہ اگر دنیا دس لاکھ سال تک بھی قائم ہے تو ہندو کے ذہن سے تنگ نظری دور نہیں ہو سکتی۔ اور مسلمانوں کے ہر گمانی کبھی

نہیں جائے گی۔ یہ اچھے آدمیوں کے متعلق ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، اور  
 برے آدمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ مولانا احمد سعید صاحب مرحوم  
 نے سیرت کے باب میں کہا تھا جس میں تقریباً ایک لاکھ کے قریب آدمی  
 تھے اور ہندو بھی وہ ویش چالیس ہزار موجود تھے۔ آپ نے اس جلسے میں  
 سرعام کہا تھا کہ ہندو کا دل منافق کی قبر سے بھی زیادہ تنگ ہے۔ الغرض!  
 ہندوستان نے مسلمان بھی آئے دن مظالم کا شکار ہوتے رہتے ہیں مگر  
 ہندوؤں کے سامنے ٹٹے ہوئے ہیں۔

بہر حال میں نے عرض کیا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جس طرح  
 زمین کافروں کے قبضے سے کھسک کر مسلمانوں کے قبضے میں آرہی تھی  
 اب زوال کے زمانے میں مسلمانوں کے پاؤں تلے سے کمر انگریزوں اور  
 روسیوں اور دیگر کافروں کے قبضے میں جا رہی ہے۔

خوفِ خدا  
 بذریعہ وحی

اللہ نے فرمایا قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ لے  
 پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں، میں تمہیں وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں مگر  
 قیمتی کی بات یہ ہے وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا  
 يُنذَرُونَ کہ تمنا بھی ڈرایا جائے بہرے لوگ اس پکار کو سنتے ہی نہیں۔ جو  
 لوگ اللہ کی دعوت پر توجہ ہی نہیں کرتے ان کا یہی حال ہے۔ اللہ نے کافروں  
 کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جو بظاہر زندوں کی بات نہ سنتے ہیں اور نہ اس  
 سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یا بہروں کے ساتھ جو سنتے ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو  
 شخص کسی بات کو سنتا ہی نہیں، وہ اُس سے فائدہ کیا اٹھا سکا، مگر اللہ نے  
 ساتھ یہ وعید بھی سنادی ہے وَلَكِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ  
 رَبِّكَ اور اگر ان کافروں اور مشرکوں پر عذاب الہی کا ایک چھینٹا بھی پڑ  
 جائے یعنی ذرا بھی گرفتِ خداوندی وارد ہو جائے لَيَقُولُنَّ يَوْمَئِذٍ  
 إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ تو کہیں گے ہائے افسوس! بیشک ہم ہی زیادتی کرنے

ملے تھے۔ یہ ہماری ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اس وقت ان کا غرور، تکبر اور الکڑفول  
 سب ختم ہو جائیگی اور اپنی خباثت کا اقرار کریں گے۔ اللہ نے بعض دوسری  
 قوموں کا بھی ذکر فرمایا کہ جب اُن پہ تباہی و بربادی آئی تو اُن کی زبانوں پر  
 یہی کلمہ تھا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ بیشک ہم ہی ظلم کرنے والے تھے۔ زیادتی  
 ہمیں سے ہوئی جس کا نتیجہ آج تک ہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنْ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ

ترجمہ :- اور رکھیں گے ہم ترازو انصاف کے قیامت والے دن ، پس نہ ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ ۔ اور اگر ہو گا ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ، تو ہم لائیں گے اُس کو ۔ اور کافی ہیں ہم حساب کرنے والے ﴿۴۷﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے دی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فیصلہ کرنے والی چیز ، اور روشنی اور نصیحت متقیوں کے لیے ﴿۴۸﴾ وہ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بن دیکھے ، اور وہ قیامت سے خوف رکھنے والے ہیں ﴿۴۹﴾ اور یہ ایک نصیحت ہے برکت والی جس کو ہم نے اتارا ہے ۔ پس کیا تم انکار کرنے والے ہو ؟ ﴿۵۰﴾

اس سورۃ مبارکہ کے اہم ترین مضامین توحید ، رسالت اور جزائے عمل ہیں ۔ ربط آیات



گذشتہ درس میں اُن کفار و مشرکین کی تہذیب و تمدن کی حق جو بربادی اور تباہی کرتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی آخر الزمان کو فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں وحی الہی کے ذریعے تمہیں ڈراتا ہوں تم جو لوگ برے ہیں، وہ کہاں سنتے ہیں۔ فرمایا اگر خدا تعالیٰ کے عذاب کا ایک چھینٹا بھی ان کفار و مشرکین پر پڑے گا تو ان کی بربادی اگر ختم ہو جائے گی۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا مسند بیان فرمایا ہے کہ یقیناً ایک دن ایسا آنے والا ہے جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ یہاں پر اعمال کے وزن کی بات کی گئی ہے اور آگے نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے

ارشاد ہوتا ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ

اعمال کا  
وزن

اور ہم قیامت والے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ جب محاسبہ اعمال کی منزل آئے گی تو اعمال کو تولنے کے لیے ترازو قائم کیے جائیں گے فَلا تَظْلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا پس کسی نفس پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اگر اچھے اعمال کیے ہیں تو اُن کے مطابق درجات بلند ہوں گے اور اگر بُرے اعمال انجام دیے ہیں تو پھر سزا کا مستحق ہوگا، کسی کے سامنے بلا وجہ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ میزان کے متعلق سورۃ اعراف میں بھی موجود ہے وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ (آیت ۸) اُس دن کا وزن اعمال برحق ہے۔ اس آیت زید درس میں اللہ تعالیٰ نے میزان کے لیے جمع کا صیغہ یعنی موازن استعمال فرمایا ہے بعض مفسرین اس کی توجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے اور اُس دن کی ہولناکی کے پیش نظر لایا گیا، تاہم ترازو ایک ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ایک ہی ترازو پر ساری مخلوق کے اعمال تولنے پر قادر ہے۔ مگر زیادہ قرین قیاس نظر یہ ہے کہ قیامت والے دن بہت سے ترازو قائم کیے جائیں گے حتیٰ کہ ہر مکلف کے لیے الگ میزان ہوگا۔

بہر اس نے اعمال تو بے جا نہیں کئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال کے ہر گروپ کے لیے علیحدہ علیحدہ ترازو ہوں۔ مثلاً نماز کے لیے الگ اور روزے کے وزن کے لیے جدا جدا ترازو ہوں، اسی طرح جہاد کے لیے الگ اور صدقہ خیرات کے لیے الگ میزان ہو۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال تو اعراس ہوتے ہیں اور ان کا کوئی مادی وجود نہیں ہوتا، تو پھر ان کے تولنے کا کیا مطلب؟ اسی لیے معتزلہ وغیرہ وزن اعمال کو تسلیم ہی نہیں کرتے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ اعمال کے تولنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال کی کیفیت کو ظاہر کر دے گا اور کوئی عمل بھی مخفی نہیں رہے گا۔ مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بہ حق ہے اور تمام اہل حق اور اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ میزان بہ حق ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے علم عقائد کے رسالہ فقہ اکبر میں میزان کو بہ حق تسلیم کیا گیا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بھی میزان کا ذکر موجود ہے اور تمام اہل حق اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اس باریک نقطہ کو نہیں سمجھ پاتے ان کے لیے مفسرین کہرام نے یہ توجہ فرمائی ہے کہ اگر اعمال کی مادی شکل و صورت کی سمجھ نہیں آتی تو کم از کم اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ جن کاغذات پر یہ اعمال درج ہوں گے، ان کا وزن تو کیا جاسکے گا۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کا کچھ نہ کچھ تو وزن ہوگا، اور پھر اسی وزن کے مطابق ہر شخص کا فیصلہ کیا جائے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ عالم مثال میں تمام اعمال کا تشخص ہوتا ہے اور وہ اپنے اجماع کے ساتھ نظر آتے ہیں، ہر عمل کا اپنا مخصوص وجود ہوتا ہے۔ جو اس مادی جہان میں نظر نہیں آتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب عقیقتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو پھر موت کو ایک جانور کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور پھر جنتیوں اور دوزخیوں سے پوچھا جائے گا کہ یہ کیا ہے؟

وہ جواب دیں گے کہ یہ فلاں جانور ہے۔ وہ دراصل موت ہو گئی۔ جسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ عالم مٹاں میں تمام اعمال یا اعتراض کا وجود ہوتا ہے جو ترازو میں تو لا جائے گا۔ آجکل اس مسئلہ کو سمجھنا تو زیادہ آسان ہے۔ مثلاً گرمی اور سردی کا کوئی وجود نظر نہیں آتا ہے مگر مہتر ماسٹر کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں چیزیں کتنے درجے کی حرارت یا برودت ہے۔ اسی طرح سیر میٹر کے ذریعے ہوا کا دباؤ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ تو اسی طرح اگر اعمال کا وزن بھی ہو سکے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔ اس میں شک کرنا گھڑی کی بات ہے۔ ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ اعمال کا وزن پھیلاؤ پر سے گزرنا وغیرہ برحق ہے اور ہر ایک کو اس مرحلہ سے گزرنا پڑے گا۔

حضرت داؤد  
کی درخواست

علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے نبی، خلیفۃ اللہ اور صاحب کتاب رسول تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے **يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ** (ص ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ (نائب) مقرر کیا ہے۔ آپ کے متعلق یہ بھی آتا ہے **كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ** یعنی آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت کرنے والے انسان تھے۔ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ **وَكَانَ اِذَا لَقِيَ عَدُوًّا لَا يَفِرُّ** جب دشمن سے ملے پھیر ہو جاتی تو کبھی پشت نہیں پھیرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی قوت عطا فرمائی تھی۔ غرضیکہ آپ بہت سی صفات کے ساتھ متصف تھے تو صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا، مولا کریم! میں وہ ترازو دیکھنا چاہتا ہوں جس پر قیامت کے دن لوگوں کے اعمال تو لے جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جوہی وہ ترازو

آپ کو دکھایا آپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا، پور دگاہ یہ ترازو تو بہت بڑا ہے۔ ہماری اتنی نیکیاں کہاں ہوں گی جو اتنے بڑے ترازو کو پر کر سکیں؟ اللہ نے فرمایا، اے داؤد! اصل بات تو میری رضا ہے۔ اگر یہ کسی کے شامل حال ہو گئی تو مجھ پر کما ایک دانہ بھی اس ترازو کو بھرنے کا۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ دوسرے مقام پر یہ بھی آتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف کفر، شرک اور معصیت ہی ہے، اس کے پاس کوئی نیچی نہیں ہے تو اس کے اعمال کو تولنے کی ضرورت نہیں ہوگی **فَيُوقَّضُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ (الرحمن - ۳۱)** ایسے لوگوں کو سر اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں ہے کہ جن کے نامہ اعمال میں ایمان اور نیکیاں نہیں ہونگی۔ بلکہ کفر ہوگا۔ اُن کے اعمال نامے نہیں تولے جائیں گے **فَلَا نُقِيسُ لَهُمْ كَيْسَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزَنَّا (الکہف - ۱۰۵)** ہم ان کے لیے میزان قائم نہیں کریں گے۔ اسی طرح اگر کسی کی برائی نہیں ہے۔ صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہیں تو اُن کو بھی تولنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی اُن کو اعراف میں رکھا جائے گا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔ اور جن کی نیکیاں کم اور برائیاں وزن میں بڑھ جائیں گی وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ یہ ساری کیفیت صحیح احادیث میں موجود ہے۔

جزائے عمل

آگے ارشاد ہوتا ہے **وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا** اگر کسی کا رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے۔ رائی کا دانہ بطور محارہ استعمال ہوتا ہے مطلب یہ کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اگر ہوگا۔ تو وہ میزان میں رکھ دیا جائے گا۔



سورة الزلزال میں ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ  
 اچھا یا بُرا عمل کرے گا؟ قیامت والے دن اس کو اپنے سامنے پائے گا۔  
 ذرہ دراصل چھوٹی سی سرخ چوڑی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ چھوٹے  
 سے چھوٹا عمل بھی پیش کر دیا جائے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔  
 فرمایا وَكَفَىٰ بِنَا حَسِيبًا اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔ یعنی ہمارے  
 محاسب سے نہ کوئی چھوٹا عمل بچ سکتا ہے اور نہ بڑا۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز  
 مخفی نہیں۔ وہ قیامت والے دن پورا پورا حساب لے گا۔ جن چیزوں کو  
 آج لوگ اپنی ناقص عقل کی وجہ سے بعید سمجھتے ہیں، وہ سب سمجھیں آجائیں  
 گے۔ مگر اُس وقت کا کچھ پتا نہ کسی کام نہیں آئے گا۔

فرقان اور  
ضیاء

اب آگے تسلی کا مضمون ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ  
 الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو  
 فیصلہ کن چیز اور روشنی عطا فرمائی۔ فیصلہ کن چیز سے مراد اللہ کی کتاب تورات  
 ہے جو حق اور باطل، نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کرتی ہے اور ضیاء سے  
 مراد ایسی چیزیں ہیں جن سے روشنی پیدا ہوتی ہے یعنی معجزات بعض اس کا  
 الٹ معنی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرقان سے مراد معجزات ہیں جب کہ ضیاء  
 سے مراد کتاب الہی ہے۔ چنانچہ قرآن کے بارے میں فرمایا ہے قَدْ جَاءَكُمْ  
 مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (المائدہ - ۱۵) تمہارے پاس قرآن پاک  
 کی صورت میں واضح کتاب آئی ہے جو تمہارے لیے روشنی کا سامان پیدا  
 کرتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں فرمایا کہ یہ قرآن شک و شبہ سے پاک  
 کتاب ہے جو کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنی متقیوں کے لیے بمنزلہ ہدایت  
 ہے۔ تورات کے متعلق بھی فرمایا اِنَّا اَنْزَلْنَاكَ التَّوْرَةَ فِيهَا  
 هُدًى وَنُورٌ (المائدہ - ۴۴) ہم نے تورات کو نازل فرمایا جس میں  
 ہدایت اور نور ہے۔ پھر فرمایا وَالتَّيْنَةُ الْاُنْجِيلُ فِيْهِ هُدًى

وَتُورِثُ (المائدہ - ۴۶) ہم نے علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی جس میں  
 ہدایت اور روشنی ہے۔ اللہ نے قرآن کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے وَیُخْرِجُہُمْ  
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَیَهْدِیْہُمْ  
 إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ (المائدہ - ۱۶) یہ لوگوں کو کفر و شرک  
 کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور نیکی کی روشنی میں لانا ہے۔ اور انہیں  
 صراطِ مستقیم کی طرف راستہ دکھاتا ہے۔ کفر، شرک، نفاق، مہصیت، رسوایاں  
 باطلہ سب اندھیروں میں ہیں۔ قرآن پاک انسانوں کے دلوں میں روشنی پیدا کرتا ہے  
 فرمایا هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّکُمْ (الاعراف - ۲۰۳) یہ تمہارے پروردگار  
 کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور بصیرت کی بات وہ ہوتی ہے جو انسان  
 کے دل کو روشن کرے اور وہ صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکے۔ تو فرمایا ہم نے  
 کتاب بھی دی ہے اور ساتھ معجزات بھی جو یقیناً روشنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔  
 وَذِکْرُ اللّٰصِقِیْنِ اور یہ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے کتاب نصیحت  
 بھی ہے۔ اس کتاب سے نصیحت پکڑ کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔  
 آگے اللہ نے متقیوں کی تعریف بھی فرمائی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں۔  
 فرمایا الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغِیْبِ حَوالہ اللہ تعالیٰ سے  
 بن دیکھے ڈرتے ہیں۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغِیْبِ (البقرہ - ۳) کا یہی مطلب  
 ہے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھا تو نہیں، نہ جنت اور دوزخ کو دیکھا، نہ عالم برزخ کو  
 دیکھا ہے مگر کتاب الہی کے بتانے پر اس پر ایمان لائے ہیں اور خدا تعالیٰ  
 کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا ایک تو وہ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے  
 ڈرتے ہیں اور متقیوں کی دوسری صفت یہ ہے وَہُمْ عَنِ السَّاعَةِ  
 مُشْفِقُونَ اور وہ قیامت سے خوف کھاتے ہیں۔ محاسبہ اعمال کا  
 مسئلہ ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتا ہے کہ معلوم نہیں وہاں کیا صورت پیش آئے  
 لہذا وہ محاسبہ اعمال سے بھی ڈرتے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ جس شخص کے

دل میں خوف ہوگا، وہ اُس چیز کی فکر بھی کرے گا۔ اور جو کوئی بے خوف ہو گیا ہے وہ آخرت کی تیاری بھی نہیں کرے گا۔

بابرکت  
نصیحت

فرمایا جس طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فیصلہ کن اور روشنی والی کتاب عطا فرمائی، اسی طرح وہاں ذکر ممبرک اَنْزَلْنَاهُ یہ قرآن پاک بھی ایک بابرکت نصیحت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ اس میں ہر قسم کی برکات رکھی ہیں۔ یہ خَیْر الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ ہے۔ اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی پنہاں ہے۔ اللہ نے اس میں روحانی، جسمانی اور ہر قسم کی مادی برکات رکھی ہیں۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ اُسے تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ سورۃ ہذا کی ابتداء میں بھی اللہ نے فرمایا ہے مَا یَا نَبِیُّہُمْ مِّنْ ذِکْرِ مِّمَّنْ رَّکِبَہُمْ تَحَدَّثُ إِلَّا اسْتَمَعُوْہُ (ایت ۲) کتنی نا انصافی کی بات ہے کہ لوگ سرنئی نصیحت کا انکار کر دیتے ہیں فرمایا اس عظیم نصیحت نامے کو رد نہ کرو بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو اور اس کے مطابق اپنی فکر کو ڈھالو۔ اَفَاَنْتُمْ لَکُمْ مِّنْکُمْ وُدٌّ کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔ یہ تو بہت بُری بات ہے جس کا نتیجہ نہایت خراب نکلے گا، لہذا اس کو سینے سے لگا لو۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ  
 عَالِمِينَ ⑤ اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ  
 التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ⑥ قَالُوا وَجَدْنَا  
 آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ ⑦ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ  
 وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ⑧ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ  
 أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ⑨ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ  
 مِنَ الشَّاهِدِينَ ⑩ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ  
 بَعْدَ أَنْ تُولَّوْا مُدْبِرِينَ ⑪

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق دی ہم نے ابراہیم کو اُن کی  
 سمجھ اس سے پہلے ۔ اور تھے ہم اُن کے حالات کو  
 جاننے والے ⑤ جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ اور  
 قوم سے ، کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے لیے تم جھکے  
 ہوئے ہو ⑥ انہوں نے کہا ، پایا ہم نے اپنے آباؤ اجداد  
 کو ان کی عبادت کرنے والے ⑦ کہا (ابراہیم نے )  
 البتہ تم اور تمہارے آباؤ اجداد کھلی گمراہی میں ہو ⑧ وہ  
 کہنے لگے ، کیا تو لایا ہے ہمارے پاس ٹھیک بات



یا تو کھیل کرنے والا ہے (۵۵) کہا (ابراہیمؑ نے) بکہ تمہارا  
پڑردگار وہی پڑردگار ہے جو آسمانوں اور زمین کا پڑردگار ہے  
اور جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور میں اس بات میں  
تمہارے سامنے گواہی دینے والوں میں سے ہوں (۵۶) اور  
اللہ کی قسم میں ضرور تدبیر کروں گا تمہارے ان بتوں کے  
لیے بعد اس کے کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے (۵۷)

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کا ذکر کیا اور خاص طور پر  
رسالت کا بیان ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کے تذکرے کے سلسلے میں حضرت موسیٰ اور ہارون  
علیہما السلام کا ذکر گزشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ اور اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ  
السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد نوح علیہ السلام اور بعض دیگر انبیاءؑ کے نام کا بیان ہو  
گا۔ انبیاء کے اس تذکرے میں ترتیب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ تاہم ان کی دعوت  
طریقہ تبلیغ، اللہ کے حضور ان کی مناجات اور ان کے ساتھ نافرمانوں کے سلوک  
کو بیان کیا گیا ہے تاکہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے لیے تسلی کا ذریعہ بن سکے۔

ابراہیم علیہ السلام  
کی سمجھداری

اب ابتداء ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے ہوئی ہے۔ یہاں پہلے اللہ نے ان  
کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور پھر ان کا بتوں کے ساتھ سلوک اور مشرکین کے ساتھ  
مکالمے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ  
اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی اس سے پہلے، رشد کا معنی ہدایت  
نیکی اور سمجھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کمال درجے کی سمجھ اور فہم  
عطا فرمایا تھا۔ مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن اور اس  
کے لانے والے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو  
سمجھ عطا فرمائی۔ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات بھی مراد  
ہو سکتی ہے کہ تورات کے نزول سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خاص سمجھ عطا فرمائی

تاہم امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین کلام طرہ کرتے ہیں کہ قرآن  
 قبل سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی میں  
 یہ قضیت عطا فرمائی۔ آپ بچپن سے ہی شرک اور بت پرستی سے بیزار تھے  
 سورۃ الانعام میں موجود ہے وَكَذَلِكَ نُرِي اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتِ  
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت - ۷۶) اور اس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام  
 کو آسمان اور زمین کی عظیم بادشاہی دکھائی وَلِيْكَوْنُ مِنَ الْمُؤَقِنِيْنَ  
 تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں ہو جائیں۔ اسی مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسے دلائل توحید سمجھائے جن کے سامنے مشرک  
 لوگ لاجواب ہو گئے آپ میں کمال درجے کی علمی اور عملی استعداد تھی جو آپ  
 کو بچپن میں ہی اللہ نے عطا کر دی تھی۔ فرمایا وَكُنَّا بِهٖ عَلِيْمِيْنَ  
 اور ہم اس استعداد اور صلاحیت کو بخوبی جانتے تھے۔ اللہ جو خالق ہے،  
 وہ آپ کے حالات کو سب سے زیادہ جانتے والا تھا۔ آپ کو رشد و ہدایت  
 نبوت کے بعد نہیں بلکہ پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی، لہذا آپ نے بچپن میں  
 بھی کبھی غیر معیاری بات نہیں کی تھی۔ تمام انبیاء میں بالعموم یہ بات ہوتی ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ ابتداء ہی سے اُن کے لیے کمال درجے کی تربیت کا سامان مہیا  
 کر دیتا ہے۔

بتوں پر  
اعتراف

اب ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے دعوت توحید کا آغاز ہوتا ہے آپ  
 اپنے باپ اور ساری قوم کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھ رہے تھے اور دل ہی  
 دل میں کٹھڑے تھے کہ آخر یہ بت ان لوگوں کو کونسا فائدہ پہنچاتے ہیں جو  
 یہ ان کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ ان کے سامنے رکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔  
 ان پر پھول چڑھاتے اور ان کو نذرانے پیش کرتے ہیں۔ آخر ایک روز  
 آپ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اِذْ قَالَ لِاٰتِيْهِ وَقَوْمِهٖ جَبَّ اُذُنُ  
 اپنے باپ اور قوم سے یوں کہا۔ اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا

نام نہیں لیا گیا، البتہ سورۃ النعام میں آذر نام موجود ہے۔ بائبل میں اُن کا نام تاریخ ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل تاریخ اُن کا ذاتی نام تھا اور آذر لقب تھا کیونکہ وہ مندر کے سردار اور کاہن تھے۔ گویا یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں۔

اُس وقت پوری قوم بہت پرستی میں مبتلا تھی۔ بتوں کے نام پر مندر بنائے  
 ہوئے تھے۔ ان کے بت رکھے ہوئے تھے اور ان کی پوجا کی باتی تھی  
 بتوں کی ضریر و فرزندت نام مہنی لوگوں نے اپنے گھروں میں بھی بت رکھے  
 ہوئے تھے جن کو اپنی باتیں پیش کرتے تھے اور ان پر چڑھائے چڑھاتے  
 تھے۔ ابراہیم علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ایک  
 دن نہ رملے کو اپنے باپ اور باقی قوم کے لوگوں سے فرمایا مَکَاہِذِہ  
 التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْ اَنْتُمْ مَرْکُہَا عِکْفُوْنَ اِنْ مَوْرَتِیْوْنَ کِیَا  
 حیثیت ہے جن پر تم بکے پڑتے ہو۔ تم خود ہی یہ مجھے تداشیتے ہو اور پھر  
 ان کو بنا سوار کہہ ایک جگہ رکھ کر ان کی پوجا شروع کر دیتے ہو۔ بھلا جن بتوں  
 کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تداش کر بناتے ہو، وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں  
 ذرا اپنی عقل کو بروئے کار لاؤ اور سوچو کہ تم کیا کھیل کھیل رہے ہو۔ یہ بے جان  
 اور بے حس و حرکت بت تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور تمہاری کون سی  
 حاجت پوری کر سکتے ہیں ؟

قَالُوا ابراهيم عليه السلام کے سوال کے جواب میں آپ کے باپ اور  
 باقی قوم نے کہا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا لَمَّا عٰبَدُوْهُم مِّنْ قَبْلُ  
 کو ان کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہذا ہم بھی ان کی عبادت کر رہے  
 ہیں گو یا ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر ہیں، جس طرح وہ کرتے آئے ہیں  
 ہم بھی اسی بات پر کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اسی بات کا نام  
 اندھی تقلید ہے کہ کسی بات کو دیکھ کر یا سنا کر اسے سچ مان لیں۔ صرف یہ کہہ

اندرھی نظیر

دیا جائے کہ ہمارے باپ و آبا ایسے ہی کرتے آئے ہیں، حضور علیہ السلام نے زمانہ  
 کے مشرک عسیٰ (۱) و کار پر چلے گئے تھے۔ وہ بھی اپنے اباؤ اجداد کے طریقے  
 کو اپنائے ہوئے تھے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں یہ ذکر موجود ہے: **وَإِذَا  
 قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ  
 مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا** (آیت - ۱۷۰) بسبب ان سے کہ آباؤ اجداد  
 اللہ کی نازل کردہ کتاب کی اتباع کر دتو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی چیز کی اتباع کریں گے جس پر  
 ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا فرمایا **أَوْ كُنَّا كَمَا كُنُّ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ**  
 یہ اسی لکیر کے فقیر رہیں گے خواہ ان کے اباؤ اجداد عقل و ہدایت سے یکسر خالی ہو  
 ظاہر ہے کہ یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ بے عقلی کی بات ہے کہ بغیر سب  
 سمجھے اپنے اباؤ اجداد، قوم، قبیلہ، بدھوری یا ملکی رواج کو اپنالیا جائے، ہاں  
 اگر اباؤ اجداد صحیح راستے پر ہوں اور ان کا راہِ راستہ پر ہونا عقلی اور نقلی دلیل کے  
 ساتھ ثابت ہو تو پھر اس کا راستہ ضرور اختیار کرنا پڑے گا جیسا کہ حضرت  
 یوسف علیہ السلام نے کہا تھا **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ  
 وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ** (یوسف - ۳۸) میں تو اپنے اباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل  
 اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کرتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی رستہ  
 کو اپنے والے، خدا کے نبی اور نیکو کار بندے تھے۔ میں تو ان کے راستے پر  
 چلنے والا ہوں، مگر مشرک تو بے دلیل بات کرتے تھے کہ یہ شخص ہمیں  
 خواہ مخواہ الجبار ہے۔ جھلا قسی بن کلاب اور دیگر بزرگ بے وقوف  
 تھے جن کے راستے سے ہمیں ہٹا رہا ہے۔ اس قسم کی اندھی تقلید آج  
 کے دور میں بھی بڑھ چکی ہے۔ ہر اچھی بات کے مقابلے میں رسم و رواج  
 کو پیش کیا جاتا ہے۔ شادی موت کی رسومات ہوں یا ملکی اور علاقائی تقریبات  
 ہوں، قبروں پر چادر پونٹی ہو یا عرس مانا ہو، سب کی واحد دلیل ہے کہ ہمارے  
 بزرگ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ لہذا ہم سب ان کی تقلید میں کرتے ہیں، اور



اسی کا نام اندھی تقلید ہے جس کی ابراہیم علیہ السلام نے واضح الفاظ میں مذمت بیان فرمائی قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ البتہ تحقیق تم اور تمہارے ابا و اجداد گھٹی گمراہی میں ہو۔ تمہارا عقیدہ سو فیصد غلط ہے جو کہ عقل کے بھی خلاف ہے کہ تم نے ان بے جان مورتیوں کو الہ بنا رکھا ہے۔

لالہ نور

ابراہیم علیہ السلام کی دو ٹوک بات سن کر مشرکوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہوا، اور وہ کہنے لگے قَالُوْا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللَّعِبِيْنَ کیا تو یہ بالکل سچ بات کہہ رہا ہے کہ ہم اور ہمارے باپ دادا گمراہی میں مبتلا ہیں یا تو ہمارے ساتھ کھیل یعنی دل لگی کر رہا ہے؟ کہنے لگے کیا آپ اپنے دعوے میں سنجیدہ ہیں۔ یا محسن ہمارا تمسخر اڑا رہے ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا، میں آپ کے ساتھ کوئی ہنسی مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یہ مٹی اور پتھر کی بنائی ہوئی مورتیاں، جن کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے، یہ تمہارے معبود نہیں ہیں۔ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَلْ تَخٰلَفُكُمْ بَیْنَكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تو وہ ہے جو آسمان اور زمین کا پروردگار ہے۔ الذی فطرکم ویکون وورثکم وھو وھو وہی جس نے ارض و سما کو پیدا کیا ہے۔ الہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو خالق، علیم، قادر مطلق اور مرنی ہو۔ اور جن کو تم پوجتے ہو، یہ تو کسی بھی صفت کے مالک نہیں۔ پھر بھلا یہ کیسے الہ ہو سکتے ہیں۔ تمہارا پروردگار خالق ارض و سما وحدہ لا شریک ہے۔ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِنَ الشّٰہِدِيْنَ اور میں اس معاملے میں پورے طریقے پر تمہارے سامنے بطور گواہ موجود ہوں۔ لہذا میری بات مانو اور ان بتوں کی پرستش چھوڑ کر خدائے وحدہ لا شریک کے سامنے اپنا سر نیاز خم کر دو کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

بیشک  
کا عزم

قوم کو یہ وعظ و نصیحت اور دلائل توحید سمجھانے کے ساتھ ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی بے بسی اور ان کے غیر مفید ہونے کا عملی نمونہ پیش کرنے کا عزم بھی کیا۔ فَمَا وَتَلَّهِ لَا كَيْدَ لَنَا مَكْرٌ بَعْدَ أَكْ  
تُولُوكَا مُدْرِسٍ خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کا ضرور علاج کر دینگا بعد اس کے کہ تم پیچھے پھیر کر جاؤ۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب تم یہاں موجود نہ ہو گے تو میں ان بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کا ستیاناس کر دوں گا۔ پھر دیکھنا کہ یہ تمہاری مدد تو کیا خود اپنی مدد آپ بھی نہیں کر سکیں گے اور نہ اپنے آپ کا بچاؤ کر سکیں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بات شاید ابراہیم علیہ السلام نے آستچی سے کہی ہو اور کسی نے سنی ہو اور کسی نے نہ سنی ہو بہر حال آپ نے اپنے عزم کا اظہار کر دیا۔ اور پھر جیسا کہ اگلی آیات میں بیان ہو رہا ہے، آپ نے ان مورتیوں کی خوب مرمت کی جس کے نتیجے میں آپ پر سخت ابتلا آئی اور آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صبر کی تعلیم مراد ہے کہ ہر ابتلا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کو اپنے پیش نظر رکھو۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذَا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ  
يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِلَهِنَا إِنَّهُ  
لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ  
يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوا فَاتُّوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ  
النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا إِنَّكَ فَعَلْتَ  
هَذَا بِإِلَهِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ  
هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوا  
إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۶۴﴾  
ثُمَّ نَكَسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ  
يَنْطِقُونَ ﴿۶۵﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا  
يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ أَفِ لَكُمْ وَلِمَا  
تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ:- پھر کہ ڈالا (ابراہیم نے) اُن (مجسموں کو) ٹکڑے ٹکڑے

مگر ان میں سے بڑا (جس کو چھوڑ دیا) تاکہ وہ اس کی طرف

رجوع کریں ﴿۵۸﴾ وہ کہنے لگے، کہ کس نے کیا ہے یہ

(بڑا سلوک) ہمارے معبودوں کے ساتھ۔ بیشک البتہ وہ بہت

ظلم کرنے والوں میں سے ہے ﴿۵۹﴾ تو کہا (لوگوں نے)

سنا ہے ہم نے ایک جوان جو ان (معبودوں) کا ذکر کرتا ہے  
اُس کو ابراہیمؑ کہا جاتا ہے (۶۰) وہ کہنے لگے ، لاؤ اس  
کو لوگوں کے سامنے تاکہ وہ دیکھ لیں (۶۱) کہنے لگے ، کیا  
تو نے کیا ہے یہ (سلوک) ہمارے معبودوں کے ساتھ ،  
اے ابراہیمؑ (۶۲) انہوں نے کہا ، بلکہ کیا ہے یہ ان  
کے بڑے نے ۔ پس پوچھو ان سے اگر یہ بولتے ہیں (۶۳)  
پس وہ کوٹے اپنے نفسوں کی طرف ، پھر کہنے لگے ، بیشک  
تم ہی البتہ ظلم کرنے والے ہو (۶۴) پھر وہ اونڈھے کر دیے  
گئے اپنے سروں کے بل (کہنے لگے) بیشک تو جانتا  
کہ یہ گفتگو نہیں کرتے (۶۵) کہا (ابراہیمؑ نے) کیا تم عباد  
کرتے ہو اللہ کے سوا اُن کی جو تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے  
کچھ بھی اور نہ تم کو نقصان دے سکتے ہیں (۶۶) افسوس  
ہے تمہارے لیے اور تمہارے ان معبودوں کے لیے جن  
کی اللہ کے سوا تم پرستش کرتے ہو ۔ کیا تم عقل نہیں  
رکھتے ؟ (۶۷)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا تذکرہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ  
کو بچپن ہی میں بہت سمجھ عطا فرمائی تھی ، چنانچہ انہوں نے اپنے باپ اور باقی قوم کے  
لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے پڑتے ہو ، کیا ان میں کوئی صلاحیت  
ہے کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں ، یہ تو بالکل بے جان اور بے حس و حرکت بت  
ہیں ، بھلا یہ کیسے الہ ہو سکتے ہیں اور ان کی عبادت کیسے کی جاسکتی ہے ؟ غرضیکہ  
ابراہیمؑ علیہ السلام نے مشرکین کو سخت طعن و ملامت کی ۔

تمثال مجسمہ کو کہا جاتا ہے جس کی جمیع تمائیل آتی ہے ۔ ویسے معنوی طور پر تمثال



کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جس میں اشغال کی وجہ سے انسان حقیقت سے غافل ہو جائے۔ مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی جگہ سے گزر رہے تھے کہ آپ کی نظر کچھ لوگوں پر پڑی جو شہر بن کھیل رہے تھے، تو آپ نے اس واقعہ پر یہی آیت تلاوت فرمائی مَا هَـذَا التَّـمَـاـثِـلُ الَّتِیْ اَنْتُمْ لَهَا عَـكِـفُوْنَ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے جا رہے ہو۔ گویا ایسا لہو و لعب جو انسان کو یادِ الہی سے غافل کر دیتے، تمثال کی تعریف میں آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملامت کا جواب مشرکین نے یہ دیا کہ ہمارے باپ دادا ان بتوں کی اس طرح پوجا کرتے آئے ہیں، لہذا ہم بھی ایسے ہی کرتے ہیں اور ہم سے تم تک نہیں کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو اندھی تقلید ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد عروج گمراہی میں بھی ہوں تو تم ان کا طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ مشرک کہنے لگے، کیا تو سنجیدگی سے بات کر رہا ہے یا ہمارے ساتھ دل لگی کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا میں بالکل صحیح بات کر رہا ہوں کہ پورا دگوار تو وہی ہے جو ارض و سما اور تمام چیزوں کا رب ہے اور میں اس بات پر پختہ گواہی دیتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو بت تم کہیں چلے جاؤ گے تو میں ان بتوں کی خوب مرمت کروں گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، اور ابراہیم علیہ السلام نے موقع پاتے ہی بتوں کو پاش پاش کر دیا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تصویر شیخ کے نظریہ کو اسی آیت کے ساتھ رد کیا ہے کیونکہ بعض لوگ اس معاملہ میں غلو کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے شرک میں ملوث ہوتے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ گویا شاہ صاحب نے تصویر شیخ کو بھی تمثال میں شمار کیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ تصویر شیخ کا نظریہ بزرگانِ دین نے اس لیے نکالا ہے کہ جس شخص کا دل ذکرِ الہی میں پختہ نہ ہوتا ہو اور دل میں انتشار پیدا ہوتا ہو تو ایسا شخص ذکر کرتے وقت یہ تصور

تصویر شیخ

کہے کہ اس کا مرشد اُس کے سامنے بیٹھا ہے اور وہ اُسے سمجھا رہا ہے کہ اس طریقے سے ذکر کرو۔ اس طرح انسان میں دلجمعی پیدا ہو کر اُسے ذکر کی طرف مہمک کر سکتی ہے۔ مگر بعض نے اس کا یہ مطلب لیا کہ اُس کا شیخ اُس کے سامنے فی الواقع موجود ہے۔ یہی غلو ہے کہ اُس نے اپنے شیخ کو حاضر ناظر سمجھ لیا، جو کہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گیا۔ شاہ اسماعیل شہید نے اسی غلو کی وجہ سے اس نظریہ کی مخالفت کی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عزم کی تکمیل یعنی بتوں کی مرمت کر نیچے لے موقع کی تلاش میں تھے حتیٰ کہ قوم کا تہوار یا میلے کا دن آگیا جسے وہ شہر سے باہر جا کر منایا کہ نہ تھے جب وہ لوگ اپنی عید منانے کیلئے تیار ہوئے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ہمراہ لینے کی دعوت دی

فَنظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ اِنْ هِيَ سَقِيْمٌ

(الصّٰفّٰت - ۸۸، ۸۹) تو آپ ستاروں کی طرف دیکھ کر کہتے گئے کہ میں تو بیمار ہوں اور اس طرح آپ قوم کے ساتھ نہ گئے، پھر جب وہ سب لوگ چلے گئے اور بت خانے کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی باقی نہ رہا تو آپ اس کے اندر چلے گئے فَجَعَلَهُمْ حُذًا اِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ

اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے اُن کے بڑے بت کے۔ اور پھر یہ کیا کہ جس کھارٹے کے ساتھ بتوں کو توڑا تھا وہ کھارٹا بڑے بت کے گلے میں لٹکا دیا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ تاکہ جب وہ لوگ واپس آئیں تو اسی کی طرف رجوع کریں۔ اس مرجع کے متعلق مفسرین کہ ایم کی دوراہیں ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ مشرک لوگ بتوں کی یہ گت دیکھ کر بڑے بت کی طرح رجوع کریں گے جو کہ صحیح سلامت ہے تاکہ اُس سے پوچھیں کہ ان باقیوں کو کیا ہوا۔ ویسے بھی چونکہ وہ لوگ ان بتوں کے پجاری تھے لہذا انہیں اپنے معبود کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے تھا۔ البتہ بعض دوسرے مفسرین فرماتے

بتوں کی  
مرمت

ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بتوں کی یہ حالت دیکھ کر شاید مشرک لوگ اُن سے بیزار ہو جائیں اور اللہ وحدہ لا شریک کی طرف رجوع کریں کہ حقیقی عبود وہی ہے۔ بہر حال پہلا معنی زیادہ متبادر ہے۔

ظاہر ہے کہ بتوں کو پاش پاش کر دینا ابراہیم علیہ السلام کا انتہائی اقدام تھا۔ آپ کفر و شرک سے سخت متنفر تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی میں سمجھ عطا فرمائی تھی اور بڑا حوصلہ اور جرأت عطا کی تھی اس وقت بادشاہ بڑا ظالم اور جاہل تھا، اُس کی ساری رعایا بمع ابراہیم علیہ السلام کے والد اور دیگر عزیز و اقارب آپ کے مخالف تھے۔ ان حالات میں بت خانے میں داخل ہو کر بتوں کو توڑ دینا ایک انتہائی اقدام تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو پورا اندازہ تھا کہ اُن کی قوم اُن کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اس لیے انہوں نے جان پر کھیل کر یہ کام انجام دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کا انتہائی اقدام

فتح مکہ پر بت شکنی

حضور علیہ السلام نے بھی اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع میں یہی کام کیا۔ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ فاتحانہ انداز میں مکے میں داخل ہوئے تو اس وقت خانہ کعبہ کے اندر اور باہر دیواروں کے ساتھ سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے۔ مکے کے سارے مشرک مغلوب ہو چکے تھے اور کسی میں مزاحمت کی ہمت نہ تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ جو بھی مشرک راستہ روکنے کی کوشش کرے اس کو راستہ سے زبردستی ہٹا دیا جائے، اور جو گردن اٹھا کر آئے اُس کی گردن اڑا دی جائے۔ جب آپ کو مکے پر مکمل تسلط ہو گیا تو آپ نے تمام مقامات پر عبودیت توڑنے اور وہاں پر مسجدیں بنانے کا حکم دیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت جریرؓ اور آپ کے ساتھیوں کو مین میں ذی الخلصہ کی مہم پر روانہ فرمایا۔ وہاں پر مشرکوں نے بیت اللہ شریف کے مقابلے میں ایک جعلی خانہ کعبہ بنا رکھا تھا جس کا طواف ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں سنتا ہوں کہ مشرکوں نے بھی علیحدہ خانہ کعبہ بنا رکھا ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے

شُرک کے اس، شعار کو مٹا کر مجھے راحت پہنچاؤ۔ چنانچہ حضرت جریرؓ کے ساتھ  
 ڈیڑھ سو سواروں کا دستہ گیا جس نے اُس نام نہاد خانہ کو کوئلہ بنا دیا اور حضرت علیؓ  
 و سلم کی خدمت میں یہ خوشخبری بھجوا دی۔ آپ نے اس شرک کے حق میں پانچ مرتبہ  
 دعا فرمائی۔

شعار شرک  
 کا تلف کرنا  
 ضیاع مالی  
 نہیں

اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حتی الامکان شعار شرک و کفر  
 کو مٹانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر شرک کا ارتکاب حکومتی سطح تک ہو رہا ہے  
 تو پھر اس کے تدارک کے لیے اقتدار کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر  
 اقتدار کے از خود شرک کے نشانات کو مٹانے کی کوشش کرے گا تو اُسے  
 ابراہیم علیہ السلام کی طرح جان پر کھیلنا ہوگا۔ پچھلی سورۃ میں حضرت موسیٰ اور  
 ہارون علیہما السلام کے تذکرے میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ سامری کے بنائے ہوئے  
 سونے کے بچھڑے کو موسیٰ علیہ السلام نے بالکل تلف کر دیا تھا۔ یہ ایک  
 قیمتی دھات تھی جسے دوسرے مصرف میں بھی لایا جاسکتا تھا، مگر آپ نے  
 اس کا بارودہ بنا کر اُس کو جلا ڈالا اور پھر اس کی رکھ کو پانی میں بہا دیا یا خشکی  
 پر بکھیر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ شرک کے اس نشان کو کلیتہً مٹا دیا جائے۔ اس کو  
 قیمتی مال کا ضیاع بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے  
 کیا گیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی مٹی، پتھر، لکڑی اور قیمتی دھات سے بنے  
 ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا تھا حالانکہ اُن سے برتن یا آلات بھی  
 بنائے جاسکتے تھے۔ آج کل اس قسم کی چیزیں عجائب گھروں میں سجائی  
 جاتی ہیں اور یہ بھی غلط ہے اس سے کوئی نصیحت یا عبرت تو حاصل نہیں  
 ہوتی، شرک کے شعار کو محض یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا جائے  
 خود شرک کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ یہ تعزیر اور تنگیں بھی  
 شرک و بدعت کے نشانات ہیں۔ جبھی موقع ملے انہیں ضائع کر دینا چاہیے  
 ہاں اگر انسان میں ہمت نہیں ہے تو پھر ایسا کرنا فتنے سے خالی نہیں ہو



گا۔ محمود غزنوی نے سونمات کا مندر فتح کیا تو اس کا قیمتی گیسٹ اکھاڑ کر  
کابل لے گیا، حالانکہ کفر و شرک کے اس شعار کو تلف کر دینا چاہیے تھا۔  
اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہزار برس کے بعد ہندوؤں نے کابل والوں سے  
سوالا کھ پڑے کے عوض یہ دروازہ واپس لے لیا اور پھر مندر میں لگا دیا۔  
حضرت عمر غزالی نے کسریٰ کے محل کا بہت قیمتی قالین حاصل کیا اور اُس کو  
یاوگار کے طور پر بنگال کو رکھنے کی بجائے اس کو کاٹ کر مصلے بنائے  
اور مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔

مشرکین کا  
بد عمل

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ پھر جب لوگ  
تہوار منانے کے بعد واپس آئے تو بتوں کو اس حالت میں دیکھ کر قالوا  
مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَتِّكَانَ لِمَنِ الظُّلُمَاتُ كُنْهَ  
ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ بدسلوکی کس نے کی ہے، بیشک ایسا شخص  
بے انصافوں میں سے ہے۔ قالوا اَنْ میں سے بعض نے کہا سَمِعْنَا  
فَقِيْ يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرَاهِيْمُ ہم نے ایک نوجوان  
کو ان بتوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اُسی  
نے کہا تھا کہ میں ان بتوں کی مرمت کروں گا، اُسی نے یہ کام کیا ہوگا قالوا  
فَاتُّوا بِهٖ عَلٰی اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ  
چنانچہ انہوں نے کہا کہ اُس نوجوان کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ خود  
ایسے شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اُس نے ہمارے معبودوں کی  
توہین کی ہے، لہذا اُسے سزا ملنی چاہیے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا  
گیا تو قالوا اَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَتِّكَانَ يٰ اِبْرَاهِيْمُ  
وہ کہنے لگے۔ اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ سلوک  
کیا ہے؟ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُ هُمْ هَذَا اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
جواب میں فرمایا، بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے فَسَلُّوْهُمْ



صحیح حدیث کا محض اس بناء پر انکار کر دیا ہے کہ اس سے ابراہیم علیہ السلام پر کذب بیانی صادق آتی ہے جو اللہ کے جلیل القدر نبی کی شان کے شایان نہیں حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ان کی ظاہری شکل و صورت کذب کی نظر آتی ہے مگر یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اس کو تو یہ یعنی ذومعنی کلام کہا جاتا ہے۔ ایسے کلام سے کلام کہنے والے کی مراد کچھ اور ہوتی ہے اور سمجھنے والا کوئی دوسرا مطلب اخذ کرتا ہے یہ تینوں باتیں اس زمرہ میں آتی ہیں۔ جہاں تک بَلْ فَعَلَهُ كَيْدُكُمْ هَذَا کا تعلق ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا اس سے یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ کام ضرور اس بڑے بت نے ہی کیا ہے بلکہ یہ بات آپ نے استفہامیہ انداز میں کی کہ ذرا ان سے پوچھو تو سہی کہ کیا یہ کام اس بڑے نے کیا ہے؟ دوسری بات اپنی بیماری کے متعلق تھی، کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے آپ کی مراد جسمانی بیماری نہیں تھی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمھارے شرک کو دیکھو کہ مجھے روحانی تکلیف ہو رہی ہے سقیم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ میں پہلے کسی وقت بیمار تھا یا آئندہ بیمار ہو سکتا ہوں۔ تیسری بات بیوی کو بہن کہنے والی ہے، تو اس وقت اللہ کی زمین پر یہ دونوں میاں بیوی ہی تھے جو دین حق پر تھے اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات - ۱۰) کے مطابق یہ دونوں رشتہ ازواج میں منسلک ہونے کے علاوہ دینی بہن بھائی بھی تھے، لہذا آپ نے اس طرح کا ذومعنی کلام کہہ دیا اور بادشاہ کے شر سے بچ گئے۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کو یہ لا جواب دلیل پیش کی کہ اس واقعہ کے متعلق خود ان بتوں کے پوچھ لو اگرچہ یہ بولتے ہیں، تو وہ سخت پریشان ہوئے فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ پس وہ لوٹے اپنے نفسوں کی طرف فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ اور ایک دوسرے

مشرکین کا  
اظہارِ تنہف



کو کہنے لگے کہ واقعی تم خود ہی بڑے بے انصاف ہو اس بے انصافی کا  
 مرجع یہ ہے کہ تم ایسی چیزوں کو معبود بناتے ہو جو بالکل بے اختیار ہیں۔  
 ابراہیم علیہ السلام بالکل درست فرماتے ہیں حقیقت میں اس معاملہ میں یاد دہانی  
 کرنے والے تم ہی ہو۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کہتے ہو انصاف  
 ہو کہ ان بتوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر سب کے سب چلے گئے اور ان کی  
 حفاظت کا کوئی انتظام ہی نہ کیا، تاہم پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ انہوں نے  
 پہلے تو اپنے آپ کو ملائمت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے  
تَمَنَّا نَكْسُوَ عَلٰی رُءُوسِهِمْ پھر وہ اپنے سروں کے  
 بل اوندھے کر دیے گئے۔ کہنے لگے، اے ابراہیم! تیری بات تو ٹھیک  
 ہے کہ ہم انہی سے پوچھ لیں کہ ان پر کیا واردات گزری ہے مگر لَقَدْ  
عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو  
 کہ یہ بت بولنے سے قاصر ہیں، پھر بھلا ہم ان سے کیا دریافت کریں؟  
 اب ابراہیم علیہ السلام کو اظہار حقیقت کا موقع مل گیا۔ آپ درس توحید  
 دینے اور شرک کے رد کے لیے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ فَقَالَ  
اَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا  
يَضُرُّكُمْ۔ فرمایا کیا تم اللہ کے سوا ان کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں  
 کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تم ان بتوں کی کیوں تعظیم کرتے ہو۔  
 ان کے سامنے سجدے اور رکوع کرتے ہو اور ان کے سامنے نذرانے  
 کیوں پیش کرتے ہو۔ جب کہ یہ بولنے سے بھی عاجز ہیں۔ فرمایا اَفِیْ  
لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَفْسَوسٌ ہے  
 تم پر بھی اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اَفَلَا  
تَعْقِلُونَ کیا تم میں عقل کا کوئی مادہ نہیں ہے؟ بھلا سوچو تو سہی کہ  
 تم کن چیزوں کی پرستش کرتے ہو جن میں کوئی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں

ابراہیم علیہ السلام  
 اظہار حقیقت



ہے۔ یہ نہ تو نفع نقصان کے مالک ہیں، نہ عیسم کل اور قادر مطلق ہیں حتیٰ کہ  
 بولنے سے بھی قاصر ہیں تو قوم نے انہیں معبود کیسے کھڑا کیا ہے؟ غرضیکہ  
 ابراہیم علیہ السلام نے بتوں اور خود ان کے بچاریوں کو خوب مطعون کیا۔ اس  
 کے بعد اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر قوم کے آپ کے ساتھ سلوک کا ذکر کیا  
 ہے۔ دوسری سورتوں میں اس واقعہ کی مزید تفصیلات بھی موجود ہیں۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٦٨﴾  
 قُلْنَا يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾  
 وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ  
 وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾  
 وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا  
 صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ أَيْمَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا  
 إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ  
 الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ﴿٧٣﴾ وَلُوطًا اتَّبَيْنَاهُ  
 حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ  
 تَعْمَلُ الْخَبِيثَاتِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَسِيقِينَ ﴿٧٤﴾  
 وَادْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾  
 وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ  
 وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ  
 الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ  
 فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾

کرو اپنے معبودوں کی اگر تم کچھ کرنے والے ہو (۶۸) ہم نے  
 کہا، اے، آگ ! ہو جا تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ابراہیمؑ پر (۶۹)  
 اور ارادہ کیا انہوں نے اُن کے ساتھ بری تدبیر کا، پس  
 کہ دیا ہم نے اُن کو نقصان اٹھانے والے (۷۰) اور ہم نے  
 نجات دی اس (ابراہیمؑ) کو اور لوطؑ کو اُس سرزمین کی طرف  
 جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں جہان والوں کے لیے (۷۱)  
 اور بخشا ہم نے اس کیلئے اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا)  
 زائد۔ اور سب کو بنایا ہم نے نیک (۷۲) اور بنایا ہم نے  
 اُن کو پیشوا جو ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم کے مطابق  
 اور ہم نے وحی کی اُن کی طرف نیکیاں کرنے، نماز قائم  
 کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنیکی۔ اور تھے یہ سب ہماری ہی  
 عبادت کرنے والے (۷۳) اور لوطؑ کو بھی ہم نے حکمت اور  
 علم دیا۔ اور ہم نے نجات دی اُس کو اُس بستی سے کہ  
 جس کے باشندے خبیث کام کرتے تھے۔ بیشک تھی وہ  
 قوم بری فاسقوں کی (۷۴) اور داخل کیا ہم نے اُس کو اپنی  
 (خاص) رحمت میں، بیشک وہ نیکیوں میں تھا (۷۵) اور نوحؑ  
 کو جب کہ پکارا اس نے اس سے پہلے۔ پس ہم نے قبول  
 کیا اُس کی دعا کو۔ پس ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس  
 کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے (۷۶) اور ہم نے مدد کی  
 اُس کی قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا  
 تھا۔ بیشک وہ لوگ بُرے تھے، پس ہم نے غرق کر  
 دیا اُن سب کو (۷۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے مندر میں داخل ہو کر ان کے بتوں کو تہس نہس کر دیا۔ سوائے ایک بڑے بت کے کہ اُسے صحیح سلامت چھوڑ دیا جب وہ لوگ اپنا اتوار منا کر واپس آئے تو اپنے بتوں کی یہ گت بنی ہوئی دیکھی بڑے ناراض ہوئے اور ملزم کی تلاش شروع کر دی۔ آخر ابراہیم علیہ السلام کو بلا لائے اور اس کا روائی کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا، مجھے کیوں پوچھتے ہو، اس بڑے بت سے دریافت کرو جو ان میں زندہ سلامت موجود ہے اور شاید یہ کاروائی اسی نے کی ہو۔ مشرک لوگ پہلے تو خود شرمسار ہوئے اور پھر ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم جلا ان بتوں سے کیا پوچھیں، یہ تو بولتے ہی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو حق بات کہنے کا موقع مل گیا، کہنے لگے تم پر صد افسوس ہے اور تمھارے ان معبودوں پر بھی کہ تم ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہو جو کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے، کچھ تو عقل کی بات کرو جب مشرک ابراہیم علیہ السلام کی بات کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے وہی حربہ اختیار کیا جو عام طور پر جہاں لوگ ایسے موقع پر اختیار کرتے ہیں یعنی دلیل سے بات کرنے کی بجائے غنڈہ گردی پر اتر آئے۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا قَالُوا حَرِّقُوهُ کہنے لگے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا ڈالو وَادْخُرُوا إِلَٰهَتَكُمْ ان گت تم فعلین اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر کچھ کہنا چاہتے ہو۔ چونکہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ آدمی تک پوری کی پوری قوم مشرک تھی، اس لیے انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو ختم کر دیا جائے تاکہ آئندہ اسے ہمارے معبودوں کی توہین کرنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو ختم کرنے کے لیے زندہ جلا ڈالنے کی سخت ترین سزا تجویز کی زنا جیسے قبیح جرم کی سزا سنگساری ہے جو سابقہ اقوام میں بھی رائج تھی اور ہماری شریعت میں بھی برقرار ہے، مگر اس سے بھی سخت سزا

ابراہیم علیہ السلام کی سوختگی کا منصوبہ



جلاد ڈالنے کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ سزا دینے کا اختیار کسی کو نہیں دیا۔  
حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی کو آگ میں ڈالنے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ  
یہ سخت ترین سزا اللہ تعالیٰ جو دشمنوں کو دے گا۔ بہر حال مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام  
کو سوختگی کی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ اس حکم پر عمل درآمد کے لیے ایک ماہ کا وقفہ دیا گیا اور اس  
دوران میں آگ جلانے کے لیے وسیع پیمانے پر ایندھن جمع کرنے کی مہم شروع  
ہوئی، سب لوگوں نے اس کام میں اپنا اپنا حصہ ڈالا، حتیٰ کہ جو عورت بیمار  
ہو جاتی یا اس کا بچہ بیمار ہو جاتا تو وہ منیت مانتی کہ شفا یابی پر ابراہیم علیہ السلام  
کی آگ کے لیے اتنا ایندھن جمع کروں گی۔ جب ایندھن جمع ہو گیا تو مسقرہ  
تازہ پہ آگ جلادی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اب  
ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کا مسئلہ تھا۔ تو آپ کے کپڑے اتار کر  
بالکل بہہ نہ کر دیا گیا اور آپ کو پھینکنے کے لیے منجلیق استعمال کرنے کا فیصلہ  
ہوا۔ یہ ایک توپ کی قسم کا آلہ ہوا کہ تاقتا جس پر پتھر باندھ کر اس کی چرخی  
کو گھمانے سے تو وہ پتھر یا بارود وغیرہ دشمن کے صفوں میں دوڑتا مار  
کر دیتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بہہ نہ حالت میں رسیوں کے ساتھ منجلیق پر  
باندھ دیا گیا اور اس کی چرخی گھما کر آگ کے وسط میں پھینک دیا گیا۔ بخاری اور  
ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حشر کے میدان میں سب لوگ بہہ نہ ہوں  
گے تو اللہ تعالیٰ رب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنائیں گے، آپ کو یہ  
اعزاز مشرکین کی طرف سے بہہ نہ کو بے آگ میں پھینکنے کے عوض میں ملیگا۔  
جب مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ  
کی طرف سے حکم ہوا قُلْنَا يَا ابْنُ كُوَيْسٍ بُرْدًا وَسَلَامًا عَلَیْكَ  
اِبْرٰهیمؑ ہم نے کہا اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی  
بن جا۔ خبردار آپ کو جلانا نہیں نصیری روایات کے مطابق ابراہیم علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام  
کی سلامتی  
کا حکم

یقیناً دن چالیس دن یا پچاس دن اُس آگ میں پڑے ہے۔ بشرطیکہ کو یقین ہو گیا کہ آپ جسم سوچے ہوئے ہوں گے۔ حکمرانوں سے اللہ کا حکم بھی ہو چکا تھا، لہذا آگ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور ابراہیم علیہ السلام کے جسم کا ایک بال بھی ضائع نہ ہوا۔ صرف وہ رسیاں جل گئیں جن سے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے اور اس طرح آپ اُن رسیوں سے بھی آزاد ہو گئے اور اللہ نے آپ کو زندہ سلامت رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے روک دیا تھا۔ اور جلا ڈالنے والی آگ بطور معجزہ آپ پر ٹھنڈی اور سامتی والی بن گئی۔

علت اور  
معلول کا  
رشتہ

مولانا محمد الباریؒ نے سائنس کے متعلق کتاب لکھی ہے جس میں بہت سے سائنس دانوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر سبب جب مسبب سے ملتا ہے تو یہ حکم کا منتظر ہوتا ہے کہ اس سبب کا اثر ظاہر کروں یا نہ کروں۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جب چاہتا ہے کسی سبب کے اثر کو ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس اثر کو روک لیتا ہے، اور عیسائے عرض کیا ہے اس اصول کو جدید سائنسدانوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ گویا سبب اور مسبب، علت اور معلول یا CAUSE اور EFFECT کے درمیان یہ رابطہ عقلی طور پر لازمی نہیں بلکہ جدا بھی ہو سکتا ہے۔

پہلے پانچ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو مذکورہ بالا اصول کے تحت سبب یعنی آگ نے اپنے اثر کو روک لیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام جلنے سے بچ گئے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں وخرم نظام اللزوم غیور صریحاً یعنی نظام قدرت میں علت اور معلول کے تلامذہ کہ باطل کرتا ہے یہ امر نہیں ہے۔ عام طور پر اللہ تعالیٰ علت اور معلول کے رشتے کو قائم رکھتا ہے اور علت معلول پر اثر انداز ہو جاتی ہے، تاہم کبھی کبھی اس کے برعکس

ہو جاتا ہے اور علت اپنا اثر ظاہر نہیں کرتی چونکہ یہ چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے اس لیے اس کو معجزے سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ عزت بخشی کہ آگ کے جلا ڈالنے کے اثر کو موقوف کر دیا۔ اس قسم کی مثال بعض دوسری چیزوں میں بھی ملتی ہے مثلاً پیاس کے مریض کو پانی کا پورا تالاب پلا دو اُس کی پیاس نہیں بجھتی کیونکہ اللہ نے سبب کے اثر کو زائل کر دیا ہے اور وہ عادت کے خلاف پیاس نہیں بجھاتا۔

مشرکوں  
کی ناکامی

ارشاد ہوتا ہے وَ اَرَادُوْا بِہٖ کِیْدًا مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جلا ڈالنے کا برا ارادہ کیا تھا۔ فَجَعَلْنٰہُمْ اِلٰخٰسِرٰیْنَ مگر ہم نے اُن خسارہ اٹھانے والا بنا دیا۔ وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے بچ جانا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر آپ آگ میں بھی صحیح سلامت رہے اور مشرکوں کی ساری تدبیر ناکام ہو گئی۔ اپنی اس واضح شکست اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ اپنی پرانی دشمنی پر اڑے رہے اور آئندہ کے لیے مزید منصوبہ بندی کرنے لگے۔ بائبل میں ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ تمہیں اس دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذرات کی طرح دنیا میں پھیلاؤں گا۔ چنانچہ آج دنیا کی اکثر آبادی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر ہی مشتمل ہے حالانکہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے جن کی نسل آگے چلی۔

ابراہیم علیہ السلام  
کی ہجرت اور  
اولاد

انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ہجرت بھی ایک اہم موڑ آتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشرکوں کی دشمنی کسی طرح بھی کم نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔



وَجَنَّتْهُ وَلَوْ طَارَ الْحَبُّ الْأَرْضَ ضَرْبَ الْبَرْقِ بِرَكْنَيْهَا  
 لِلْعَلَمَيْنِ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور آپؐ بھٹے لوط علیہ السلام کو نجات  
 دی اُس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکتیں رکھی  
 ہیں۔ اس سے مراد شام و فلسطین کی سرزمین ہے جس جگہ کے لیے آپؐ  
 کو ہجرت کر جانے کا حکم ہوا۔ آپؐ کا بھتیجا لوط بن حاران بن آذر بچپن ہی سے  
 آپؐ کے پاس رہتا تھا اور ایماندار تھا، تو ہجرت میں وہ بھی آپؐ کے ساتھ  
 تھا۔ آپؐ کو اللہ نے کمال درجے کا علم اور حکمت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ سفر ہجرت  
 کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ  
 وہ شرق اردن کے علاقے میں سدوم، صغودہ، دمامہ وغیرہ کی بستیوں میں  
 جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں۔

فرمایا ایک تو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کے ذریعے ظالم قوم  
 سے نجات دلائی اور دوسرا وَفَّاهُ نَاكِلًا إِسْحَاقَ اور آپؐ کو اسحق  
 جیسا عظیم بیٹا بھی عطا فرمایا۔ مفسر فراہی بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام  
 کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے آپؐ کو حضرت ہاجرہ کے بطن سے  
 حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا عطا فرمایا اور پھر اس کے سوا  
 بعد اسحاق علیہ السلام عطا کیا۔ آپؐ نے تو صرف بیٹے کے لیے ہی دعا کی تھی، مگر  
 اللہ تعالیٰ نے یہ انعام بھی کیا کہ اُن کی زندگی میں وَيَعْقُوبُ نَافِلَةً  
 حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بھی عطا کیا۔ نافلہ زائد چیز کو کہا جاتا ہے  
 اور مطلب یہی ہے کہ خواہش تو صرف بیٹے کی تھی۔ مگر اللہ نے پوتا بھی دکھلا  
 دیا۔ فرمایا وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا صَالِحِينَ ہم نے سب کو نیکو کار بنایا۔  
 صالح تو عام ایماندار کو بھی کہا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحق  
 اور یعقوب علیہما السلام کو اعلیٰ درجے کی صلاحیت اور نبوت و رسالت  
 سے سرفراز فرمایا۔ وَجَعَلْنَاهُمْ اٰيَمَةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا



اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی ہدایت کا سامان  
کرتے تھے، یعنی فریضہ نبوت و رسالت ادا کرتے تھے۔ پھر فرمایا  
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ هُمْ نُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتُوا خَبَثَاتٍ  
نیکوئوں کے کرنے کی و اقام الصلوة اور نماز کے قیام کی و ایتاء  
الزکوٰۃ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی وَكَانُوا لَنَا عِبْدًا  
اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ یہ سب کے سب شب و روزہ ہماری  
عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جب اللہ نے نبوت و رسالت عطا فرمائی  
تو وہ اس کا شکریہ بھی ادا کرتے تھے۔

لوط علیہ  
السلام  
کا تذکرہ

فرمایا وَلُوطًا أَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا اور لوط علیہ السلام  
کہ ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا۔ آپ کو فہم اور سمجھ عطا فرمائی۔  
پچھے گمراہ چکا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ (آیت ۵۱)  
ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن میں ہی کمال درجے کی سمجھ عطا فرمائی۔ اسی طرح  
اللہ نے لوط علیہ السلام کو بھی کمال درجے کی دانائی اور علم سے نوازا تھا۔ جیسا کہ  
پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوران سفر ہی لوط علیہ السلام کو نبوت  
عطا فرمائی اور تبلیغ حق کے لیے شرق اردن کے علاقے میں مامور کیا وہاں پر  
آپ نے لمبا عرصہ گزارا، شادی بھی وہیں ہوئی مگر وہ لوگ مشرک تھے اور  
نہایت غلط اور گندے کام کرتے تھے۔ آپ کو اللہ نے بیٹیاں بھی عطا  
فرمائیں جو ایمان لے آئیں مگر بیوی مشرک رہی رہی۔ جب اُس بستی کے مظالم  
لوط علیہ السلام پر بہت بڑھ گئے تو اللہ نے فرمایا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ  
الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَاتِ ہم نے لوط  
علیہ السلام کو اُن بستی والوں سے نجات دلائی جس کے لوگ خبیثات کام کرتے  
تھے۔ سورۃ العنکبوت میں ہے اَيْنَكُمْ لَتَأْتُنَّ الرِّجَالَ  
وَتَقْطَعُنَّ السَّبِيلَ (آیت ۲۹) لوط علیہ السلام نے قوم سے

فرمایا کہ تم خلافت وضع فطرت کام کرتے ہو اور لوگوں کا راستہ کاٹتے ہو، اور اُن کو بچھڑا رہے ہو۔ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں سر عام لواطت کرتے تھے۔ طبری کی روایت میں آتا ہے کہ زور زور سے گوز مارتے تھے، کیونکہ بازی کھتے تھے۔ تو فرمایا ہم نے نجات دہی لوط علیہ السلام کو غلط کام کرنے والوں کی بستی سے اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا فَيَقِيْنُ یہ بُرے لوگ تھے اور حد سے زیادہ نافرمان تھے۔ اللہ نے آپ کو اس قوم سے نجات دلائی اور قوم کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ اُن پر آسمان سے آگ اور پتھر برسے اور اُن کی بستی الٹ دی گئی۔ اور لوط علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا وَادْخُلْنَا فِي رَحْمَتِنَا ہم نے اُن کو اپنی رحمت خاصہ میں داخل کیا اِنَّہٗ مِنَ الصَّٰلِحِيْنَ بیشک وہ نیکو کاروں میں سے تھے۔ آپ خدا کے پاکیزہ رسول تھے۔

نوح کی قوم سے نجات

آگے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اس طرح ہوتا ہے وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی نجات بخشنی کہ انہوں نے اس سے پہلے پکارا۔ پہلے سے مراد یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عسی ہزاروں سال پہلے کا ہے نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ تک اپنی قوم کو تبلیغ کی مگر وہ راہ راست پر نہ آئے بلکہ الٹا اللہ کے پیغمبر کو تکالیف پہنچاتے رہے۔ آخر تنگ آکر آپ نے اللہ سے درخواست کی کہ مولا کریم! ان لوگوں کا فیصلہ فرما دے۔ اللہ نے فرمایا فَاَسْتَجَبْنَا لَهٗ ہم نے اُن کی دعا کو شرف قبولیت بخشا فَجَاءْنَاهُ وَاَهْلًا مِنْ الْكُرْبِ الْعَظِيْمِ اور آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو سخت بے چینی سے نجات دلائی جو آپ کو ہر وقت لاحق رہتی تھی وَقَصَرْنَاهُ مِنْ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا ہم نے اُن کی مدد کی اُس قوم کے مقابلے میں جو ہماری آیتوں کو ٹھٹھکاتے

تھے۔ اِنَّهُمْ سَرَّكَ اَنُورًا قَوْمَ مَرْسُورٍ بِشَيْكٍ وَه بَرُّ لُوك تھے  
 ساری کی ساری قوم بد بخت تھی۔ سورۃ الاعراف میں ہے قَوْمًا عَمٰیْن  
 (آیت ۶۲) ساری قوم اندھی تھی۔ یہ آنکھوں کے اندھے نہیں تھے بلکہ ان  
 کے دل کی آنکھیں اندھی تھیں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھے  
 صرف وہ لوگ ایمان لائے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور ان  
 کی تعداد اسٹی کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ آپ کی بیوی اور بیٹا بھی مافران  
 تھے۔ اللہ نے فرمایا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْن ہم نے ان سارے  
 مافرانوں کو پانی میں ڈبو کر ملا کر دیا اور اس طرح نوح علیہ السلام کو ان کی  
 قوم سے نجات دلائی۔

ان تمام واقعات میں نبی علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کے لیے  
 تسلی کا مضمون ہے کہ دیکھو اللہ کے سابقہ بندوں کے ساتھ بھی بڑی بڑی  
 بدسلوکیاں کی گئیں اور منکرین تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح آپ کے مخالفین  
 بھی تباہ ہوں گے، آپ اطمینان رکھیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لَتُحَصِّنَكُمْ مِّنْ بِأْسِ كَرٍ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿١٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿١١﴾ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُم مَّحِظِينَ ﴿١٢﴾

ترجمہ :- اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو دیا ہم نے علم اور حکمت ۔ جب کہ وہ فیصلہ کرتے تھے دونوں کھیتی کے معاملہ میں جب کہ رات کے وقت کھیتی کو روند دیا ایک قوم کی بکریوں نے ۔ اور تھے ہم اُن کے فیصلے کے وقت حاضر ﴿۸﴾ پس ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کو ، اور ہر ایک کو دیا ہم نے حکم اور علم ۔ اور ہم نے مسخر کر دیا داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو ۔ وہ تسبیح کہتے



تھے ، اور پرندوں کو ۔ اور تھے ہم ہی کرنے والے (۷۹) اور ہم نے سکھایا اُس کو لباس بنانا تمھارے لیے تاکہ وہ بچائے تمھیں تمھاری لڑائی کے وقت ۔ پس کیا تم شکر ادا کرنے والے ہو (۸۰) اور سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہوا کو مسخر کیا ۔ وہ چلتی تھی اُس کے حکم سے اُس سر زمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں ۔ اور تھے ہم ہر چیز کو جاننے والے (۸۱) اور جنات میں سے بعض وہ تھے جو غوطہ لگاتے تھے اُس کے لیے ، اور کچھ کام کرتے تھے ، اس کے علاوہ ہم ہی تھے اُن کی حفاظت کرنے والے (۸۲)

رِبطِ آیات

ابتداء میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا ۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی ابتداء اُن کے صبر و استقامت ، اُن کے طریق تبلیغ اور مناجات کی بات ہوئی ۔ اس کے بعد آپ کے صاحبزادے اسحاق علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ۔ پھر آپ کے بھتیجے اور اللہ کے نبی لوط علیہ السلام اُن کے مصائب اور قوم کے ساتھ معاملات کا بیان ہوا ۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی طویل عرصہ تک قوم کو تبلیغ کرتے رہے ۔ آپ نے بڑی سختیاں بھیلیں ، مگر محدود آدمی ایمان لائے ، حتیٰ کہ آپ کی بیوی اور بیٹا بھی محروم ہی رہے ، آخر تنگ آکر اللہ تعالیٰ کے حضور قوم کے خلاف بددعا کی تو اللہ نے انہیں غرقابی جیسی سخت سزا دے کر صفحہ ہستی سے نابود کر دیا ۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء ، داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور اُن پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا ہے ۔ یہ دونوں حضرات باپ بیٹا ، صاحبِ خلافت اور صاحبِ کتاب نبی تھے ۔ ان کی پوری تفصیلات تو دوسری سورتوں میں آئی ہیں تاہم اجمالی طور پر یہاں بھی اُن کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے وَكَادُودُ سُلَيْمٰنَ اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی ہم نے علم و حکمت عطا کی ۔ اگرچہ اس

آیت میں علم و حکمت کے الفاظ نہیں ہیں، تاہم یہ گزشتہ آیت ۴، پر عطف ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا، فرمایا، اسی طرح ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو حکمت اور علم عطا فرمایا اِذْ يَحْكُمْنَ فِي الْحَرْثِ جب کہ وہ دونوں کھیتی کے باغ میں فیصلہ کرتے تھے اور وجہ تنازعہ یہ تھی اِذْ نَفَسْتُمْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ کہ رات کے وقت بعض لوگوں کی بکریاں اس کھیت کو چر گئی تھیں۔ دراصل نفس رات کے وقت کھیت کو روند ڈالنے یا پامال کر دینے کو کہتے ہیں۔

کھیتی کے نقصان پر فیصلہ

بعض لوگوں کی بکریاں کسی دوسرے شخص کے کھیت میں رات کے وقت داخل ہوئیں اور انہوں نے پورے کھیت کو پامال کر کے رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نقصان زدہ فریق نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس شکایت لی اور اپنے نقصان کے ازالے کی درخواست کی۔ فرمایا جب یہ معاملہ فیصلے کے لیے اللہ کے نبیوں کے سامنے پیش ہوا فَكُنَّا لَهُمُ حَكِيمَيْنِ تو تنازعہ کے فیصلے کے وقت ہم حاضر تھے، گویا یہ فیصلہ ہماری موجودگی میں ہوا۔ کھیت کے اجاڑ کے کہ فیصلہ تو باپ بیٹا دونوں نے کیا تھا، تاہم فرمایا فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ لیکن سلیمان علیہ السلام کو ہم نے زیادہ فہم و فراست عطا کی تھی اور زیادہ بہتر بات ان کو سمجھا دی تھی وَكَلَّا اَتَيْنَاكَ حُكْمًا وَعِلْمًا ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم عطا کیا۔

جب یہ مقدمہ پیش آیا اُس وقت سلیمان علیہ السلام چھوٹی عمر کے تھے تاہم اللہ نے آپ کو زیادہ سمجھ عطا کی تھی۔ اُس وقت منذ خلافت پر حضرت داؤد علیہ السلام فائز تھے۔ مقدمہ پیش ہوا بعض لوگوں کی بھیڑ بکریاں رات کے وقت کسی دوسرے شخص کے کھیت یا باغ میں داخل ہو گئیں اور

انہوں نے فصل کا نقصان کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کھیتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ انٹور کی بیلےس تھیں جو بکریوں نے روند ڈالیں۔ بہر حال کہیں داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے فریقین کے دلائل سنے اور نتیجہ یہ اخذ کیا کہ کھیتی یا باغ کا نقصان اس کو خراب کرنے والی بکریوں کی قیمت کے برابر بنتا ہے چنانچہ آپ نے فیصلہ یہ کیا کہ ساری بکریاں کھیت یا باغ کے مالک کو دے دی جائیں۔ اُس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی عدالت میں موجود تھے فیصلہ سنائے جانے کے بعد انہوں نے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی۔

اجازت ملنے پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اس مقدمہ کا بہتر حل یہ ہے کہ ساری بکریاں کھیت والوں کے سپرد کر دی جائیں، وہ ان کے دودھ، اون اور ان کے بچوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اس اثنا میں بکریوں کے مالک کھیت پر کام کریں۔ جب فصل اُسی حالت میں آجائے جس حالت میں اسے اُجاڑا گیا تھا تو کھیت کے مالک اپنے کھیت کو سنبھال لیں اور بکریاں ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اس طرح فریقین کو ان کا حق بھی مل جائے گا۔ اور کسی ایک کا نقصان بھی نہیں ہوگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے اپنا فیصلہ اس کے مطابق بدل دیا۔

سلیمان علیہ السلام کی عمر اُس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد کے جانشین بنے۔ داؤد علیہ السلام کے مزید اٹھارہ بیٹے بھی تھے مگر جو فہم و ادراک اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو بخشا تھا، وہ کسی دوسرے بیٹے میں نہیں تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے صاحب کتاب نبی تھے اللہ نے داؤد علیہ السلام کو زبور اور سلیمان علیہ السلام کو بعض صحیفے عطا کیے۔ انہوں نے کم سنی میں الیاس علیہ السلام کا فیصلہ کیا جو فریقین کے حق میں مفید تھا، اگرچہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی شریعت کے مطابق صحیح تھا کہ جتنا کسی

کا نقصان ہوا اتنا ہر جانہ دیا جائے۔ اور ہماری شریعت کا بھی یہی قانون ہے کہ نقصان والے کا نقصان پورا ہو۔ تاہم شاہ عبدالقادر اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ صواب (صحیح) تھا مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ اصوب (زیادہ درست) تھا۔

خرابہ کے  
متعلق فقہی  
اختلاف

کسی کھیت یا باغ کے خرابے کے ازالے کے متعلق فقہائے کرام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ایک فرمان ہے کہ اگر کسی کے جانور دن کے وقت کسی فصل کا نقصان کر دیں تو اس نقصان کی ذمہ داری کھیت کے مالک پر آتی ہے کیونکہ دن کے وقت کھیت کی حفاظت اُس کے ذمے ہے۔ اور اگر ایسا نقصان رات کے وقت ہوا ہے تو اس کا ذمہ دار جانوروں کا مالک ہے، وہ نقصان کی تلافی کرے گا۔ کیونکہ اس کا فرض تھا کہ رات کے وقت جانوروں کو باندھ کر رکھتا۔ اس حدیث کے مطابق امام شافعیؒ یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر نقصان دن کی وقت ہوا ہے تو جانوروں کے مالک پر کوئی تاوان عاید نہیں ہوتا ہے اور اگر رات کو خرابہ ہوا ہے تو پھر اسے نقصان کا ازالہ کرنا پڑے گا۔ برخلاف اس کے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جانور دن کو نقصان کرے یا رات کو ان کے مالکوں پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس میں تعدی کا عنصر نہ پائے جائے۔ یعنی اگر جانوروں کا مالک خود انہیں کسی دوسرے کے کھیت میں چھوڑتا ہے تو پھر وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور اگر جانور خود بخود رسمہ تر ہو کر کسی کے کھیت کا نقصان کر دیتے ہیں تو پھر ان کا مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔

اتفاقی موت  
کا مسئلہ

صحیحین کی روایت میں آتا ہے الجماء جرحھا جبار اگر کسی کا جانور کسی شخص کو زخمی کر دیتا ہے یا کوئی نقصان پہنچاتا ہے تو وہ رائیگاں ہے، جانور کا مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر مالک جان بوجھ



کہ جانور کے لیے ایسے حالات پیدا کرتے ہیں جس سے کسی کا نقصان ہو جاتا ہے تو یہ تعدی کی تعریف میں آئے گا اور مالک پہ تاوان آئے گا۔ خواہ دن کا وقت ہو یا رات کا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا والبتہ جبار کوئی شخص کنڈا کھڑا ہے اور مزدور اس کھڑائی کے دوران ہلاک ہو جاتا ہے تو کنوئیں کے مالک پر کچھ تاوان عائد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اتفاقی موت سمجھی جائے گی۔ اسی طرح کان کن کا معاملہ بھی ہے کہ اگر دوران کار کوئی مزدور جان بحق ہو جائے، تو مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر متعلقہ کمپنی یا حکومت مفاد عامہ کے لیے ایسا قانون بنائے جس میں ہلاک ہونے والے کے لیے معاوضہ مقرر ہو تو ایسا معاوضہ دینا اور لینا درست ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے المعدت جبار کانکن کی موت رائیگاں ہے۔ البتہ وفي الركاز الخمس معدنیات میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ یہ درجہ اول کی صحیح حدیث ہے۔

فیصلے کی  
تسویح کا  
مسئلہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو سلیمان علیہ السلام نے کیسے رد کر دیا؟ کیا یہ وحی الہی تھی یا اجتہاد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی صورت تھی اس وقت کی شریعت میں فیصلے کی تبدیلی جائز تھی۔ آج بھی ایک جج دوسرے جج کے فیصلے کو منسوخ یا تبدیل کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ بڑی عدالت چھوٹی عدالت کے فیصلے کو تبدیل کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ ہر فرقہ کو اپیل کا حق ملتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی طرح سلیمان علیہ السلام کو بھی جج کی حیثیت حاصل تھی اور آپ نے خود انھیں مقدمات کی دیکھ بھال کا کام تفویض کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ابھی قطعی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ ضرائع اپنے رائے ظاہر کی تھی کہ اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے۔ اسی دوران میں سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنی رائے کا اظہار کر

دیا جسے قبول کر لیا گیا۔ تاہم عام مفسرین یہی لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے  
حتیٰ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں بعد میں سلیمان علیہ السلام کی تجویز پر اپنے پہلے فیصلے  
کو منسوخ کر دیا اور یہ نسخ بھی جائز تھا۔

بعض مفسرین کہہ رہے ہیں کہ کھیت اجاڑنے کا یہ فیصلہ وحی الہی  
سے نہیں بلکہ اجتہاد کے ذریعے کیا گیا تھا۔ وحی الہی کی عدم موجودگی میں انبیاء  
علیہم السلام کو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کی بھی اجازت رہی ہے۔  
البتہ نبی کے اجتہاد اور عام امتی کے اجتہاد میں فرق یہ ہے کہ اگر نبی اجتہاد  
میں غلطی کرے تو اس کی فوراً اصلاح کر دی جاتی ہے۔ وحی کے ذریعے ایسے  
معاملہ کو درست کر دیا جاتا ہے۔ عام امت کو یہ کار نہی حاصل نہیں ہے۔  
اگر کوئی حج فیصلہ کرنے میں غلطی بھی کرتا ہے تو ایک اجر اس کو پھر بھی ملے گا  
بشرطیکہ اُس نے یہ فیصلہ بغیر کسی رورعایت کے کیا ہو اور حج ایسے غلط فیصلہ  
میں ماخوذ بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا فیصلہ بدعتی پر مبنی ہے، سفارش مانی  
ہے، رشوت وصول کی ہے یا ویسے ہی کسی فریق کی طرفداری کی ہے تو ایسا  
حج جہنم رسید ہوگا۔

پہاڑوں اور  
پہنڈوں کی  
تفسیر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ان انبیاء پر یہ کئے بعض انعامات  
کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ اور ہم نے پہاڑوں  
کو داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ يُسَبِّحُنَ وَالطَّيْرُ وہ اللہ کی  
تسبیح بیان کرتے تھے۔ اور پہنڈوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ جب داؤد  
علیہ السلام خوش الحانی کے ساتھ کتاب الہی کی تلاوت کرتے، اُس کی حمد و ثنا  
بیان کرتے، تو پہاڑ اور پہنڈے بھی ہم زبان ہو کر تسبیح کرنے لگتے۔ پہاڑوں  
اور پہنڈوں کی یہ تسبیح زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے ہوتی تھی۔  
زبان حال کی تسبیح تو اب بھی ہر چیز بیان کرتی ہے جسے ہم نہیں سن سکتے،  
مگر پہاڑ اور پہنڈے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں شامل ہوتے





جنگ میں استعمال ہوتی ہیں۔

ہوا کی تسخیر

اب سلیمان علیہ السلام کی بعض خصوصیات کا ذکر ہوتا ہے۔ فرمایا  
 وَلَسْلَيْمٰنَ الرِّیْحَ عَاِصِفَہٗ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے تند و تیز  
 ہوا کو مسخر کر دیا تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ الرِّیْحُ اَلْاَرْضِ الَّتِیْ بَرَکْنَا  
 فِیْہَا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس ارض مقدس کی طرف چلتی تھی جس میں  
 ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کی تسخیر میں بھی بعض  
 لوگوں کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عام ہوا آپ کے تابع نہیں تھی بلکہ  
 سمندری ہوا تھی جو بحری بیڑے کو ساحل کی طرف آسانی سے لے جاتی تھی حالانکہ  
 یہ بات نہیں جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں نہیں آتی، وہ ایسے ہی  
 اعتراض کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، اُس کی مشیت اور ارادے  
 میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ اُس نے اگرچہ پوری ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے  
 تابع کر دیا ہو تو اس میں حیرانگی کی کون سی بات ہے۔ آپ اپنا تخت بچھاتے  
 خود سوار ہوتے اور اپنے حواریوں کو سوار کرتے اور پھر ہوا کو حکم دیتے تو وہ  
 آپ کا تخت پہلی کاپیٹر کی طرح فضا میں لے اڑتی تھی اور آپ ایک ماہ  
 کا سفر ایک دن میں طے کر لیتے تھے۔ شام سے عین اورین سے شام تک  
 کا سفر آپ ایک دن میں بخوبی طے کر لیتے تھے اور کسی حادثے کا خطرہ بھی  
 نہیں ہوتا تھا۔ سورۃ ص میں آتا ہے کہ خود سلیمان علیہ السلام نے اللہ رب العزت  
 کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ مولا کریم! مجھے ایسی حکومت عطا فرما مَلْکًا لَا یَذُبُّ عَنِّیْ  
 لَاحِدٍ مِّنْ بَعْدِیْ (آیت ۳۵) جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔  
 اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو نہ صرف زمین پر خلافت  
 عطا فرمائی بلکہ آپ کے لیے ہواؤں، جنات، پہاڑوں اور میرندوں کو بھی مسخر کر دیا  
 اور واقعی یہ آپ کی بے مثال حکومت تھی جو آپ کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہوئی  
 فرمایا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہوا کو مسخر کر دیا وَکُنَّا بِکُلِّ



نشیء علیہم اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ ہمارے علم سے کوئی چیز  
باہر نہیں اور ہم ہر چیز پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔

جنات پر  
تسلط

وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَغْوِي قَوْمًا ۚ وَهُوَ الَّذِي يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ  
جنات کو بھی آپ کے تابع کر دیا جو آپ کے لیے غولہ نکالتے تھے۔ یعنی سمندر  
سے موتی اور جو امرت نکالتے تھے جنہیں آپ کام میں لاتے تھے۔ وَ  
يَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ اور یہ جنات اس کے علاوہ دیگر  
کام بھی انجام دیتے تھے۔ سورۃ سبا میں آتا ہے کہ پتھروں کو تراش کر برتن  
بناتے تھے، برائے بڑے پتھروں کو کاٹ کر عمارتیں بناتے تھے، فرمایا وَاكُنَّا  
لَهُمْ حَافِظِينَ اور ہم ان کی نگرانی اور حفاظت کرنے والے تھے تاکہ  
کوئی شرارت وغیرہ نہ کرے۔ اگر کوئی جن کسی کام میں گڑبڑ کرتا تھا یا نقصان  
پہنچاتا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ ہم ان کو سزا بھی دیتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے  
جنات کو مکمل طور پر ایمان علیہ السلام کے تسلط میں کر دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں  
ان سے کام لیں اور وہ حکم عدولی بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود  
ان پر نگرانی کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر بڑا فضل کیا تھا اور انہیں  
بڑا بلندی مقام عطا فرمایا تھا۔ تاہم آپ پر بعض آزمائشیں بھی آئیں جن کا ذکر دوسری  
سورتوں میں موجود ہے۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مِّمَّهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذَكَرَىٰ لِلْعَبِيدِينَ ﴿٨٤﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿٨٥﴾ وَادْخُلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ :- اور ایوب علیہ السلام جب کہ اُس نے پکارا اپنے پروردگار کو کہ بیشک پہنچی ہے مجھے تکلیف ، اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۸۳﴾ پس ہم نے سُن لی اُس کی فریاد ، اور ہم نے دُور کی جو اُس کی تکلیف تھی ، اور ہم نے دیے اُس کو اُس کے گھر والے اور اتنے ہی اُن کے ساتھ اور مہربانی کرتے ہوئے اپنی طرف سے ، اور نصیحت اور یاد دہانی تمام عبادت گزاروں کے لیے ﴿۸۴﴾ اور اسماعیل اور ادريس اور ذالکفلؑ (کو بھی ہم نے علم و حکمت عطا کیا) یہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں تھے ﴿۸۵﴾ اور ہم نے داخل کیا اُن کو اپنی رحمت میں ۔ بیشک وہ تھے نیکوں میں سے ﴿۸۶﴾

پہلے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا ذکر کیا  
س سے پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا تذکرہ ہوا۔ پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا

ذکر ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان تمام انبیاء کو علم و حکمت سے نوازا اور خصوصی انعامات عطا فرمائے۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام پر بڑی مشکلات اور مصائب آئے جن کو انہوں نے صبر و تحمل سے ساتھ برداشت کیا۔ اللہ نے بعض دوسرے انبیاء کا بھی اسی طریقے سے ذکر کر کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے لیے تسلی کا سامان ہم پہنچایا ہے کہ ہر اذیت اور تکلیف کو برداشت کرنا چاہیے اور دشمنوں کی کسی بدسلوکی سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اللہ کی طرف سے تفویض کردہ فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر کیا ہے آپ کا تذکرہ بعض دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ بائبل میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے۔ آپ عوص کی سرزمین میں رہتے تھے۔ دنیاوی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا مال و دولت عطا کیا تھا، آپ امیر کبیر آدمی تھے۔ آپ کے پاس ہزاروں اونٹ، مویشی اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ قابل کاشت زمین بھی بہت زیادہ تھی، زمین میں ہل جوتے کے لیے پانچ سو جوڑی جانور تھے اور ہر جوڑی کے لیے علیحدہ علیحدہ ملازم تھے۔ آپ بذاتہ مخلوق کے ساتھ بڑا احسان کرتے تھے، غریب پوری کرتے، مسافروں کا خیال رکھتے اور اللہ کی عطا کردہ دولت نیک کاموں میں صرف کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کرتے۔

ایک موقع پر ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ سوال اٹھایا کہ تیرا بندہ ایوب علیہ السلام تیرا شکر اس لیے ادا کرتا ہے کہ تو نے اُسے مال و دولت سے نوازا ہے۔ اگر وہ آسودہ حال نہ ہو تو کبھی تیرا شکر ادا نہ کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثالی آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ بائبل کی روایت کے مطابق ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ ایک موقع پر آیا ہوا کہ ایوب علیہ السلام اور آپ کی بیوی کے علاوہ آپ کی ساری اولاد

حضرت ایوب علیہ السلام پرابت سلام

کسی دعوت میں شریک تھی کہ اچانک مکان کی عیبت گر گئی اور آپ کی ساری اولاد ہلاک ہو گئی۔ اوسر دشمنوں نے حملہ کر کے آپ کے بہت سے موبیشی ہلاک کر دیے اور کچھ ہانک کر لے گئے۔ اس کشت وکش میں نوکر چاکر بھی مارے گئے پھر ایسا طوفان آیا کہ ساری فصل بھی ضائع ہو گئی، اور اس طرح آپ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ اُس وقت آپ نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور عرض کیا کہ مولا کہیم! میں ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ پیدا ہوا تھا حتیٰ کہ جسم بھی ننکا تھا۔ تو نے اپنی رحمت سے سب کچھ دیا اور میں تیرا شکر ادا کرتا رہا۔ اب تو نے ہر چیز واپس لے لی ہے تو یہ تیری رضا ہے اور میں بھی اس پر راضی ہوں۔ جوں جوں آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، آپ کی روح کا یقین، دل کا صبر اور زبان کا شکر بڑھتا رہا۔

یہ تو بیرونی تکلیف تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسمانی طور پر بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ آپ کے سائے جسم پر آبلے نکل آئے جن سے پورا بدن زخمی ہو گیا آپ ان زخموں کو خشک کرنے کے لیے اُن پر اکھڑاتے رہتے تھے اس دوران نیک دل بیوی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ آپ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہی۔ اس اثنا میں لوگ طعنہ دینے لگے کہ ایوب علیہ السلام سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی پاداش میں آپ پر یہ مصیبت آئی ہے۔ ایوب علیہ السلام معاشی طور پر بھی تباہ حال ہو چکے تھے، روزمرہ کی ضروریات کے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں بچا تھا، حتیٰ کہ آپ کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے تھوڑی بہت اجرت حاصل کرتی جس سے دو وقت کا کھانا میسر آتا۔ مفسرین کے قول کے مطابق آپ سترہ یا اٹھارہ سال تک اس ابتلا میں مبتلا رہے، آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ دفع بلا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے اتنا عرصہ راحت میں گزارا ہے، اب اگر کچھ عرصہ کے لیے مصیبت بھی آگئی ہے تو



اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔

اس دوران میں آپ کی بیوی سے ایک غلطی بھی سرزد ہو گئی۔ جس کی وجہ سے آپ بیوی سے سخت ناراض ہو گئے اور قسم اٹھالی کہ اگر تندرست ہو گیا تو تمھیں سو کوڑے ماروں گا۔ ہوا یہ کہ شیطان ایک نورانی شکل و صورت میں آپ کی بیوی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طیب ہوں اور ہلکے بیماریوں کا علاج کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنے خاوند کی طویل بیماری کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں اس کا مفت علاج تو کروں گا بشرطیکہ شفا یابی پر تم یہ کہہ دو کہ میرے خاوند کو حکیم نے شفا دی ہے۔ بیوی نے آکر یہ بات خاوند سے کی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ شیطان کا کام ہے جو ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہٹانا چاہتا ہے۔ بیوی کی اتنی بات پر آپ سخت ناراض ہو گئے۔ جسمانی تکلیف کے علاوہ یہ بات آپ کے لیے سخت روحانی تکلیف کا باعث بنی اور اس وقت آپ نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھادیے۔ اس واقعہ کے متعلق یہاں ارشاد ہوتا ہے وَ اِیُّوبَ کِیْ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اور اِیُّوبَ عَلَیہِ السَّلَام جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا اِیُّوبَ کِیْ مَسَّیْنِ الضَّرُّ کہ مجھے بڑی تکلیف پہنچی ہے اس بات سے کہ شیطان ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے۔ سورۃ ص میں ہے کہ آپ نے عرض کیا اِیُّوبَ کِیْ مَسَّیْنِ الشَّیْطٰنُ راہیت ۴۱۔ یعنی شیطان نے مجھے سخت اذیت پہنچائی ہے۔ اور ساتھ عرض کیا وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِیْنَ اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ گویا آپ نے نہایت لطیف انداز میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی حالت زار کو پیش کیا کہ روحانی تکلیف میری برداشت سے باہر ہو رہی ہے، لہذا تو اس کو دور کرنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت فوراً جوش میں آئی، اس نے فرمایا فَاَسْتَجَبْنَا لَہٗ ہم نے ایوب علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اُن کی فریاد کو سن لیا فَاَسْتَجَبْنَا لَہٗ

مِنْ ضُرِّ اور اُن کی تکلیف کو دور کر دیا۔  
 سورۃ قصص میں موجود ہے کہ جسمانی تکلیف کو ہٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ  
 نے یہ انتظام کیا کہ ایوب علیہ السلام سے فرمایا اُرْكَصْ بِرِجْلِكَ  
 (آیت ۴۲) اپنے پاؤں سے زمین پر کھڑکھڑا لگائیں۔ آپ نے زمین پر  
 اٹھھی ماری تو وہاں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ عام حالات میں تو ایسا نہیں  
 ہوتا مگر جب مشیت ایزدی ہو تو ہر ناممکن چیز بھی ممکن ہو جاتی ہے امام شاہ ولی اللہ  
 فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی پیدا ہوتی ہے تو پھر ایسا  
 ہی ہوتا ہے، وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے  
 اللہ نے فرمایا کہ چشمہ جاری ہو گیا اِذَا مَغْتَسَلُكَ يَارِدٌ وَّ شَرَابٌ (ص ۴۲)  
 اس چشمے کے پانی سے غسل بھی کرو اور اُسے نوش بھی کرو۔ چنانچہ آپ کے ایسا  
 کرنے سے ساری جسمانی تکلیف کا فور ہو گئی، آپ بالکل تندرست ہو گئے  
 اور اُسی طرح تو انا اور حسین و جمیل ہو گئے جس طرح بیماری سے پہلے تھے۔ یہ  
 اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔

نقصان کی  
 تلافی

جسمانی تندرستی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالی اور جانی نقصان کی تلافی بھی  
 فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے وَاتَيْنَاكَ اَهْلَكَ ہم نے اُن کو ان کے گھر  
 والے بھی عطا کر دیے۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فوت شدہ  
 اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا، تاہم بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے  
 پہلی اولاد کے عوض میں اُس سے دگنی اولاد عطا کر دی، اس لیے فرمایا کہ ہم  
 نے اُن کے گھر والے بھی دیے وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ اور اُن کے  
 ساتھ اتنے اور بھی دیے۔ گویا آپ کی اولاد پہلے سے ڈبل ہو گئی۔ فرمایا  
 رَحْمَةً مِنَّا عِنْدَ نَايِبِ ہمارے طرف سے خاص مہربانی تھی۔  
 وَذِكْرَىٰ لِلْعَبِيدِ اور تمام عبادت گزاروں کے لیے نصیحت  
 اور یاد دہانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہان بھر کے لیے نمونہ بنا دیا کہ مصیبت

کے وقت اس طرح صبر کیا جاتا ہے۔ آپ نے ابتلا کا پورا عرصہ ناشکری کا ایک کلمہ تک زبان سے نہیں نکالا، چنانچہ دنیا بھر میں حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر ضرب المثل بن چکا ہے۔

اسماعیل اور یونس  
اور ذوالکفل علیہم السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض دوسرے انبیاء کا ذکر بھی فرمایا ہے وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ اور اسماعیل اور ادریس علیہما السلام نے ابتلا کے وقت صبر کا دامن تھامے رکھا۔ جو بھی تکلیف آئی اُسے صبر کے ساتھ برداشت کیا اور اللہ نے آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔ ذَا الْكُفْلِ اور کفل یعنی ضمانت والے بھی اللہ کے پاک نبی تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور کسی کیس میں کسی دوسرے شخص کی ضمانت دے بیٹھے جس کی وجہ سے انہیں چودہ سال یا کم و بیش جیل میں جانا پڑا۔ بعض کہتے ہیں ذوالکفل سے مراد ہاتھ بڑھ ہیں جو مسیح علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے گزرے ہیں۔ آپ کی پیدائش صوبہ ہمار کی بستی نبل کی ہے اس لیے آپ کو ذوالکفل کا نام دیا گیا۔ تاہم یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے بلکہ محض خیال ہے جس کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ذوالکفل بھی اللہ کے نبی تھے فرمایا كُلُّ مِّنَ الصَّالِحِينَ یہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں تھے۔ سب پر تکالیف آئیں جن کو برداشت کیا گیا۔ یہی نقطہ دوسرے لوگوں کے لیے باعث تعلیم ہے کہ جب بھی کوئی مصیبت آئے صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا وَادْخُلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ان سب انبیاء علیہم السلام کو ہم نے اپنی خاص رحمت میں داخل کیا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ یہ سب انبیا کا رُوس میں تھے۔ ان میں اللہ نے اعلیٰ درجے کی صلاحیت رکھی تھی جو عام مومنوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے مقدس نبی تھے جو موردِ رحمتِ الہی ہوتے ہیں۔

وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاصِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ  
عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ  
سُبْحَانَكَ ۖ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا  
لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۖ وَكَذَلِكَ نُخَيِّجُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ :- اور مچھلی والے (نبی کو بھی ہم نے علم و حکمت سے  
نوازا) جب وہ چلا گیا غصے میں تو اُس نے خیال کیا کہ  
ہم نہیں تنگی ڈالیں گے اُس پر ۔ پس پکارا اُس نے اندھیروں  
میں کہ نہیں کوئی معبود سوائے تیرے ۔ تیری ذات پاک ہے  
بیشک میں ہی قصوداؤں میں سے ہوں ﴿۸۷﴾ پس ہم نے  
اُس کی بات کو سن لیا اور ہم نے اُس کو نجات دی  
غم سے ۔ اور اسی طرح ہم نجات دیا کرتے ہیں ایمان  
والوں کو ﴿۸۸﴾

پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہوا، پھر حضرت اسماعیل، ایوب اور ذوالکفل  
علیہم السلام کا۔ اللہ نے اُن سب کو علم و حکمت سے نوازا تھا۔ اُن کو نبوت عطا فرمائی  
پھر اُن پر مصائب بھی آئے، جنہیں انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ یہ سب  
بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ تھے۔ اللہ نے اُن کو بطور مثال پیش کیا کہ دیکھو  
ان لوگوں نے تکلیف کے دوران کس قدر صبر سے کام لیا، لہذا تمہیں بھی ان کا اسوہ  
اختیار کرنا چاہیے۔ جس طرح ان لوگوں نے بوقت ضرورت اللہ کے حضور مناجات

ربط آیات



پیش کی، اسی طرح تمہیں بھی کرنا چاہیئے۔ تمہارا کام دعا کرنا ہے اور مصائب کو دور کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، جب چاہے کسی کو تکلیف میں ڈال دے اور جب چاہے تکلیف کو دور کر دے۔ اُس کے سوا نہ کوئی تکلیف دے سکتا ہے اور نہ اُسے ہٹا سکتا ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے اہلکار کا ذکر کیسے اُن کو باقی لوگوں کے لیے نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ

آج کے درس میں اللہ کے برگزیدہ نبی ذوالنون یعنی مچھلے والے کا ذکر ہے نون مچھلی کو کہا جاتا ہے چونکہ یہ نبی کئی روز تک مچھلی کے پیٹ میں رہے، اس لیے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ آپ کو صاحبِ حوت بھی کہا گیا ہے۔ اس کا معنی بھی مچھلی والا ہے کیونکہ عربی زبان میں حوت بھی مچھلی کو کہا جاتا ہے۔ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو صبر کی تلقین کرنے والے سنسرایا گیا ہے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (آیت ۴۸) آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنی بستی چھوڑنے میں جلدی کی اور وحی الہی کا انتظار نہ کیا۔ بہر حال قرآن پاک کے مطابق آپ کا اصل نام حضرت یونس علیہ السلام ہے، اور اس نام سے قرآن پاک میں ایک مستقل سورۃ بھی ہے جس میں آپ کا مختصر سا تذکرہ آیا ہے آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں اور مسیح علیہ السلام سے سات آٹھ سو سال پہلے گزرے ہیں۔ آپ کے زمانے میں فلسطین و شام پر حزقیل نامی بادشاہ برسرِ اقتدار تھا۔ وہ خود ایماندار اور انبیاء علیہم السلام کا پیروکار تھا۔ اُس زمانے میں اللہ کے پانچ نبی بیک وقت موجود تھے جن میں یونس علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اُس زمانے میں عراق کے صوبہ موصل کی بستی نینوائی میں بعض شر پسندوں نے بڑی تعدی کی۔ وہاں پر قتل و غارت کی اور بہت سے لوگوں کو غلام بھی بنا لیا۔ اُس وقت بڑے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے جن کے مشورے سے اللہ نے پانچ نبیوں میں حضرت یونس علیہ السلام کو نینوائی کی طرف مامور فرمایا تاکہ اُن ظالم لوگوں کو سمجھایا جائے کہ وہ ظلم و تعدی سے باز آ

جائیں اور مخلوق خدا کو تنگ نہ کریں نیز ان کو نصرتِ شرک سے منع کر کے توحیدِ خدا کا درس دیں۔

یونس علیہ السلام  
کی لغزش

آپ طویل عرصہ تک لوگوں کو تبلیغِ حق کرتے رہے مگر اسی نے آپ کی بات نہ مانی۔ بالآخر یونس علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید سنائی۔ اور خود وحی الہی کا انتظا کیے بغیر بستی سے چلے گئے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے بے صبری سے تعبیر کیا ہے۔ اس لغزش پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتلا میں ڈال دیا جس کا ذکر اس مقام پر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَذَٰلِیْنَ اِذْ ذُہِبَ عَنْہُمْ مَّا ظُنُّوْا کَانَ لَہُمْ اَنْیَاسٌ ۚ فَاَوْحٰی اِلَیْہِمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا ۚ فَاَخْرٰجُوْہُمْ مِنْہُمْ ۚ وَیَسْـَٔلُکُمْ عَنْہُمْ اَنْ یَّخْبُرُوْہُمْ ۚ اِنْ یَّخْبُرُوْہُمْ یَقُولُوْا اِنَّا نَحْنُ الْمُرْسَلُوْنَ ۚ

قَدَرَ یَقْدِرُ کا مصدرِ قدر بھی ہے اور قدرت بھی۔ یہاں یہ کنزِ نقدر کا معنی ”ہمیں قدرت نہیں“ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے اور اُسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ تو یہاں پر قدر کا معنی ”تنگ کرنا“ ہے یعنی اللہ کے نبی نے گمان کیا کہ ہم ہر گز اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ ویسے قدر کا معنی ”مقرر کرنا یا تقدیر بھی آتا ہے مگر اس مقام پر تنگ کرنا ہی مراد ہے۔ یہ تنگی یونس علیہ السلام پر خطائے اجتہادی سے آئی تھی، نہ کہ گناہ کی وجہ سے۔ شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر ”بیان القرآن“ میں رقمطراز ہیں کہ انبیا حقیقی گناہ اور حقیقی سزا دونوں چیزوں سے پاک ہوتے ہیں۔ انبیا کو جو سزا پہنچتی بھی ہے وہ صرف جسمانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے روح و قلب کو بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ ظاہری سزا تو یہی ہے کہ کوئی بیماری لاحق ہوگئی، کوئی حادثہ پیش آگیا مگر حقیقی سزا انبیوں کو نہیں ملتی بعض نبیوں پر اس لیے بھی سختی آتی ہے کہ ان کی تربیت مقصود ہوتی

ہے معمولی بات پر بھی اُن کی گرفت ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مقربین بارگاہِ الہی ہوتے ہیں نابینا صحابی کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے سخت الفاظ استعمال کئے عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَهُ الْاَسْحَىٰ (عبس ۱-۲) آپ ترش رو ہو گئے اور روگردانی کی کہ ایک نابینا آدمی آپ کے پاس آگیا ہے۔ اس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں جب آپ نے اپنے بیٹے کے حق میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے نوح! تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال ناپسندیدہ ہیں نیز فرمایا اِنَّكَ اَعْظَمُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (ہود ۶۱) میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو جانا۔ یہ بھی کوئی گناہ نہیں تھا بلکہ معمولی لغزش تھی۔

اس مقام پر پہنچ کر بہت سے لوگ غلطی کھا جاتے ہیں مولانا مودودی صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں (العیاذ باللہ) یہ بالکل غلط تفسیر ہے۔ آپ نے فریضہ رسالت کو بالکل کما حقہ ادا کیا۔ اس میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی کیونکہ آپ کے اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا۔ امام شاہ ولی اللہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں ”در ادائے فرض بہ ہیج وجہ تقصیر نہ کردہ اند“ یعنی انبیاء علیہم السلام ادائیگی فرض میں کسی طرح بھی کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ اللہ کا واضح فرمان موجود ہے کہ اے پیغمبر! جو چیز آپ کی طرف آپ کے رب نے نازل کی ہے، اُسے ٹھیک ٹھیک امت تک پہنچا دیں وَ اَنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ - ۶۷) اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے حق رسالت ہی ادا نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ رئیس المفسرین کے خطاب سے سرفراز ہیں اُن کے حق میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنِي لَهٗ بَخَارِ صَبۡۃٍ ۵۳۱ و مسلم ص ۲۹۸ ج ۲ (فیاض)



الْكِتَابَ وَفَقَّهَهُ فِي الدِّينِ اے اللہ! انہیں قرآن کا علم عطا فرما اور دین میں سمجھ دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، پتا لچھو حضرت ابن عباسؓ پوری امت میں کتاب اللہ کے زیادہ عالم مانے جاتے ہیں بہت سے لوگوں نے آپ سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، بلکہ بعض نے تو بار بار پڑھی۔ آپ آخری دور میں طائف منتقل ہو گئے تھے، وہیں فوت ہوئے اور وہیں آپ کی قبر ہے۔

ایک دفعہ آپ امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ امیر آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ سے واقف تھا۔ کہنے لگا، حضرت! مجھے ایک اشکال پیدا ہوا کہ رات میں نے قرآن پاک کی تلاوت کی تو قرآن کی موجیں اس زور شور سے اٹھیں کہ میں ان کے حقیرے برداشت نہ کر سکا۔ اور سمندر میں ڈوب گیا۔ اب آپ ہی مجھے ان موجوں سے باہر نکال سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بات کی وضاحت چاہی تو امیر معاویہؓ نے عرض کیا کہ جب میں نے یہ آیت کہ میری تلاوت کی آگ لگن لَقَدْ رَكَبْتُ الْوُجُوهَ تو مجھے سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ کیا کوئی نبی یہ بھی خیال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر قادر نہ ہو۔ حضرت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ نے فوراً فرمایا کہ لَقَدْ رَكَبْتُ الْوُجُوهَ کا مادہ قدر سے ہے نہ کہ قدرت سے قدر کا معنی اندازہ کرنا بھی ہوتا ہے اور تنگ کرنا بھی، اور یہاں پر تنگ کرنا مراد ہے یعنی اللہ کے نبی نے گمان کیا کہ ہم اُس پر تنگی نہیں ڈالیں گے اس کی مثال دوسری جگہ بھی موجود ہے سورۃ سبا میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهٗ طَرَاەئِفٌ ۝۳۹ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ الغرض! اس آیت کہ ہم یہ کام طالب یہی ہے کہ



یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر تنبیہ نہیں ڈالے گا، لہذا وہ وحی الہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے چلے گئے۔

یونس علیہ السلام  
کی ابتلا

اس خطے اجتہادی پر حضرت یونس علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا۔ آپ بستی سے چل کر دریا کے کنارے پہنچے۔ اُس وقت ایک جہاز یا فہ سے ترسے جانے کے لیے تیار کھڑا تھا، آپ بھی اس میں سوار ہو گئے۔ آگے چل کر جہاز طوفانی لہروں میں پھنس گیا۔ چنانچہ اُس وقت کے عقیدہ کے مطابق بعض لوگوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے جھاگ کر اس جہاز پر سوار ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا جہاز مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے، ایسے شخص کو فوراً جہاز سے اُتار دینا چاہیے ورنہ پورا جہاز غرق ہو جائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ اُن پر ابتلاء کا وقت آگیا ہے۔ اور انہوں نے خود اقرار کیا کہ جھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں، لہذا مجھے پانی کی لہروں کی نذر کمر دیا جائے۔ آپ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کی بات کا یقین نہ کیا اور قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا کہ جس کے نام پر قرعہ نکلے اُسے پانی میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سورۃ الصافات میں موجود ہے فَسَاهَهُمْ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ (آیت - ۱۲۱) جہاز والوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ یہ عمل تین دفعہ دہرایا گیا۔ مگر ہر دفعہ آپ ہی کا نام نکلا، لہذا آپ کو پانی میں پھینک دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جہاز کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ایسا کیا گیا تھا مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ بہر حال جب آپ کو دریا میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ایک مچھلی کو حکم ہوا کہ میرے بنی کو نگل لو۔ تمہارا پیٹ اس کا قید خانہ ہے۔ یہ تمہاری خوراک نہیں ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ آپ تین پتھر تک مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہے، بعض نے تین دن کا ذکر کیا ہے اور بعض دس دن اور چالیس دن

کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ آپ نے اتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں گزارا۔ پھر حال جتنا عرصہ اللہ کو منظور تھا آپ اس قید خانہ میں رہے۔

یونس علیہ السلام  
کی دعا

اس اثنائے فنا دی فی الظلمات آپ نے اندھیروں کے اندر پورے دو گار کوہ پکارا۔ ظاہر ہے کہ ایک تو رات کا اندھیرا تھا، پھر پانی کا اندھیرا اور پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ ان تاریکیوں میں یونس علیہ السلام کی زبان سے یہ دعا نکلی اَنْتَ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ کہ نہیں ہے کوئی معبود سولے تیرے۔ تیری ذات پاک ہے اِنْتَ كُنْتَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ اور قصور وار میں ہی ہوں۔ میں اپنی لغزش کا اعتراف کرتا ہوں اللہ کی رحمت جوش میں آئی تو اُس نے فرمایا فَاسْتَجِبْ اِلَہُ پھر ہم نے آپ کی مناجات کو قبول کیا وَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ اور ہم نے آپ کو اس غم یعنی مصیبت سے نجات دی۔ سورۃ الصافات میں ہے فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَجِّدِيْنَ (۱۴۳) لَبِثْتَ فِي بَطْنِهَا الْحَالِ يَوْمٍ يُبْعَثُونَ (۱۴۴) اگر آپ یہ تسبیح بیان نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس قید سے رہائی نہ بخشتا اور قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ آپ کو اگلے قَبْضَانُہُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيٌّ (۱۴۵) تو ہم نے آپ کو چٹیل میدان میں پھینک دیا اس حالت میں کہ آپ بیمار تھے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے آپ کی جلد بالکل نرم ہو چکی تھی۔ کہ سردی اور گرمی بد اثر نہ کرنے کے قابل نہ تھی پھر جس پہلی زمین پر آپ کو اگلا گیا وہاں کوئی سایہ بھی نہ تھا۔ تو اللہ نے فرمایا وَابْنَحْنُ عَلَیْہِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقُطِبِیْنَ (۱۴۶) ہم نے وہاں پر کدو کی ایک بیل اگادی جس کے پتے چکنے ہوتے ہیں اور ان پر کبھی بھی نہیں بیٹھتی۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کدو بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ میرے بھائی  
یونس علیہ السلام کا رخت ہے اس لیے مجھے پسند ہے۔ بہر حال اللہ نے آپ کو  
جبت نام وہاں رکھنا منظور تھا اس میدان میں رکھا اور پھر **وَأَرْسَلْنَاهُ**  
**الْحَبْرَةَ أَلْفَ أَوْ يَنْفِيذُوتَ** (الصفحتہ ۱۴۷) آپ کو  
ایک لاکھ بیس ہزار کی آباری والے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ پھر آگے  
سارا واقعہ مذکور ہے۔

مفید عام  
مناجات

اس آیت کریمہ پر مناجات **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ** صحیح اِی  
**كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس  
علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا **وَكَذَلِكَ**  
**فَنَجَّيْنَا الْمَوْذِينَ** اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں  
مطلب یہ کہ یہ وظیفہ صرف یونس علیہ السلام کے لیے ہی مخصوص نہیں تھا  
بلکہ جو مومن پریشانی کی حالت میں اس مناجات کے ساتھ دعا کرے گا، ہم  
اس کو مصیبت سے رهایی دلائیں گے، ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے  
**دَعْوَةُ الْمَكْرُوبِ دَعْوَةُ ذُو النُّونِ** سخت پریشانی میں مبتلا  
شخص کی دنیا بھی وہی ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے۔ چنانچہ  
شاہ عبدالعزیزؒ تفسیری عزیزی میں لکھتے ہیں کہ بلاشبہ رد بلا کے لیے دعا  
تو یہی ہے لیکن بزرگانِ دین نے تجربات کرنے کے بعد اس دعا کو پڑھنے  
کے در طریقے وضع کیے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ بہت سے آدمی مل کر  
ایک ہی مجلس میں اس آیت کا سو لاکھ مرتبہ ورد کریں اور پھر دعا کریں تو  
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ منظور فرمائے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ  
آدمی عشاء کے بعد اندھیرے میں روزانہ تین سو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھے۔ اپنے  
پاس پانی کا ایک پیالہ رکھ لے اور وقفہ وقفہ سے پانی میں ہاتھ ڈال کر  
چہرے اور جسم پر ملائے۔ یہ عمل تین سات یا چالیس دن تک کریگا۔  
لے **تَعْمِدُ صَدَقَةٍ** (فیاض)

تو اللہ تعالیٰ اُس کی مشکل کو حل کر دیگا۔ یہ بڑا پاکیزہ کلمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت کا اقرار اور اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے۔ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ مضطرب کی دعا قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اشارۃً بتلادیا کہ یہ بات صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہم اس طرح ہر اہل ایمان کو اس کے مصائب سے نجات دیا کرتے ہیں۔



وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ  
 خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝۸۹ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ  
 وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي  
 الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا  
 خَشِيعِينَ ۝۹۰ وَالَّتِي أَحْصَدْتُ فَرْجَهَا فَفَقَحْنَا فِيهَا  
 مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۝۹۱  
 إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ  
 فَاعْبُدُونِ ۝۹۲ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلُّ  
 إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝۹۳

ترجمہ :- اور زکریا (کو بھی ہم نے علم و حکمت دیا اور اپنی  
 رحمت میں داخل کیا) جب کہ پکارا اُس نے اپنے پروردگار کو  
 کہ اے میرے پروردگار ! نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور تو سب سے  
 بہتر وارث ہے ۝۸۹ پس ہم نے قبول کیا اُس کی  
 دعا کو اور بخشا ہم نے اس کو بیٹا یحییٰ ۔ اور ہم  
 نے اچھا کیا اُس کے لیے اس کی بیوی کو ۔ بیشک یہ  
 لوگ دوڑتے تھے نیکی کے کاموں میں اور پکارتے تھے  
 ہم کو رغبت رکھتے ہوئے ، اور ڈرتے ہوئے ۔ اور



کے پاس بے موسم چل دیکھے تو پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس پر زکریا علیہ السلام کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی **هَذَا لَكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبًّا** (ال عمران - ۳۸) تو اس وقت آپ نے اپنے پروردگار سے پاک اولاد کے لیے درخواست کی۔ سورۃ مریم میں ہے کہ آپ نے اپنی مناجات اس طرح شروع کی کہ اے پروردگار! **رَبِّ اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا** (آیت ۴۰) میری ہڈیاں کمزور اور بال سفید ہو چکے ہیں۔ **وَإِنِّ خِفْتُ الْمَوَالِیْ مِنِّیْ وَرَآءِیْ** (آیت ۵۰) مجھے خاندان کے لوگوں میں کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا جو میری نیابت کر سکے **فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلَدًا** لہذا اپنی طرف سے مجھے ایک وارث نصیب فرما۔ **یَرْثُنِیْ وَیَرِثْ مِنْ اِلٰی یَعْقُوبَ** (آیت ۶۰) جو میری اور خاندان یعقوب کی نیابت کا کام انجام دے سکے۔ آپ نے صرف اولاد نہیں مانگی بلکہ فرمایا **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا** کہ وہ اولاد نافرمان اور بے دین نہ ہو بلکہ ایسی ہو جو پسندیدہ ہو۔ اور آیت زیر درس میں بھی زکریا علیہ السلام نے اس انداز میں دعا کی کہ پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

اللہ نے فرمایا **فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ** ہم نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا **وَوَهَبْنَا لَهُ یَحْیٰی** اور اُن کو یحییٰ عطا فرمایا۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کیے اور وہ دونوں اللہ کے نبی تھے۔ اسی طرح زکریا علیہ السلام کو اللہ نے یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا جو اللہ کے نبی تھے، بڑے عبادت گنہگار اور پسندیدہ تھے فرمایا ہم نے زکریا علیہ السلام کو یحییٰ عطا فرمایا اور اس سے پہلے **وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ** ہم نے آپ کی بیوی کو بھی درست کر دیا وہ باخوب تھی، اُسے صحت عطا کی اور پھر پیرائے سالی ہیں اولاد کی نعمت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب اور قادر مطلق ہے، وہ ناممکن کو ممکن

دعا کی  
قبولیت

بنائے پر قادر ہے۔

نیکوں میں  
سبقت

اللہ نے فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام، اُن کا خاندان اور اُمّی تمام دنیا  
جن کا گذشتہ آیات میں ذکر ہوا ہے اذِیْہُمْ اَزْرَافُ اَشْرَارٍ  
فِی الْخَیْرَاتِ بیشک وہ تمام نیکوں میں سبقت کرنے والے تھے۔  
یعنی اچھائی کے کام کی طرف دوڑ کر جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عام اہل ایمان  
کو بھی حکم دیا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ اِنَّ مَّا تَکُوْنُوْنَ اِیَّاتِ  
بِکُمْ وَاللّٰہُ جَمِیْعًا (البقرہ - ۱۲۸) کہ نیکوں کی طرف جلدی کرو۔  
تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کر دے گا۔  
یہ بھی فرمایا وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی نیکی کی بات کو نہ کہ  
تمہیں فلاح حاصل ہو جائے، قانون، شریعت اور عمل صالح کی پابندی کرو،  
کفر، شرک، بدعات اور رسوم باطلہ سے باز آ جاؤ۔ اللہ کے راستے میں نیکوں  
میں سبقت کرتے تھے۔

امید اور خوف

فرمایا اللہ کے اِن برگزیدہ بندوں کی ایک صفت یہ بھی تھی وَیَدْعُوْنَکَ  
رَغْبًا وَرَهْبًا وہ ہمیں پکارتے تھے۔ ہماری نعمتوں میں رغبت رکھتے  
ہوئے اور ہماری گرفت سے خوف کھاتے ہوئے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں  
سے کوئی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے مقرب بنی بھی اس کی نعمتوں  
کے امیدوار ہوتے ہیں اور یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اَلْاٰیْمَانُ بَکُمِ  
الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے ایک طرف اللہ کی  
رحمت کی امید رکھو تو دوسری طرف اس کی گرفت ڈرتے رہو کہ کہیں کوئی آزمائش نہ آجائے  
غرضیکہ نہ امید کا دامن چھوٹنا چاہیے اور نہ خدا کا خوف اُتر جانا چاہیے حضرت یعقوب علیہ السلام  
کی تقریریں یہ جملہ موجود ہے وَلَا تَایْسُؤْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْسُ  
مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ (یوسف - ۸۷)  
یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کہ یہ کافروں کا شیوہ ہے۔ اہل ایمان د



توحید ہمیشہ اللہ کی طرف سے پر امید رہتا ہے۔ بہر حال علم عقائد علم کلام اور علم توحید میں یہ منقول ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے اور یہی قول امام عظیم ابو حنیفہؒ اور دیگر سلف صالحین کا ہے۔

خشیت الہی

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے نبیوں کی تین صفات بیان کی ہیں یعنی وہ نیکوں میں سبقت کرنے والے تھے، ہمیں امید اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور تیسری صفت یہ ہے وَكَانُوا لَنَا خَشِعِينَ کہ وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ عام مومنین کے لیے بھی یہی قانون ہے جیسے فرمایا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون-۱-۲) بیشک وہ مومن لوگ فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ عز و تجر اور خود پسندی کے بجائے نیاز مندی سے کام لیتے ہیں۔ چار مقصود چیزوں میں سے ایک نیاز مندی بھی ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مدارِ سعادت چار خصلتیں ہیں ۱۔ طہارت یعنی پاکیزگی، ۲۔ اخبات یعنی عاجزی، خشوع و خضوع فرشتے انبیا اور تمام بندے اللہ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ بڑائی اُسی کو سرور ہے وَلَهُ الْكِبَرُ بِكَاءِ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ (المذثر-۳) ہمیشہ اپنے پروردگار کی بڑائی اور کبریائی کا تذکرہ کرو۔ ۳۔ سماحت یعنی انسان اعلیٰ خصائل کا حامل ہو اور رذیل خصلتوں سے بچتا رہے۔ ۴۔ عدل ہمیشہ انصاف کو پیش نظر رکھو۔ کسی کے ساتھ ظلم و تعدی کا معاملہ نہ کرو۔ بہر حال فرمایا کہ یہ سارے نبی ہمارے عاجز بندے تھے۔

حضرت مریمؑ اور مسیح علیہ السلام

اب آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّتِي أَحْصَدَتْ فَرجَهَا اس عورت کو بھی ہم نے اپنی رحمت سے نوازا جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ اس سے مراد حضرت مریمؑ ہیں۔ آپ کے متعلق سورۃ مریم میں موجود ہے کہ جب فرشتہ آپ کو بیٹے کی خوشخبری دینے کے لیے آیا تو آپ نے یہی کہا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے وَلَمْ يُمْسَسْنِي كَيْسَرٌ

وَلَمْ آلُ بِغِيٍّ (آیت ۲۰۰) کہ نہ تو کسی انسان نے مجھے چھوایا ہے اور نہ ہی مجھ میں کوئی برائی ہے۔ اوصہر سے ارشاد ہوا کَذٰلِكَ جَبَّهْمُ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو پھر اسی طرح کر ڈالتے ہیں کہ بغیر ظاہری اسباب اور مرد کی قربت کے بچہ عطا کر دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت مریمؑ کے متعلق فرمایا فَتَفَحَّنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح بھونک دی۔ اصل میں فرشتے نے حضرت مریمؑ کے گمربان میں بھونک ماری تھی جس سے آپ کو حمل قرار پا گیا اور اس فعل کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم نے روح بھونک دی۔ اور پھر یہ ہوا کہ حمل قرار پانے کے بعد بچہ پیدا ہونے میں نو ماہ انتظار نہیں کہ نہ نا پڑا بلکہ چند ہی گھنٹوں کے بعد دروازہ شروع ہو گیا اور پھر مسیح علیہ السلام کی پیدائش ہو گئی۔

فرمایا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہم نے حضرت مریمؑ اور آپ کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو جہان بھر کے لیے نشانی بنا دیا۔ حضرت مریمؑ کا بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہیں کہ اللہ نے آپ کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ کو ظاہرہ اور صدیقہ بنایا اور پھر بغیر مرد کی قربت کے آپ کو عظیم المرتبت بیٹا عطا فرمایا اور وہ اللہ کا پاک نبی تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ماں اور بیٹا دونوں کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا۔

اس جگہ میں عقیدہ انبیت والوں کا رد بھی ہو گیا ہے۔ وَاٰتٰنَا سُلٰسٰتًا مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ کہ خدا کا بیٹا یا اس کا جزو یا تین خداؤں میں سے تیسرا۔ یہ غلط عقیدہ تو یوں نے مسیح علیہ السلام کے بعد وضع کیا تھا۔ وگرنہ ابتدائی دور میں مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے آپ کو حضرت مریمؑ ہی کا بیٹا مانتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے مقرب بندے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مریمؑ کا بیٹا کہہ کر سارا مسئلہ حل فرما دیا۔ اس کے

خلاف عقیدہ رکھنے والے کافر، مشرک، اور ابدی جہنمی ہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً يَهْتَدِي  
 امت یعنی دین اور ملت ایک ہی ملت ہے۔ گویا تمام انبیاء علیہم السلام کا  
 تعلق ایک ہی ملت سے ہے۔ دین بنیادی عقیدے کو کہا جاتا ہے اور ملت  
 بڑے بڑے اصولوں کا نام ہے۔ اصول دین تو تمام انبیاء کے مشترک ہیں۔  
 البتہ اُن کے شرائع میں اختلاف ہوتا ہے۔ بعض شرائع میں کوئی چیز حلال ہوتی ہے  
 اور بعض میں حرام ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ نَحْنُ مَعَشَرُ  
 الْأَنْبِيَاءِ أَوْلَادُ عِلَّاتٍ دِينُنَا وَاحِدٌ ہم سارے انبیاء علاتی بھائیوں  
 کی طرح ہیں جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہم سب کا دین یا  
 ملت ایک ہے، تمام بڑے بڑے اصول یکساں ہیں مگر شرائع یعنی جزئیات  
 مختلف ہیں۔ اللہ نے یہ بات قرآن پاک میں بھی سمجھا دی ہے شَرَعَ  
 لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا (الشوری ۱۳۰)  
 یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھی وہی دین مقرر کیا ہے جو نوح علیہ السلام  
 اور آپ سے بعد والے نبیوں کے لیے مقرر کیا گیا۔ اللہ کی وحدانیت کو  
 تسلیم کرنا، قیامت پر یقین، انبیاء کتب سماویہ اور ملائکہ پر ایمان، اللہ  
 کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا ہی دین ہے اور یہ سب کا مشترک ہے  
 فرمایا وَ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُون اور میں تمہارا پروردگار ہوں  
 لہذا میری ہی عبادت کرو۔ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ ہر نبی نے  
 بھی یہی تعلیم دی لِقَوْمٍ اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهِ  
 غَيْرُوْہ (الاعراف - ۶۵) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت  
 کرو کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

دین میں  
تفرقہ بازی

اللہ نے تو سب کا ایک ہی دین مقرر کیا تھا مگر اس پر متفق نہ رہ  
 سکے۔ اللہ نے یہاں شکوہ کیا ہے وَ تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ  
 لہ تفسیر پاپ کشین ص ۱۸۶ (فیاض)

پھر ان لوگوں نے اپنے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بعد میں آنیوالوں نے دین کو بگاڑ کر اس میں فرقہ بندی پیدا کر دی۔ دیکھ لیں یہودیوں کے کئی فرقے بنے اور وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ نصاریٰ نے بھی توحید الہی کو بگاڑ دیا اور شرک کو اختیار کر لیا۔ وہ بھی بہت فرقوں میں بٹ گئے۔ اسی طرح صابئی، مجوسی، منجمین قیامت اور منجمین رسالت وغیرہ بہت فرقے معرض وجود میں آئے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اصل دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بگاڑ دیا اور خود گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے کچھ تو میری امت تتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ فرمایا صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا، باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا۔ فرمایا مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَأَصْحَابِ یعنی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔ بعض لوگ فریبی اختلافات کو ہوا دے کر تیز چلتے ہیں اور اس طرح دین میں خرابی کا باعث بنتے ہیں اور پھر طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ بنیادی عقائد میں اختلاف پیدا کر کے صریح گمراہی میں جا گرتے ہیں۔

فرمایا ان لوگوں نے اپنے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مگر یہ بیچ کر نہیں جاسکتے کُلُّ اَیْکُمْ رَاجِعٌ سَب کے سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔ ہم ان کا حساب لے لیں گے اور اختیار کردہ عقیدے اور عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیں گے۔



فَمَنْ يَكُلْ مِنْ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا  
كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ⑨٢ وَحَرَّمَ عَلَى  
قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑨٣ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ  
يَابُوجُ وَمَا جُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ⑨٤  
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا يُوِيلِنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ  
هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ⑨٥ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ  
مِن دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ ۚ أَنْتُمْ لَهَا  
وَارِدُونَ ⑨٦ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلَهِةً مَا وَرَدُوهَا ۚ وَكُلٌّ  
فِيهَا خَالِدُونَ ⑨٧ لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ وَهُمْ فِيهَا لَا  
يَسْمَعُونَ ⑨٨ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَا  
الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ⑨٩ لَا يَسْمَعُونَ  
حِسِّيَّاتِهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ⑩٠  
لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ  
هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ⑩١ يَوْمَ  
نُطَوَّى السَّمَاءُ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا

# بَدَانَا اَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيْدُهُ وَعَدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَعٰلِيْنَ ۝۱۰۴

ترجمہ :- جو شخص عمل کرے گا نیک کاموں میں سے، بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو۔ پس نہیں ناقد رہی ہو گی اس کی کوشش کی۔ اور بیشک ہم اُس کو لکھنے والے ہیں ۝۹۴ اور حرام ہے اُس بستی پر جس کے سہنے والوں کو ہم نے ہلاک کیا۔ وہ لوگ پھر نہیں آئیں گے ۝۹۵ یہاں تک کہ جب چھوڑ دیے جائیں گے یا ہوج ماجوج۔ اور وہ ہر اونچی جگہ سے پھلتے ہوئے چلے آئیں گے ۝۹۶ اور قریب ہو جائے گا وعدہ سچا۔ پس اچانک اُوپر لگی ہوں گی آنکھیں اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا، (اور کہیں گے) اے افسوس ہمارے۔ تحقیق تھے ہم غفلت میں اس سے، بلکہ ہم تو زیادتی کرنے والے تھے ۝۹۷ (حکم ہو گا) بیشک تم اور جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا ایندھن ہو جہنم کا۔ اور تم اُسہیں وارد ہونے والے ہو ۝۹۸ (وہ کہیں گے) اگر ہوتے یہ معبود تو نہ وارد ہوتے اس کے اندر۔ اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے ۝۹۹ اُن کے لیے اس میں چلانے کی آوازیں ہوں گی اور وہ اس میں نہیں گے نہیں ۝۱۰۰ بیشک وہ لوگ کہ پہلے ہو چکی ہے ان کیلئے ہماری طرف سے بھلائی۔ یہ لوگ اس سے دور رکھے

جائیں گے (۱۰۱) اور وہ نہیں سنیں گے اس کی آہٹ بھی  
 اور وہ جس چیز میں چاہیں گے اُن کے نفس ہمیشہ رہنے  
 والے ہوں گے (۱۰۲) نہیں غم میں ڈالے گی اُن کو بُری  
 گھبراہٹ اور ملیں گے اُن سے فرشتے (اور کہیں گے) یہ  
 تمہارا وہ دن ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (۱۰۳)  
 جس دن ہم پیٹ دیں گے آسمانوں کو مثل پیٹ دینے  
 طومار کے لکھے ہوئے کاغذات کو جیسا کہ ہم نے پیدا  
 کیا مخلوق کو پہلے، ہم دوبارہ لوٹائیں گے۔ اس کو یہ وعدہ  
 ہے ہمارا۔ بیشک ہم کرنے والے ہیں (۱۰۴)

رِبطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے۔  
 اُن کے مصائب و تکالیف، اُن کے طریقہ تبلیغ، اُن کی مناجات اور عبادت اور  
 اُن کے صبر پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آئندہ آنے والوں کے لیے انہیں نمونہ بنایا  
 ہے۔ آخر میں حضرت مریمؑ اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بھی کیا ہے اور پھر ایک اصولی بات  
 یہ بیان فرمائی ہے کہ تمام انبیاء کی ملت اور دین ایک ہی رہا ہے۔ فرمایا میں تمہارا  
 پروردگار ہوں، لہذا میری ہی عبادت کرو۔ مگر بعد میں آنے والے لوگوں نے دین کے  
 ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بعض نے عقائد کو خراب  
 کر دیا اور کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔ فرمایا رب نے ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے،  
 اُس وقت ہم ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدے اور عمل کے مطابق سلوک  
 کریں گے۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں پیش آنے والے محاسبہ اعمال کا قانون بیان  
 فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ شَهِيدٌ  
 اعمال انجام دیتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعد بنیادی طور

عمل صالح کی  
 قدر دانی

پہ چار نیکیاں ہیں یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ اس کے بعد دیگر نیکیوں میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی تلاوت، تبلیغ دین، صدقہ و خیرات اور رفاہ عامہ کے دیگر کام ہیں۔ فرمایا جو شخص نیک عمل کرے گا وہ ہر مؤمن بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، گویا کسی بھی نیکی کے لیے ایمان بطور شرط ہے۔ اگر ایمان ہو گا تو نیکی کا رآمد ہوگی اور انسان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ ورنہ رایگاں جائے گی۔ اگر خدا نخواستہ عقیدے میں خرابی ہے تو بیماروں جتنی بڑی بڑی نیکیاں بھی کچھ مفید نہیں ہوں گی۔ کفر، شرک، نفاق کا شاہدہ پایا جائیگا تو تمام نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ ایسی نیکیوں کی وجہ سے دنیا میں شہرت تو حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر آخرت میں ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

فرمایا جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام انجام دیا فلا کفران لیسعہ تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائیگی۔ بلکہ اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ اور ہم ہر نیکی کے کام کو لکھنے والے ہیں۔ ہر انسان کے اعمال کو محفوظ کرنے کے لیے اللہ نے فرشتے مامور کر رکھے ہیں جو ہر چھوٹا بڑا کام لکھتے جاتے ہیں اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں بھی درج ہے مگر اسے فرشتے بھی لکھتے جاتے ہیں اور اس طرح انسانی اعمال کی حفاظت کا پورا پورا انتظام موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ کراما کا تبین مقرر کر دیے ہیں۔ اور ان کی ڈیوٹی یہ ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق - ۱۸) کوئی شخص جو بھی لفظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے ہمارے فرشتے اس کو فوراً نوٹ کر لیتے ہیں پھر جب یہ نامہ اعمال پیش ہوگا تو انسان پڑھ کر حیران ہو جائے گا۔ اور کہے گا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صِفِيرَةً وَلَا كِبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا رَاقِعٌ (۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ کوئی



چھوٹی چیز چھوٹی ہے اور نہ بڑی مگر اُسے محفوظ کر رکھا ہے

اگے اللہ نے نافرمانوں کی ہلاکت کا قانون بیان فرمایا ہے وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَتْلِهِ أَهْلُكُمْ اہل گناہ کا حرام ہے اُن بستی والوں پر کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ کہ وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں یہ حرام کا معنی دو طریقے پر کہہ رہے ہیں حرام کا معنی ضروری بھی ہوتا ہے، اور اس طرح پورا مفہوم یہ ہوگا کہ جن بستی والوں کو ہم نے اُن کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا ہے، اُن پر ضروری ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے۔ حرام کا دوسرا معنی ممنوع ہے۔ یہ معنی عام فہم ہے اور حلال کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو پورا جملہ اس طرح ہوگا کہ ہلاک شدہ بستی والوں پر دوبارہ واپس آنا ممنوع ہے یعنی اُن کا دنیا میں دوبارہ آنا کہ وہ اپنے کفر، شرک اور معاصی کی تلافی کر سکیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ اس مادی جہاں میں یہ زندگی کا ہی ایک موقع ہے کہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر لے۔ جب سزا آگئی اور بستی تباہ ہو گئی تو پھر ایسی غلطیوں کی تلافی ممکن نہیں ہے گی۔

بعض اس آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کرتے ہیں کہ ہلاک ہونے والی بستی کے لوگ دوبارہ ہدایت کی طرف نہیں آتے۔ یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ جن لوگوں پر ان کی مجرمانہ کاروائیوں کی وجہ سے ہلاکت و تباہی متقرر ہو چکی ہے۔ وہ ایمان اور توحید کی طرف نہیں آئیں گے بلکہ اُسی بد بختی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے وعدے کا وقت آ پہنچے اور پھر ایسے لوگوں کو اپنے اعمالِ بد کا بھگتا کرنا پڑے، قومِ عاد اور ثمود سے لے کر جن جن نافرمان قوموں کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں کیا ہے، یا جن کا تذکرہ تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے اُن میں سے کوئی بھی آج تک پلٹ کر نہیں آیا، بلکہ اُن کی جگہ دوسرے لوگ ہی آتے رہے ہیں۔ بہر حال مفسرین نے یہ دونوں معنی بیان کیے ہیں۔

فرمایا جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ وہ واپس لوٹ کر نہیں آئیں

گے حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یا جوج اور ما جوج وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ اور وہ ہر اونچی جگہ سے پھسلتے چلے آئیں گے۔ یا جوج ما جوج کا خروج علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ پہلے مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ وہ دجال کو ختم کریں گے، اُس کے بعد یا جوج ما جوج کا خروج ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام کو پیغام بھیجے گا کہ اِنِ اُخْرِجْتَ عِبَادًا لَا يَدَانِ لَاحِدٍ بَقِيَتَا لِهَيْمٍ میں نے ایسی مخلوق کو نکالا ہے جن کے ساتھ مقابلے کی کسی کو تاب نہیں، لہذا تم چیدہ چیدہ بندوں کو ہمراہ لے کر طور پر چلے جاؤ۔

یا جوج ما جوج دراصل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس مخلوق کی عمریں بڑی لمبی ہوتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ اس چیز سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی اُس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنی اولاد میں سے ایک ہزار کی تعداد کم نہیں دیکھ لیتا۔ باقی تمام انسانوں اور یا جوج ما جوج کی آبادی کی نسبت ۱: ۹۹۹ ہے یعنی ہر انسان کے مقابلے میں یا جوج ما جوج ۹۹۹ ہیں۔ البتہ ان کی اکثریت کفر و شرک میں مبتلا ہوگی اور یہ سب جہنم میں جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بڑا فساد مچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اپنے مردوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب یہ سکندری کے عقب سے ظاہر ہوں گے تو ہر چیز کو فنا کرتے چلے جائیں گے۔ بحیرہ طبرہ کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا سارا پانی پی جائیں گے حتیٰ کہ ان کے بعد میں آنے والے پوچھیں گے کہ کیا اس خشک ندی میں کبھی پانی بچھا تھا۔ اس قوم کی زیادتیوں کی وجہ سے مخلوق خدا سخت پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی۔ پھر ان پر طاعون جیسی ایک وباء نازل ہوگی جس میں سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے جانور بھیجے گا جو ان کی نعشوں کو اٹھا اٹھا کر زمین کے نشیبی

علاقوں میں لے جائیں گے۔ پھر خوب بارش ہوگی جو ان لغوثوں کی پس ماندہ گندگی کو دھو ڈالے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ یاجوج ماجوج کے مکمل خاتمہ کے بعد بھی انسان دنیا پر آباد رہیں گے اور وہ بیت اللہ کا حج بھی کریں گے البتہ اس کے بعد جلدی ہی قیامت برپا ہو جائیگی۔

کفار کا  
اظہار  
تأسف

یاجوج ماجوج کے خروج پر وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ سچا وعدہ قریب آجائے گا۔ اور وہ وعدہ وقوع قیامت کا ہے۔ جب قیامت برپا ہو گی تو عجیب و غریب حالات نظر آئیں گے فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا اُس وقت ایمان کافروں کی آنکھیں اوپر لگی ہوئی ہوں گی۔ وہ ٹکٹی باندھے دیکھتے ہوں گے۔ اُس وقت ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی، اور پھر کافر لوگ کہیں گے يَوْمَئِذٍ قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلَّغْنَا أَفْسُوسَ أَكْمَرْتُمُوَّا اس واقعہ سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کے نبی بتاتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے مگر ہم یقین ہی نہیں کرتے تھے بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ یقیناً ہم ہی زیادتی کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَعَلْتُمْ تَمَّ اور تمھارے معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، جہنم کا ایندھن ہیں۔ حَصَبٌ ایندھن کو کہتے ہیں جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔ عربی محاورے میں حَصَبٌ کا معنی احطاب بھی ہوتا ہے جو جلانے والی لکڑی کے لیے بولا جاتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت علیؑ کی قرأت میں حَطَبٌ جَعَلْتُمْ بھی کہا ہے بغرض کہ حَصَبٌ اور حَطَبٌ کا ایک ہی معنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ تم تابع اور متبوع جہنم کا ایندھن ہو أَنْتُمْ كَهَٰؤُلَاءِ دُونَ اور تم سب اُس میں سہجے والے ہو۔

اُس وقت مشرک لوگ کہتے افسوس ملیں گے اور اپنے معبودان باطلہ کے متعلق کہیں گے لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ إِلَهًا مَّا وَرَدُوا



اگر یہ سچے معبود ہوتے جن کی ہم عبادت کرتے رہے ہیں تو آج ہم جہنم میں نہ پھینکے جاتے، بلکہ اس عذاب سے بچ جاتے وَكُلُّهُمْ فِيهَا خِلْدٌ وَتُحْيَا اُن کی کوئی حسرت مفید نہیں ہوگی اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُسی جہنم میں رہنا ہوگا۔ پھر اُن کی حالت یہ ہوگی لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ کہ وہاں انہیں چھینا چلانا ہوگا۔ اُن کی ہچکیاں بندھ جائیں گی تو اُن کی وجہ سے چلانے کی آوازیں نکلیں گی۔ اور اس چلانے کی وجہ سے وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ اُن کی کوئی بات نہیں سنی جائیگی۔ اتنا شور و غوغا ہوگا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیگی اور اُن کا چھینا چلانا بالکل رائیگاں جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ کافروں کو بڑے بڑے ستونوں کے ساتھ باندھ کر اُپر سے پوش ڈال دیے جائیں گے، وہ ان میں بند ہو کر رہ جائیں گے اور اُن کی کوئی آواز سنائی نہیں دیگی۔

نیکو کاروں  
کی بدیت

دیگر کفار و مشرکین کی طرح مجھے کا ایک شاعر عبداللہ بن زبیرؓ بھی سخت مخالفین میں سے تھا مگر بعد میں ایمان لے آیا۔ ابتدائی دور میں اُس نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بڑا پراسیڈنٹ کیا۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہا مسیحؑ اور عزیرؑ کون ہیں؟ کیا یہ اللہ کے نبی بندے نہیں؟ پھر کہا فرشتے کون ہیں، کیا یہ اللہ کی پاکیزہ مخلوق نہیں؟ جب آپ نے دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں دیا تو عبداللہؓ کہنے لگا کہ ہم تو اپنی پاک ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں، ان کو معبود مانتے ہیں۔ اب اگر تمہارے کہنے کے مطابق عابد اور معبود سب جہنم میں جائیں گے تو یہ تو اچھی بات ہے کہ ہم ان پاکیزہ لوگوں کے ساتھ ہی رہیں گے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا کہ معبودان باطلہ سے مراد حضرت مسیحؑ، عزیرؑ اور فرشتے نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی پوری زندگی تمہارے شرک سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے اور قیامت کو بھی تم سے برأت کا اعلان کریں گے، کہیں گے ہم نے تو



انہیں اپنی پوجا کے لیے نہیں کہا، بلکہ یہ تو اصل میں شیطان کی اتباع کرتے رہے  
 لہذا وہ جو دینِ باطلہ کے زمرہ میں نہیں آتے اور وہ اس وعید سے مستثنیٰ  
 ہوں گے، فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحَسَنٰتِ  
 وہ لوگ کہ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بحیثیتِ کافصلہ ہو چکا ہے  
 اللہ کے علم میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ وہ اللہ کے نبی اور اس کے نیک  
 بند ہیں اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وہ اس جہنم سے دور رہیں  
 گے۔ بلکہ اتنا دور ہوں گے لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وہ تو دوزخ کی  
 آہٹ بھی نہیں سنے گے فَهُمْ فِيْ مَا اَسْتَهْتِ الْفَسْهُوَ  
 خَلَدُوْنَ وہ اپنی من پسند جگہ میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اُن کی خواہشات  
 پوری کی جائیں گی اور وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اللہ نے اُن کے زعمِ ظاہر  
 کی تردید فرمادی کہ یہ پاک ہستیاں اور مشرکین و کفار اکٹھے رہیں گے۔ سرِ پاک  
 نیک لوگوں کی بات تو یہ ہے لَا یَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ انہیں  
 بڑے دن (قیامت) کی گھبراہٹ غم میں نہیں ڈالے گی۔ بلکہ وَتَلْقٰهُمْ  
 الْمَلَائِكَةُ فرشتے اُن سے ملاقات کریں گے اور انہیں خوشخبری دیں گے  
 هٰذَا یَوْمُكُمْ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ یہی وہ دن ہے  
 جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اُس دن تمہیں بڑا انعام و اکرام ملے گا اور تم  
 اللہ کی رحمت میں داخل ہو جاؤ گے۔

آگے اللہ نے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا  
 ہے یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ کَطِیِّ السِّجِّیْلِ الْکُتُبِ اُس دن  
 ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کسی نوشتے کو طومار میں  
 لپیٹ دیا جاتا ہے۔ مفسرین کلامِ سجدی کے دو معنی کرتے ہیں۔ اس کا ایک  
 معنی نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سردار کا نام ہے۔ جب انسان کے  
 اعمال ختم ہو جاتے ہیں تو فرشتہ انہیں لپیٹ کر رکھ دیتا ہے سورۃ بنی اسرائیل

ذوقِ قیامت  
 اور بحثِ ثانی



باقی ساری مخلوق برہمنہ ہوگی۔ اس کے بعد حشر کے میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔

فرمایا جس طرح ہم نے سب کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم دوبارہ بھی لوٹائیں گے۔ وَعْدًا عَلَيْنَا يَهْمَارُ وَعْدُهُ هَإِنَّا كُنَّا فَعِلًا  
اور بیشک ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ یہ ضرور ہو کر ہے گا۔ جب عزائے عمل کی منزل آئیگی تو انسانوں کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ  
 الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (۱۰۵) إِنَّ فِي هَذَا  
 لَبَلَاءً لِقَوْمٍ غٰبِیْنَ ۝ (۱۰۶) وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رَحْمَةً  
 لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (۱۰۷) قُلْ إِنَّمَا یُوحِیَ إِلَیَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ  
 اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (۱۰۸) فَإِنْ تَوَلَّوْا  
 فَقُلْ أَذُنُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ وَإِنْ أَدْرِیْ أَقْرَبُ  
 أَمْ بَعِیْدُ ۚ مَا تُوعَدُونَ ۝ (۱۰۹) إِنَّهُ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ  
 الْغُیِّ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝ (۱۱۰) وَإِنْ أَدْرِیْ لَعَلَّهُ  
 فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حَبِیْنٍ ۝ (۱۱۱) قَالَ رَبِّ  
 احْكُم بِالْحَقِّ ۚ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی  
 مَا نَصِفُونَ ۝ (۱۱۲)

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں  
 نصیحت کے بعد کہ بیشک زمین کے وارث ہوں گے  
 میرے نیک بندے ۝ (۱۰۵) بیشک اس میں مطلب تک  
 پہنچنے کی بات ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی  
 عبادت کرنے والے ہیں ۝ (۱۰۶) اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں  
 (کے پیغمبر!) مگر رحمت کرنے کے لیے تمام جہانوں پر ۝ (۱۰۷)



آپ کہہ دیجئے، بیشک وحی کی گئی ہے میری طرف اس بات کی کہ بیشک تمہارا ایک ہی مہبؤ ہے۔ پس کیا تم فرمانبرداری کرو گے (۱۰۸) پس اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے، میں نے خبردار کہہ دیا ہے تم کو برابر برابر۔ اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا بعید وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (۱۰۹) بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ظاہری بات کو اور جانتا ہے جس چیز کو تم چھپاتے ہو (۱۱۰) میں نہیں جانتا شاید یہ تاخیر آزمائش کا باعث ہو تمہارے لیے اور فائدہ اٹھانے کا سامان ہو ایک وقت تک (۱۱۱) کہا (اُس پیغمبر نے) اے پروردگار! فیصلہ کر دے حق کے ساتھ۔ اور ہمارا پروردگار نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔ اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اُن باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو (۱۱۲)

رابط آیات

یہ مکی سورۃ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور قیامت کے تین اہم بنیادی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کے حالات، اُن کی پاک سیرت، اُن کا طریقہ تبلیغ اور بارگاہ رب العزت میں اُن کی مناجات کا تذکرہ کیا ہے اُن پر بہت سی مصیبتیں بھی آئیں جنہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے کمال صبر و تحمل کا نمونہ پیش کیا۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ سابقہ انبیاء کی طرح وہ بھی مصائب کو برداشت کرتے ہوئے تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں، بالآخر اللہ تعالیٰ انہی کو کامیابی عطا فرمائے گا۔ آج کی آیات میں پہلے تسلی کا مضمون ہے اور پھر حضور خاتم النبیین کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اُس کے بعد توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور پھر کفار و مشرکین

کو تنبیہ کی گئی ہے۔

وراثتِ ارضی

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ  
الذِّكْرِ اور البتہ تحقیق ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے ذکر کے بعد اس  
حصہ آیت میں زبور اور ذکر کے الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ ان سے  
کیا مراد ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زبور سے مراد آسمانی صحیفے ہیں اور  
ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس طرح جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ لوح محفوظ  
میں درج کرنے کے بعد ہم نے یہ بات آسمانی صحائف میں لکھ دی ہے  
امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے کل ایک  
سو چار آسمانی صحائف نازل فرمائے ہیں جن میں سے چار بڑی کتابیں، زبور  
تورات، انجیل اور قرآن پاک ہیں اور باقی ایک سو چھوٹے صحائف ہیں۔ تاہم  
بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ذکر سے مراد نصیحت ہے اور زبور  
سے مراد کتاب زبور ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی  
جیسے فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ دَاوُدَ زَبُورًا (النبا: ۱۶۳) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو  
زبور عطا فرمائی۔ اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ نصیحت کرنے کے بعد ہم نے زبور  
میں یہ بات لکھ دی ہے اِنَّ الْاَرْضَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ پناہیچہ زبور میں آج  
بھی یہ آیتیں موجود ہیں کہ تشریف لوگ فنا کرنے سے جائیں گے، اور علیم اور بیدار  
لوگ زمین کے وارث ہوں گے یا اس طرح کے الفاظ ہیں کہ نیک لوگ  
ہی زمین کے وارث ہوں گے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین سے مراد اس دنیا کی  
زمین ہے یا جنت کی سرزمین۔ بعض اے جنت کی زمین پر محمول کرتے  
ہیں۔ جیسے سورۃ الزمر میں ہے وَاورثنا الارضَ وَنَتَّبِعُ فِيهَا  
الْجَنَّةَ حَيْثُ نَشَاءُ (آیت ۷۴) اللہ نے ہمیں وراثت میں

جنت عطا فرمائی ہے اس سرزمین میں ہم جہاں چاہتے ہیں سہتے ہیں۔ ہمارے  
یہ کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ تاہم اس مقام پر ارض سے مراد اس دنیا کی  
زمین ہی ہے کہ اس زمین کی وراثت کے حقدار میرے نیک بندے ہی ہوں  
گے۔ یہاں پر پھر دو قول ہیں۔ بعض اس سے عام زمین مراد لیتے ہیں۔ کہ  
اس سطح ارضی پر اللہ کے نیک بندے ہر قدر ہوں گے، اور بعض اسے  
ارض مقدس شام و فلسطین پر محمول کرتے ہیں کہ اس سرزمین کے وراثت  
اللہ کے نیک بندے ہوں گے۔ یہ نیک لوگ حضور علیہ السلام کی امت  
کے لوگ ہیں۔ چنانچہ یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے  
دور خلافت میں سرزمین شام و فلسطین کی وراثت اللہ نے مسلمانوں کے  
سپر کردی اور عرصہ دراز تک یہ امانت انہی کے پاس رہی۔ درمیان میں  
کچھ حوادث بھی پیش آئے جن کی وجہ سے عیسائی جنگوں کے زمانے میں یہ  
سرزمین انہی سال تک غیر مسلموں کے قبضے میں رہی۔ پھر صلاح الدین ایوبیؒ  
کے دور میں یہ خط ارضی مسلمانوں کو واپس ملا۔ اس کے بعد ترکوں کے زمانہ تک  
یہ علاقہ مسلمانوں ہی کے زیر تسلط رہا اور آخر میں روس، امریکہ اور انگریزوں نے  
سازش کر کے اسے یہودیوں کے وطن میں تبدیل کر دیا، اگرچہ وہاں مسلمان بھی  
موجود ہیں مگر حکومت یہودیوں کی ہے جسے اسرائیل کا نام دیا گیا ہے۔ اور اگر  
اس سے عام زمین بھی مراد لی جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی کر رکھا ہے  
جیسے سورۃ النور میں ہے وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ  
الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (آیت ۵۵) کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر  
رکھا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال انجام دیں  
گے، انہیں اسی طرح زمین کی خلافت عطا کروں گا جس طرح اُن سے پہلے  
لوگوں کو عطا کی۔

مسلمانوں کا  
عروج و زوال

یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں پورا کر دیا اور خلفائے راشدینؓ اس کا اولین نمونہ ہیں۔ اس زمین کے وارث اللہ کے نیک بندے خلفائے راشدینؓ تھے۔ یہ مکمل نمونہ تسلسل میں تک قائم رہا، اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی ترقی اور عروج ساڑھے چھ سو سال تک جاری رہی۔ پھر مسلمانوں میں کمزوریاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں اور خلافت علی منہاج نبوت کی عمارت میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ مسلمان حکمرانوں میں آرام طلبی اور عیاشی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے ان میں تغیر آگیا۔ یہ انحطاط تاتاریوں کے زمانے سے شروع ہوا اور آج تک مسلسل چلا آ رہا ہے مگر عیا کہ قرآن و سنت کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے آخر میں ایک دفعہ پھر دنیا میں مسلمانوں ہی کو غلبہ حاصل ہو گا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو مسیحیوں کے ہاتھوں بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔ آج دیکھ لیں، اسلامی ملکوں کا سارا انتشار انگریزوں کا پیدا کردہ ہے۔ روس کے بگڑے ہوئے عیسائی دہریت کی آغوش میں چلے گئے۔ جب کہ امریکی عیسائی یا یہودی ہیں۔ یہ یورپ اور امریکہ کے عیسائی ہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمان سلطنتوں کا اکھاڑ بچھاڑ کر رہے ہیں، انہوں نے مشنریاں اور کمیٹیاں بنا رکھی ہیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ بہر حال قرآن پاک کی اس پیش گوئی کے مطابق مسلمان عصرہ دراز تک اس سرزمین کے وارث ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ بِيْشٰك اس میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لیے کفایت ہے۔ یعنی عبادت گزاروں کے لیے قرآن کا پیش کردہ پروگرام ہی کافی ہے۔ انہیں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مسلمان اس پروگرام کے مطابق اپنا عقیدہ اور عمل ڈھال لیں تو یقیناً مرد کو پہنچ



جائیں گے۔ بعض فرماتے ہیں لَبَلُفَا کا معنی یہ ہے کہ اس پر دگر اسم کے ذریعے عبادت گزار انسان یقیناً اپنے مطلب یا سراد کو پہنچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں کی پیشین گوئیوں کو بھی پورا کیا، اور اس آخری کتاب کی پیشین گوئی بھی پوری ہوئی بشرطیکہ اہل اسلام توحید اور نبی پر قائم رہیں۔ اگرہے لوگ ظلم و زیادتی کریں گے، کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہیں گے تو پھر گرفت بھی آئے گی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

تصویر علی  
بطور رحمتہ العالی

اگلی آیت کرمیہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مکہ تمام جانوروں پر رحم، کہہ نے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک تمام کائنات کے لیے باعثِ رحمت ہے، اور اس لحاظ سے آپ نبی رحمت ہیں۔ چنانچہ آپ کا نام نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ اور نَبِیُّ الْمَلْحَمَۃِ بھی ہے۔ آپ کی وجہ سے اللہ نے اپنی مخلوق پر بے انتہا رحمت فرمائی یہاں پر یہ اثن کمال پیدا ہوتا ہے کہ مومنوں کے لیے باعثِ رحمت ہونا سمجھیں آتا ہے مگر کافروں کے لیے آپ کیسے رحمت ہیں جب کہ ان کے خلاف جہاد بھی کیا جاتا ہے اور ان کو تکالیف بھی پہنچائی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت پوری دنیا مستفید ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص از خود اپنے مکان کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے روشنی اور حرارت سے محروم ہونا چاہتا ہے تو یہ اس کی اپنی بد بختی ہے در نہ سورج کی خدمات تو ہر ایک کے لیے یکساں طور پر میسر ہیں۔ اسی طرح حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جانوروں کے لیے باعثِ رحمت ہیں اور اب نافرمان اگر خود اس سے مستفید نہیں ہوتے

تو یہ اُن کی اپنی بدبختی ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تو ہر خاص و عام کے لیے موجود ہے۔

اس حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ اپنی تمام تر مخالفت اور توحید رسالت کے انکار کے باوجود دنیا کی تمام قومیں حضور علیہ السلام کی رسالت نبوت کے فیضان سے مستفید ہو رہی ہیں۔ حضور علیہ السلام کی بعثت اسے پہلے کے تمام انبیاء کی تہذیب اور تعلیم مٹ چکی تھی۔ مسیح علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لے چھ سو سال کے عرصہ میں دنیا میں تاریکی چھائی رہی۔ جب آپ کی بعثت ہوئی تو ترقی کی راہیں دوبارہ کھل گئیں مابعد کی دنیا کی ساری ترقی حضور علیہ السلام کی تہذیب و تعلیم کا فیضان ہے۔ یہ آپ ہی کی تہذیب کا ثمرہ ہے کہ انگریز اور امریکی آج ترقی یافتہ لوگ سمجھے جاتے ہیں حالانکہ نزول قرآن کے زمانے میں یہ لوگ وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے۔ یہ تو لباس سے بھی عاری تھے، محض پشتوں پر چمڑا باندھتے تھے۔ ان کی ترقی نوچودھویں صدی عیسوی میں اس وقت شروع ہوئی جب مسلمانوں پر انحطاط کا دور شروع ہوا۔ غرضیکہ ان کی ساری ترقی مسلمانوں کے مروجہ مذہب سے دوسری اور تیسری صدی میں مسلمانوں کو اندلس پر غلبہ حاصل رہا اور انہوں نے وہاں بڑی ترقی کی۔ مغرب میں قرطبہ میں اہل اسلام نے علمی طور پر بڑا نام پیدا کیا۔ آج، ترقی یافتہ قومیں مسلمانوں کی اسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ میں چھ سو سال تک شیخ ابن سینا کا طب پڑھایا جاتا رہا۔ چوتھی صدی کے اس عظیم طبیب نے علم طب پر ”القانون“ اور ”الادویہ“ جیسی عظیم کتابیں لکھی جنہیں آج بھی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ خود کہتا تھا کہ طب سے تو میں محض شغف رکھتا ہوں۔ میرا اصل موضوع فلسفہ ہے۔ اس موضوع پر اس نے پانچ جلدوں میں ”الشفاء“ جیسی ضخیم کتاب لکھی جس کے کچھ تر فیصد نظریات آج بھی درست

مسلمانوں کا  
علمی سیرہ

مانے جاتے ہیں۔ یورپی قوموں نے ان کتابوں کے نظریات کو اپنی کتابوں میں شامل کر لیا اور ان کتابوں کو ضائع کر دیا۔ اب دیکھئے جرمنی کے سٹریٹس پر گرنے انیسویں صدی عیسوی میں مندرجہ شائع کرائی۔ یہ علم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں تیس ہزار حدیثیں مبعہ سند درج ہیں۔ اس سے عیسائی یہودی اور سارے لوگ مستفید ہو سکتے ہیں۔ پھر جرمنوں کو خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں روزمرہ کی جنگوں سے تیلنے کے لیے صلح و جنگ کا بھی کوئی قانون ہونا چاہیے۔ جس کے ذریعے لوگوں کو تباہی سے بچایا جاسکے۔ چنانچہ انہوں نے امام محمدؒ کی کتاب ”المکبر“ شائع کی جس میں حضور علیہ وسلم کے عزوات کی تفصیل اور اصول و قوانین موجود ہیں۔ اس بے مثال کتاب سے ساری دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ دنیا کی کسی دوسری تہذیب میں ایسی چیزیں نہیں ہیں۔ کیا یہ حضور علیہ السلام کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کافی دلیل نہیں ہے؟ مگر کیا کیا جائے اس تعصب اور عناد کا کہ غیر مسلم اقوام جس چیز سے مستفید ہوتی ہیں انہی کو مٹانے کی کوشش بھی کرتی ہیں تاکہ ساری تہذیب و تمدن اور علم و تحقیق کا سر اپنے سر باندھ لیں یہ وہ حقائق ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تہذیبی، تمدنی، تعلیمی تحقیقی اور اخلاقی فیضان کا پتہ چلتا ہے اور اس سے مسلم اور غیر مسلم سب لوگوں نے یکساں طور پر فائدہ اٹھایا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو اس بات کی تحقیق کرے کہ غیر مسلم اقوام نے حضور علیہ السلام کی نبوت اور تعلیم سے کس قدر نفع حاصل کیا اور اس طرح آپ کی رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت کو واضح کیا جاسکے۔ آپ علیہ السلام نے نہ صرف انسانوں کے حقوق کا تعین کیا، بلکہ جانوروں، درندوں، پرندوں اور کھڑے مکھڑوں کے حقوق بھی بتلائے۔ صلح و جنگ سے متعلق آپ نے قیدیوں سے حسن سلوک کا طریقہ بتلایا۔ یہ سب اقوام عالم کے لیے اچھی نبوت کا فیضان ہے۔



توحید فریغہ  
رحمت ہے

آگے اللہ نے وہ نقطہ توحید بیان فرمایا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحمۃ للعالمین ہونے کی بنیاد ہے۔ فرمایا قُلْ إِنَّمَا يُوحِي إِلَيَّ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی معبود ہے۔ اُس کی توحید کو مانو اور صرف اُسی کی عبادت کرو۔ یہ اصول اللہ کی کتاب، حضور علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی تعلیم سے دنیا کو نصیب ہوا۔ حضور کی بعثت کے وقت توحید کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا، ہر طرف کفر و شرک کا راج تھا۔ توحید کے پیاسوں کو توحید کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ آپ تشریف لائے تو توحید کی کہن بھوٹی، آپ کی تعلیم سے ہی توحید کے پودے کی آبپاری ہوئی اور اس طرح توحید اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا سبب بن گئی۔ فرمایا فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ کیا تم فرمانبردار بننے کے لیے تیار ہو؟ مطلب یہ کہ توحید و رسالت کو تسلیم کر کے اللہ کی رحمت سے اپنا حصہ وصول کر لو۔

فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْاْ اگر یہ لوگ روگردانی کریں، دین حق کو اختیار نہ کریں فَقُلْ أَذْنُتُكُمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ میں نے تم کو برابر برابر خبردار کر دیا ہے یعنی نیک و بد سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اچھے اور برے راستے کی نشاندہی کر دی ہے۔ اب جو نسا راستہ چاہو اختیار کر لو۔

دفعہ قیامت  
کا وقت

فرمایا، میں نے تمہیں اچھے بُرے کی تمیز سکھلا دی ہے۔ اب جزا اور سزا کب واقع ہوگی وَإِنْ أَذِرْكُم مَّا تَتَوَعَّدُونَ میں نہیں جانتا کہ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا بعید۔ اس کا علم تو اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ بے شک وہ تمہاری پکار کر کے جانے والی بات کو بھی جانتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تُكْتُمُونَ اور اس چیز کو بھی جانتا ہے

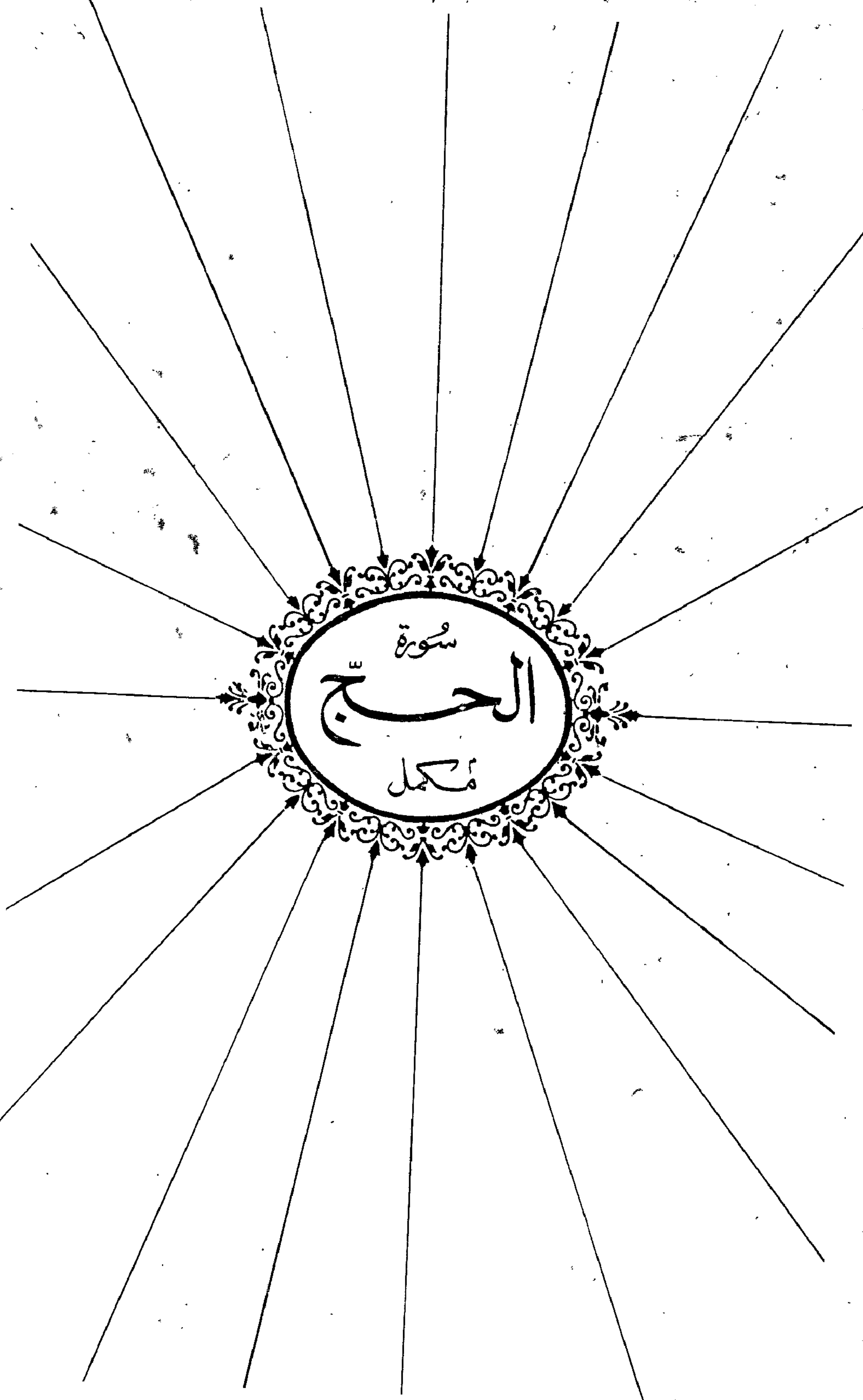


جو تم چھپاتے ہو۔ اپنی حکمت اور مصلحت کو وہ خود ہی جانتا ہے کہ کب مجموعہ عالم کے اختتام کا وقت ہوگا اور کب جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ فرمایا وَإِن أَدْرَىٰ لَعَلَّہٗ فِتْنَہٗ لَّکُمْ مِّنْ دُونِہِ اور میں نہیں جانتا شاید کہ یہ تمھارے لئے آزمائش کا سامان ہو۔ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حَبِیْنٍ اور شاید یہ ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانے کا سامان ہو۔ مگر بالآخر قیامت برپا ہو کر رہیگی اور سب کو اپنے اعمال کا حساب پیش کرنا ہوگا۔

فیصلہ کا  
انتظام۔

آخر میں اللہ کے نبی نے اللہ کی بارگاہ میں اپنی درخواست پیش کر دی جیسا کہ پہلے ہی پیش کرتے رہے ہیں قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ اور دیگر انبیاء نے بھی یہی کہا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ اے اللہ! اب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے ہم نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا ہے مگر یہ لوگ نہیں مانتے، لہذا اب تو ہی اپنا فیصلہ صادر فرما۔ فرمایا ہم اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ كَيْنُومَ رَبَّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعٰنُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ہمارا پروردگار رحمان بے حد مہربانی کرنے والا ہے اُن یہودہ بانوں کے خلاف جو تم کہتے ہو۔ تم لوگ حق و صداقت، اللہ کے نبی اور اُس کی توحید کے خلاف جو ہرزہ سرائی کرتے ہو، ہم اُس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی مدد کے طلبگار ہیں، اُسی کی ذات پر ہم بھروسہ کرتے ہیں اور وہی تم سے انتقام لے گا۔

سورۃ کے آخر میں رسالت، توحید اور جزائے عمل کا بیان ایک دفعہ پھر آگیا ہے۔ اس میں تسلی کا مضمون بھی ہے۔



سُورَةُ الْحَجِّ مَكِّيَّةٌ تَمَازُ وَفِيهَا عَشْرُ رُكُوعَاتٍ  
سورة حج مکی ہے اور یہ اٹھتر آیات اور اس میں دس رکوع ہیں  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ  
شَيْءٌ عَظِيمٌ ① يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُذْهَلُ ۚ كُلُّ مَرْصُوعٍ  
عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتٍ حَمْلًا حَمْلَهَا  
وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ  
عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ  
فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَٰنٍ  
مَّارِيٍّ ③ كُتِبَ عَلَيْكَ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يَضِلُّهُ  
وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ④

ترجمہ: اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے، بیشک قیامت

کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے ① جس دن تم دیکھو گے

اس کو محبوس جائے گی ہر دودھ پلانے والی جس کو وہ

دودھ پلاتی ہے، اور ڈال دے گی ہر حمل والی اپنا

حمل، اور تو پیچھے گا لوگوں کو نشتے کی حالت میں حالانکہ وہ

نشتے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب

بڑا سخت ہے ② اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے ، اور پیڑی کرتے ہیں وہ شیطان سرکش کی ① اُس پر لکھ دیا گیا ہے کہ بیشک جو شخص اُس سے دوستی کرے گا ، پس شیطان اس کو بہکاتا ہے اور اُس کو لے جاتا ہے دوزخ کے عذاب کی طرف ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحج ہے۔ چونکہ اس میں حج اور قربانی کا ذکر ہے۔ ایسے سورۃ کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی یا مدنی زندگی میں، مکی زندگی میں صبر کرنے، جماعت کو مضبوط بنانے، نماز قائم کرنے اور اخلاقی اور اعتقادی تعلیم پر زور دیا گیا تھا، اور حج کی فرضیت اور جہاد کی مشروعیت مدنی دور میں ہوئی، اسی لیے بعض مفسرین اس سورۃ کو مدنی سورۃ کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی زیادہ تر آیات مکی زندگی میں نازل ہوئیں اور چھ آیات یا کم و بیش مدنی دور میں نازل ہوئیں۔ اس لحاظ سے اس سورۃ کو مکی اور مدنی دور کا مرکب بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم بعض اُسے مکی اور بعض مدنی سورۃ کہتے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی اٹھتر (۸) آیات اور دس رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۲۹۱ الفاظ اور ۵۲۳۵ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور وحی الہی کا بیان ہے۔ سابقہ سورۃ الانبیاء میں شرک کی تردید اجمالی طور پر کی گئی تھی۔ جب کہ یہاں پر اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ گذشتہ سورۃ میں گنہگار چکا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف اسی بات کی وحی کی گئی اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء ۲۵۰) کہ



میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا صرف میری ہی عبادت کرو۔ اب اس سورۃ میں شرک کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ عقیدے میں بھی ہوتا ہے اور عمل میں بھی اکثر لوگ غیر اللہ کے تقرب اور اپنی مرادوں کے حصول کیلئے منتیں مانتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، یہی عملی شرک ہے۔ اس سورۃ میں اعتقادی شرک کا رد بھی کیا گیا ہے اور توحید کو واضح کیا گیا ہے اس کے علاوہ قیامت اور جزائے عمل کا بیان ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے حج کا اعلان بھی اسی سورۃ میں مذکور ہے۔ قرآنی، اس کی مشروریت اس کا فلسفہ اور بعض احکام بھی ہیں۔ اللہ نے جہاد کی مشروریت اور اس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔ نماز کا تذکرہ اور سچی کے بعض دوسرے امور کا بیان ہے۔ کفر، شرک، معاصی اور بد اعمالی کے انجام سے تحریف بھی لائی گئی ہے۔ گذشتہ سورۃ کے آخری رکوع میں وقوع قیامت کا ذکر تھا کیونکہ

نَطْوِي السَّمَاءَ جِسْمِ آسْمَانٍ كُورِطٍ دِيسِ كِے، قیامت واقع ہو جائے گی تو اس دن بڑی گھبراہٹ ہوگی۔ سوئے اللہ کے مقربین کے کہ وہ اس گھبراہٹ سے مامون رہیں گے۔ اب اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء بھی قیامت کی ہولناکی سے کی گئی ہے اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَعْنٌ عَظِيْمٌ یعنی قیامت کا زلزلہ بڑی عظیم چیز ہوگی جس دن تمام کائنات درہم بہہم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔ بہر حال یہ تمام بنیادی عقائد اور بعض ضروری احکام اللہ نے اس سورۃ میں بیان کیے ہیں۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ رابطہ

قیامت کا زلزلہ

سابقہ سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، پس کیا تم فرمانبرداری کرنے والے ہو اور اگر یہ لوگ اس بات سے روگردانی کریں، تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو تم کو برابر خبردار کر دیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ جزائے عمل کا وقت قریب ہے یا بعید،

اس کا علم تو اللہ کے پاس ہی ہے۔ اب اسی تسلسل میں یہاں ارشاد ہوتا ہے  
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَخَشْيَةِ لَكُمْ بِأَنفُسِكُمْ تَكُونُونَ  
 سے ڈر جاؤ اے لوگو! اللہ کا عذاب کیسے عظیم ہے! بیشک قیامت  
 کا زلزلہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس دن  
 کے کچھ حالات اللہ نے یہاں بیان فرمائے ہیں یَوْمَ تَرْوَاهُمَا  
 تَذْهَبُ كُلُّ مَرْصُوعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ جس دن تم دیکھو گے  
 کہ ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے شیر خوار بچے کو بھول جائے گی۔ دنیا میں  
 یہ عام مشاہدہ ہے کہ ہر ماں کو اپنے بچے کی حواس طور پر چھپائی سے لگ کر دودھ  
 پینے والے بچے سے حد درجہ محبت ہوتی ہے۔ وہ خود تکلیف برداشت  
 کر لیتی ہے۔ مگر بچے پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ مگر فرمایا کہ جس دن قیامت  
 برپا ہوگی اس دن اس قدر دہشت ہوگی کہ ماں بھی اپنے بچے کو فراموش کر دے  
 گی اور اُسے صرف اپنی پیڑی ہوگی۔ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمَلٍ حَمْلَهَا  
 اور اُس دن حاملہ عورت اپنے حمل کو گھر دے گی۔ قیامت کی ہولناکی اس قدر شدید  
 ہوگی کہ ڈر کے مارے ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ مفسرین کہہ رہے  
 فرماتے ہیں کہ قیامت کا بکل بچنے سے قبل بعض عورتیں اپنے اپنے بچے کو دودھ  
 پلا رہی ہوں گی اور بعض حاملہ ہوں گی۔ تو جو نہی قیامت کا زلزلہ شروع ہوگا۔ تو بالفعل  
 ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ عورتیں دودھ پیتے بچوں کو چھوڑ کر سجاگ  
 جائیں گے اور بعض کے حمل گھر جائیں گے۔ قیامت کے زلزلے کے  
 جھٹکے ابتداء میں خفیہ ہوں گے اور پھر تیز ہو جائیں گے، جس سے پوری  
 کائنات تہ و بالا ہو جائیگی۔ اسی لوطاً تر الکبریٰ بھی کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مذکورہ زلزلے سے وہ وقت مراد ہے  
 جب جبرائیل علیہ السلام کی منزل آئیگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم  
 علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم! اٹھو! اور جہنم والوں کو الگ کر دو۔

آپ عرض کریں گے کہ مولا کریم! کتنے لوگ جہنمی ہیں؟ ارشاد ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں سے ۹۹۱ جہنمی ہیں۔ اُس وقت شدید دہشت ہوگی جس سے دودھ پلانے والی مائیں بچوں کو فراموش کر دیں گی اور حاملہ عورتیں کے چل گھر جائیں گے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے بعد پیش آئیگا اور اُس وقت بچے کو دودھ پلانے یا حمل ہونے کا کیا احتمال ہو سکتا ہے؟ بعض مفسرین اس کی توجیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس حالت میں کوئی شخص فوت ہوا ہوگا، قیامت کے دن اسی حالت میں اُٹھے گا۔ تو موت کے وقت دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اسی حالت میں اٹھیں گی اور ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ یا اس سے مجازی معنی بھی لیے جاسکتے ہیں کہ ان الفاظ سے دہشت کی شدت کا اظہار مقصود ہے کہ ایسی ہولناکی ہوگی کہ بالفرض اگر کوئی دودھ پلانے والی ہو تو وہ بچے کو بھول جائے گی اور اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ساقط ہو جائیگا۔

فرمایا اُس دن عام لوگوں کی یہ حالت ہوگی وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ أَوْ يَكُمُ الرَّغَمُ أَوْ نَشْتٌ یعنی نشے کی حالت میں دیکھو گے جیسے کسی شخص نے شراب پی رکھی ہو اور وہ حواس کھو بیٹھے فرمایا وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَحَقِيقَتُهُمْ فَتَنَةٌ يُنَفِّسُ فِيهِمْ اللَّهُ شِدَّةٌ مِّنْ عَذَابِهِ لِيْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَّا يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ حَقِيقَةً لِّئَلَّا يَقُولُوا لَوْلَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ فَرَّغْنَاكَ مِنَ الْأَرْضِ فَزَعًا يَوْمَ الْآخِرَةِ (الانبیاء۔ ۱۰۳) اللہ کے نیک بندوں کو گھبراہٹ نہیں ہوگی، مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کو سخت گھبراہٹ ہوگی۔ تو مفسرین کرام اس کی توجیہ یہ بیان

لوگوں کی  
بہشتی

یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ گذشتہ سورۃ میں تو یہ بیان ہو چکا ہے لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ (الانبیاء۔ ۱۰۳) اللہ کے نیک بندوں کو گھبراہٹ نہیں ہوگی، مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کو سخت گھبراہٹ ہوگی۔ تو مفسرین کرام اس کی توجیہ یہ بیان



کہہ تے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں پر کھیرا ہٹ کا اثر زیادہ دیر تک نہیں  
 رہے گا بلکہ وہ جلد ہی اس سے مامون ہو جائیں گے۔ سورۃ الزمر میں ہے وَ  
 نُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَعَوْا مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي  
 الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ (آیت ۶۸) جب سور میں پھونکا جائے  
 گا تو آسمان وزمین کی ساری مخلوق مدح و ستایش ہو جائیگی سوائے اس کے کہ جسے اللہ  
 محفوظ رکھے گا۔ یعنی مشیت الہی کے مطابق بعض لوگ اس کھیرا ہٹ سے  
 مامون رہیں گے۔ تاہم تھوڑے وقت کے لیے سب متاثر ہوں گے۔

شیطان کا  
اتباع

اگلی آیت میں اللہ نے بعض سرکشوں کی حالت بیان کی ہے۔ وَ  
 مِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ بَعْضُ لَوْكٍ رَّالِیْہِ  
 ہیں جو بلا علم اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی اُس کی ذات، صفات  
 انبیاء، شریعت، عزائے عمل وغیرہ کے متعلق بحث کرتے ہیں جس کی بنیاد  
 محض رسم و رواج اور یہود و منیت ہوتی ہے۔ وَ یَتَّبِعْ كُلُّ شَیْطٰنٍ  
 مَّرِیْدٍ اِلَیْہِ سُرَّش لَّوْکٍ واصل شیطان مردود کا اتباع کرتے ہیں وہ اہل علم  
 کی بات تو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، لہذا شیطان کی طرف سے  
 دجوتِ غلاط کہ فوراً قبول کر لیتے ہیں اور پھر اُس کے پیچھے چل پڑتے  
 ہیں۔ فرمایا کُتِبَ عَلَیْہِ اللّٰہُ شَیْطٰنُ کَ تَعْلُقُ بِہِ بَات لَکَ دَرِی  
 اِنَّہٗ مَن تَوَلَّیْہُ بَشَکَ جَوَاس کَ سَاعِدَہٗ دَرِی کَرِی، یعنی اچھا  
 بات ماننے کا۔ اُس کے کہنے پر کفر، شرک، نفاق، باغی اور مباحی  
 میں مبتلا ہوگا فَاتَّہٗ یُضِلُّہٗ تَوَ شَیْطٰنٍ اِلَیْہِ شَفَسُ کَرِی قِنَا گِرَہ کَرِی کَا  
 صراطِ مستقیم سے ہکا بکا۔ سورۃ الزمر میں موجود ہے وَ مَن  
 یَّعِشْ عَلٰی ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقِیْضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَہُوَ لَہٗ  
 قَرِیْبٌ (آیت ۲۶) جو خدا تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اُس  
 پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پھر وہ



اُسے گمراہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت واقع ہو جاتی ہے۔

فرمایا شیطان نہ صرف اس کو ہلکانے کا بلکہ ویسے ہی اِلیٰ

عَذَابِ السَّعِیْرِ اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف سے بلانے کا۔

سورۃ فاطر میں ہے اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبًا لِّیَكُوْنُوْا رِجْسًا

اَصْحَابِ السَّعِیْرِ (آیت ۶) وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ سب

کو ساکت کر دے کہ جہنم میں پہنچ جائیں۔ اس کی کوشش سب سے کہ اس کے

گروہ میں زیادہ سے زیادہ لوگ شامل ہوں۔ اس کے لیے وہ عقیدہ توحید

میں شک پیدا کرتا ہے۔ لوگوں کے ایمان پہ ڈاکہ ڈالتا ہے اور اس طرح

انہیں اپنے دامن میں پھنسا کر جہنمی بنا دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا  
 خَلَقْنَاكُمْ مِّن نُّرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ  
 عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ  
 لَكُمْ وَيُقَرِّئُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ آجَلٍ مُّّسَمًّى  
 ثُمَّ نَخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلِّغُوهُنَّ أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ  
 مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمُرِ  
 لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ  
 هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ  
 وَأَنبُتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑤ ذَلِكَ بِأَن  
 اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ  
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا  
 وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ⑦

ترجمہ :- اے لوگو! اگر تمہیں کوئی شک ہے مگر کہ جی اٹھنے

میں تو بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے ، پھر

قطرہ آب سے ، پھر جمے ہوئے خون کے ٹوٹھڑے سے

پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو نقش والا یا بغیر نقش کے

ہوتا ہے ، تاکہ ہم بیان کریں تمہارے لیے ۔ اور ہم تمہاری

جموں کے اندر جو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک۔  
 پھر ہم نکالتے ہیں تم کو بچپن کی حالت میں۔ پھر تاکہ تم  
 پہنچ جاؤ اپنی جوانی اور طاقت کی حالت کو۔ اور بعض تم میں  
 سے وہ ہیں جن کو وفات دی جاتی ہے، اور بعض تم میں  
 سے وہ ہیں جن کو لوٹایا جاتا ہے رزقِ عمر تک، تاکہ  
 نہ جانے وہ علم کے بعد کچھ بھی اور تم دیکھتے ہو زمین  
 کو دبی ہوئی۔ پھر جب ہم اُتارتے ہیں اس پر پانی تو  
 وہ حرکت کرتی ہے اور اُبھرتی ہے اور اگاتی ہے ہر قسم  
 کی بارونق چیزیں ⑤ یہ اس وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ  
 ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کر دیگا۔ اور یہ کہ وہ  
 ہر چیز پر قادر ہے ⑥ اور قیامت آنے والی ہے  
 اس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اٹھائے گا اُن کو  
 جو قبروں میں ہیں ⑦

رابطہ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے زلزلہ قیامت کا ذکر کر کے لوگوں کو  
 اندازہ کیا، اور خبر دیا کہ قیامت کا زلزلہ اتنی عظیم چیز ہے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو  
 بیٹھیں گے اور ایسا محسوس ہوگا کہ وہ نشے کی حالت میں ہیں۔ حقیقت میں یہ نشہ  
 نہیں ہوگا۔ بلکہ قیامت کی ہولناکی اور اللہ کے شدید عذاب کے پیش نظر لوگوں کی  
 یہ حالت ہو جائیگی۔ لوگوں پر اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ ہر ماں اپنے شیرخوار بچے کو  
 بھول جائے گی اور حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا دیں گی۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ  
 نے وقوعِ قیامت کے بارے میں دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک  
 کا تعلق خود تخلیقِ انسانی کے ساتھ ہے اور دوسری کا زمین سے اگلنے والی نباتات سے

خوف و  
دمہشت

خوف و دمہشت کے واقعات اکثر اس دنیا میں بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ کوئی وبا پھیل جائے یا آگ لگ جائے، کسی درندے سے سامنا ہو جائے یا قتل و غارت کا بازار گرم ہو جائے تو انسان لامحالہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلامؒ نے ترجمان القرآن میں لکھا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جب جرمنی پر شدید بمباری ہوئی تو لاتعداد لوگ ہلاک ہوئے اور جو بچ گئے وہ دماغی توازن کھو بیٹھے۔ اس قدر خوف طاری تھا کہ اپنے آپ کو ہوش نہیں رہی تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی نے بحر ہند کے اطراف میں شدید بمباری کی تو اس میں بھی بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ مالی بار کے علاقے کا ایک پروفیسر تھا جس کے اہل خانہ تو سب ہلاک ہو گئے اور اس کی یہ حالت ہو گئی کہ ہوش و حواس بالکل ہی ضائع ہو گئے۔ نماز پڑھتا تھا تو نماز کے دوران ہی اپنی غمزدگی کی داستان دہرائتا رہتا تھا۔ گذشتہ سال بھوپال میں کسی فیکٹری میں گیس کا سنڈر پھٹ گیا۔ جس کی وجہ سے تین ہزار آدمی ہلاک ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں گیس سے جنروری طور پر متاثر ہوئے۔ ان میں سے بعض لوگ دیوانہ وار اُدھر اُدھر دوڑتے تھے اور پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ ان پر اس قدر دمہشت طاری تھی۔ بہر حال اللہ نے گذشتہ آیات میں قیامت کی ہولناکی اور اس کی دمہشت کا ذکر کیا ہے کہ اُس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔

رحم مادر میں  
تخلیقِ انسانی

آج کے درس میں وقوعِ قیامت پر بیان کر دہ، دو دلائل میں سے پہلی دلیل خود تخلیقِ انسانی سے متعلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰٰذَا یٰھٰذَا اِنَّا سَمِعْنَا کُنتُمْ فِیْ رِیْبٍ مِّنَ الْبُعْثِ اے لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے میں کوئی تردد ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ جب ہمارا جسم ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جائیگا۔ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر چور چور ہو جائیں گی تو پھر دوبارہ کیسے اٹھ کھڑے ہوں گے؟ فرمایا



اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو خود اپنی پیدائش پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق  
 اور بقائے نسل کے لیے کیا عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے، جیسا  
 دیکھو تو یہی فَاِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ نُّرٍ اَبْرَاقٍ ہم نے تمہیں مٹی جیسی  
 حقیر چیز سے پیدا کیا۔ تمہارے جد امجد کی تخلیق براہِ راست مٹی سے ہوئی۔ اللہ  
 نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام زمین کی کھوڑی کھوڑی مٹی لاکر اس کا مجسمہ  
 بناؤ۔ جب مجسمہ تیار ہو گیا تو اللہ نے اس میں روح ڈالی تو وہ جلتا جاگتا انسان  
 بن گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے سلسلہ تناسل جاری کیا اور نسل در  
 نسل ساری مخلوق انسانی پیدا ہوئی۔ فرمایا آدم علیہ السلام کو تو مٹی سے پیدا کیا  
 اور پھر ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ تمہاری تخلیق قطرہ آب سے ہوئی۔  
 بیوی خاوند کے ملاپ سے مرد کا نطفہ عورت کے بیضہ انٹی کے ساتھ ملا تو  
 عورت کو حمل ٹھہر گیا۔ جب چالیس دن گزر گئے ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ تو وہ  
 قطرہ آب جمے ہوئے خون کے لوٹھڑے میں تبدیل ہو گیا۔ پھر مزید چالیس  
 روز کے بعد ثُمَّ مِنْ مَّضْغَةٍ خون کا لوٹھڑا گوشت کا ایک  
 ٹکڑا بن گیا۔ اور وہ بھی ایسا کہ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کہ بعض پر  
 انسانی شکل و صورت کا نقش بن جاتا ہے اور بعض پر نہیں بنتا مطلب  
 یہ کہ گوشت کے جس ٹکڑے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی نقش کندہ ہو  
 جاتا ہے تو وہ مدتِ حمل پوری کر کے بچے کی صورت میں باہر آجاتا ہے اور  
 جس پر نقش نہیں بن پاتا وہ حمل کی مدت سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے  
 مخلقہ اور غیر مخلقہ سے تام اور ناقص بھی مل دیا جاسکتا ہے اور اس طرح  
 مطلب یہ ہوگا کہ بعض بچے تو مکمل اعضا و جوارح اور شکل و صورت کے ساتھ  
 پیدا ہوتے ہیں اور بعض کے اعضا و جوارح نامکمل رہ جاتے ہیں اور وہ  
 معذور حالت میں پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی لہتہ پاؤں یا جسم کا کوئی دوسرا  
 حصہ معمول سے کمزور ہوتا ہے یا بعض اعضا معمول کی تعداد سے کم و بیش

ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دو بچے بڑواں صورت میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔  
 غرضیکہ مشیتِ الہیہ دی کے مطابق بچہ مکمل یا ناقص پیدا ہوتا ہے۔ اس  
 ساری تقریر سے یہ باور کرنا مقصود ہے کہ دیکھو حیاتِ مٹی سے کتنی  
 بعید ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے کہ اُس نے مٹی کو حیات  
 بخش دی۔ جو مٹی جیسی ناچیز شے کو زندگی دے سکتا ہے کیا وہ مرنے کے  
 بعد اُسی انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے اور  
 یہی حیاتِ بعد الممات کی دلیل ہے فرمایا لَنْبَيِّنَ لَكُمْ یہ ساری بات  
 اس لیے کی ہے تاکہ تمہیں کھول کر بنا دیا جائے کہ تمہاری پیدائش کن رکن  
 مراحل سے گزری اور جس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں عدم سے وجود میں لائے  
 اسی طرح تم انجام کو بھی پہنچو گے اور اس کے لیے اللہ نے قیامت کا دن  
 مقرر کر رکھا ہے۔

رحم مادر میں تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا ذکر کرنے کے بعد اللہ  
 نے فرمایا وَنَقَرُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ الْأَجَلُ مُّسَمًّى  
 پھر ہم رحموں میں جو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک ٹھہراتے ہیں مطلب  
 یہ کہ حمل کی مدت عام طور پر نو ماہ ہوتی ہے مگر اللہ کی مشیت کے مطابق  
 کم و بیش بھی ہو سکتی ہے۔ کم از کم چھ ماہ کی مدت میں بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے  
 اور یہ مدت دو یا چار سال تک بھی دراز ہو سکتی ہے اس قسم کے واقعات  
 دنیا میں پیش آنے لہتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ رحم مادر کی مدت پوری کر کے چلنے کے بعد ثُمَّ  
 نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا پھر ہم تمہیں بچپن کی حالت میں نکالتے ہیں۔  
 دنیا میں آگے بچہ شیر خوار کی مدت گزرتا ہے، پھر مزید بڑا ہو جاتا ہے  
 اور کھیلنے کودنے لگتا ہے اور پھر تَوَلَّيْنَاكَ أَشَدَّ حِمًّى تاکہ  
 تم طاقت یعنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ۔ فرمایا اس دوران میں وَهَنَكُمْ

بچپن جوانی  
 اور بڑھاپا

مَنْ يُتَوَكَّفْ تم میں سے بعض فوت ہو جاتے ہیں اور وہ جوانی کی  
 عمر کو نہیں پہنچ پاتے وَمَنْ كُنْتُمْ مِنْ يَسَّرِ الْخَيْرِ اُذِلَّ الْعُمْرُ  
 اور تم میں سے بعض کو نکمی عمر یعنی انتہائی بڑھاپے کی عمر تک لوٹا یا جاتا ہے  
لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا تاکہ علم ہونے کے بعد  
 بھی وہ کچھ نہ جانے۔ بڑھاپے میں بھی انسان کی بچپن والی حالت ہو جاتی  
 ہے۔ جسمانی اعضا، کمزور ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ حافظہ بھی جواب دے جاتا  
 ہے اور جو باتیں اسے اچھی طرح معلوم تھیں انکو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ اسی  
 لیے اس عمر سے پناہ مانگی ہے اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ  
اَذْلِ الْعُمْرِ اے اللہ! میں رذیل عمر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔  
 انسان اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ معذور کمزور  
 ہو کہ غذا سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو انسان کی مزید کمزوری کا  
 باعث بنتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے لے کر انتہائی  
 عمر تک یاد کر لیا ہے کہ جو مالک الملک انسان کو ان تغیرات  
 سے گزارتا ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے  
 اب اللہ نے بعث بعد الموت پر دوسری دلیل یہ قائم کی ہے۔ و  
تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً اور تو دیکھتا ہے زمین کو دبی ہوئی، کجی  
 ہوئی یعنی بنجر جس میں کوئی روئیدگی نہیں ہوتی۔ فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا  
الْمَاءَ اَهْبَتَتْ پھر جب ہم اُس پر پانی اتارتے ہیں، بارانِ رحمت  
 ہوتی ہے تو وہ حرکت کرتی ہے وَاَنْبَتَتْ اور ابھرتی ہے یعنی اس میں  
 نشوونما کی قوت آجاتی ہے وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَیْجٍ  
 اور وہ ہر قسم کی بارونق چیز اگاتی ہے۔ جب زمین کو پانی مل جاتا ہے۔  
 تو وہ نرم ہو کر قابل کاشت بن جاتی ہے۔ کسان اُس میں مل چلاتا ہے  
 اس میں بیج ڈالتا ہے تو پھر وہ غلہ، سبزیوں، چارہ اور دیگر نباتات پیدا

زمین کی  
 پیدائش



کرتی ہے۔ اس میں رزق اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے پھل نکلتے ہیں۔  
جوانسانوں اور حیوانوں کے کام آتے ہیں۔ فرمایا یہ سب کچھ روزمرہ تمھارے مشاہد ہیں  
آگاہ ہے کہ جو زمین بالکل مردہ ہو جاتی ہے اور کوئی چیز پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی  
وہ موسم کے مطابق پانی ملنے پر پھر تروتازہ ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی بار و نفع  
اشیاء اگانے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کی موت کے بعد  
دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

بعث  
بعد الموت

فَرَمَا ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ بِأَسْمَاءِ لَيْسَ كَمِثْلِ شَيْءٍ شَيْءٌ ۚ يَعْلَمُ سِرَّهُ وَخِصَّتِهِ  
ہی کا حق ہے، وہی انسان، حیوان اور نباتات کو پیدا کرتا ہے وَاِنَّهُ  
يُعْجِزُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وہی مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ وَاِنَّهُ عَلٰی  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح  
وہ قطرہ آب سے انسان جیسی مخلوق پیدا کرتا ہے اور اپنی مقررہ عمر پوری کرنے  
کے بعد اس کو موت سے ہم کنار کر دیتا ہے، اسی طرح وہ مردوں کو دوبارہ  
بھی زندہ کرنے لے گا۔ اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اور پھر دوبارہ  
زندگی کے بعد تم اپنے انجام کو بھی پا لو گے۔ اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ  
نے یہ بیان فرمائی ہے وَ اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا  
یعنی قیامت بلاشبہ برپا ہونے والی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
تم سے تمھاری اس زندگی کا حساب لینا چاہتا ہے جس طرح تم اس دنیا  
میں کسی شخص کو کاروبار پر بٹھاتے ہو، کسی کو ملازم رکھتے ہو یا کسی کو کوئی کام سپرد  
کرتے ہو، تو تم حق بجانب ہو کہ اس شخص کی کارکردگی کا جائزہ لو اور پھر دیکھو  
کہ اس نے تمھاری تفویض کردہ دلیوی کو کس حد تک انجام دیا ہے۔ تمھارے  
حکم کے مطابق کتنا کام کیا ہے اور اس میں کو تاہی کس حد تک کی ہے۔  
پھر تم اس بات کے بھی مجاز ہوتے ہو کہ متعلقہ شخص کو اس کی حسن کارکردگی  
پر انعام دو اور بدکرداری پر سزا دو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زندگی



کی دولت دے کر اس دنیا میں بھیجا تھا اور اس کے ذمہ بعض فرائض عاید  
 کیے تھے اور بعض امور سے منع کیا تھا، تو اب اس کا حق بنتا ہے کہ وہ ہر  
 انسان سے اُس کی کارکردگی کا حساب لے اور پھر اس کے مطابق اس کے لیے  
 جزا یا سزا کا فیصلہ کرے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ بلاشبہ قیامت آنے والی  
 ہے۔ وَأَنَّ اللَّهَ يَنْعُثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ اور بلاشبہ  
 اللہ قبروں میں مدفون سب لوگوں کو ضرور دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ان سے  
 زندگی کھبر کا حساب کتاب لے سکے۔

---

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ  
وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ⑧ ثَانِي عَطْفُهُ  
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ  
وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ⑨  
ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ  
لِّلْعَبِيدِ ⑩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ  
فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ  
أَنقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَلِكَ  
هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ⑪ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ  
مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا نَفْعَ لَهُ ۚ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ  
الْبَعِيدُ ⑫ يَدْعُوا لِمَنْ ضُرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ  
كَبُئْسَ الْمَوْلَى وَلِبِئْسَ الْعَشِيرُ ⑬ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ  
أَنَّ لَنْ يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ  
بِرَبِّهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ

يُدْهَبْنَ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ⑮ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ  
 مَبِينَاتٍ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ⑯ إِنَّ الَّذِينَ  
 آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقِينَ وَالنَّصَارَى  
 وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ  
 بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ  
 شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑰

ترجمہ:- اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں  
 اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن  
 کتاب کے ⑮ وہ موڑنے والے ہوتے ہیں اپنے پہلو کو  
 تاکہ وہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے۔ ایسے شخص کے  
 لیے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اُس کو قیامت  
 کے دن جلانے والا عذاب ⑯ (اور اُس سے کہا جائے  
 گا) یہ وہ چیز ہے جو آگے بھیجی ہے تیرے ہاتھوں نے  
 اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں  
 پر ⑰ اور بعض لوگ وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں  
 اللہ تعالیٰ کی ایک کنارے پر۔ پس اگر پیچھے اُس کو  
 بہتری تو مطمئن ہو جاتا ہے اُس کے ساتھ۔ اور اگر  
 پیچھے اُس کو کوئی آزمائش تو پٹ جاتا ہے اپنے چہرے  
 پر۔ نقصان اٹھایا اُس نے دنیا میں اور آخرت میں۔ یہ  
 ہے کھلا نقصان ⑱ پکارتا ہے وہ اللہ کے سوا اُن  
 کو جو اُس کو نقصان نہیں پہنچاتے، اور نہ فائدہ پہنچا

سکتے ہیں۔ یہی ہے گمراہی میں دور جا پڑنے کی بات (۱۲) پکارتے ہیں وہ اُس کو کہ جس کا نقصان اُس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔ البتہ بہت ہی بُرا دوست ہے اور بہت ہی بُرا ساتھی (۱۳) بیشک اللہ تعالیٰ داخل کمرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام انجام دیے بہشتوں میں کہ جباری ہیں اُن کے نیچے نہریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہے (۱۴) جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ اُس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں، پس چاہیئے کہ وہ دراز کمرے رسی آسمان کی طرف، پھر وہ کاٹ دے اور پھر دیکھے کہ کیا لے جاتی ہے اُس کی تدبیر اس کے جی کے غصہ کو (۱۵) اور اسی طرح اتار ہے مہم نے اس کو کھلی نشانیاں۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے (۱۶) تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے، اور وہ لوگ جو بیہودی ہوئے، اور صابی، اور نصاریٰ اور مجوسی، اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کریگا۔ ان کے درمیان قیامت کے دن، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے (۱۷)

رابطہ آیات

ابتداء سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے زلزلے اور اُس کی ہولناکی کا ذکر کیا۔ اُس وقت انسانوں پر ایک قسم کی مدہوشی طاری ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے بارے میں دو دلائل بیان فرمائے۔ ایک دلیل خود انسان کی تخلیق سے تعلق رکھتی ہے جب کہ دوسری، لیاں زمین کی روئیدگی کے متعلق ہے یہ دونوں دلیلیں قیامت کی آمد کا پتہ دیتی ہیں اور اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔



اُن کو یقیناً دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔  
اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور

منافقوں کا رد فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ النَّاسُ مَنِ الْمُتَجَادِلُ  
فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ اور لوگوں میں  
سے بعض وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یعنی اس کی  
توحید کے متعلق منکرانہ توہان کے پاس کوئی علم (نقلی یا عقلی دلیل) ہے، نہ ہدایت  
کی بات اور نہ روشن کتاب وہ تو محض اپنے رسم و رواج اور جہالت کی بنیاد پر  
جھگڑا کرتے ہیں۔ ثانی عارفانہ اپنے پہلو کو موڑتے ہیں یعنی غرور و  
تکبر کرتے ہیں لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ تَاكُ وَرُكُوعُ لَوْ كُنَّا كَوْنِي اللَّهِ  
کے راستے سے گمراہ کر دیں۔ پہلے خود گمراہ ہوئے اور پھر دوسروں کو کیا۔ ایسے  
لوگوں کے متعلق فرمایا لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ كُنَّا اس کے لیے دنیا  
میں رسوائی ہے۔ اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گا وَذِيقُوا يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ اور قیامت والے دن ہم اسے جلا ڈالنے  
والا عذاب حکیمائیں گے۔ پھر اُن سے کہا جائے گا ذَلِكُمْ بِمَا  
قَدَّمْتُمْ يَدًا بِهٖ وَهٖ خَيْرٌ مِّنْ مَا تَحْتَوْنَ نے آگے بھیجی ہے  
دنیا میں تم نے یہی کمایا تھا کہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی بہکایا، اس  
کا بدلہ یہی ہے کہ اب عذاب کا سزا اچھو۔ اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ تمہیں سزا  
میں مبتلا نہیں کیا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَيَسَّ ذٰلِكَ لَا يَرِ اللّٰعِبِ بِشَاكٍ  
اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کبھی بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ تو تمہارے ہی اعمال کا  
خمسائہ ہے۔

آگے اللہ نے منافق قسم کے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے وَمَنْ  
النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ اور لوگوں میں سے  
بعض ایسے ہیں جو ایک کنارے پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں مطالب یہ

ہے کہ اُن میں دلچسپی اور یکجہتی تو ہے نہیں، اطمینانِ قلب مفقود ہے۔  
 تورد اور تذبذب کی حالت میں بادلِ نخواستہ لچر عبادت کر لیتے ہیں جیسے  
 کوئی شخص کسی چیز کے کنارے پہنچتا ہو اور ہر آن اس کے گرنے کا احتمال  
 ہو اسی طرح منافق قسم کے لوگ بھی اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر نہ جانے  
 کس وقت چھوڑ بیٹھیں۔ اسی ایسے ہی شخص کی مثال دی ہے قیامت  
 اَصَابَهُ خَيْرٌ نَّاطِمًا يَهْ كَ اَ كَرُ اُ كَسَى وَفَتَّ بَحْلَانِي يَهْجَ جَانِي تُو  
 مطعن ہو جاتا ہے، کہتا ہے میں ٹھیک راستے پر جا رہا ہوں۔ وَارِثُ  
 اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اَنُقَلَبَ عَلٰی وَجْهٍ اور اگر اُسے کوئی  
 آزمائش آجائے، کوئی جانی مالی نقصان ہو جائے یا کوئی دوسری پریشانی  
 لاحق ہو جائے تو شکستہ دل ہو کر اپنے چہرے کے بل پلٹ جاتا ہے۔ یعنی  
 ایمان سے پھر جاتا ہے۔ اطرافِ مدینہ میں اس قسم کے لوگ موجود تھے  
 جو ایمان لے آتے۔ پھر دیکھتے اگر خیر و برکت حاصل ہوتی، دنیاوی مفاد  
 مل جاتا تو کہتے اسلام بالکل سچا دین ہے، اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی  
 کوئی نقصان ہو جاتا تو دین چھوڑ کر مرتد ہو جاتے۔

مفسرین کہہ ام نے ایک یہودی کا واقعہ بیان کیا ہے کہ پہلے تو وہ  
 ایمان لے آیا۔ پھر اُسے کوئی پریشانی لاحق ہو گئی تو حصرِ علیہ السلام سے  
 کہنے لگا کہ مجھ سے اسلام کی بیعت واپس لے لو۔ آپ نے فرمایا کہ  
 یہ بیعت تو واپس نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے لوگ موجود تھے جو کسی مفاد کی  
 خاطر اسلام میں داخل ہوتے۔ اس دورانِ تذبذب کا شکار رہتے۔ جب  
 مطلوبہ مفاد حاصل نہ ہوتا تو مرتد ہو جاتے۔ ایسے نادان قسم کے لوگوں  
 کی اللہ نے سخت ندمت بیان فرمائی ہے۔ جو محض دنیا کی خاطر اسلام قبول  
 کرتے ہیں۔ اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی قطعاً اُن کے پیش نظر  
 نہیں ہوتی۔ جدید روشنی کے لوگ بھی اسلام میں دنیوی مفاد کی باتیں

تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے -  
خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کہ وہ دنیا میں بھی نقصان اٹھانے والے  
 ہیں۔ کیونکہ دنیا کا مفاد تو ایک محدود مدت کے لیے ہے، وہ بہر حال  
 ختم ہو جائے گا، یہ لوگ آخرت میں بھی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ  
 یہ لوگ ایمان کی سلامتی کی بجائے بے اختیارے کے کہ اس دنیا سے گئے  
 ہیں فَمَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ یہی تو کھلا نقصان ہے جس  
 میں یہ لوگ مبتلا ہیں۔

غیر اللہ کے  
 لیے فائدہ  
 پکار

فرمایا، اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگ کیا کرتے ہیں؟ يَدْعُوا مِنْ  
دُونِ اللَّهِ مالا یضرہ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ اللہ کے سوا وہ  
 ایسی ہستیوں کو بکارتا ہے جو نہ تو اسے نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی  
 ہیں۔ ہر انسان کسی نہ کسی ذات کو اپنا معبود ماننے پر مجبور ہے۔ مگر وہ اللہ  
 قادر مطلق، علیم کل اور مختار کل کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کو الہ بناتا ہے جن  
 کے قبضہ میں نہ نفع ہے اور نہ نقصان، مٹی، پتھر اور لکڑی کے بت تو  
 ویسے ہی بے جان چیزیں ہیں، بھلا وہ کسی کا کیا سنوار سکتے ہیں یا بگاڑ سکتے  
 ہیں۔ اور جو جاندار چیزیں بھی ہیں ان میں بھی الوہیت والی کوئی صفت  
 نہیں پائی جاتی، لہذا ان میں سے کوئی بھی الہ بننے کے قابل نہیں ہے۔  
ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ یہ تو دور کی گمراہی میں پڑنے والی بات ہے۔  
فَمَا يَدْعُوا كَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ  
 یہ لوگ ایسی ذات کو پکارتے ہیں کہ جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب  
 ہے۔ نفع کی بات تو محض اس کا ظن ہے کہ فلاں ہستی میری حاجت روائی  
 یا مشکل کشائی کر سکتی ہے۔ یا کم از کم ہماری مراد خدا تعالیٰ سے پوری کر سکتے ہیں  
 یہ ایک موهوم نظریہ ہے۔ غیر اللہ کی پرستش قطعی طور پر مضر ہے جس کا نقصان  
 پرستش کرنے والے ہی کو ہوگا لِبَيْتِ الْمَوْلَا وَلِبَيْتِ الْعَشِيرِ



یہ بہت ہی بُرا آقا یا دوست ہے اور بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔ جس شخص نے اللہ کے سوا کسی بت بنی، ولی یا فرشتے کو اپنا آقا، دوست یا معبود بنایا تو وہ قیامت کے دن ایسی الوہیت سے انکار کر دیں گے اور پرستش کرنے والوں کے دشمن بن جائیں گے۔ اسی لیے فرمایا کہ جن کو یہ لوگ اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن ان کے برے ساتھی ثابت ہوں گے جو ان کی مدد کرنے کی بجائے ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

فَرِیَآتِ اللّٰہُ یُدْخِلُ الذِّیْنَ اٰمَنُوْا وَ سَلُّوا الصَّلٰتِ جَنَّتِ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ بِشَکَ اللّٰہِ تَعَالٰی  
داخل کرے گا۔ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں انکے ایمان اور اعمال کی بدولت اپنی رحمت سے اپنی رحمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچائے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ کَفِیْعٌ لِّمَا یُرِیْدُ بِشَکَ اللّٰہِ تَعَالٰی کہ گنہگار ہے جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ نیک لوگوں کے بارے میں اللہ کا ارادہ یہی ہو گا کہ وہ انہیں جنت میں پہنچائے اور اعزاز و اکرام سے نوازے۔ اور جو لوگ کفر اور شرک کرنے والے ہیں یا منافق ہیں اور تذبذب کا شکار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ یقیناً اُن کو سزا کے مقام میں پہنچائے گا۔

اِذَا وَهَبَ مَنْ كَانَ یُظُنُّ اَنَّ لَنْ یَنْصُرَہُ اللّٰہُ <sup>اللہ تعالیٰ سے بدگمانی</sup>  
فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا۔ فَلِیَمْدُدْ بِسَبَبِ الْحَسَمَاءِ اُسے چاہیے کہ کوئی رسی دراز نہ کرے آسمان کی طرف ثُمَّ لَیَقْطَعَنَّ پھر اُس کو کاٹ دے فَلِیَنْظُرْہُمْ کُلُّ یَنْہِیْنَ کِیْدُہُمْ مَا یَعِیْظُ پھر دیکھ لے کیا اس کی تدبیر اُس کے غصے کو دور کرتی ہے؟ مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یَنْصُرُہُ



میں وہ کی ضمیر ہر اُس انفرادی شخص کی طرف لوٹتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت مایوس ہو چکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (یوسف: ۸۷) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو صرف کافر ہی ناامید ہو سکتے ہیں۔ ایک ایماندار تو آخر وقت تک اللہ کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے، البتہ وہ اُس کی سزا سے خائف ضرور ہوتے ہیں مگر ناامید نہیں ہوتے کیونکہ یہ کفر والی بات ہے۔ اور جو آدمی مایوس ہو گیا اس کے جی میں جو آئے کہہ لے۔ عام طور پر یہ خود کشی کی وارداتیں ایسی ہی ناامیدی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص اللہ کی مدد سے مایوس ہو گیا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ آسمان تک رسی دراز کر کے اس کے ساتھ لٹک جائے اور پھر اُسے کاٹ دے اور دیکھ لے کہ اس کا غصہ کس حد تک فرو ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یَنْصُرُهُمْ فِي هَذِهِ نَبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی طرف لوٹتی ہے اس طرح معنی یہ بنتا ہے۔ کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا اُسے چاہیے کہ زمین سے لے کر آسمان تک ایک رسی دراز کر لے اور پھر اُس کے ذریعے اوپر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کو منقطع کر دے اور پھر دیکھ لے کہ اس کا غصہ کھنڈا ہوتا ہے یا نہیں؟ اُس کا غصہ تو جھبی فرو ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کی طرف سے نبی علیہ السلام پر نازل ہونے والی مدد کو کاٹ دے مگر ایسا کرنے سے اُسے یقیناً مایوسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے انبیاء کی مدد کرتا ہے اس کا اعلان ہے إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَيُؤْمَرُ كَيْفَ يُؤْمَرُ الْأَشْهَادُ (المومن: ۵۱) بیشک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت

میں بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ غرضیکہ جو شخص اللہ کی مدد سے مایوس ہو چکا ہے وہ جو چاہے تدبیر اختیار کر کے دیکر لے۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

فرمایا وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو واضح آیات کی صورت میں نازل کیا ہے۔ اس میں شک و تردد والی کوئی بات نہیں ہے۔ اب جس کا جی چاہے ان آیات سے فائدہ اٹھالے اور جو چاہے ان سے حُرْم ہے وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِيَ مَن يَشَاءُ بیشک اللہ تعالیٰ اُسی کو ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔ اللہ کے علم اور حکمت میں کسی شخص کی جس قدر استعداد، صلاحیت اور نیک نیتی ہوتی ہے، اُسی کے مطابق وہ اُس کی راہنمائی کرتا ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذاہب عالم کے نام لے کر فرمایا ہے کہ وہ ان کے درمیان قیامت والے دن فیصلہ کر دے گا کہ ان میں سے کونسا سچا دین ہے اور کونسا جھوٹا۔ ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ اُس کے رسولوں، کتابوں، ملائکہ، معاد اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لائے ایک گروہ تو یہ ہے جو کہ اہل ایمان کا گروہ ہے۔ اور دوسرا گروہ، وہ ہے وَالَّذِينَ هَادُوا جو یہودی بن گئے۔ کہنے کو تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب تورات کے پیروکار ہیں مگر انہوں نے تورات میں تحریف کر لی۔ بہت سی اچھی باتیں اُسیں سننے نکال لیں اور من مرنی کی غلط ملط باتیں ملا دیں اور اس طرح انہوں نے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

اللہ نے تیسرے مذہب کے متعلق فرمایا وَالصَّابِّينَ اور جو صابی ہوئے۔ بعض تو نصاریٰ کو بھی صابیوں کا ہی ایک گروہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسیحی علیہ السلام کو ماننے والے لوگ ہیں۔ البتہ بعض لوگ صابی ان کو

مذاہب عالم  
پر ایک نظر

مانتے ہیں جو ستاروں میں کہ شمس کے قائل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے صابی دور تھا۔ بعض اے نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کا دور تسلیم کرتے ہیں اور اس میں حضرت شیث علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کو شامل کرتے ہیں، تاہم یہ امر مسلم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے صابی دور تھا۔ ان میں سے کچھ ستارہ پرست بن گئے۔ کوئی انسانوں کی پوجا کرنے لگے اور طرح طرح کی مشرکیہ باتوں میں ملوث ہو گئے چنانچہ پرانی تہذیبوں میں سے بابل، آشوریوں اور کلدانیوں کی تہذیبوں کا تعلق صابیوں ہی سے تھا۔ قدیم مصر کی تہذیب اور چین کی پرانی تہذیب کا تعلق بھی صابی دور سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صابی دور رہا، پھر عیسیٰ کا دور شروع ہو گیا۔ اس دور میں یہودی، نصرانی اور عرب کے مشرکین شامل ہیں حضور علیہ السلام سے ساڑھے چار سو سال پہلے تک عرب کے لوگ دین حنیف پر ہی تھے۔ پھر قحطی ابن کلاب کے زمانے سے شرک کا آغاز ہوا۔ تو اس پورے دور میں سے یہود و نصاریٰ اور عربوں نے اپنے اپنے دین کو بگاڑ لیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف اہل ایمان ہی دین حنیف پر قائم ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نویں دسویں صدی ہجری کے حافظ الحدیث ہیں جنہوں نے پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ آپ اپنی کتاب "حسن المحاضرة في احوال مصر والقاهرة" میں غلط فہمیوں کو اپنے وقت میں صابی مذہب ہی اصل دین تھا اور اس میں توحید طہارت، صلوٰۃ اور صوم چاروں اصول پائے جاتے تھے مگر بعد میں انہوں نے خود اپنے دین کو بگاڑ لیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔

والتصلي فرمایا جو تھا مذہب نصاریٰ کا ہے جو اپنے آپ کو مسیح علیہ السلام کا پیروکار سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بھی بعض نے تثلیث کا عقیدہ اپنایا اور بعض نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور اس طرح شرک میں

مبتلا ہو گئے۔ فرمایا وَالْمَجُوسُ پانچواں مذہب۔ مجوسیوں کا ہے یہ لوگ آگ میں کرشمہ مانتے ہیں اور اسے ہمیشہ جلانے رکھتے ہیں، بجھنے نہیں دیتے۔ یہ لوگ تہویت کے قائل ہیں۔ دو خدا مانتے ہیں۔ ایکساہرمن اور دوسرا نیردان۔ نور اور ظلمت اور خیر اور شر کا الگ الگ خدا مانتے ہیں۔ یہ آگ کے سچاری بھی مشرک ہیں اور چھپا دین وَالْذِّیْنَ اَشْرَکُوْا کا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا۔ عرب کے سارے لوگ مشرک تھے جو تیوں کی پوجا کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے ارد گرد بھی بت رکھے ہوئے تھے۔ ہنود بھی بتوں کے سچاری ہیں۔ کافرستان کے لوگ اب تک مشرک ہیں۔ اب اس کا کچھ حصہ نورستان کے نام سے پاکستان میں بھی شامل ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ شرک سے تائب ہوئے ہیں۔ یہاں پر دو قسم کے کافر تھے یعنی سرخ کافر اور سیاہ کافر۔ سیاہ کافر تو اب تک کفر میں مبتلا ہیں، البتہ سرخ کافر امیر عبدالرحمان جو خانہ کعبہ کے زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے، یہ حصہ افغانستان میں شامل تھا۔ ان کی روایت بھی عجیب و غریب ہیں۔ اسی طرح بدھ والے بھی بڑی عجیب عجیب رسمیں ادا کرتے ہیں۔ چین کے قدیم مشرکین دھرمیت میں چلے گئے۔ چینی، جاپانی، ویت نامی، جزائر شرق الہند کے باشندے سب صابی تھے مگر بعد میں شرک میں مبتلا ہو گئے۔ علامہ زرخشری فرماتے ہیں کہ ساری دنیا میں کل پانچ مذاہب ہیں، جن میں سے چار مذہب شیطانی ہیں اور ایک مذہب رحمانی ہے۔ رحمانی مذہب تو اہل ایمان کا ہے جو حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ اور باقی (۱) صابی و نصاریٰ (۲) یہودی (۳) مجوسی (۴) مشرک شیطانی مذاہب ہیں۔ قرآن پاک نے صابی اور نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا ہے۔ اس طرح کل چھ مذاہب میں سے ایک رحمانی اور پانچ شیطانی بنتے ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا میں بعض دوسرے مذہب بھی رہنا بھی ہوئے ہیں جن کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کیسے لوگ تھے ابراہیم علیہ السلام



کے دور کے قریبی زمانہ میں ایران میں زرتشت ہوا ہے۔ خدا جل نے وہ کیا آدمی تھا، نبی تھا یا نہیں، تاریخی واقعات پر یقین نہیں کیا جاسکتا اور یقین کے ساتھ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح برصغیر میں بھی بعض مشہور ہستیاں گزری ہیں۔ مہاتما بدھ، رام چندر جی، کرشن جی مہاراج وغیرہ کے متعلق ہندوؤں کی کتابوں میں جو کچھ موجود ہے، وہ تو شرکیہ باتیں ہیں جو کسی نبی کے شایان شان نہیں ہو سکتیں۔ ان کے متعلق بھی حقیقت معلوم نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کی طرح ان کے پیروکاروں نے بھی اپنے اپنے مذاہب میں نئی نئی باتیں شامل کر کے مذہب کو بگاڑ دیا ہو۔ یہودیوں نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی نہایت ہی بہودہ باتیں منسوب کر دی ہیں۔ بہر حال یہ سب بگڑے ہوئے مذاہب ہیں۔

اللہ کا آخری  
فیصلہ

فرمایا یہ سب ایسے مذاہب ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنْ كُنْتُمْ اِلَٰهًا تَعَالٰی ہی قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ یہ قطعی اور آخری فیصلہ ہوگا۔ اس دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ہر مذہب کے پیروکاروں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں کس طریقے پر چلتے رہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ شَٰهِدٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ دنیا میں اس وقت مذکورہ چھ مذاہب پائے جاتے ہیں۔ جن کی باقیات اس وقت بھی مختلف ممالک میں موجود ہیں۔ البتہ کامیابی صرف ایمان والوں کے حصے میں ہے۔ دنیا کے جس خطہ میں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی کامیابی عطا کریں گے جب قیامت والے دن فیصلے ہوں گے تو پھر ہر ایک کو پتہ چلے گا کہ وہ کس کس غلطی میں مبتلا تھے اور پھر انہیں خمیازہ بھی کھٹکنا پڑے گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي  
الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ  
وَالْدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ  
يُهِنِ اللَّهُ فَمَالَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا

يَشَاءُ ⑱ هَذِهِ خُصْمٌ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ  
فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ  
يُّصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ⑲ يُصْهَرُ بِهِ  
مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ⑳ وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِّنْ  
حَدِيدٍ ㉑ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ  
غَمٍّ أَعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ㉒

ترجمہ :- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے  
لیے سجدہ کرتا ہے جو بھی آسمانوں میں اور جو بھی  
زمین میں ، اور سورج ، چاند ، ستارے ، پہاڑ ، درخت ، جانور اور  
بہت سے لوگوں میں سے ۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ  
ثابت ہے اُن پر عذاب ۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل  
کر دے ، پس نہیں ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا

بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے ①۸ یہ دو دعویدار ہیں جنہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اُن کے واسطے کاٹے جائیں گے کپڑے دوزخ کی آگ سے، اور بہایا جائے گا اُن کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی ①۹ پگھلایا جائے گا اُس کے ساتھ وہ جو اُن کے پیٹوں میں ہے، اور اُن کی کھالیں (بھی جلائی جائیں گی) ②۰ اور اُن کے لیے ہمتھوٹے ہوں گے لوہے کے ②۱ جب وہ ارادہ کریں گے کہ وہ نکلیں اِس (دوزخ) سے غم کی وجہ سے تو لوٹا دیے جائیں گے اس کے اندر اب جلائے والے عذاب کا مڑا چکھو ②۲

رابطہ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پائے جانے والے مختلف مذاہب مثلاً یہودی، صابی، نصاریٰ، مجوسی، مشرک اور اہل ایمان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان میں سے صرف اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے جب کہ باقی سارے گروہ گمراہ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان آخری اور قطعی فیصلہ کریگا۔ تمام گمراہ فرقوں کو اُس دن اپنی غلطی کا احساس ہوگا جب کہ اُن کے عقیدے اور عمل کا صلہ اُن کے سامنے آئے گا۔ اُس دن سب کو پتہ چل جائے گا کہ دنیا میں اہل ایمان ہی حق پر تھے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتے تھے، اسی کی عبادت کرتے تھے۔ اُسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ زمین و آسمان کی

خدا تعالیٰ کے لیے سجدہ ریزی

بعض دوسری چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں اور اُس کے حکم کی پابند ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلْحَقُّ تَرَكَا فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبْدٌ اَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ آپ کے علم میں نہیں آئی۔ اگر نہیں آئی تو اب آجانی چاہیے اَنْتَ اللَّهُ يَسْجُدُ لَكَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ کہ بیشک آسمانوں اور زمین کی

ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ آسمان میں اللہ کے فرشتے  
 ہیں یا جو بھی مخلوق ہے۔ وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔ اسی طرح زمین اور  
 زمین و آسمان کے درمیان موجود تمام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں۔  
مِنْ جُلَّةِ انْ شِیْءٍ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنَّجْمُ وَالْجِبَالُ  
وَالشَّجَرُ وَالْدَّوَابُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ سُورِجٍ اَوْرِجَانِدٍ اَوْرِجَانِدٍ  
 سارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ سب کے سب اللہ  
 کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ انسانوں کا سجدہ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے اختیار  
 اور شعور کے ساتھ طہارت کی حالت میں اللہ کے سامنے سر نیاز خم کرتے  
 ہیں مگر باقی چیزوں کے سجدہ سے کیا مراد ہے جب کہ ان میں سے ہر چیز اپنی  
 اپنی حالت پر قائم رہتی ہے اور انہیں کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہوئے نہیں  
 دیکھا گیا۔ اس ضمن میں مفسرین کہہ رہے ہیں دو قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔  
 بعض فرماتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء کا سجدہ انسانوں کے سجدہ کے مطابق نہیں  
 ہوتا جو اختیار اور شعور کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ ان کے لیے سجدہ تسخیری  
 ہوتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس مقصد  
 کے لیے تسخیر کر رکھا ہے یا جس کام پر لگا دیا ہے، وہ اس کام میں بلا  
 چون و چرا مسلسل لگے ہوئے ہیں اور یہی ان کا سجدہ ہے۔ بعض دوسرے  
 مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ ان اشیاء کا سجدہ انسانوں جیسا شعوری سجدہ نہیں  
 ہوتا مگر اپنے اپنے درجے کے مطابق وہ بھی اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے  
 ہیں مگر ان کے شعور کا مرتبہ ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے ان کے  
 سجدے کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا اور پہچانتا ہے۔ ایسی ہی چیزوں کی تسبیح و  
 تحمید کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِنَّ  
مِّنْ شَیْءٍ إِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُوْنَ  
تَسْبِیْحَهُمْ (آیت ۲۲) تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی



ہیں مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کس انداز میں اُس کی حمد کے ترانے گاتی ہیں۔ اسی طرح ہر چیز کا سجدہ کرنا بھی اس کی حالت اور اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے جو کہ صرف تسخیری ہی نہیں بلکہ کسی حد تک شعوری بھی ہوتا ہے، مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے۔

سُوج کی  
سجدہ ریزی

بعض بزرگان دین جن میں شیخ ابن عربی، مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی شامل ہیں، سُوج کی سجدہ ریزی کے متعلق بحث کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان چیزوں میں بھی روح اور ایک حد تک شعور ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ انسان کی طرح مکمل نہیں مگر شعور سے خالی نہیں ہیں، اور اسی شعور کے ساتھ سجدہ ریزہ ہوتی ہیں۔ سُوج کے سجدہ کا ذکر تو حدیث شریف میں بھی آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم دیکھو ہے ہو کہ سُوج اب کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو قریب الغروب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سُوج عرض الہی کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تاکہ اپنی منزل کو جاری رکھ سکے۔ اللہ کی طرف سے اجازت ملتی ہے تو وہ اپنی منزل کی طرف پھر سے رواں دواں ہو جاتا ہے۔ پھر ایک دن آیا آئیگا کہ خدا تعالیٰ سخت ناراضگی کی حالت میں ہوگا۔ جب سُوج سجدہ کرنے کے بعد اجازت طلب کرے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی چال کو پلٹ دو یعنی اپنی حرکت کو معکوس کر دو اور مغرب کی بجائے مشرق کی طرف چل دو۔ یہ بڑا دہشت ناک دن ہوگا۔ سُوج نصف النہار تک واپس آئے گا اور یہ دیکھ کر ساری دنیا دہشت زدہ ہو جائیگی، یہ قیامت کی نشانی ہوگی۔ بہر حال سُوج سجدہ کرتا ہے اس میں روح بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے سُوج کی روح سے رابطہ قائم کر کے اُس سے گفت و شنید کی اور اس نے جواب بھی دیا (مشاہدہ دوم فیوض الحرمین مترجم ص ۵۸)

دیگر اشیاء  
کا سجدہ

اسی طرح چاند، پہاڑوں اور درختوں میں بھی کسی حد تک شعور پایا جاتا ہے مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے۔ بعض اوقات خدا تعالیٰ معجزانہ طور پر اس کو ظاہر بھی کر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابتدائے نبوت کے قریبی دنوں میں میں ایک پتھر کے قریب سے گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کرتا تھا، میں اس پتھر کو اب بھی جانتا ہوں۔ حضور علیہ السلام ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تھے۔ جل احد کے قریب سے گزرتے تو فرمایا اَحَدٌ جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَیُحِبُّہٗ اَحَدٌ ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ بعض درختوں کے شعور کا پتہ بھی چلتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کہ تے تے تھے جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ نے اُس تنے کو چھوڑ دیا، اس پر اُس تنے میں سے بے اختیار رُسنے کی آواز سُنی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بے جان چیزیں ہیں بھی کچھ نہ کچھ شعور ہوتا ہے۔ جانور اور انسان تو ایسے ہی ذی روح ہیں اور باشعور ہیں اگرچہ جانوروں کا شعور ناقص ہے۔ تو ہر حال فرمایا کہ کائنات کی تمام چیزیں کسی نہ کسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ رہتے ہوئی ہیں وَکَاشِیْنَ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ اور بہت سے انسان ایسے بھی ہیں جن پر عذاب محض چکا ہے۔ ایسے لوگ کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہے۔ اللہ کے سامنے کبھی عاجزی۔ کے اظہار اور سجدہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تو ایسے لوگ عذاب کے مستحق محض ہیں۔ غرضیکہ انسانوں میں آگے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اپنے اللہ کی عبادت کر کے اُس کی تسبیح و تحمید بیان کر کے اور سجدہ کر کے اُسے رضی کر لیا اور دوسرے گروہ نے اسی سجدہ سے انکار کر کے جہنم کا عذاب حمید لیا۔

سجدہ تلاوت

قرآن پاک میں کل چودہ مقامات ہیں جن کو پڑھنے اور سُنانے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایک مقام یہ ہے اور دوسری سورۃ

کے آخری رکوع میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، سجدہ تلاوت کو واجب کہتے ہیں جب کہ دوسرے ائمہ کرام اسے سنت منوکہ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں کل چودہ سجدوں کے قائل ہیں۔ تاہم امام عظیمؒ اس سورہ میں آدھ دو سجدہ کو سجدہ تلاوت تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ اسے سجدہ نماز پر محمول کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ یہ دونوں سجدہ تسلیم کرتے ہیں مگر آپ سورہ ص والاسجدہ سجدہ تلاوت کے طور پر نہیں مانتے۔ یہ سجدہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر والی آیت میں آتا ہے اور خود حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت پر سجدہ ادا کیا تھا۔ امام مالکؒ کے نزدیک چودہ کی بجائے صرف گیارہ سجدے ہیں۔ وہ ساتویں منزل میں آنے والے سورہ النجم، سورہ الانشقاق اور سورہ العلق کے سجدوں کو سجدہ ہائے تلاوت تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام نے ان آیات کی تلاوت پر بھی سجدے کیے تھے۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ایک مجلس میں سجدہ تلاوت کی آیت خواہ کتنی دفعہ بھی پڑھی جائے۔ صرف ایک سجدہ واجب ہوتا ہے ہاں اگر مجلس بدل جائے اور متعلقہ آیت تلاوت کی جائے یا سنی جائے تو دوبارہ سجدہ کہنا ضروری ہو جاتا ہے اگر ایسی آیت پڑھتے یا سنتے وقت کوئی شخص سجدہ کرنے کی حالت میں ہے تو فوراً سجدہ کر لے اور اگر طہارت نہیں ہے یا کوئی اور عذر ہے تو اس سجدے کو مؤخر بھی کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی صرح نہیں۔ مقامات سجدہ ایسے مقامات ہیں جہاں یا تو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا سجدہ کرنے والوں کی مدح کی گئی ہے اور یا پھر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی آیت کو پڑھنے یا سننے پر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سجدہ ادا کرے اور عذاب الہی سے بچ جائے۔ آیت زہر درس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے لوگ سجدہ کرتے ہیں، وہ اللہ کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو سجدہ نہ کر کے عذاب الہی کے مستحق بن جاتے ہیں۔



عزت اور  
ذلت کی  
سبکی

فَرَمَا وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ جَسَّ اللَّهُ  
ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اور خدا تعالیٰ ذلیل اُسی شخص  
کو کرتا ہے جو ذلت کے واقعی قابل ہوتا ہے۔ وہ تو رحیم و کریم بھی ہے مگر  
جو خود کو ذلت امینز امور کی طرف سے جائے تو اللہ فرماتا ہے تَوَلَّهِ مَا  
تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (الفائدہ - ۱۱۵) جدھر کوئی جانا چاہتا ہے  
ہم اُدھر ہی پھیر دیتے ہیں یعنی غلط راستے پر جانے کی توفیق سبب نہیں کرتے  
مگر اللہ تعالیٰ برائی کو پسند نہیں کرتا اور پھر ایسے شخص کو جہنم رسید کر دیتا  
ہے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا  
ہے اس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی جب  
وہ کسی کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو پھر کوئی ذات اس کو ذلت سے نہیں  
نکال سکتی۔ اگر تائب ہو جائے، اللہ اس کی توفیق دے دے تو پھر وہ خود ہی  
ذلت سے نکال بھی لیتا ہے۔

دو گروہوں  
کے درمیان  
فیصلہ

آگے ارشاد ہے هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَحْمَةٍ  
یہ دو دعویدار ہیں جنہوں نے جھگڑا کیا ہے اپنے پورے کار کی توجید کے  
بائے میں۔ ایک گروہ توجید کو مانتا ہے اور دوسرا انکار کرتا ہے۔ ان دونوں  
کا جڑائے عمل اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے  
کہ حضرت علیؑ نے فرمایا اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّجْتَنِبُ بَيْنَ يَدَيِ  
الرَّجُلَيْنِ يَعْنِي فِي سَبَا شَخْصٍ هُوَ لَكَ جَوْ قِيَامَتِ وَاِلَىٰ ذٰلِكَ رَحْمَانُ كَيْ  
سامنے گھٹنے ٹیک کر عرض کروں گا۔ جنگ بدر کے موقع پر ایک طرف  
حضرت علیؑ، حضرت حمزہؑ اور حضرت عبیدہ ابن حارثؓ مسلمان تھے اور  
دوسری طرف عقبہ، شیبہ اور ولید کافر تھے۔ یہ سارے کے سارے ایک ہی  
براہری اور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مگر کفر و اسلام کی وجہ سے آمنے سامنے  
اکھڑے ہوئے تھے ان میں سے تینوں کافر مارے گئے اور ایک مومن



حضرت عبیدہ ابن حارثؓ زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ تو اس واقعہ کے تناظر میں حضرت علیؓ کہتے ہیں میں خدا تعالیٰ کے سامنے عرض کروں گا کہ مولا کہہ ہم ہمارے درمیان فیصلہ فرما کہ یہ کافر ہمارے مقابلے میں کیوں آئے تھے۔ جب کہ ہم تیری توحید کو مانتے ہیں، تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ تو فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق اُس دن فیصلہ ہوگا۔ ایک گروہ وہ ہے جو اللہ کی توحید پر کاربند ہے اور دوسرا وہ ہے جو کفر اور شرک پر اڑا ہوا ہے۔

کفار کے لیے  
سزا

تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوگا فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ شِبَابُ رِحْلِهِمْ نَارٍ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ کے کپڑے تیار کیے جائیں گے۔ یہ کپڑے ایسے خام مال سے تیار شدہ ہوں گے جو فوراً آگ بکھڑے، گویا انہیں آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ حضور علیہ السلام نے لوحہ کرنے والے مرد و زن کے متعلق بھی فرمایا کہ قیامت والے دن ان کے لباس گندہ کھکے ہوں گے جو ذرا سے اٹارے سے بھی فوراً آگ بکھڑیں گے۔ ایسے ہی کافروں کے لباس بھی ہوں گے۔ اس کے علاوہ يُصَبُّ مِنْ فَوْقَ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ اور اگر وہ اس کا ایک گھونٹ پی لیں گے۔ يُصْهِرُ بِهِمْ مَكَفٍ يُطَوِّنْهُمْ توجہ کچھ ان کے پیٹ میں ہے اُسے گچھلا کر باہر پھینک دے گا۔ وَالْجَعَلُوْا اور ان کی کھالوں کو بھی جلا ڈالے گا۔ سورۃ النساء میں ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ كَدُّنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا (آیت ۵۶) جب ایک کھال جل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری پہنا دی جائے گی اور اس طرح کافروں کی کھالیں ہمیشہ جلتی رہیں گی۔

فرمایا وَلَهُمْ مَّقَامٌ مِنْ حَدِيدٍ اور ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے ان کے ساتھ انہیں مارا جائیگا۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ اس ہتھوڑے کی ضرب اتنی شدید ہوگی کہ ساری کائنات میں کمرہ بھی ایک

ضرب برداشت نہ کرے۔ فرمایا کَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا  
 مِنْ غَيْرِ بَابِ بَی كَفَارٍ وَشُرَّكِينَ اس دوزخ سے غم و پریشانی کی وجہ  
 سے نکلنے کی کوشش کریں گے اُعِيدُوا فِيْهَا تَوَدَّ اِی ہیں واپس لوٹ  
 دیے جائیں گے۔ ہتھوڑے مار مار کر انہیں دوزخ میں دھکیل دیا جائیگا۔  
 اور وہاں سے نکلنے کی صورت نہیں ہوگی۔ دوسری جگہ ہے وَمَا هُمْ  
 بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرہ - ۱۶۷) ایسے لوگ دوزخ سے  
 نکلنے والے نہیں ہوں گے۔ انہیں ہمیشہ کے لیے وہیں رہنا ہوگا۔ اور  
 پھر اُن سے کہا جائے گا۔ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ اب جلانے  
 والے عذاب کا مزہ اچھو۔ تم دنیا میں اکثر دلھاتے تھے، کفر اور شرک پر اُٹے  
 تھے، تو حید کو مٹانے کی کوشش کی اور کفر کے پر و گرام کو غالب کرنا چاہا  
 تمہارے عقیدے اور عمل کا یہی بدلہ ہے۔ اس سے پہلے

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا  
 مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا  
 حَرِيرٌ ۝ (۲۳) وَهَدُّوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهَدُّوا  
 إِلَى صِرَاطٍ الْحَمِيدِ ۝ (۲۴) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَيَصْدُونَ  
 عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ  
 لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ  
 بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (۲۵)

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان  
 لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے بہشتوں میں جن کے  
 سامنے نہریں بہتی ہیں اور پہنائے جائیں گے ان (بہشتوں)  
 میں اُن کو سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار ، اور لباس  
 اُن کا ریشم کا ہو گا (۲۳) اور ہدایت دی گئی ہے اُن  
 لوگوں کو پاکیزہ بات کی طرف ، اور ہدایت دی گئی ہے  
 اُن کو اچھے پسندیدہ راستے کی طرف (۲۴) بیشک وہ  
 لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکتے ہیں وہ اللہ کے  
 راستے سے اور مسجد حرام سے جس کو بنایا ہے ہم نے





جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ اللہ تعالیٰ انکو داخل کر دے گا۔ جَذَبَتْ بِحُجْرَتِ مِنْ تَحْتِهَا الْأَذْفَلُ ایسے باغات میں جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ اہل ایمان وہاں رہائش پذیر ہوں گے اور ان کی زیریں زینت کے لیے يُجَلِّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وہاں پر ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو ان کے اعضائے وضو پر زیور پہنائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس دن ان سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمائے گا۔ يَزُودُ لَوْ لَوْ أَنَّ كُوفَتِيَّوْنَ كَبَّرَ عَمَلَهُمْ گے۔ و لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيرٌ اور جنت میں اُن کا لباس ریشم کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اہل بہشت پر یہ انعامات فرمائے گا۔ اُن کو کوئی دکھ اور پریشانی نہیں ہوگی، وہاں پر انہیں ہر طرح کی آسودگی حاصل ہوگی۔

دنیا میں سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے، لہذا جو اہل ایمان اس دنیا میں ان چیزوں سے محروم ہے، تو یہ چیزیں انہیں بہشت میں نصیب ہوں گی۔ اور جو شخص دنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم ہے گا۔ یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تو اللہ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اہل جنت کا لباس ریشمی ہوگا۔ مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں ریشم پہن لیا وہ جنت میں اس سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی وقت دنیا میں ریشم پہن لیا، اگر وہ جنت میں بھی چلے گئے تو وہاں انہیں ریشمی لباس نہیں ملے گا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ریشم پہننے والے جنتی کچھ عرصہ کے لیے جنت میں اس سے محروم رہیں گے۔ لیکن بالآخر ان کو بھی یہ لباس مل جائے گا۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ ایسے لوگ جنت میں ریشمی لباس سے محروم رہیں گے مگر انہیں اس ضمن میں کسی قسم

لہ مسلم ص ۱۶۸ (فیاض)

کی تکلیف یا کوفت یا رنج نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ریشم کی بجائے ایسا لباس پہنائیں گے۔ جس سے وہ مطمئن ہو جائیں گے۔

پاک رہنے  
کی طرف  
راہنمائی

اپنی خوش قسمت لوگوں کے متعلق فرمایا وَهَذَا الْحَبِطُ الطَّيِّبُ  
مِنَ الْقَوْلِ کہ اُن کو پاکیزہ بات کی طرف ہدایت دی گئی ہے۔ اور  
وہ پاکیزہ بات کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ  
ہے۔ دوسری سورۃ میں اس کو قول ثابت یعنی پختہ بات بھی کہا گیا ہے  
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور بہرِ رنج میں بھی کہ  
جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ صحیح صحیح جواب دیتے ہیں۔ غرضیکہ  
قول ثابت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کلمہ ہی ہے۔ بعض یہ بھی فرماتے  
ہیں کہ پاک قول سے مراد قرآن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی قرآن کریم  
کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی تلاوت  
کرتے ہیں جس سے انہیں ہدایت اور راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ معنی بھی  
درست ہے۔

فرمایا وَهَذَا الْحَبِطُ الْحَمِيدُ اور اُن کو اچھے اور پسندیدہ  
اور تعریفیوں والے راستے کی طرف ہدایت دی گئی ہے۔ یہ راستہ ایمان اور اسلام  
کا راستہ ہے، توحید، اللہ کی شریعت اور اس کے دین کا راستہ ہے جو انہیں دکھایا  
گیا ہے اور جس پر وہ کامزن ہیں۔ خدا کی مرضیات تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔  
اسی راستے پر چل کر اہل ایمان جنت میں پہنچیں گے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کے فرمان کے مطابق اللہ کی تسبیح و تحمید اُن کی زبانوں پر اس طرح جاری ہو  
جائیگی جس طرح کوئی انسان بے اختیار وارادہ سانس لینا ہے۔ اسی چیز کو پاکیزہ  
قول فرمایا ہے جو تعریفیوں والے پسندیدہ راستے پر چل کر حاصل ہوگا۔

حرم شریف  
کی حریمت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار خصوصاً حرم پاک میں ظلم و زیادتی کرنے والوں  
کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ پھر اللہ کے گھر کی تعمیر کا ذکر آئے گا اور حج اور

قربانی کا بیان ہو گا تمہید کے طور پر اس آیت میں حرم پاک کی بے حرمتی کو نبیوں کی مذمت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الذِّنَّ كَفَرُوا بِشَكِّ  
وَهُ لَوْ كَفَرُوا وَكَفَرُوا وَكَفَرُوا وَكَفَرُوا وَكَفَرُوا وَكَفَرُوا  
 اور جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے۔ میدان بدر میں کفار کے آنے کا  
 یہی مقصد تھا کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک کر کفر کے راستے پر ڈال دیا  
 جائے اور اسلام کی بجائے کفر کا پرچم اٹھایا جائے۔ اللہ کے راستے  
 سے روکنے کا یہی مطلب ہے۔ نِيزَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَهُوَ مَسْجِدُ  
بُحْرِ رُكْنَيْهِ۔ اس کی واضح مثال شہ کا واقعہ حدیبیہ ہے جسور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام خود صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکے آئے تھے  
 قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ چند ایک کے سوا سب لوگوں نے احرام باندھ  
 رکھے تھے مگر کفار نے حدودِ حرم یعنی حدیبیہ کے مقام پر روک دیا تھا۔ اس  
 وقت مسلمانوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ اتنا دور دراز کا سفر اختیار کرنے  
 کے باوجود وہ اللہ کے گھر کی زیارت سے محروم ہو رہے تھے بمصالحات  
 کی بات چیت ہوئی جس میں طے پایا کہ اس سال مسلمان بغیر عمرہ ادا کیے واپس  
 چلے جائیں گے۔ البتہ آئندہ سال اس کی اجازت ہوگی مگر وہ تین دن سے  
 زیادہ مکے میں قیام نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ اہل ایمان نے قربانی کے جانور  
 حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیے اور مدینے لوٹ گئے۔

اس مقام پر مسجدِ حرام سے مراد صرف وہ مسجد مراد نہیں جو خانہ کعبہ کے  
 گرد ہے بلکہ پورا حرم مراد ہے جس کی حد حدیبیہ کے مقام سے شروع ہوتی  
 ہے۔ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے اور کچھ باہر ہے، اسی لیے  
 کفار نے اسی مقام پر مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے نو، دس  
 میل کے فاصلے پر ہے۔ مدینہ کی طرف سے حدود صرف تین، ساڑھے تین میل  
 پر ہے۔ بعض اطراف سے دس میل بھی ہے۔ یہ سارا خطہ حرم کہلاتا ہے



اور یہاں یہی مراد ہے کہ کافر لوگ حرم سے روکتے ہیں۔ حرم کے بعض مسائل بھی ہیں جو کہ اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً حدود حرم میں شکار کرنا درخت کاٹنا، خود روگھاس کاٹنا وغیرہ حرم سے اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کی حرمت کا قانون الگ رکھا ہے۔ کوئی سا ممنوع فعل کرنے سے تاوان عائد ہوتا ہے۔

حرم شریف  
کے یکاں  
حقوق

فرمایا۔ یہ بد بخت لوگ اُس حرم پاک سے روکتے ہیں الَّذِیْ جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَآءٍ جَسَمًا جِسْمًا ہم نے تمام لوگوں کے لیے برابر قرار دیا ہے یعنی اس سرزمین پر تمام اہل ایمان کے یکاں حقوق ہیں اور اس لحاظ سے اس خطہ کو وقف کی حیثیت حاصل ہے۔ پھر عیلامشروکوں کو مسجد حرام سے روکنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اللہ نے فرمایا وَمَا كَانُوا اَوْلِيَاءَ (الانفال - ۳۴) یہ تو مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ اس کے متولی تو متقی اہل ایمان ہی ہو سکتے ہیں۔ بہر حال حرم پاک کا خطہ تمام اہل ایمان کے لیے یکاں ہے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں اَلْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وہ حدود حرم کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں، سب کے حقوق برابر ہیں اور کوئی کسی کو اس میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتا۔

حدود حرم میں مقامات عبادت اور رہائشی مکانات کے حقوق ملکیت کے متعلق فقہائے کرام میں قدسے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ حدود حرم میں خیتے بھی عبادت کے مقام ہیں۔ مثلاً مسجد حرام، صفا و مرہ، منی، مزدلفہ اور میدان عرفات جہاں ارکان حج ادا کیے جاتے ہیں۔ وہ مقامات تو کسی کی ملکیت نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے وقف ہیں اور جہاں کوئی چاہے داخل ہو کہ عبادت کر سکتا ہے کوئی کسی کو نہیں روک سکتا۔ البتہ شہر مکہ اور اطراف کے رہائشی مکانات کے



متعلق کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدودِ حرم میں رہائشی علاقوں کی زمین تو ویسی ہی وقف ہے جیسی دوسری زمین، البتہ اس پر تعمیر کی گئی عمارت کسی کی انفرادی ملکیت ہو سکتی ہے اور اس طرح مالک مکان اس کا کمرہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی زمین پر عمارت تعمیر کر لے اسے عمارت کے علاوہ زمین کے حقوقِ ملکیت حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ حضرت عمرؓ کا عمل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اُسے قید خانہ میں تبدیل کر دیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کمرہ سے کلی حقوقِ ملکیت حاصل ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک امام ابو حنیفہؒ کا موقف ہے تو اس کے متعلق امام ابو جبر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی ملکیتی زمین پر مکان تعمیر کر لے ظاہر ہے کہ عمارت تو تعمیر کنندہ کی ہوگی۔ مگر زمین کا حق ملکیت اُسے حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک وہ زمین کی قیمت ادا نہ کرے یا مالکِ ارضی کو راضی نہ کرے۔ حرم کا پورا خطہ چونکہ وقف ہے اس لیے اس کی زمین کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں آسکتی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ خواہ کوئی مقامی آدمی ہو یا بیرونی ہم نے خطہ حرم کو سب کے لیے برابر بنایا ہے۔

حرم میں ایسا  
کی دلیل نظر

اللہ نے دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے وَمَنْ يُؤْذِ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ جَوَّزْنَاهُ شَرًّا فِيهِ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْآيَةِ ۚ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ جَوَّزْنَاهُ شَرًّا فِيهِ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْآيَةِ ۚ اختیار کرے گا، یعنی شرک، کفر، بدعت، قتل و غارت اور معاصی کا ارتکاب کرے گا۔ نَذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ بعض اوقات خطے اور زمانے کے لحاظ سے اعمال کی جزا اور سزا میں فرق پڑ جاتا ہے مثلاً مسجدِ حرم میں ایک نماز ادا کرنے کا اجر دوسری جگہ کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اسی طرح مسجدِ نبویؐ میں

ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ پھر بعض زمانوں میں گناہ کا ارتکاب کرنے سے اس کی سزا بڑھ جاتی ہے۔ جیسے حرمت والے چار مہینے۔ تو اسی طرح ان پاک مقامات پر گناہ کی سزا بھی ڈبل ہو جاتی ہے کیونکہ اس نے اس پاک خطے کی حرمت کو بے قرار نہیں رکھا۔ اسی طرح بعض افراد کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ کا فرمان ہے یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْوٰثِقِیْنَ (آیت ۳۲) اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں۔ اللہ نے تمہیں شرف بھی بڑا عطا فرمایا ہے۔ اور اگر تم کوئی بڑا کام کر دو گی۔ یُضَعِّفُ لَہَا الْعَذَابَ ضِعْفَیْنِ (آیت ۳۰) تو تمہاری سزا بھی دوگنی ہوگی بہر حال فرمایا کہ جو شخص عرم پاک میں مجبوری اختیار کرے گا اُسے ہم در دناک عذاب چکھائیں گے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ  
بِ شَيْئًا وَطَهَّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ  
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ②۶ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ  
رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ  
عَمِيقٍ ②۷ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ  
اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ  
أَبْهِيمَةٍ ۚ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْبَاقِ  
الْفَقِيرِ ②۸ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ  
وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ②۹

ترجمہ :- اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب کہ ہم نے  
واضح کی ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ  
اور اُن سے کہا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا  
اور میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں  
کے لیے، کھڑا ہونے والوں کے لیے اور رکوع و  
سجود کرنے والوں کے لیے ②۶ اور اعلان کرو لوگوں  
میں حج کا، آئیں گے وہ تمہاری طرف پیدل اور دہلی  
پتلی اونٹنیوں پر جو چلی آئیں گی ہر دور دراز راستے

سے ۲۷ تاکہ وہ حاضر ہو جائیں اپنے فائدوں کی جگہ پر ،  
 اور یاد کریں وہ اللہ کے نام کو معلوم دنوں میں اُس چیز  
 پر جو اللہ نے اُن کو روزی دی ہے موشیوں میں سے  
 پس کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج  
 کو ۲۸ پھر چاہیے کہ وہ دُور کریں اپنے میل کچیل  
 اور پورا کریں اپنی نذروں کو اور طواف کریں اللہ کے  
 چُپانے گھر کا ۲۹

رابط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام اور پورے خطہ حرم شریف کے  
 محترم ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اللہ نے یہ وعید بھی فرمائی کہ جو شخص اس مقدس سرزمین میں  
 ظلم و زیادتی، معصیت یا اسکا د اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دے گا۔  
 کیونکہ اُس نے حرم پاک جیسے پاک خطے کا تقدس برقرار نہیں رکھا۔

تعمیر بیت  
 اللہ شریف

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر، حج اور  
 قربانی کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ذرا اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ وَاذْكُرْ  
 لَكُمْ اَنْتُمْ وَاَبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ جب کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے  
 بیت اللہ شریف کی جگہ کو واضح کر دیا۔ آپ کے زمانہ تک بیت اللہ شریف کی  
 سابقہ عمارت سیلاب کی نذر ہو چکی تھی اور اس وقت تک اس کے نشان تک بھی  
 مرٹ چکے تھے۔ البتہ اس جگہ کا تقدس باقی تھا اور لوگ وہاں آکر دعائیں مانگا کرتے  
 تھے۔ ترمذی شریف ہیں قوم عاد کا ذکر موجود ہے کہ یہ قوم وادی دہنا اور مین کے  
 اطراف میں ربع خانی میں آباد تھی۔ ایک موقع پر ان کے علاقے میں متواتر تین سال  
 تک بارش اور قحط پڑ گیا۔ انہوں نے اپنے رواج کے مطابق ایک وفد تیار کیا جو  
 مکے کے اطراف کے پہاڑوں میں جا کر دُعا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ باران رحمت نازل  
 فرمائے۔ تو ان لوگوں نے بھی وہاں آکر دعائیں کیں۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اکثر



انبیاء بھی اس مقام پر آکر طواف کیا کرتے تھے اگرچہ بیت اللہ کی عمارت موجود نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا تو اللہ نے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ اصل مقام کو واضح کرنے کے لیے اللہ نے ایک بادل بھیجا جس نے بیت اللہ شریف کی اصل جگہ پر سایہ کر دیا۔ پھر اللہ نے ہوا کو بھیجا جس نے اس جگہ کو صاف کر دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو اصل بنیادیں نظر آ گئیں جن پر آدم علیہ السلام اور آپ سے پہلے فرشتوں نے یہ عمارت بنائی تھی۔ اب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے مل کر اُسی مقام پر بیت اللہ شریف کی عمارت از سر نو کھڑی کی۔ یہاں پر اسی بات کا ذکر ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ کو واضح کر دیا اور پھر انہوں نے اس کی تعمیر کی۔

شُرک کی  
مانعت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا حکم فرمایا۔ پہلا حکم یہ دیا کہ لَا تَشْرُکْ بِی شَيْئًا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ یہ زمین پر محترم ترین خطہ اور قبلہ ہے۔ یہ گھر اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کے لیے ہے اس میں کُشُرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔ اس گھر کی بنیاد اللہ کی توحید پر رکھی گئی ہے لہذا اس کو شرک کی آلودگی سے پاک رکھو۔ یہاں پر اللہ کی خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے اور عبادت کرنے والوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ گذشتہ آیت میں گذر چکا ہے کہ اس مقام پر کسی قسم کا اتحاد اور معصیت کی بات بھی نہ ہو۔ چہ جائیکہ شرک جیسے ظلمِ عظیم کا ارتکاب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس گھر کی طہارت و پاکیزگی کا حکم دیا تھا مگر مشرکین مکہ نے اس گھر کے اندر اور در و دیواروں پر تین سو ساٹھ بت سجائے رکھے تھے۔ اس نجاست کو اللہ نے اپنے آخری نبی کی وصال سے پاک کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے زمانے میں بیت اللہ کو شرک سے پاک رکھا مگر بعد میں آنے والوں نے اس کے تقدس کو پامال کر دیا۔

بیت اللہ  
کی طہارت

اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم بھی دیا وَطَهِّرْ بَيْتَكَ

لِلطَّائِفِينَ میرے گھر یعنی بیت اللہ شریف کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو۔ شرک کی باطنی نجاست کا تو پہلے ذکر ہو چکا ہے اب فرمایا کہ حرم پاک ظاہری نجاست سے بھی پاک ہونا چاہیے تاکہ یہاں تکہ طواف کرنے والوں کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ طواف بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ جس طرح نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح طواف کے لیے بیت اللہ شریف اور اس کے ارد گرد مطاف کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ نماز اور طواف میں اس قدر فرق ہے کہ نمازیں انسان بات چیت نہیں کر سکتا جب کہ طواف کے دوران بوقت ضرورت کلام کر سکتا ہے۔

فرمایا بیت اللہ کی طہارت طواف کرنے والوں کے لیے بھی ضروری ہے وَالْقَائِمِينَ اور قیام کرنے والوں کے لیے بھی یہ پاکیزگی ضروری ہے قیام سے مراد نماز کے لیے قیام بھی ہو سکتا، اعتکاف بھی مراد ہو سکتا ہے اور بیرونی علاقوں کے رہنے والوں کا کھڑنا بھی مراد ہو سکتا ہے چونکہ بیت اللہ شریف اور حرم پاک کے دروازے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ہر وقت کھلے ہیں۔ لہذا ان کے قیام کے لیے اس کی طہارت بھی ضروری ہے پھر فرمایا وَالشَّكَّعِ السُّجُودِ رکوع و سجود کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی حرم پاک کی طہارت ضروری ہے۔ واللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کی ظاہری اور باطنی طہارت کا اہتمام ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو دوسرا حکم یہ دیا وَادِّعِ فِي النَّاسِ بِالْحَقِّ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو کہ لوگو! اللہ کا گھر تعمیر ہو چکا ہے، آؤ اس کا حج کر دو۔ مفسرین کو یہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولا کریم! یہاں کوئی آبادی تو موجود نہیں۔ اس بے آباد جنگل میں تیرے گھر کے قریب ہم باپ بیٹا کے سوا کون ہے جو

اس اعلان حج کو سن کر منہ کے لیے آئے گا تو اللہ نے فرمایا کہ تیرا کام صرف اعلان کرنا ہے یا کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ فَقَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمْ الْحَجُّ لوگو! تم پر اللہ نے حج کو فرض قرار دیا ہے۔ تم اعلان کر دو، اس اعلان کو لوگوں کے کانوں تک پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تو اللہ نے یہ آواز دے کر زمین کے تمام انسانوں تک، ماؤں کے رحموں میں موجود بچوں تک اور پھر آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری نسل انسانی تک پہنچائی۔ چنانچہ جس جس نے یہ آواز سنی وہ بلیک کہتا ہوا ضرور اس مقام تک پہنچے گا۔

مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ ہر انسان نے اس آواز کو سنا خواہ بوقت اعلان وہ پیدا ہو چکا تھا یا بعد میں پیدا ہونے والا تھا، مگر ان کو اس کا ادراک نہیں ہے۔ اس مادی دنیا میں آکر ہم بہت سی چیزیں کا ادراک کھو بیٹھے ہیں مثلاً سورۃ اعراف میں گمراہ چکا ہے کہ اللہ نے تمام نوع انسان سے عہد است لیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو تمام ارواح انسانی نے اس کا مثبت جواب دیا تھا کہ مولا کریم اکیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اب یہ عہد کسی کو بھی یاد نہیں۔ یہ تو ارواح کی بات ہے، اس دنیا میں آنے کے بعد بھی انسان کو پیش آئے والے بعض واقعات کا ادراک نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی آدمی بڑا ہو کر اپنے بچپن کی اس بات کو ذہن میں نہیں لے سکتا کہ اس نے پہلا حرف ا، ب، ت یا کوئی پہلا لفظ کس سے سیکھا تھا۔ آخر اس نے بولنا سیکھا، مگر کس استاد سے، ماں سے، باپ سے یا کسی بہن بھائی سے۔ دنیا میں بڑے بڑے پروفیسر، دانش ور، حکیم اور سائنسدان پیدا ہوئے ہیں مگر اس بات کا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔ اس طرح اعلان حج سنا نہ ہر ایک نے تھا۔ مگر اب اس کا ادراک نہیں رہا اور کوئی شخص یاد نہیں کر پاتا کہ واقعی اس نے کسی وقت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ اعلان سنا تھا۔



حاجیوں کی  
آمد کی نوید

اللہ نے فرمایا، اے ابراہیم! تم حج کا اعلان کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔  
يَا تَوَكَّلْ رَجَا لَوْ لَوْ تِيرَے پاس حج کے لیے پیادہ بھی آئیں گے بڑے  
ذوق و شوق کے ساتھ لہیک لہیک کی رٹ لگاتے ہوئے پیدل بھی پہنچیں گے  
وَعَلَى كُلِّ صَنَاعٍ اور دہلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی آئیں گے۔ پرانے  
زمانے میں تو اونٹ، گھوڑا، خیر وغیرہ کی سواریاں ہی تھیں جن کا ذکر کیا گیا ہے  
مگر اب تو جہاں اور تیل سے چلنے والی تیز ترین رفتار سواریاں از قسم ٹرینیں  
ہوائی جہاز اور بحری جہاز موجود ہیں اور آمد زمانے میں ایسی طاقت سے چلنے  
والی سواریاں بھی خارج از امکان نہیں، اور ہو کر آئے کہ اللہ ان کے غلام  
بھی کوئی سواری ایجاد کرے جو اس وقت ہمارے ذہن میں نہیں کیوں کہ  
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وہ جو چاہے پیدا کرے، وہ قادرِ مطلق ہے۔ بہر حال  
فرمایا يَأْتِيَنَّ مِنْ كُلِّ فِجٍّ عَمِيقٍ لوگ تمھارے پاس موزوں راستوں  
راستوں سے چل کر حج کے لیے آئیں گے۔ تم ذرا اعلان تو کر دو۔ اب دیکھو  
ہیں دنیا کے کونے کونے سے لوگ ہوائی جہازوں کے ذریعے اس اعلان  
پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کے گھر کے طواف کے لیے پہنچ رہے ہیں۔

حج کے  
اجتماعی  
فوائد

فرمایا، ابراہیم! لوگ تیرے پاس آئیں گے لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ  
تاکہ وہ اپنے فوائد کی جگہ پر حاضر ہو جائیں۔ سفر حج میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان  
کے لیے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے فوائد رکھے ہیں۔ چونکہ حج ارکانِ اسلام  
میں سے ایک رکن ہے اس لیے اس کی ادائیگی میں اجر و ثواب، ایمان،  
اخلاص، بخشش، مغفرت اور اللہ کی خوشنودی جیسے روحانی فوائد حاصل ہوتے  
ہیں۔ علاوہ ازیں دنیاوی طور پر بھی یہ عظیم اجتماع بہت سے فوائد کا حامل ہوتا ہے۔  
اس اجتماع میں دنیا بھر کے مسلمان اکابر اور سرسے ملتے ہیں۔ اپنے مسائل  
زیر بحث لاتے ہیں، مختلف امور پر تبادلہ خیال کرتے ہیں اور اس طرح ایک  
دوسرے کے تجربات سے مستفید ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس



دور میں مسلمان سیاسی طور پر کمزور ہیں اور دنیا میں ان کو اجتماعیت حاصل نہیں ہو سکتی۔  
 اس اجتماع سے بہت زیادہ مادی فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔ اس وقت دنیا  
 میں امریکہ اور روس جیسی سپر طاقتوں کا کنٹرول ہے اور پورا عالم اسلام مغلوب  
 ہے، اس لیے وہ اپنی مرضی سے دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتے  
 اب اتنا بھی غنیمت ہے کہ فریضہ حج ادا ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے حکمران  
 فاسق فاجر اور بے عمل ہیں۔ ان کے پاس باتیں ہی باتیں ہیں، عملی طور پر کچھ  
 نہیں۔ بعض ملکیت کا شکار ہیں تو بعض ڈکٹیٹر بنے ہوئے ہیں۔ اسلام، ایمان  
 اور جذبہ خدمت خلق مفقود ہے، ذاتی مفاد اور عیش و آرام پیش نظر ہے،  
 اس لیے مسلمان یحیثیت مجموعی حج کے مادی فوائد حاصل نہیں کر رہے ہیں۔  
 تاہم اللہ نے سفر حج کو بڑا بابرکت بنایا ہے اس میں روحانی اور مادی فوائد  
 رکھے ہیں۔

حج اور  
قربانی

فرمایا حاجیوں کی آمد کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَيَذْكُرُوا اسْمَ  
اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِنْ  
مَّحِيْمَةٍ الانعام کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مہیشیوں پر معلوم دنوں  
 میں اللہ کا نام ذکر کریں، یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کے نام کی قربانی کریں۔ بھیڑ  
 بکری، اونٹ اور گائے چار قسم کے جانور ہیں جو انسانوں سے مانوس ہوتے  
 ہیں اور جنہیں اللہ نے ہی یعنی قربانی کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ یہ جانور  
 عمرہ، حج قرآن یا حج تمتع کے وقت قربانی کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات  
 دوران حج یا عمرہ کسی جنایت کے ارتکاب پر بطور دم بھی قربانی کرنا پڑتی  
 ہے۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ وہ مخصوص دنوں میں اللہ کے نام پر جانور  
 کی قربانی پیش کریں۔

ایام قربانی کے متعلق فقہائے کرام میں قدے اختلاف پایا جاتا ہے۔  
 اس آیت کرمیہ میں قربانی کا ذکر ہے اور ایام معلومات کے الفاظ استعمال

کہے گئے ہیں۔ اس کے برخلاف سورۃ البقرہ میں ہے **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْ اَیَّامِ مَّعْدُوْدَتِہٖ ذٰلِکَ اٰیٰتِہٖ** (۲۳) گئے ہوئے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو اور اس سے مراد منیٰ کے ایام تشریق ہیں جو دسویں سے تیسرے ذوالحجہ تک چار دن بنتے ہیں۔ برخلاف اس کے ایام معلومات یعنی قربانی کے دن صرف تین ہیں یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ۔ صحیحین کی حدیث میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے، پھر اگلے سال یہ حکم منسوخ کر دیا کہ گوشت جب تک چاہو رکھ سکتے ہو مگر قربانی تین دن ہی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ قربانی یوم النحر اور دو دن بعد تک ہے یعنی دسویں تا بارہویں۔ البتہ ایام تشریق چار دن یعنی تیسرے تا پنج تک ہیں۔ تاہم کوئی شخص چاہے تو بارہ تاریخ کو بھی رمی جمار کے بعد منیٰ سے واپس آسکتا ہے۔

قربانی کے تین ایام یہ تینوں ائمہ کرام متفق ہیں، البتہ امام شافعیؒ جو تھے دن بھی قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی صحیح حدیث میں جو تھے دن کی قربانی کا ذکر نہیں ہے۔ صرف دارقطنی کی ایک ضعیف روایت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جب کہ صحاح ستہ میں تین دن کی قربانی کا ہی ذکر ہے۔ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قربانی کے دن تو تین ہوں اور اور قربانی کا گوشت جو تھے دن تک بھی اتنا ہی ہو۔ حضور علیہ السلام نے پہلے حکم میں صرف تین دن تک گوشت رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لہذا ایام قربانی تین ہی ہیں۔

**فَرَمٰی اللّٰہُ کہ عطا کردہ جانوروں کو اس کے نام پر قربان کرو فَکُلُوْا مِنْہَا** پس اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ **وَاطْعَمُوْا الْبَکِیْسَ الْفَقِیْرَ** اور ہر غریب اور محتاج کو بھی کھلاؤ۔ قربانی کا گوشت گھر میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور غریبوں محتاجوں کو بھی دیا جاسکتا ہے جب کہ نذر کا گوشت

اور دم کے طور پر دی گئی قربانی کا گوشت قربانی مینے والا خود نہیں کھا سکتا۔

دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنے کے بعد حاجی احرام کھول دیتے ہیں، اور نہاد صوم  
کمر عام کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا کہ قربانی کرنے کے بعد  
حجارت بنوادھو لِيَقْضُوا تَشَهُُّهُمْ پھر چاہیے کہ وہ اپنی میل کچیل دور  
کریں۔ ایام احرام میں حاجی عبا بن استعمال نہیں کر سکتا۔ بالوں میں تیل اور کنکھی نہیں  
کر سکتا۔ ناخن نہیں کٹا سکتا، میل کچیل جم جاتا ہے اس لیے فرمایا کہ اب قم حلال ہو  
چکے ہو۔ نہاد صوم کمر میل کچیل صاف کر دو۔ بالوں میں تیل لگا سکتے ہو، کنکھی کر سکتے ہو۔  
نئے کپڑے پہن سکتے ہو۔ اس کے علاوہ وَلْيُوفُوا نَذْرًا ہر چاہیے  
کہ اپنی نذریں پوری کریں۔ بعض لوگ منیت مان لیتے ہیں کہ ارکان حج کی تکمیل  
پر نوافل ادا کرینگے، یا روزه رکھیں گے یا کوئی اور نیکی کا کام کرینگے فرمایا اگر کوئی صحیح منیت

مان رکھی ہے تو اس کو پورا کر دو وَلْيُوفُوا نَذْرًا بالبدیت الدتیق اور چاہیے  
کہ وہ پرانے گھر کا طواف کریں۔ پرانے گھر سے مراد بیت اللہ شریف اور  
طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو دس تاریخ کو کیا جاتا ہے۔ اگر  
کوئی مجبوری سے گیارہویں اور بارہویں تاریخ تک مؤخر بھی کیا جاسکتا ہے  
اگر بارہویں تاریخ تک بھی طواف زیارت نہ کر سکا تو مردوں پر تاوان آئے  
گا، دم دینا پڑے گا۔ البتہ عورت اگر مجبور ہے تو پاک ہونے کے بعد طواف  
کر لے، حج کے تین ارکان ہیں۔ وقوف عرفہ، احرام اور طواف زیارت  
ان کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص نویں ذوالحجہ کو دوپہر کے بعد  
غروب آفتاب تک ایک لمحہ کے لیے بھی میدان عرفات میں ٹھہر گیا تو اس کا حج ادا  
ہو گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے الْحَجُّ عَرَفَاتُ وقوف عرفات اور طواف زیارت  
حج کے اہم ارکان ہیں، اس لیے فرمایا کہ قربانی مینے کے بعد نہاد صوم کمر بیت شریف کا  
طواف کریں۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمِ حُرْمَتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لِّهِ عِنْدَ رَبِّهِ وَاُحِلَّتْ لَكُمْ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَانَ مِمَّا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخَطَفَهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوٰى بِهٖ الرِّيحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ۝۳۲ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلَّا اَجَلٍ مَّسْعًى ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝۳۳

ترجمہ :- یہ بات (تو ہو چکی) اور جو شخص تعظیم کرے گا اللہ کی حرمتوں کی، پس وہ اس کے لیے بہتر ہے اس کے پروردگار کے پاس۔ اور حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے مویٹی مگر وہ جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ پس بچو بت پرستی کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ۝۳۰ سیدھے ہو اللہ کے لیے، نہ شرک کرنے والے ہو اُس کے ساتھ۔ اور جس شخص نے شرک کیا اللہ کیساتھ





محرماتوں کا ادب و آداب شرک میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محترم (قابل احترام) اشیاء میں بیت اللہ شریف، صفا و مروہ، ہمتی، مندر لہ، عرفات اور تمام مساجد شامل ہیں جن چیزوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے ان کی تعظیم حقیقت میں اللہ کی تعظیم ہے۔ لہذا تمام حرمت کا ادب کرنا چاہیے۔ ان چیزوں کی بے ادبی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

اگلی آیت میں شمار اللہ کی تعظیم کا ذکر بھی آ رہا ہے اور شعائر سے بھی اللہ کی محترم چیزیں ہی مراد ہیں۔ شعائر اللہ کی تعظیم ہمارے دین کا اہم جزو ہے۔ ابراہیمؑ میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا، خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا، صبر کرنا بھی اجزائے دین میں داخل ہیں، اللہ کی یہ نشانیاں خدا تعالیٰ کی عظمت، جلال اور جمال کی علامت ہوتی ہیں لہذا ان کا احترام کرنا از حد ضروری ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اذان، اقامت، نماز اور قربانی شعائر اللہ کا حصہ ہیں اور ان کا تمسخر اٹانا بے ادبی اور بے دینی کی بات ہے۔ اعظم شعائر اللہ میں نماز، خانہ کعبہ، قرآن پاک اور خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ کی توحید کو ماننے والے اہل ایمان ان سب چیزوں کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ اللہ نے تعظیم شعائر اللہ کو نیکی میں شمار کیا ہے اور اس کے خلاف کرنے والوں کو وعید سنائی ہے۔

حلال اور  
محرم جانوروں

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے مویشیوں کی حلت و حرمت کا قانون بیان فرمایا ہے۔ اِذَا رَزَقْنَاهُ مِنْهُ فَاُولَٰئِكَ حَالَالٌ لِّکُمْ وَ اِذَا رَزَقْنَاهُ مِنْ سِوَاِہِ فَاُولَٰئِكَ حَالَالٌ لِّکُمْ اِلَّا مَا کَانَ عَلَیْہِ کِتَابٌ مِّنْ قَبْلِہِ فَاُولَٰئِكَ حَالَالٌ لِّکُمْ اِلَّا مَا کَانَ عَلَیْہِ کِتَابٌ مِّنْ قَبْلِہِ فَاُولَٰئِكَ حَالَالٌ لِّکُمْ اِلَّا مَا کَانَ عَلَیْہِ کِتَابٌ مِّنْ قَبْلِہِ

کی تفصیل سورۃ الانعام میں گمراہی سے کہ یہ چار قسم کے مویشی ہیں جن کے زہ اور مادہ دونوں حلال ہیں اور یہی جانور قربانی کے لیے پیش کیے جاتے ہیں ان میں اونٹ، بھینس، بکری اور گائے شامل ہیں۔ ان جانوروں پر اللہ کا نام

لے کر ان کے حلق پر چھری چلا سکتے ہو۔ اور جو مویشی قسم پر حرام ہیں ان کی تفصیل بھی اللہ نے مختلف سورتوں میں بیان کر دی ہے سورۃ المائدہ میں ہے  
 حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِزْيُرِ وَمَا  
 اهْلَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ  
 وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْقَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ  
 وَمَا ذَبَحَ عَلَى النَّصَبِ وَإِنْ تَسْتَقِيمُوا بِالْأَزْلَامِ  
 (آیت ۳) اللہ نے تم پر حرام کیا ہے مرا ہوا جانور، اور خون اور سحر کا  
 گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی غیر کا نام بکا جائے اور جو جانور گلا  
 گھٹ کر مر جائے، اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور گدہ مر جائے اور جو سینگ  
 لگ کر مر جائے اور جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جسے تم نے سے پہلے ذبح  
 کر لو، اور وہ جانور جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تیر یا سوں سے قسمت معلوم  
 کرو۔ تھان پر ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی قبر، تکیہ، درخت یا پتھر کی  
 تعظیم کے لیے اس کے پاس ذبح کیا جائے یا کسی بھی ایسی چیز کی تعظیم کے  
 لیے جانور ذبح کیا جائے جس سے اللہ کی تعظیم مرو نہ ہو۔ یہ تمام چیزیں  
 حرام ہیں اور مردار کے حکم میں داخل ہیں۔

اَلَّذِي فَرَّأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ پس بت پرستی  
 کی گندگی سے بچو۔ اوثان وثن کی جمع ہے جو ان گھڑے بت کے لیے بولا جاتا ہے۔  
 کوئی درخت ہو یا پتھر ہو جو کسی شکل پر نہ بنایا گیا ہو۔ اور صنم وہ ہوتا ہے جو کسی  
 انسان یا جانور وغیرہ کی شکل کا بت ہو۔ مشرکین عرب دونوں قسم کے بتوں کے  
 پجاری تھے۔ ہندو بھی کسی درخت یا پتھر وغیرہ پر چونا لگا کر اور اوپر دی وغیرہ  
 ڈال کر اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح صلیب کے پجاری صلیب  
 کی ایسی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے۔ یہ سب شرکیہ  
 افعال ہیں۔

بت پرستی  
کی نجاست



وہیے مطلقاً بت پرستی دنیا میں عام ہے۔ کوئی زندہ کی پرستش کرتا ہے اور کوئی مردہ کی۔ کوئی قبروں کی پوجا کرتے ہیں اور کوئی اولیاء اللہ اور ملائکہ کی، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر ان سے فریاد رسی کی جاتی ہے حالانکہ ایک مومن کا عقیدہ یہ ہے۔

نذاریم عینیر از تو فریاد رس  
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

مولا اکرم! تیرے علاوہ کوئی فریاد سننے والا نہیں ہے۔ کوئی بھی مافوق الاسباب غائبانہ مدد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی کسی کی مشکل حل کر سکتا ہے نہ کوئی کسی کی ظاہری باطنی حاجت پوری کر سکتا ہے اور نہ کسی بیمار کو شفا دے سکتا ہے۔ اللہ کے سوا نہ کسی کو کمالی علم ہے اور نہ اختیار۔ ساری مخلوق عابد ہے اور معبود صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہ صاحب کمال اور صاحب جمال ہے فریاد رس وہی ہے۔ برخلاف اس کے بت پرستی، گندگی اور نجاست ہے اور اسی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۃ المدثر میں بھی ہے وَالرَّجِزَ فَاهُجُرْ (آیت ۵) اپنے آپ سے نجاست اور گندگی کو دور رکھو۔ یہاں بھی فرمایا کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا شرک اور گندگی ہے، اس سے بچ جاؤ۔ قربانی صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے کرو۔

جھوٹی گواہی

اللہ نے فرمایا ایک توبت پرستی کی نجاست سے بچو اور دوسرے وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ جھوٹی بات سے کوئی بھی جھوٹی بات ہو سکتی ہے اور اس میں جھوٹی گواہی کو خصوصی حیثیت حاصل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے عُرِّكَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَافِ بِاللَّهِ یعنی جھوٹی گواہی دینا اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور اسے اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ جھوٹا وعدہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔



حذیفہؓ کہ  
مشرک

ارشاد فرمایا حَقَّقَ اللَّهُ الشِّرْكَ کے لیے حذیفہ بن یسافؓ ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک اللہ کی طرف لگ جاؤ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا ہے، قبلہ کی طرف رخ نہ کرے، نماز ادا نہ کرے، ختنہ نہ کرے، بیت اللہ کا حج نہ کرے اور شرک نہیں کرتا، وہ حذیفہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اور اس کے حذیفہ اور تمام حنفیہ کے امام تھے۔ حذیفیت کا دور آپ ہی کے زمانے سے شروع ہوا۔ حذیفیت پر توبہ کو ماننا مقدم ہے، اسی بات کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کو چھوڑا۔ آپ ہمیشہ شرک سے بچنے کو تلقین کرتے تھے۔

فرمایا اللہ کے لیے حذیفہ ہو جاؤ اس حال میں اِغْنِیْ مُشْرِكِيْنَ یہ اس کے ساتھ کسی طرح بھی شرک کرنے والے نہ ہو۔ شرک قطعاً پسندیدہ نہیں، اس کا اظہار نہ قول سے ہونا چاہیے، نہ فعل سے، نہ خیال سے اور نہ عقیدے سے۔ اگر کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جس سے غیر اللہ کی انتہائی تعظیم ہوتی ہے تو وہ شخص مشرک بن جائے گا۔ غیر اللہ کو ہر چیز اور ہر چارہ فعلی شرک ہے۔ شرک عبادت میں بھی ہوتا ہے اور عادت میں بھی جب تک انسان سچے دل سے توبہ نہ کرے اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ فلاں آدمی ہر چیز کو جانتا ہے، جو چاہے کر سکتا اور بگڑتا بنا سکتا ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہو جائے گا۔ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ہر چیز پر حاضر و ناظر اور ہر چیز کو جاننے والا تو فقط خدا ہے وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ہر چیز پر نگہبان بھی وہی ہے، لہذا مخلوق میں سے کوئی بھی اس صفت سے منصف نہیں۔ غیر اللہ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی العقیدہ میں شمار ہوگا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کی قباحیت دو مثالوں کے ذریعے بیان فرمائی ہے۔ فرمایا وَكَفَرٌ بِالشِّرْكِ بِاللَّهِ اور جس شخص نے شرک باللہ کیا

شرک کی  
قباحیت

ازکما۔ کیا فکا کما خرمین السماء وہ ایسا ہے جیسا کہ آسمان  
 سے گہڑا فخطفہ الطیر پھر اُسے پرندوں نے اُڑا دیا۔ پرندوں میں  
 مردار خور چلیں یا گدھیں وغیرہ ہوتی ہیں جو مردہ جانور کو نوچ کر کھا جاتی  
 ہیں۔ تو شرک کی ایسی مثال تو یہ ہے کہ کیا کہ اُس کے سر پر جسم کو چلیں نوچ  
 نوچ کر کھا جائیں اور دوسری مثال یہ کہ اَوْ تَهْوِي بِهٖ الرِّيحُ فِي  
 مَكَانٍ سَجِيَّتٍ یَّالُوْنِیْ اِیْنِیْ تَنْدُو تیز ہوا چلے جو اُسے اڑا کر دور کسی گڑھے  
 میں جا پھینکے اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ دونوں مثالیں مشرک آدمی  
 کو نابود کرنے کے متعلق ہیں۔ گویا مشرک آدمی کو اللہ تعالیٰ اتنی سخت سزا  
 دے گا کہ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی پرستش کرنا، اس کو مشکل کشا اور  
 حاجت روا سمجھنا، اللہ کی تعظیم کی بجائے مخلوق کی تعظیم کرنا گویا آسمان  
 کی بلندی سے گرنے کے مترادف ہے۔ ایسا شخص توحید جیسی بلندی سے  
 گر کر ذلت کے گڑھے میں جا کر رہے۔

مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک  
 گمراہ وہ ہے جو شرک میں پوری طرح پختہ نہیں ہوتا بلکہ مذہب ہونا ہے  
 اس کی مثال پرندوں کے نوچنے والی ہے۔ اور جو مشرک اپنے شرک میں  
 پختہ ہوتا ہے۔ اُس کی مثال دوسری ہے کہ ہوا اُسے اڑا کر کہیں گڑھے  
 میں جا پھینکے۔ بیت اللہ کی بنیاد تو اللہ نے توحید پر قائم کی ہے۔ اس کے  
 برخلاف جو شرک کا راستہ اختیار کرتا ہے اُس کا انجام اور شرک کی قباحت  
 بھی بیان فرمادی۔

پھر قرآنی ہی کے تسلسل میں فرمایا ذلک یہ بات تو تم نے سن لی یعنی جانوروں  
 کی حلت و حرمت کا علم تو تمہیں ہو گیا۔ اب وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللّٰهِ  
 فَانْهَامِنْ تَقْوٰی الْقُلُوْبِ جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم  
 کرے یا تو یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس شخص

دلوں کا  
 تقویٰ

کے دل میں تقویٰ ہوگا وہی شعار اللہ کی تعظیم کرے گا۔ اذان، اقامت، نماز روزہ، حج، مسی، اولیاء اللہ، نبی، خانہ کعبہ اور دیگر تمام مقامات مقدسہ کی تعظیم تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کے دل میں تقویٰ نہیں، وہ تعظیم بھی نہیں کرے گا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ دل اللہ کی زمین میں ظروف کی مانند ہیں۔ تو اچھا برتن وہی ہوتا ہے جو صاف شفاف اور نجاست سے پاک ہو۔ اسی طرح انسان کا دل بھی کفر، شرک، نفاق اور بدعات کی نجاست سے پاک ہونا چاہیے یہی دل کا تقویٰ اور جس کے ذریعے شعار اللہ کی تعظیم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو طعین کریں کہ لوگ اپنے دلوں کو صاف رکھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا پورے دلوں کو کیسے پاک صاف رکھا جاسکتا ہے تو اللہ نے فرمایا کہ دل میں میری عظمت اور محبت پیدا کرو۔ جس دل میں محبت خداوندی کی آگ روشن ہوگی، وہ آگ تمام ردي خواہشات، کفر، شرک، بدعتیگی اور نفاق کو جلا کر رکھ کر دے گی اور دل پاک صاف ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف جس دل میں شرک، عقائد و اعمال ہوں گے وہ صاف نہ ہو سکے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ شعار اللہ کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہوتی ہے

ارشاد ہوتا ہے کہ کُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ الْاٰتِ اَجَلٌ مُّسَمًّى تمہارے لیے قربانی کے جانور میں ایک مقررہ مدت تک فائدے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو بڑی تکلیف اٹھا کر پیدل چل رہا تھا حالانکہ اس کے ساتھ جانور بھی تھے آپ نے پوچھا کہ تم اس پر سوار کیوں نہیں ہو جاتے تو اس نے عرض کیا حضور! یہ ہدی کے جانور ہیں جنہیں حرم شریف میں جا کر ذبح کرنا ہے۔ قربانی کے جانور ہونے کی وجہ سے میں نے ان پر سواری نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجبوری کی حالت میں تو تمہیں کسی ایک پر سوار ہونے کی اجازت ہے

ہدی کے جانور



ہاں اگر اس کے علاوہ تمھارے پاس کوئی دوسری سواری ہوتی جو قربانی کے لیے مخصوص نہ ہوتی تو پھر تم ان ہری کے جانوروں پر سواری نہیں کر سکتے تھے۔  
 ایسی صورت میں قربانی کے جانوروں کا دودھ بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان سے کوئی دوسری خدمت لی جاسکتی ہے۔ وہ شخص پھر بھی سوار ہونے سے ہچکچایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **وَيْلَكَ رَاكِبُهَا** افسوس ہے تمھارے اس پر سوار ہو جاؤ۔ جب خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے تو تم اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔ اسی لیے اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ان قربانی کے جانوروں میں ایک خاص مدت تک تمھارے لیے فائدے کی بات ہے بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کی اس وقت تک اجازت ہوتی ہے جب تک انہیں قربانی کیلئے نامزد نہ کر دیا گیا ہو جب نامزد کر دیا تو پھر ان کا دودھ، کھال، بال وغیرہ سب صدقہ ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا۔ تو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی کیونکہ اب یہ تمام اشیاء اللہ کی نیاز بن چکی ہیں۔ جو غریبوں اور محتاجوں کا حق ہے۔

فرمایا **ثُمَّ حَلَّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ** پھر ان کے پہنچنے کی جگہ اللہ کا پرانا گھر ہے جہاں جا کر ان کو قربان کیا جائیگا۔ عتیق کے دو معنی آتے ہیں۔ عام فہم معنی تو پرانا گھر ہے کہ اللہ کی عبادت کے لیے بنایا جائے والا یہ اولین گھر ہے، جیسے فرمایا **إِنِّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى** لِّلْعَالَمِينَ (آل عمران ۹۶) سب سے پہلا گھر تو لوگوں کے لیے عبادت کی غرض سے بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں ہے اور جہان بھر کے لیے باعث ہدایت ہے۔ زمین کی تخلیق کا مرکز بھی یہی ہے۔ اسی مقام سے زمین کا پھیلاؤ ہوا۔ اس لحاظ سے بھی یہ پرانا گھر ہے۔

عتیق کا دوسرا معنی آزاد کرنے کا ہے اور یہ معنی بھی درست ہے



کہ یہ بیت اللہ شریف ہر جبار کے تسلط سے آزاد ہے جس نے بھی اس کی  
طرف بڑی نظر سے دیکھا، اللہ نے اُس کو ذلیل و خوار کیا۔ جب ابہ ہر نے  
بیت اللہ شریف کو گرانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تین میل دور ہی  
وادی محسر میں اس کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ قیامت کی نشانیوں میں البتہ آتا  
ہے کہ قریب قیامت میں حبشہ کا ایک ظالم شخص کعبۃ اللہ کو گرا دیگا۔ اس  
سے پہلے کبھی لشکر آئے رہے مگر اللہ نے اُن کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور  
بیت اللہ شریف کی آزادی پر عرت نہیں آنے دیا۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ بیت اللہ محسن ایندھوں  
اور محضروں کی عمارت کا نام نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ محضراکھاڑ کر دوسری  
جگہ گھر بنا دیا جاتا تو وہ بھی بیت اللہ ہوتا۔ مگر یہ بات نہیں ہے۔ بیت اللہ  
در اصل اس مقام کا نام ہے جس مقام پر یہ گھر تعمیر ہوا ہے۔ اگرچہ یہ  
مادی گھر ہے مگر اللہ نے اسے اپنی ذاتی تجلیات کا مہبط بنایا ہے اور  
یہ درجہ کسی دوسرے مقام کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ نے اسے ہماری عبادت  
کے لیے جہت بنایا ہے۔ قربانی کے جانور حدود و حرم میں منی یا دوسری  
جگہوں پر قربان کیے جاتے ہیں۔ اپنے اپنے ملکوں میں قربانی کرتے رہتے  
بھی جانوروں کے رُخ قبلہ کی طرف نہ پھیرتے چاہئیں۔ یہ اس قدیم گھر کی  
تعظیم کے احکام میں سے ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ  
 عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَالْهَكُمُ اللَّهُ  
 وَاحِدٌ ۖ فَلَهُ أَسْلَمُوا ۖ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿۳۴﴾ الَّذِينَ  
 إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا  
 أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ  
 يُنْفِقُونَ ﴿۳۵﴾ وَالْبَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ  
 لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا  
 صَوَافٍ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا  
 وَاطْعَمُوا الْقَانِعَ ۖ وَالْمُعْتَرَّ ۖ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا  
 لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا  
 وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۖ كَذَلِكَ  
 سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ  
 وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ :- اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر

کیا ہے قربانی کا طریقہ تاکہ ، یاد کریں اللہ کا نام اُس

پر جو اُس نے اُن کو رزق دیا ہے مویٹیوں میں سے ،

پس تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ پس اس کی فرمانبرداری کرو۔ اور خوشخبری سنا دو عاجزی کرنے والوں کو (۳۴) وہ کہ جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں، اور وہ صبر کرنے والے ہیں اُس پر جو انہیں مصیبت پہنچتی ہے، اور قائم کرنے والے نماز کو، اور اسمیں سے جو ہم نے ان کو روزی دی ہے خرچ کرتے ہیں (۳۵) اور قربانی کے اونٹ، بنایا ہے ہم نے اُن کو تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے۔ تمہارے لیے ان میں بہتری ہے۔ پس یاد کرو اللہ کا نام اُن پر جب وہ قطار میں کھڑے ہوں۔ پس جب گرہ پڑیں وہ اپنی کمرٹوں کے بل، پس کھاؤ اُن میں سے، اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور بے قرار شخص کو۔ اور اسی طرح ہم نے مسخر کیا ہے اُن کو تمہارے لیے تاکہ تم (اللہ کی نعمتوں کا) شکر ادا کرو (۳۶) ہرگز نہیں پہنچتے اللہ تک اُن کے گوشت اور نہ اُن کے خون، بلکہ پہنچتا ہے اُس تک تقویٰ تمہارا۔ اسی طرح مسخر کیا ہے تمہارے لیے ان جانوروں کو تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اُس پر جو اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے۔ اور خوشخبری سنا دو نیکی کرنے والوں کو (۳۷)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عزم شریف کا ادب و احترام ذکر کیا۔ پھر خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا حکم دیا اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی۔ اللہ نے لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کی پیشین گوئی بھی فرمائی اور شعائر اللہ کی تعظیم کا ذکر بھی کیا۔ پھر شرک کی قباحت کو مثال کے ذریعے سمجھایا۔ چونکہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں

رابطہ آیات

داخل ہیں اس لیے اللہ نے آج کی آیات میں قربانی کے بعض احکامات بیان فرمائے ہیں اور اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ قربانی صرف آخری امت کے لوگوں کے لیے ہی مقرر نہیں کی گئی بلکہ اللہ نے سابقہ تمام امتوں کے لیے اس کا طریقہ مقرر کیا تھا۔

قربانی کا طریقہ

ارشاد ہوتا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ كَاهِنًا مُعْتَبَرًا يَكُونُ مِنْكُمْ خَائِفَةً لِّاللَّهِ يَتْلُو آيَاتِهِ لِقَوْمٍ يُدْعُونَ اہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ شمس کا معنی مطلق عبادت بھی ہوتا ہے اور قربانی کا طور طریقہ بھی۔ تاہم یہاں پر دوسرے معنی مراد ہے۔ جیسا کہ نفس مضمون سے ظاہر ہے۔ اگر یہ مصدر ظرف ہو تو اس کا معنی قربان گاہ بھی درست ہے۔ کیونکہ قربانی کے جانور منی میں واقع قربان گاہ میں لے جا کر ذبح کیے جاتے ہیں قربانی کا لفظ تقرب سے ہے اور اس کو یہ نام اسی لیے دیا گیا ہے کہ یہ تقرب الہی کا ذریعہ ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے تو فرمایا ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ كَرَامٍ اَللّٰهِ اِنَّكُمْ كَانُمْرًا فَتَسْجُدُونَ لِشَيْءٍ مِّمَّا رَزَقَكُمْ فَلَا تَكُونُوا كَالْعَادِيَاتِ ذَاتِ الْاُفْجَارِ اَللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ تاکہ اللہ کا نام ذکر کریں اُس چیز پر جو اللہ نے انہیں چوپائے مویشیوں کی صورت میں روزی دی ہے۔ چنانچہ قربانی انہیں مویشیوں کی ہوتی ہے جن کا ذکر اللہ نے سورۃ الانعام میں کیا ہے یعنی اونٹ، گائے، بھینٹ اور بکری۔ یہ چاروں قسم کے جانور بہیمۃ الانعام کہلاتے ہیں اور یہ ایسے پالتو جانور ہیں جو انسان سے زیادہ قریب اور اس سے مانوس ہوتے ہیں۔ جنگلی اور شکاری جانوروں کی طرح یہ متوحش نہیں ہوتے، بلکہ اللہ نے ان کی فطرت میں انسانوں کی خدمت کا جذبہ رکھ دیا ہے چنانچہ اللہ نے اپنی نیاز کے طور پر پیش کیے جانے کے لیے یہ چار قسم کے نور مادہ مویشی مقرر فرمائے ہیں۔

ملت ابراہیم یہ متواتر طریقے کے مطابق جس جانور کے حلق پر چھری نہ کھکھ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ جانور حلال ہوتا ہے۔ اگر اس طریقے



کے غارت کیا جائے گا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص جانوروں کو  
 قتل میں کھڑا کرے گولی مارے یا اور سے شہین چلا کر گردن کاٹ دے یا  
 تلوار کا پتھر وار کرے گردن جدا کرے تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ بعض لوگ  
 چھری پر بسم اللہ لکھ کر اُس سے ذبح کرتے ہیں اور زبان سے بسم اللہ پڑھ کر  
 اور نہیں کرتے، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ بعض لوگ بسم اللہ پڑھ کر شہین کا ہن  
 دایتے ہیں جس سے بہت سے جانور بیک وقت ذبح ہو جاتے ہیں۔  
 یہ بھی غلط ہے۔ یہ بسم اللہ تو بن دبانے کی ہے، ہر جانور کے لیے علیحدہ علیحدہ  
 اللہ کا نام لے کر تو ذبح نہیں کیا گیا۔ ایسا جانور حلال نہیں ہوگا۔ بلکہ مردار کی  
 تعریف میں آئے گا۔ ہر جانور کے حلق پر بسم اللہ پڑھ کر چھری چلانا ضروری ہے  
 ہاں اگر کوئی مجبوری لاحق ہو جائے تو پھر دوسرے طریقے بھی استعمال کیے  
 جاسکتے ہیں۔ مثلاً جانور کسی ایسی جگہ چنیں گیا ہے جہاں یہ سلق پر چھری نہیں  
 چلائی جاسکتی یا نہ تو حلق ہو گیا اور قابو نہیں آتا، تو سنو صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 کہ اللہ کا نام لے کر اگر اُس کی ران میں بھی زخم لگا دو گے، تو وہ حلال ہو جائیگا۔  
 بہر حال عام حالات میں ملتِ ابراہیمیہ کے طریقے پر ہی ذبح کیا جائے گا تو جانور  
 حلال ہوگا، ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کے  
 لیے قربانی

ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ قربانی حضرت  
 اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے اُس کی نیاز کے طور پر کی جائے  
 اگر کوئی جانور غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے گا تو اُس میں حرمت  
 پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مردار ہو جاتا ہے۔ ملتِ حنفیہ کے تمام امام اس بات  
 پر متفق ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر کی گئی قربانی ہر روحانی کماست پیدا ہو جاتی  
 ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں مردار، خون، خنزیرہ کے گوشت  
 کی حرمت کا ذکر کیا ہے وہاں وَمَا أَهْلًا بِهِ لُغَايَ اللہ  
 (البقرہ - ۱۷۳) کہہ کر غیر اللہ کے تقرب کے لیے کی جانے والی قربانی

کو بھی قطعی حرام قرار دیا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اِسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام ۱۲۲) جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اس میں سے

مسئلہ کا جواب

توحید اور  
اخبات

آگے ارشاد ہے فَالِهٰتُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پس تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے فَلَاۤ اَسْلِمُوۡا لِسِ اٰسٰی کی فرمانبرداری کرو۔ اسی ایک خدا کے حکم کو مانو اور اسی کے سامنے جھکو۔ اُس کے حلال اور حرام سے ڈرتے رہو اور اُس کے نام کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ وَبِشْرِ الْمُخْبِتِیۡنَ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ۔ اِخْبَاتِ کا معنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہارِ نیاز مندی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کی سعادت اور نیک نیتی ان چار چیزوں میں سے یعنی (۱) طہارت (۲) اخبات (۳) سماحت (۴) دہمی خواہشات اور حیر چیزوں سے بچنا اور (۴) عدل اگر طہارت کی بجائے نجاست ہوگی خواہ عقیدہ میں ہو یا عمل میں، اخبات یعنی عاجزی کی بجائے غرور، سماحت یعنی فیاضی کی بجائے خسیس خواہشات اور عدالت کی بجائے ظلم ہوگا تو یہ بد بختی کی علامت ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء اور تمام آسمانی شراح ان چار چیزوں کی تعلیم دی ہے یہاں پر اللہ نے فرمایا کہ عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ کہ وہ سعادت مند ہوں گے اور اللہ کے ہاں ان کا انجام اچھا ہوگا۔

عامہ کہنے  
والوں کی  
صفت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجتہدین یعنی عاجزی کرنے والوں کی بعض صفات بیان کیں ہیں۔ اِنَّ کِیۡ سَلٰی عَفْیَتِیۡہِ یہ ہے الذیبت اذا ذکر اللہ وجعلت فلو جہہم حِبُّ اُنْ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بڑی شان کا مالک ہے لہذا اُس کے ذکر سے دل میں خشیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اُن کے

دل پر اللہ کے جلال و جبروت کا اثر ہو جاتا ہے اور وہ ڈر جاتے ہیں۔  
اخبارات اختیار کرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَالصَّادِقِينَ

عَلَى مَا آصَابَهُمْ جَوْحِي مَصِيبَتٍ يَأْتِيهِمْ اَنْ كُوْهِنَتْ سِيْرَةُ اَوْ اَسْ  
 پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ حق کے راستے میں خواہ انہیں کوئی اندرونی  
 مشکل پیش آئے یا کسی بیرونی آفت میں گرفتار ہو جائیں، اُن کے پائے  
 استقلال میں لغزش نہیں آتی، جبرع فسرع اور بے عسری کا اظہار نہیں کرتے  
 بلکہ آمدہ پیشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔

اُن کی تیسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالْمُقِيْبِي الصَّلَاةِ  
 وہ نماز قائم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادات  
 میں سے نماز کو اولیت حاصل ہے۔ لہذا محبتیں کی جماعت نماز پر مدد  
 اختیار کرتے ہیں اور اس کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔

اللہ نے چوتھی صفت کے طور پر فرمایا وَمِمَّا ذَرَفْنَاهُ  
يَنْفِقُونَ جو کچھ ہم نے اُن کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں  
 اس خرچ سے مراد اتفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی جس موقع و محل پر اللہ نے خرچ  
 کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ خرچ کبھی  
 فرض ہوتا ہے، کبھی واجب، کبھی سنت اور کبھی مستحب۔ ان سب عبادات  
 میں خرچ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے لواحقین، ملازمین، احباب،  
 مہمانان، غریبا و مساکین پر خرچ کرتے ہیں۔ عبادات کے ضمن میں حج، عمرہ،  
 جہاد اور تبلیغ پر خرچ کرتے ہیں۔ اس میں نیکی کی تمام بنیادی باتیں آگئی ہیں  
 سو ان لوگوں کو خوشخبری سنائیے کہ ان اوصاف کے حاملین عاجزی کرنے  
 والوں کا انجام اچھا ہوگا

قربانی کے جانوروں کے متعلق مزید فرمایا وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا  
لَكُمْ مِٹْ شَعَائِرَ اللّٰهِ اور قربانی کے اونٹ کو ہم نے

اونٹ کی  
 قربانی



تمھارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔  
 قربانی بھی شعاثر اللہ میں سے ہے۔ جب وہ اس مقصد کے لیے نامزد  
 ہوگئی تو اس میں تقدس والی بات پیدا ہوگئی اور تضرب الی اللہ کا ذریعہ  
 بن گئی۔

يَذَلَّتْ موٹے اور جسم جانور پر بولا جاتا ہے چونکہ اونٹ بڑی  
 کلائی کا جانور ہے اس لیے عام طور پر یہ لفظ اونٹ کے لیے بولا جاتا  
 ہے ٹیٹے موٹے آدمی کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور تَبَدُّن  
 کا معنی ہوتا ہے کہ فلاں شخص کا بدن موٹا ہو گیا ہے۔ بہر حال بدن سے  
 مراد اونٹ ہے۔ امام شافعیؒ اسے صرف اونٹوں پر محمول کرتے ہیں۔  
 جب کہ امام ابو حنیفہؒ گائے بھینس کو بھی بدن میں شامل کرتے ہیں۔ اُن کا  
 استدلال یہ ہے کہ حضور کا فرمان ہے وَالْحِزْبُ وَرَعْنٌ سَبْعَةٌ  
وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ یعنی ایک اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کے بدن  
 سے ہو سکتی اور ایک گائے کی قربانی میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔  
 البتہ اونٹ میں اس کی بڑائی کی وجہ سے چونکہ فائدہ زیادہ ہے، اس لیے  
 گائے بھینس پر اس کو فضیلت حاصل ہے، تاہم گائے بھینس کا بھی یہی حکم ہے  
فَرَمَا لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ اس میں تمھارے لیے بہتری ہے۔  
فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ پس ان قربانی کے  
 اونٹوں پر اللہ کا نام ذکر کرو۔ جب کہ وہ قطار باندھے کھڑے ہوں۔ اس  
 لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹوں کو بٹھا کر ذبح کرنا درست نہیں بلکہ  
 انہیں کھڑے کھڑے ہی نحر کر دینا چاہیے۔ اونٹ کا ایک گھٹنا باندھ  
 دیا جائے اور پھر اسے تین پاؤں پر کھڑا رکھ کر اس کی گردن پر زخم  
 لگایا جائے۔ اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک  
 شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ



حنور علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ اونٹ کا ایک گھنٹہ باندھ کر اور تین پاؤں پر کھڑا کر کے نخر کیا جائے۔ اگرچہ بچا کر بھی قربانی درست ہو جاتی ہے۔ مگر یہ خلاف سنت اور خلاف اولیٰ ہے۔

قربانی کا  
کروشہ

ارشاد ہوتا ہے فَإِذَا أَجَبَتْ جُنُوبُهَا بِحَرْبٍ وَهِيَ نَحْرُ شَدِّهِ جَانُورٍ يَلِرُكَ بِلِ كَرْبِائِمْ فَكُلُوا مِنْهَا تَوَاسَكُ كَوْشَتِمْ مِنْ سَعِ خُودِ كُحَاؤِ۔ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا بھی کھا سکتا ہے۔ البتہ تذکرہ کی قربانی یا دم کے طور پر دی گئی قربانی کا گوشت آدمی خود نہیں کھا سکتا۔ تو فرمایا کہ خود بھی کھاؤ وَأَطْعِمُوا الْقَارِعَ وَالْمُعْتَنَ نِزَقَاعَتِمْ كَرْنِ لُطْلُے اور بے قرار لو بھی کھلاؤ۔ بعض لوگ تصور ہی چیز پر بھی قناعت کر لیتے ہیں۔ اور بعض بے صبری کا اظہار کرتے ہیں۔ فرمایا سب کو کھلاؤ۔ قربانی کے گوشت سے کسی کو محروم نہ رکھو۔ اکثر لوگ گلیوں بازاروں میں مانگتے پھرتے ہیں۔ ان کو معتر کیا گیا ہے۔

جانوروں کی  
خدمت گزار

فرمایا كَذَلِكَ سَخَّرْنَا لَكُمُ اسَى طَرَحِمْ هَمْ نَعْتَحَاے لے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اونٹ اور بیل جیسے جانوروں کو تمھارے اس میں نہ کرتا تو یہ تمھیں نقصان پہنچاتے۔ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو تمھارے تابع کر دیا ہے، یہ تمھارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان پر سواری کر لو، بوجھ لادو یا زراعت میں کام لے لو، یہ تمھارے خدمت گزار ہیں۔ اور ان کی تسخیر کا مقصد یہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

اونٹ کی تو تخلیق ہی اللہ تعالیٰ نے عجیب طریقے پر کی ہے اللہ نے احسان کے طور پر فرمایا أَفَلَا يَنْظُرُونَ الْحَبْلَ الَّذِي ذَرَأْتُمْ أَنْ تَخْلُقُوا (الغاشیہ - ۱۷) کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اونٹوں کو کس عجیب و غریب طریقے سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بڑا طاقتور جانور ہے مگر اللہ نے اس میں کمال دے دیا

کی انکاری رکھی ہے۔ بڑا خدمت گزار ہے۔ انسان کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہمارے کچھ کمرے سوانٹ کی قطار کو جدھر چاہے لے جاسکتا ہے۔ ابتداء سے لے کر اونٹوں سے بار برداری کا بڑا کام لیا گیا ہے مگر اب مثینی دور میں اس کی وہ قدر و منزلت نہیں رہی۔ البتہ صحرائی علاقوں میں آج بھی اونٹ کو برہمی اہمیت حاصل ہے۔

سوار ہونے  
کی دعا

فرمایا، اللہ نے تمہارے لیے سوار یوں کو خیر کر دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور شکر گزار کا اولین طریقہ حضور علیہ السلام نے دعا کی صورت میں بتلایا کہ جب تم کسی سواری پر سوار ہو تو یوں کہاکرو۔ رَبِّ جَعَلْنَا لَكَ سَخِرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَكَ مُقْرِبِينَ. وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (النزخ ۱۲-۱۴) اے اللہ! وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ورنہ اسے قابو میں کرنے کی ہم میں کہاں طاقت تھی۔ یہ دعا ہر جائز سواری اور مثینی سواری پر سوار ہوتے وقت پڑھنی مسنون ہے۔ اونٹ گھوڑا ہو یا کار، ہوائی جہاز وغیرہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لیے تسخیر کیا ہے مگر جب وہ اپنی نگرانی اٹھا لیتا ہے تو پھر کسی سواری سے مستفید ہونا ہمارے بس کی بات نہیں رہتی۔ ابھی تین ہفتے کی بات ہے کہ ایک جاپانی جہاز طوفان میں گھس گیا جس کی جسے ۵۲۸ آدمی ہلاک ہو گئے۔ دنیا میں آئے دن حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان سوار یوں کی تسخیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

قربانی کی  
روح تقویٰ

آگے اللہ تعالیٰ نے قربانی کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ بلکہ اُسے تو تمہارا صرف تقویٰ پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے کو دیکھتا ہے کہ اس میں کتنا خلوص ہے۔ تم یہ قربانی خالصتاً خدا کی رضا کے

لیے کر رہے ہو یا تمھارے دل و دماغ کے کسی کو نے میں ریاکاری بھی چھپی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مادی گوشت اور خون کی ضرورت نہیں ہے، وہ تمھارے دلوں کے تقویٰ کو دیکھتا ہے۔

اس میں اُن مشرکین کا رد بھی ہو گیا جو معبودانِ باطلہ کے نام پر قربانی کر کے قربانی کا خون بتوں کے چہروں پر مل دیتے ہیں اور اُن کے سامنے گوشت رکھتے ہیں تاکہ اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو اور لوگ اُن کے قہر و غضب سے بچ جائیں۔ بعض اوقات مشرک بتوں کے نام پر انسانی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ طریقہ برصغیر کے ہندوؤں میں بھی بہت عرصہ تک رہا ہے۔ اور اب بھی کبھی کبھار کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے۔ کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کو کسی بُت کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اس کو وہ یلیران کرنا بھی کہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ اُسے قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ تمھارے دلوں کا تقویٰ اور خلوص پہنچتا ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ سَخَّرَہَا لَكُمْ اسی طرح ہم نے ان کو تمھارے تابع کر دیا ہے۔ تم ان جانوروں سے خدمت لے سکتے ہو اور ان کا دودھ بال، کھال اور گوشت استعمال کر سکتے ہو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے لِتُكَبِّرُوا اللہَ عَلٰی مَا هَدٰیكُمُ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی، توحید کا راستہ دکھایا، قربانی کا طریقہ سکھلایا اور عبادت کرنے کا طریقہ سمجھایا تاکہ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے سعادت مند بن جاؤ۔ قربانی کرتے وقت بسم اللہ اکبر کہنے کا یہی فلسفہ ہے کہ اُس نے ہمیں اس راہ نجات کی طرف ہدایت بخشی ہے۔ فرمایا وَكَثَرِ الْمُحْسِنِينَ اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ نیکی میں بنیادی طور پر عبادتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔ البتہ قربانی بھی شائع اللہ اور اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ فرمایا نیکی کرنے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی سنا دو کہ وہ اللہ کے ہاں مسرور ہو جائیں گے۔

۱۱۵

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ  
 خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ (۳۸) أَذِنَ لِلَّذِينَ يَقْتُلُونَ بِأَنَّهُمْ  
 ظَلَمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ (۳۹)  
 الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ  
 يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ  
 بِبَعْضٍ لَّهَدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ  
 يُذَكَّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَئِنْ صَرَفَ اللَّهُ  
 مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (۴۰)

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ دفع کرتا ہے اُن لوگوں سے  
 جو ایمان لائے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا ہر  
 خیانت کرنے والے اور ناشکر گزار انسان کو (۳۸) اجازت  
 دی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے ساتھ  
 (کافر) لڑتے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں اور  
 بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر البتہ قدرت رکھتا  
 ہے (۳۹) وہ لوگ جو نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے  
 ناحق (اُن کا قصور نہیں) سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا  
 کہ ہمارے پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر نہ ہوتا ہٹانا اللہ تعالیٰ



کا بعض لوگوں کو بعض سے تو البتہ گرا دیے جاتے تھے  
(خلوت خانے) گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں  
اللہ کا نام کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور البتہ ضرور  
اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اُس شخص کی جو اُس کی (اُس کے  
دین کی) مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے (۴۰)

رابط آیات

گذشتہ آیات میں بیت اللہ شریف کی تعمیر نو، حج، قربانی، شرک کی تردید اور دیگر  
مسائل کا ذکر ہوا۔ کفار کی طرف سے اللہ کے راستے اور مسجد حرام سے روکنے کا بیان بھی ہو  
چکا ہے۔ مکے کے مشرک کسی مسلمان کو خانہ کعبہ میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے  
حتیٰ کہ سہ ماہی تقریباً ڈیڑھ ہزار اہل ایمان کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا، حالانکہ  
حرم پاک میں مقامی اور بیرونی تمام لوگوں کو عبادت کرنے کا یکساں حق حاصل ہے۔ آج  
کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ پہلی آیت بطور تمہید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ  
نے اہل ایمان کو تسلی دی ہے۔ اس کے بعد دوسری آیت میں جہاد کرنے کی اجازت  
دی گئی ہے اور مسلمانوں کی مظلومیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اہل ایمان کی  
حوصلہ افزائی

مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمیشہ کفار کے رحم و کرم پر ہی رہیں  
گے بلکہ اُن کا اللہ اُن کے ساتھ ہے اِنَّ اللّٰهَ بِدَافِعٍ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَافِرُوْ  
کے مقابلے میں بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دفاع کرے گا۔ اُن کے ظلم و ستم ہمیشہ نہیں  
رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کفار کے غرور کے بُت کو پاش پاش کر دے گا، لہذا مسلمانوں کو مایوس  
نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ایمان رکھنا چاہیے۔ وہ ضرور اُن کی مدد  
کرے گا، اُن کو غلبہ عطا کرے گا اور کفار میں اہل ایمان کو روکنے کی قوت باقی نہیں ہے گی  
فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَھُوْرٍ بیشک اللہ تعالیٰ کسی خائن اور ناشکر  
گزار کو پسند نہیں کرتا۔ امانت میں خیانت کرنے والا اور اللہ کی نعمتوں کی ماقدری  
کرنے والا اُس کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔

کنار کی  
خیانت

کفار و مشرکین اس لحاظ سے خائن ہیں کہ اللہ نے اُن کو فطرتِ سلیمہ اور عقل جیسی نعمتیں عطا فرمائیں مگر انہوں نے ان کو برفسے کار لاکر ایمان لانے، ہدایت قبول کرنے، شکارِ اللہ کی تعظیم کرنے اور نبی آخر الزمان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فطرتِ سلیمہ اور عقل اللہ کی جانب سے اُن کے پاس امانت تھی مگر انہوں نے ان کا صحیح استعمال نہ کر کے اس امانت میں خیانت کی۔

بعض دوسری آیات اور احادیث میں بھی اس بات کے اشارات ملتے ہیں مناقول کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَمَا رِبْحُكُمْ تِجَارَتُهُمْ (البقرہ) اُن کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ فطرتِ سلیمہ اور عقل اُن کے پاس بیش قیمت پونجی تھی جس کو خرچ کر کے انہوں نے ایمان جیسا مفید سودِ آخرت کی بجائے نفاق جیسی قبیح چیز کو خرید لیا۔ اُن کی تجارت میں خسارے کا یہی مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عمر بھی بطور پونجی عطا کی ہے، اسی طرح صحت فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم بھی پونجی ہے۔ صحیحین کی حدیث میں آتا ہے كُلُّ النَّاسِ يَفُدُّ وَفَبَايَعُ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا ہر انسان جب رات گزار کر صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو بیچ کر یا تو اسے آزاد کر لیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ جو شخص زندگی کی قدر کرنے والا ہے وہ ایمان، تقویٰ، اخلاص اور اعمالِ صالحہ جیسی اچھی چیزیں خرید کر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے آزاد کر لیتا ہے، یا پھر کفر، شرک اور معاصی کا سودا خرید کر اپنی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر لیتا ہے۔ یہاں پر اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کافر اور مشرک خائن ہیں، انہوں نے قیمتی پونجی کو ضائع کر دیا ہے اور اس کے بدلے میں ابدی خسارے والی چیز خرید لی ہے یہ لوگ خائن بھی ہیں اور ناشکر گزار بھی۔ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے غرور کو خاک میں ملا دے گا۔ یہ اہل ایمان

۱۔ مسلم ص ۱۸ ج ۱ (فیاض)

کے لیے تسلی کا مضمون ہو گیا۔

دفاع کا  
خدائی پروگرام

جب خدا تعالیٰ کسی قوم کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو ظالم قوم سے دفاع کے لیے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ بعض سابقہ ظالم اقوام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی آفات نازل کر کے اُسے سے ہٹا دیا اور اُن کی جگہ دوسری قوموں کو عروج بخشا۔ بعض اوقات وہ مظلوم قوم کو جہاد کی اجازت دے کر ظالم قوم کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ سورۃ التوبہ میں گھر چھکاتے ہوئے اللہ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ اگر مشرک لوگ تمہیں شکنجہ کریں اور دین میں طعن کریں فَقَاتِلُوا اَیْمَةَ الْکُفْرِ (آیت ۱۲) تو ان اکابرین کفر سے جنگ کرو اور انہیں اُسے سے ہٹا دو۔ مکی زندگی میں تو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہاں تو حکم تھا، کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّکَاةَ (النساء ۷۷) کہ نمازیں پڑھتے رہو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور کفار کی طرف سے ہاتھوں کو روک رکھو۔ ان کے ساتھ لڑائی نہ کرو بلکہ اپنی تنظیم کو مضبوط بناؤ اور جہاد کی تیاری کرتے رہو۔ سورۃ المزمل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، وہاں بھی اشارہ کر دیا وَاخْرُجُوا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (آیت ۲۰) آگے چل کر تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرنا ہے، لہذا ابھی سے اُس کی تیاری شروع کر دو، پھر جب اللہ کا حکم ہو گا تو میدانِ کارزار میں داخل ہو جانا۔ سورۃ الطلاق میں مزید وضاحت فرمادی قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُلِّ شَیْءٍ قَدْراً (آیت ۳) اللہ نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب جماعت مضبوط ہو جائیگی تو پھر جہاد کی اجازت بھی دے دی جائیگی۔ اس دوران جماعت بندی ہوتی رہی، طاقت جمع ہوتی رہی۔ دودفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا اور لوگ وہاں بھی گئے۔ پھر آخر میں ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔ اللہ نے اس مقام کو دارالاسلام بنایا۔ مسلمانوں نے اپنے قویٰ کو مجتمع کیا اور اللہ نے جہاد کی اجازت بھی مرحمت فرمادی۔



قرآن پاک میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اسلامی جہاد، مال و دولت جمع کرنے یا اقتدار حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی زمین سے فتنہ و فساد کو ختم کیا جائے، راستے کی رکاوٹوں

کو دور کیا جائے اور اللہ کی حدود قائم کی جائیں۔ اگر کوئی شخص یا جماعت

اہل ایمان کو اللہ کے راستے سے روکتی ہے تو ایسے شر پسندوں کی سرکوبی

ہو اور ایمان لانے والوں کے لیے راستہ بالکل صاف ہو، جہاد کا یہ مقصد ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے دین میں اقدامی اور دفاعی

دونوں قسم کے جہاد کا حکم ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ہے قَاتِلُوا

فِی سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ دَفَعُوا رِأْسَکُمْ (آیت ۱۶۷) مدینے کے منافقوں سے

کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اگر باہر نکل کر ان کا مقابلہ نہیں کر

سکتے تو کم از کم اپنا دفاع تو کرو، تمہارے علاقے، تمہاری عورتیں، مرد اور

بچے حملہ کی زد میں ہیں، دشمن نہ تو راست داری کا لحاظ کرتا ہے اور نہ کسی محمد

پیمان کا، فاتح قومیں ہمیشہ مفتوح لوگوں کی بے عزتی کرتی ہیں۔ ان کے

مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کو لونڈی اور غلام

بنالیتے ہیں، لہذا اس مصیبت سے بچاؤ کی خاطر کم از کم اپنا دفاع تو کرو

دیکھ لیں جب امریکہ جاپان پر غالب آیا تو جاپانی عورتوں کو امریکہ لے گیا۔ ایک

رپورٹ کے مطابق جاپانی عورتوں کے ساتھ بے حیائی کے نتیجے میں سو لاکھ بچے

پیدہ ہوئے۔ جب ان کی پرورش کی ذمہ داری امریکہ پر آئی تو انہوں نے

ان عورتوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔ جہاد کی دوسری

قسم اقدامی ہے یعنی آگے بڑھ کر کفر کے جھگڑوں پر حملہ آور ہونا۔ وہاں کے ہٹلے

و لے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، ایمان اور توحید کا راستہ روکا

جا رہا ہے، لہذا اہل ایمان پر فرض ہے کہ وہ دشمن پر کاری ضرب لگائیں تاکہ

فتنہ و فساد ختم ہو اور اللہ کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

اقدامی اور  
دفاعی جہاد



اسی مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کی اجازت دی ہے اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَتِّلُونَ جِنَ اہل ایمان کے ساتھ کافر لوگ لڑائی کرتے ہیں۔ اب اُن کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے، ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے کسی منصوبے بنائے تاکہ مدینہ کی سرزمین پر مسلمانوں کے پاؤں چھنے نہ پائیں۔ ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوہ بدر پیش آیا جس میں کافروں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے وہ اگلے سال مدینے پر حملہ آوار ہوئے اور احد کے مقام پر گھمان کا رن پڑا۔ یہ تو پھر بھی مدینے سے تین میل باہر تھا۔ سلسلہ میں کافر لوگ براہ راست مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لیے مدینہ کے تین اطراف میں ساڑھے تین میل لمبی۔ دس بارہ فٹ چوڑی اور قد آدم گہری خندق کھودنا پڑی۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ بھوکے پیاسے اہل ایمان نے یہ کام صرف چھ دنوں میں کیسے مکمل کر لیا۔ یہ اتنا کام تھا کہ آج کے مینینی دور میں بھی اتنی جلدی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، مگر اپنے دفاع کی خاطر مسلمانوں نے اتنی بڑی مشقت بھی برداشت کی۔ تو اللہ تعالیٰ قوت جمع ہونے پر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا جاتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت دے دی تاکہ حق اور باطل میں امتیاز ہو جائے۔

فرمایا وَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذُنُوبِهِمْ لَقَدْ عَلِمَ اللہ تعالیٰ اُن مظلوموں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر بڑی بڑی مشکلات آئیں، شکست بھی ہوئی، جانی اور مالی نقصان بھی ہوا مگر بالآخر اللہ نے اہل ایمان کو ہی غالب کیا اور کفر و شرک کا غرور خاک میں مل گیا۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان معرکہ صفین تک مسلمان آدمی دنیا پر غالب آچکے تھے، اور باقی آدمی دنیا میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ

مسلمانوں کے  
لیے نصرت الہی



ہونش و حواں کھو بیٹھے۔ پھر اللہ نے اُس پر اس کچر، بطلانیہ اور روس کو مسلط کیا۔ گزشتہ دو سال میں بطلان کا بھی طوطی بولتا تھا اور وہ بطلانیہ عظمیٰ کہلاتا تھا جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اللہ نے اُس کی سرکوبی بھی کرادی اور اب وہ ایک جزیرے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اللہ نے مسلمانوں کے ذریعے ظالموں کی سرکوبی کی۔ قادیسیہ، یرموک، ہمس، ندراساں، افریقیہ غرضیکہ ہر معرکے میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو کیونکہ یہ صداقت اور سچی پرست تھے۔ اللہ نے حسب وعدہ انکی مدد فرمائی۔

شہاد خانوں  
کی برادری

اللہ تعالیٰ نے اسی اصول کو یہاں بیان فرمایا ہے وَلَوْ لَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ كِبَضَهُمْ بَبَعْضٍ اور اگر اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو بڑا فساد برپا ہوتا جس کے نتیجے میں لہذا مَتَّ صَوَامِعُ تَوَارِثُہوں کے گھٹنے اور خلوت خانے گر لہیے جاتے و بے اور ظالموں کی دست برد سے نصاریٰ کے گریبے بھی نہ بچتے جن میں وہ اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرتے ہیں۔ وَصَلَوَاتُ اور یہودیوں کے عبادت خانے بھی درہم برہم کر دیے جاتے۔ وَمَسْجِدُ یَذْکُرُ فِیْہَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا اور مسلمانوں کی مسجدیں بھی ویران کر دی جاتیں جن میں وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مفسر البوالعالیہ صَلَوَاتُ سے مجوسیوں کے عبادت خانے مراد لیتے ہیں اور بعض نے اس سے صابیوں کے عبادت خانے مراد لیے ہیں اور اس طرح اُن چار گروہوں یعنی یہودیوں، صابیوں، نصاریٰ اور مجوسیوں کا نام آجاتا ہے جن کا ذکر اس سورۃ کے دو سر رکوع میں گزر چکا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو کوئی عبادت خانہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ رہتا۔ اللہ نے یہ انتظام کر رکھا



ہے کہ وہ ایک کردہ کی سرکوبی دوسرے کردہ کے ذریعے کر دیتا ہے۔

عبادت خانوں کی تباہی کے متعلق امام محمدؒ اپنی تاریخ کی کتابوں المسیر الصغیر اور المسیر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ جب مسلمان حربی کافروں پر حملہ آور ہوتے تو ان کا کچھ لحاظ نہ کرتے۔ ان کے آدمیوں کو قتل کرتے، ان کو لونڈی غلام بناتے، عمارتوں کو گرتے حتیٰ کہ عبادت خانوں کا لحاظ بھی نہ کرتے۔ کیونکہ دار الحرب میں سب کچھ روا ہے۔ البتہ جن کافروں کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو جاتا اور جو جزیہ دینا قبول کر کے ذمی بن جاتے ان کی جان، مال، عزت، آبرو اور عبادت خانے سب مامون ہو جاتے اور ان کی رسوم میں بھی تعرض نہ کیا جاتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص کسی معاہدہ کو قتل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ حتیٰ کہ اسے جنت کی خوشبو بھی نہیں پہنچے گی۔

اسلام نے مفتوح علاقے میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کر کے انہیں ان کے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی ہے اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی لیے وہ ذمی کہلاتے ہیں۔ ان کا مکمل خاتمہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ ابھی تک اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ کی گمراہی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے مگر ان کے خیال کے مطابق کہ شاید وہ صحیح راستے پر ہیں، اللہ نے ان کو ذمی بنانے کی اجازت دیدی ہے ان کا یہ اشتباہ مسیح علیہ السلام کے نزول پر رفع ہو گا۔ جب ہدایت کے تمام پردے اٹھ جائیں گے۔ اس وقت یا تو اسلام قبول کر دیں گے یا پھر ختم کر دیے جائیں گے۔ قرب قیامت میں حق و باطل بالکل واضح ہو جائے گا اس لیے اس وقت کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔ لہذا اس وقت جزیہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اور ان دونوں راستوں میں سے ایک اختیار کرنا ہو گا۔ وہ اسلام قبول کر لیں گے یا پھر قتل کر دیے جائیں گے، درمیانی راستہ کوئی نہیں ہو گا۔

جزیہ کا جواز



فرمایا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ يَٰۤاُدُكُھُو! جو شخص اللہ کی مدد کرے گا یعنی اُس کے دین اور رسول کی مدد کرے گا تو خدا تعالیٰ بھی اُس کی مدد کرے گا بشرطیکہ اُس میں خلوص نیت پایا جائے اور طریق کار بھی صحیح ہو۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمدؐ) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم کر دے گا۔ اب مسلمانوں پر مصائب آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کی کماحقہ مدد نہیں کی۔ اس وقت مسلمانوں کی پچاس سے زیادہ ریاستیں دنیا میں موجود ہیں مگر کوئی بھی دین کے تقاضے پورے کرنے پر تیار نہیں۔ تمام ملوک، شیوخ اور ڈکٹیٹر اپنے اپنے ذاتی اقتدار کے بھوکے ہیں۔ مذہب کا نام برائے نام رہ گیا ہے، ورنہ کام کچھ نہیں ہو رہا ہے ذاتی عیش پرستی کا یہ حال ہے کہ افریقہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کے سربراہ نے اپنی رہائش گاہ پر کمر وڑوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔ سنہری گنبد ہے، اور سینکڑوں کمروں کو اعلیٰ ترین فرنیچر سے مزین کیا گیا ہے۔ یہ دولت تو امانت تھی جسے غریبوں اور حاجت مندوں کے کام آنا چاہیے تھا۔ اس قدر فضول خرچی کی ضرورت باز پرس ہوگی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ کے دین کی مدد کی جاتی مگر اس کی توفیق کہاں؟ اسی لیے تو سارے مسلمان سپر پاورز کے دستِ نگر ہیں۔ اللہ نے فرمایا وہ ضرور مدد کرے گا اُس کی جو اُس کے دین کی مدد کرے گا۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی طاقت کا مالک اور غالب ہے۔ وہ ہر کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے کہ عالم اسباب میں کہتے ہوئے خدا کے دین کی تائید کریں جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے دین کی تائید کی۔ اگر آج کا مسلمان بھی صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلے نکلے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کی ضرورت مدد فرمائے گا۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ  
وَاتُوا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ  
الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ  
فَقَدْ كَذَّبْتَ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿٤٢﴾  
وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ  
وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْنَاهُمْ  
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرِيبَةٍ  
أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا  
وَبِئْرٌ مُّعْتَظَلَةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ ﴿٤٥﴾

ترجمہ:- وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو زمین میں جا دیں تو وہ قائم  
کریں گے نماز اور ادا کریں گے زکوٰۃ - اور حکم کریں گے  
نیکی کا اور روکیں گے برائی سے - اور اللہ کے اختیار ہی  
میں ہے انجام تمام امور کا ﴿۴۱﴾ اور اگر یہ لوگ جھٹلائیں  
آپ کو، تو بیشک جھٹلایا ان سے پہلے قومِ نوح نے  
قومِ عاد نے اور قومِ ثمود نے ﴿۴۲﴾ اور قومِ ابراہیم نے اور  
قومِ لوط نے ﴿۴۳﴾ اور مدین والوں نے - اور موسیٰ کو بھی  
جھٹلایا گیا - پس مہلت دی میں نے کفر کرنے والوں کو



جو نمازی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وقت کی پابندی، اس سفر فرموداری جماعت بندی، ایک دوسرے سے میل ملاپ اور امداد باہمی جیسی خوبیاں نماز کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اہل ایمان کو زمین پر حکومت دیں گے تو وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز کا نظام قائم کریں گے۔ خود بھی نماز پیکار بند ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں گے۔ یہ ایسی عبادت ہے کہ ہر عاقل، بالغ، مرد اور عورت پر دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض ہے اور یہ حقوق اللہ میں داخل ہے۔

فرمایا بدستور اقتدار جماعت کا دوسرا کام یہ ہوگا وَاتَّقُوا الزُّكُوَّةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی حقوق العباد میں شامل ہے اور اس کے ذریعے غریبوں اور محتاجوں کی اعانت کی جاتی ہے۔ اس نظام کی برکات سے کوئی شخص بھوکا نہ گمانیں رہ سکتا۔ نظام زکوٰۃ حکومت کے مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، لہذا کارپردازان حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود زکوٰۃ ادا کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں۔ نیز زکوٰۃ کی وصولی اور مصرف ایک باقاعدہ یکم کے تحت عمل میں لائیں۔ یہ حکومت کے فرائض میں داخل ہوگا

اللہ نے فرمایا کہ اس لئے حکومت کے کرنے کا تیسرا کام یہ ہوگا وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ کہ وہ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ خود تو اس اصول کی پابندی کریں گے مگر دوسروں سے پابندی کہہ کر ان کے فرائض منصبی میں داخل ہوگا۔ نیکی میں تمام معروف چیزیں آجاتی ہیں اور برائی میں ہر نقصان دہ چیز شامل ہے۔ برائی خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو، اخلاق یا اعمال سے، اس سے روکنا ضروری ہے۔ اگر کوئی حکومت برائی کو روکنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو پھر دنیا سے فتنہ و فساد ختم ہو جائیگا اور پورا خط امن کا گوارہ بن جائے گا۔



تو اللہ تعالیٰ نے نظام حکومت کے متعلق ان چار بنیادی اصولوں یعنی اقامتِ صلوٰۃ، اداۃ زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کر دیا ہے۔ ان میں انفرادی اور اجتماعی سارا نظام آجائا ہے۔ ان پر عملدرآمد سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل جیسے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انسان حقوق اللہ میں سرخرو ہوتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی زندگی میں سکون و چین حاصل ہو کر حقوق العباد کے آغا غم بھی پورے ہو جاتے ہیں۔

اسلامی نظام حکومت کا مکمل نقشہ صرف خلافت راشدہ کے دور میں ملتا ہے۔ اس کے بعد بعض زمان و مکان میں اس کا جستہ جستہ اثر نظر آتا ہے مگر نہ مجموعی طور پر مسلمان ملکیت کا شکار ہو گئے، جبر و استبداد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ امراء کی عیاشیوں کی وجہ سے ایک طبقہ بالکل نادار ہو گیا، نیکی مغلوب اور شر غالب آ گیا۔ اور اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زریں اصول فراموش کر دیا گیا۔ اب مسلمان بحیثیت مجموعی انحطاط کے دور سے گزر رہے ہیں۔ دنیا میں جس جگہ یہ محکوم ہیں وہاں تو اسلامی نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں جہاں علاقائی طور پر مسلمان غالب بھی ہیں اور ان کی ریاستیں بھی موجود ہیں۔ وہاں بھی اسلامی نظام حکومت کی جھلک مشکل سے ہی نظر آتی ہے۔ بعض ملکوں نے اسلام کے کچھ اصول اپنائے ہیں مگر کچھ تو اپنی نااہلی اور ذاتی مفاد کی وجہ سے اور کچھ غیر مسلم بڑی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے مکمل اسلامی نظام حکومت کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلافت علی منہاج النبوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب کہ خلافت راشدہ کا بوجھ اٹھانے والے آیت میں مذکور تمام شرائط پورے آئیں گے۔ اللہ نے یہ خلافت قائم کرنے والوں کی نشان دہی بھی فرمادی ہے، گزشتہ آیت میں گمراہ چکا ہے کہ ان صفات

خلافت علی  
منہاج النبوت

کے حاملین وہ لوگ ہوں گے الذین اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ عَنِ اَنْ كُفَرُوا مِنْ نَاحِي نِكَالًا كَيْفَا اَنْ كَافُورُ صُورُفُ  
یہ تھا اَنْ یَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَہمَ كُتِبَ عَلَیْہِمْ اَنْ یُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ  
یہ وہی پاکیزہ رعیتیں ہیں جنہیں مشرکین کی زیادتی سے تنگ آکر مکہ سے  
مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اس بات کا اشارہ اللہ نے سورۃ توبہ میں  
بھی کر دیا وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ  
وَالْاَنْصَارِ (آیت۔۔۔ ۱) یہ اولین سبقت کرنے والے مہاجر لوگ تھے  
جو مدینہ پہنچے تو انصار اُن کے معاون بن گئے۔ اللہ نے خلافتِ راشدہ  
انہی مہاجرین کے ذریعے قائم کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ  
اور علی مرتضیٰؓ سب مہاجرین ہی تو تھے۔ جب اللہ نے انہیں اقتدار عطا فرمایا  
تو انہوں نے اس آیت کے تقاضوں کو حرف بحرف پورا کیا۔ خلافتِ راشدہ  
میں اقامتِ صلوٰۃ کا اتنا اعلیٰ انتظام تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں  
کو سرکلر جاری کیا کہ ان من الامور عندی الصلوٰۃ  
(موطا امام مالک) تمہارے تمام امور میں میرے نزدیک نماز کو سب سے زیادہ  
اہمیت حاصل ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی وہ باقی دین کی حفاظت  
بھی کرے گا، اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا۔ وہ دین کے باقی امور کو  
بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔ نماز کے لیے ایسا مکمل نظام ہونا چاہیے  
کہ کوئی فرد واحد بھی بے نماز نہ ہو۔ خلافتِ راشدہ کے پورے دور میں آپکو  
یہ نظام روزِ روشن کی طرح ملے گا۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا  
ایسا عمدہ نظام قائم کیا کہ زکوٰۃ قوم کے امراء سے وصول کر کے غریبوں میں  
تقسیم کی جاتی تھی تاکہ کوئی آدمی محبوس کا پیاسا نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد  
ہے تَوَخَّذْ مِنْ اَعْزَابِكُمْ وَتَرُدُّ الْحَقَّ فَقَرَّ اَعْيُنُكُمْ  
مسلمانوں کے خوشحال لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرو اور محتاجوں میں تقسیم کر دو۔  
(موطا امام مالک ص ۱۷۱ مسند احمد ج ۱۰ فیاض)

چنانچہ خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا مثالی نظام قائم کیا۔ حتیٰ کہ ایک زمانے میں کوڑا زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔ اس زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام بھی اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا اور خلفائے راشدین نے سرکاری کے کام کی حوصلہ افزائی کی اور سرکاری کی جڑ بنیاد کاٹ دی۔ غرضیکہ اس آیت میں مذکورہ چاروں کام خلفائے راشدین نے کماحقہ انجام دیے۔ اسی لیے ان کی خلافت کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کہا جاتا ہے۔

تصویر کا  
دوسرا رخ

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بلاشبہ خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے مگر آخری حصے میں اس کے برعکس بھی اشارہ ملتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہے وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مطلب یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ خلافت راشدہ کا نظم دنیا میں ہمیشہ قائم رہے بلکہ آگے چل کر اس میں تغیرات بھی آسکتے ہیں ابتدائی پچاس سال کے بعد خلافت راشدہ کی کچھ جھلکیاں صدیوں تک نظر آتی رہیں مگر بالآخر نظام میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ خلوص کی بجائے خود غرضی آگئی اجتماعی فائدے کی بجائے ذاتی فائدے کو ترجیح دی گئی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برائے نام رہ گیا۔ معروف کے برخلاف منکرات کا غلبہ ہو گیا۔ زکوٰۃ کی روح ختم ہو گئی، بے نمازوں کی اکثریت ہونے لگی، حکام خلافت شرع کاموں کے ترکیب سمونے لگے، ظلم و تعدی کا دور دورہ آگیا، لوگ کھیل تماشے کی طرف راغب ہو گئے، زیب و زینت اور آرام طلبی گھر گھر نے لگی اور اس طرح اسلامی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

دنیا بھر میں دیکھ لیں اخبارات اور رسالے منکرات سے لبریز ہیں مغربی ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلیوژن وغیرہ کے ذریعے فحاشی پھیلائی جا رہی ہے کہیں کہیں نیکی کی آواز بھی نکلتی ہے مگر برائی کے مقابلے میں اس کو وقت ہی کٹتا دیا جاتا ہے۔ محسوس ہی سی تلاوت ہو گئی، کچھ ترجمہ کر دیا، چلے چلتے ایک آدھ



حدیثِ سنادی اور پھر وہی گانے، ڈرامے اور فلمیں۔ وہی عشق و محبت کی داستانیں اور وہی دین سے بیگانہ کرنے والے بد و گرام۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے۔ سینما گھروں، محضروں اور کلبوں سے اچھائی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ تمام فرائعِ اطلاع قوم کے اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں۔

اس زمانے کا نظامِ عدل ہی دیکھ لیں۔ کیا کسی غریب آدمی کو انصاف میسر آسکتا ہے؟ یہاں تو انصاف خریدنا پڑتا ہے، جس کے پاس پیسے ہیں۔ پولیس بھی اس کی ہے اور عدالت بھی اُس کے گھر کی لونڈی ہے۔ مقدمات کا فیصلہ حقائق کی بجائے رشوت اور سفارش پر ہوتا ہے۔ جس کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں، اُسے انصاف کہاں سے ملے گا؟

جوا، شراب نوشی، بدکاری، سہکناک، ڈاکے، چوری، اغوا، غرضیکہ وہ کوئی ناجرم ہے جو معاشرے میں نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف نماز میں کتنے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ نماز کی پابندی کے لیے حکومت نے کئی کوشش کی ہے۔ محض تقریروں سے تو کام نہیں چلتا، اس کے لیے تو عملی اقدام کی ضرورت ہے۔ موطا امام مالک میں آتا ہے کہ ایک دن سلیمان نامی شخص نماز میں شامل نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ ہر ایک کو نگاہ میں رکھتے تھے، فوراً اُس شخص کے گھر پہنچے۔ اُس کی والدہ نے بتایا کہ سلیمان رات دیر تک نماز پڑھتا رہا، صبح آنکھ لگ گئی تو فجر کی نماز میں حاضر نہیں ہو سکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ ساری رات سوتا رہوں اور صبح فجر کی نماز میں حاضر ہو جاؤں۔ آپ نے اُس شخص کو اس کو تاہی پر ڈانٹ پلائی۔ اپنی انتظامات کی وجہ سے سارے لوگ نمازی تھے، ہر ایک کو فخر تھی مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ نہ کوئی نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور نہ بُرائی سے روکتا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر طرف بدامنی کا دور دورہ ہے۔ ہر قسم کی بدائیاں گھروں میں گھسی بیٹھی ہیں مگر کوئی کسی کو کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے



چونکہ مکی زندگی کے آخری دور میں اہل ایمان کے مصائب میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا، اس لیے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے فرمایا، فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَكْفُرُ بُولُوكَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ تو بیشک ان سے پہلے قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود نے بھی اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو جھٹلایا، قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی اور قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا فرمایا وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے ادنیٰ اسے لے کر اعلیٰ تک کے ہر شخص نے آپ کی تکذیب کی حتیٰ کہ آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ اسی طرح وَقَوْمُ لُوطٍ لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا۔ قوم نے آپ کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ اور شعب علیہ السلام کی قوم مدین والوں نے بھی آپ کی تکذیب کی اور آپ کی کوئی بات مانی۔ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا گیا۔ انہیں جادوگر کہہ کر ان کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔ جب آپ اپنی قوم کے ساتھ مصر سے نکل کھڑے ہوئے تو آپ کا پھپھا کیا گیا مگر اللہ نے ان کو پانی میں غرق کر دیا۔

اللہ نے فرمایا مذبذبین کی ان تمام تہذیب دہنیوں کے باوجود فَأَمْلِكْتَ لِلْكَافِرِينَ میں نے کافروں کو مہلت دی۔ ان کو ایمان لانے کا موقع دیا۔ پھر جب وہ کسی طرح بھی راہِ راست پر نہ آئے ثُمَّ أَخَذْتَهُمْ تو میں نے ان کو پکڑ لیا۔ ان کو سخت سزا دی۔ کسی کو پانی میں ڈلوایا، کسی پر پتھر برسائے، کسی کو تیز ہوائے تہس نہس کیا اور کسی کو چیخنے نے آیا۔ بالآخر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا فَقُطِعَ دَابُّوهُمُ الْقَوْمِ الَّذِي تَلَظَّوْا (آیت ۴۵) پھر ظلم کرنے والی قوم کی

ظالم قوم  
کی ہلاکت

جڑ کاٹ دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو صفحہ ہستی نابود کر دیا۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ پس کیسے ہوئی میری گرفت اس

مقام پر ارشاد ہوا ہے فَكَانَتْ مِّنْ قَرَابَةٍ اَهْلَكْنَهَا اور کتنی

ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا وہی ظالِمۃ اور وہ ظلم کرنے والے تھے فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرْوَتِهَا

وہ اپنی چھتوں کے بل گم می پڑی ہیں۔ جب اسرائیلیوں نے زمین میں ظلم و

زیادتی کا ارتکاب کیا تو اللہ نے اُن پر جابرہ لوگوں کو مسلط کر دیا۔ اُن کے گھر

اور عبادت خانے ڈرامے گئے، اُن کے مردوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں اور

بچوں کو لوٹری اور غلام بنا لیا گیا۔ بخت نصر اسرائیلیوں کو بھڑکے بکریوں کی طرح

ہلکے کر لے گیا، اور انہوں نے بابل میں سو سال تک ذلت کی زندگی گزاری

اُن کی بستیاں ویران ہو چکی تھیں گویا کہ وہ الٹا دی گئی ہوں۔ بعض قوموں کو

اللہ تعالیٰ نے زلزلے کے ذریعے اور بعض کو طوفان، باد و باران کے ذریعے

ہلاک کر دیا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر

دیا جن کے رہنے والے ظالم تھے۔

پرانے زمانے میں کسی بستی کا کنواں زندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

آج تو فرما ہی آج کے جدید نظام رائج ہیں۔ پہلے وقتوں میں کنویں

ہی پانی کی سہم رسانی کا واحد ذریعہ ہوتے تھے۔ تو فرمایا کہ بستیوں کو اس طور

ہلاک کیا وَبِئْسَ مَعْطَلَةٌ کہ اُن کے کنوئیں بھی ویران پڑے ہیں جب

پانی نکالنے والا ہی کوئی نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ کنوئیں بھی اجڑ گئے۔

وَقَصْرِ مَشِيدٍ اور رہائش کے لیے استعمال ہونے والے بڑے

بڑے مضبوط محلات بھی اجڑے پڑے ہیں۔ اُن میں رہنے والے بڑے

بڑے امراء اور رؤسا نیست و نابود ہو چکے ہیں اور وہ محلات جنوں کی آماجگاہ

معلوم ہوتے ہیں۔ الغرض اللہ نے پانی قوموں کا انجام بیان کر کے تنبیہ

فرمائی کہ اگر تم بھی سابقہ اقوام کی طرح اللہ کے رسولوں کی تکذیب کر دو گے

ظلم و ستم کا بازار گرم کر دے تو تمہارا انجام بھی اُن سے مختلف نہیں ہوگا  
 چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں بڑے بڑے ائمہ الکفر مارے گئے، جو  
 بچ گئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ابو جہل نے اپنے ایک اونٹ کی  
 ناک میں سونے کی نکیل ڈال رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس اونٹ کو قربانی کا  
 جانور بنا کر اللہ کی نیاز کے طور پر بیت اللہ میں بھیج دیا۔ کفار و منکرین کا  
 حال بیان کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی گئی ہے  
 کہ پہلے لوگوں کا بیت بُرا انجام ہوا۔ اگر مشرکین میں بھی شرارتوں سے باز نہ  
 آئے تو یہ بھی خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُون لَهُمْ قُلُوبٌ  
 يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَنٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى  
 الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ④۶  
 وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ  
 وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ④۷  
 وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ  
 ثُمَّ أَخَذْنَاهَا وَاللَّيْلِ الْمَصِيرُ ④۸ قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ  
 إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ④۹ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ⑤۰ وَالَّذِينَ  
 سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
 الْجَحِيمِ ⑤۱

ترجمہ:- کیا یہ لوگ نہیں چلے زمین میں، پس اُن کے دل  
 ہوتے جن کے ساتھ وہ سمجھتے یا کان ہوتے جنکے ساتھ وہ سنتے۔ بیشک نہیں اندھی ہوتی  
 آنکھیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو میدانوں میں ہیں ④۶  
 اور جلدی کرتے ہیں یہ لوگ آپ سے عذاب - اور  
 اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا  
 اور بیشک ایک دن تیرے پروردگار کے ہاں ہزار سال



کی طرح ہے جس کو تم شمار کرتے ہو (۴۷) اور بہت سی بستیوں کو میں نے مہلت دی اور وہ ظلم کرنے والے تھے پھر پکڑا میں نے اُس کو۔ اور میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے (۴۸) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اے لوگو! بیشک میں تمھارے لیے ڈر سنانے والا ہوں کھول کر (۴۹) پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جہنم نے نیک اعمال انجام دیے، اُن کے لیے بخشش اور باعزت رزوی ہے (۵۰) اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی، یہی لوگ ہیں دوزخ والے (۵۱)

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ مظلوم اہل ایمان کی مدد کا وعدہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کو اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا، اگر اللہ انہیں زمین میں اقتدار عنایت فرمائے گا تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بُرائی سے روکیں گے۔ یہ اُن کا منشور ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مکذبین کو تنبیہ فرمائی اور حضور علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو تسلی دی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہر قوم نے اپنے اپنے نبی کی تکذیب کی۔ پھر اللہ نے مہلت دے کر انہیں مبتلائے عذاب کیا۔ بہت سی بستیوں کے باشندے ظالم تھے جنہیں اللہ نے ہلاک کیا اور تمام بستیاں ویران ہو گئیں، وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھیں، کنوئیں معطل اور اُن کے محلات ویران ہو گئے، فرمایا اگر اہل مکہ بھی تکذیب کرتے ہیں تو ان کا حال بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

نشانات  
عبرت

اب آج کی آیات میں منکرین اور مکذبین کو مزید تنبیہ کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے  
اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ كَيْفَ كُنْتُمْ تَخْلَفُونَ  
مقامات کی سیر کرے تو بہت سی پرانی تنزیہوں کے کھنڈرات ملتے ہیں، انسان کو

غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو کہ انسان کے لیے باعثِ عبرت ہوتی ہیں۔ دوسری جگہ اللہ نے مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں مکہ اور شام کے درمیان شاہراہ پر سے گزرتے ہیں۔ اس شاہراہ پر بڑی بڑی قوموں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ کیا یہ لوگ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟

فرمایا کیا یہ زمین میں سیر نہیں کرتے فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بھانپتا کہ اُن کے دل ہوتے جن کے ذریعے وہ غور و فکر کرتے اور بات کو سمجھتے اَوْ اِذَا نُسِمِعُونَ بھانپتا ان کے کان ہوتے جن کے ذریعے وہ سن سکتے۔ جب پرانی تہذیبوں کے آثار دیکھیں تو ان کے کان کھل جائیں کہ کبھی یہ لوگ بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ آباد تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کرتے تھے اور اکثر دکھاتے تھے مگر دیکھ لیں کہ ان کا کیا حشر ہوا۔

دل کا اندھا پن

حقیقت یہ ہے فَانْهَآ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ کہ ان کی آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُورِ بلکہ سینوں میں رکھے ہوئے دل اندھے ہوتے ہیں۔ دل کا اندھا پن بڑا خطرناک ہے۔ کسی فرد واحد کا اندھا ہو جانا تو کسی حد تک زیادہ نقصان دہ نہیں ہوتا مگر جہاں پوری قوم ہی اندھی ہو جائے تو پھر ان کی تباہی لازمی ہو جاتی ہے سورۃ الاعراف میں نوح علیہ السلام کی پوری قوم کے متعلق فرمایا قَوْمًا عَمٰیْنَ (آیت ۶۴) کہ وہ سب کے سب دل کے اندھے ہو چکے تھے۔ وہ نشانات قدرت کو دیکھنے اور اپنے نبی کی تعلیم میں غور و فکر کرنے سے عاری ہو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے کانوں میں بھی ڈاٹ لگ چکے تھے اور وہ کوئی صحیح بات سُننے کے لیے تیار نہ تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ چند گنتی کے اہل ایمان کے سوا جو کشتی میں سوار ہو گئے، باقی ساری قوم طوفان میں غرق ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام کثومؓ نے آپ کے سامنے عرض کیا، حضور! اللہ کا فرمان ہے وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى (بنی اسرائیل - ۲۷) جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ تو کیا میں آخرت میں نابینا اٹھایا جاؤں؟ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ مطلب یہ کہ آخرت میں اندھے وہ ہوں گے دنیا میں جن کے دلوں کی آنکھیں اندھی تھیں اور وہ کفر، شرک، السماز اور نفاق کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے۔ دنیا میں انہیں نیکی کا راستہ نظر نہیں آتا تھا اور نہ وہ ایمان اور توحید کو دیکھ سکے۔ دنیا میں اگرچہ وہ بینا تھے مگر دل کے اندھے تھے۔ ایمان اور نیکی والے لوگ اگر دنیا میں نابینا بھی رہے ہوں تو آخرت میں وہ بینا ہوں گے۔

کان، آنکھ  
اور دل

اللہ تعالیٰ نے کان، آنکھ اور دل جیسی عظیم نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مُسْتَوْلاً (بنی اسرائیل - ۳۶) یعنی کان، آنکھ اور دل کے متعلق باز پرس ہوگی، پوچھا جائیگا کہ میں نے دنیا میں تمہیں یہ نعمتیں عطا کی تھیں، تم نے انہیں کس کام پر لگایا۔ اور پھر ان کا شکریہ ادا کیا؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کانوں کی نعمت اس لیے عطا کی ہے کہ ان سے اچھی باتیں سنی جائیں، ارشاداتِ خداوندی، فرامینِ نبوی اور اللہ کے نیک بندوں کی باتیں سنی جائیں، نہ کہ کھیل تماشے اور گائے بجانے سننے جائیں۔ اسی طرح آنکھوں سے شعائر اللہ کی زیارت کی جائے، قرآن پاک کی تلاوت ہو، کتبِ دینیہ کا مطالعہ ہو، بزرگانِ دین کی زیارت ہو۔ اور قلب ایسی چیز ہے جس میں ہر نیکی کی بات سما جانی چاہیے۔ دل کو برا ظرف نہیں بنانا چاہیے۔ دل و دماغ کے ساتھ مشاہدات، قدرت میں غور و فکر کرے تو اس

طرح ان نعمتوں کا شکریہ ادا ہو گا۔ اگر ان خواہش سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا  
نہ اچھی بات سنی اور نہ اچھی چیز دیکھی بلکہ اللہ کی وحدانیت میں غور و فکر ہی نہیں  
کیا، تو پھر ظاہر ہے کہ ان نعمتوں کے متعلق سخت باز پرس ہوگی۔

قرآن پاک میں غور و فکر کے معاملہ کو اکثر دل کی طرف منسوب کیا گیا ہے  
حقیقت یہ ہے کہ سوچنے کی قوت دماغ میں ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ  
دل کی شرکت بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے عقل کا اطلاق دل پر کیا جاتا ہے۔  
بعض قدیم فلسفی کہتے ہیں کہ سوچنے کی قوت دل میں ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ  
کا بھی یہی قول ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ اور اطباء کہتے ہیں کہ اللہ نے سوچنے  
کی قوت دماغ میں رکھی ہے۔ البتہ عقل کی طاقت دل میں ہے۔ ان دونوں  
کے اشتراک سے اللہ نے انسان میں قوت نظری اور قوت عملی رکھ دی ہے  
قوت نظری دماغ کی شرکت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ قوت عملی  
دل کی شرکت سے میسر آتی ہے۔ تاہم اچھے عزائم یا برے ارادے دل میں  
ہی ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جس طرح انسان کی ظاہری آنکھیں ہیں، اسی  
طرح اُس کے دل کی آنکھیں بھی ہیں۔ جب انسان گمراہ ہوتے ہیں تو وہ دل کے  
اندھے ہو جاتے ہیں اور صحیح راستے کو ترک کر دیتے ہیں۔ گویا وہ دل کے اندھے  
اور بہرے ہو جاتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے اگر یہ دل کے اندھے اور بہرے ہو  
تو نشانات قدرت اور اقوام عالم کے حالات میں غور و فکر کریں مگر یہ لوگ غفلت میں  
پڑے ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ خرابی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

عذاب میں  
جلدی

ارشاد ہوتا ہے وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ لوگ آپ سے جلدی  
عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، کافر، مشرک اور منافقان پوچھتے تھے۔  
متیٰ هَذَا الْوَعْدُ (الملک - ۲۵) قیامت کا وعدہ کب پورا ہو گا، مجاہد  
کی منزل کب آئے گی؟ اور کہتے تھے کہ جو عذاب لانے کا وعدہ کر رکھا  
ہے اس کو جلدی پورا کر دو۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَلَكِنْ



يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ اللَّهُ تَعَالَىٰ اپنے وعدے کا ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔  
 نافرمانوں کو سزا مل کر رہی مگر اُس کا وقت اللہ کے علم میں ہے۔ وہ جانتا ہے  
 کہ کسی قوم کو کس وقت سزا میں مبتلا کرنا ہے۔ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ تم اپنے حساب  
 سے دین، مہینے اور سال شمار کر کے عذاب کا جلدی مطالبہ کر رہے ہو مگر اللہ  
 کے ہاں تقویم مختلف ہے۔ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ  
 مِّمَّا تَعُدُّونَ تیرے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہارے یہاں کے  
 ہزار سال کے برابر ہے۔ سورۃ المعارج میں فرمایا فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ  
 خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (آیت ۴۴) اللہ کے ہاں ایک دن تمہارے  
 پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مہلت دے رہا ہے لہذا  
 عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو، وہ اپنے وقت پر آجائے گا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دن کی طوالت ماہ و سال  
 کے اعتبار سے نہیں بلکہ عجز و سزا کی شدت کے اعتبار سے ہوگی جب  
 کوئی شخص تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُسے محض اسی عرصہ بھی بہت  
 طویل محسوس ہوتا ہے۔ جن لوگوں پر قیامت کا دن بھاری ہوگا، انہیں  
 یہ ایک دن ہزاروں سال کے برابر محسوس ہوگا۔ اور اہل ایمان کے متعلق فرمایا  
 کہ اُن کے لیے یہ وقت اتنا مختصر ہوگا جتنے وقت میں چار رکعت نماز  
 ادا کر لی جاتی ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی دیکھتے  
 ہیں کہ مختلف خطوں میں اوقات میں بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ مثلاً خط  
 استوا سے قریبی خطوں میں دن اور رات چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے دُمارک  
 کے عقبی خطوں میں دن رات دو ماہ کا ہوتا ہے جب کہ قطبین پر چھ ماہ کا  
 دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ قیامت کا  
 دن بھی بعض اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر اور بعض لحاظ سے پچاس

ہزار سال کے برابر ہو۔ اور یہ طلالت تکلیف کی شدت کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام تو ایسے ہیں کہ قیامت کا ایک دن تمھارے ہاں کے ہزار سال کے برابر ہو۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ غریب و ماجرین دولت مند اہل ایمان سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ صاحب ثروت تو اپنے حساب کتاب میں پھنسے رہیں گے مگر غریب و ماجرین اپنے مقام پر پہنچ جائیں گے۔

بستیوں کی  
ہلاکت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَأَيُّ آيَاتٍ مِّنْ قُوَّةِ أَمَلِيتُ لَهَا  
بہت سی بستیاں ایسی ہیں کہ میں نے ان کو مہلت دی وہی ظالم کہ  
اور وہاں کے باشندے ظالم لوگ تھے۔ ثُمَّ آذَنَّا نَذْهَبُ فِيهِمْ  
پھر اُس کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ وہ میری گرفت سے بھاگ کر نہیں جا  
سکتے وَالْحِصْنُ الْمُصْبِرُ اور بالآخر سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا  
ہے۔ میں ان سے باز پرس کر لوں گا کہ یہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے۔

پھر اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا قُلْ أَپَ كُمْ دِجَّةٌ  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! تمھاری فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں  
ہے۔ تم عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو مگر یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف  
ہے، وہ جب چاہے گا، اپنا وعدہ پورا کر دے گا۔ جہاں تک میری ذات  
کا تعلق ہے إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ میں تو تمھارے  
لیے کھول کر ڈرنالے والا ہوں۔ میرا کام تمھیں آگاہ کرنا ہے، عذاب  
لانا نہیں، باز پرس کرنا اور ہرنیک و بد کی جزا و سزا کا فیصلہ اللہ تعالیٰ  
کے ہاتھ میں ہے، وہ ہر ایک کے مناسب حال فیصلہ کر دے گا۔

فرمایا، يٰۤاُدْرِكْهُوا قَالِذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے لَھُمْ  
مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ اُن کے لیے مغفرت اور باعزت روزی

مغفرت اور  
باعزت روزی

ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے دو چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک مغفرت اور دوسری باعزت روزی، یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مغفرت یا گناہوں کی معافی تو گناہگاروں کے لیے ہوتی ہے۔ مگر اس آیت کرمیہ میں اللہ نے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو بخشش کا مشرودہ سنایا ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر اعمال صالحہ سے مراد اخلاص ہے یعنی جنہوں نے ایمان میں اخلاص پیدا کیا۔ سورۃ الانعام میں ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (آیت ۸۳) جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کفر، شرک، یا نفاق کی ملاوٹ نہیں کی بلکہ خالص توحید کو قبول کیا اور تقویٰ اختیار کیا، تو اگرچہ اعمال میں کوتاہی بھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمائے گا۔ پھر عمل صالحہ کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیا گیا ہو۔ فَاتَّبِعُونِي کا یہی مطلب ہے کہ ہر نیک کام حضور علیہ السلام کے مقررہ طریقے پر کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں کریگا تو عمل برباد جائیگا کیونکہ کسی عمل کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ضرور ہی مقبول ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو یا کسی شرط کو پورا نہ کیا ہو، اس لیے ہر عمل کی موجودگی میں بھی بخشش و مغفرت کی ضرورت ہے۔ جس کا اللہ نے یہاں وعدہ فرمایا ہے۔

باعزت روزی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں بسا اوقات روزی غلط طریقے سے حاصل کی جاتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو چھوٹ، فریب، چوری، ڈاکہ، رشوت اور سمگلنگ کے ذریعے روزی حاصل کرتے ہیں۔ ایسی روزی باعزت روزی ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ یہ تو ذلت کی روزی ہوگی۔ اس کے برخلاف جنتیوں کو جو روزی ملے گی۔ وہ حلال، طیب اور بغیر کسی مشقت کے نصیب ہوگی۔ دنیا میں بسا اوقات



انسان ایک دوسرے کے دست نجر ہو رہے ہیں مگر جنت میں اللہ تعالیٰ بغیر کسی کے احسان کے اپنی رحمت سے رزق عطا فرمائے گا، اسی کو باعزت روزی کہا گیا ہے۔

آجکل کے محاورہ میں اَلْخُبْرُ بِالْكَرَامَةِ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے یعنی ہر شخص کو باعزت روزی میسر آنی چاہیے، مگر یہ صرف نعرہ ہی ہے جب تک دنیا میں ظلم و تعدی کا دور دورہ ہے کسی کو باعزت روزی نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہاں کا نظام معیشت ہی غلط ہے جس کی وجہ سے اکثر ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ بعض اوقات روزی کی خاطر بڑی ذلت برداشت کرنی پڑتی ہے تو ایسے حالات میں باعزت روزی کہاں سے میسر آئیگی؟ یہ دنیا تو آزمائش کا مقام ہے۔ نہ حکمران طبقہ نظام معیشت کی اصلاح میں مخلص ہے اور نہ دولت مند گروہ کو محتاجوں کا خیال ہے اس لیے اس دنیا میں روزی تو ملتی ہے مگر اکثر تذلیل کے ساتھ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جنت میں باعزت روزی عطا فرمائے گا اور یہ بہت بڑا انعام ہوگا۔

آیات الہی  
سے عائد

آگے ارشاد ہے وَالَّذِينَ سَعَوْا فِيْ اٰيٰتِنَا مُعْجِزِيْنَ وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے یا کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی جو دین اللہ کی طرف سے اُس کے نبی کے آگے آئے ہیں، جو شریعت انہوں نے پیش کی ہے، وہ تو انہیں پسند نہیں۔ وہ تو اپنی خواہشات اور رسم و رواج کا نظام جاری کرنا چاہتے ہیں، آج کل مسلمان قوم کا اکثر و بیشتر یہی حال ہے، زبان سے تو اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کا مقرر کردہ نظام ہی بہ حق ہے۔ مگر عمل میں اس کے خلاف چلتے ہیں، وہاں ذاتی مفادات اور مصلحت آڑے آجاتی ہے اور اللہ کا پسندیدہ دین دھڑے کا دھڑا رہ جاتا ہے۔ یہ تو اللہ کی آیات اور اس کے دین کو مغلوب کرنے والی بات ہے ایسے ہی لوگوں



کے متعلق اللہ نے فرمایا اَللّٰکَ اَصْحٰبُہُ الْحٰجِیْمُ کہ یہ لوگ دوزخ  
 وائے ہیں۔ یہ عذاب الہی سے بچ نہیں سکیں گے دنیا میں بھی ان کو امن و سکون  
 نصیب نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ظلم و تعدی کا شکار رہیں گے۔

موجودہ زمانے میں یہودیت، عیسائیت، اشتریکیت یا کوئی بھی مغربی ازم  
 ہو، سب آیات الہی کو زیرِ کمر نے وائے نظام ہیں۔ ان باطل نظاموں کے حامی  
 مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو تو  
 بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اور خلافتِ قرآن و شریعت کسی غلط نظام  
 کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ مگر افسوس ہے خود مسلمانوں کی حالت پر جو غیر اقوام  
 سے بھی برائی میں دو قدم آگے ہیں۔ یہ خود مسلمان کو ملانے کے باوجود ایسی قبیح  
 حرکات کرتے ہیں جن کی وسیع سے لوگ اسلام سے مزید متنفر ہوتے ہیں۔  
 ہندو بھی اسلام اور مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ وہ بھی ان کی تذلیل کا کوئی  
 موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ آج کل ہندوستان میں قرآنی قوانین  
 کے خلاف تحریک چل رہی ہے۔ کبھی طلاق کے مسئلہ کو اچھا لاجاتا ہے اور  
 کبھی تعدد ازواج کو۔ عیسائی اور یہودی تو روزِ اوّل سے ہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں  
 کے دلوں سے ان کے نبی اور قرآن کی محبت نکال دی جائے۔ اشتریکی لوگ  
 اسلامی نظام کو رجعت پسندانہ نظام کہتے ہیں حالانکہ رجعت پسندانہ نظام تو  
 خود کفر، شرک اور اشتریکیت کا نظام ہے۔ سرمایہ دارانہ اور اشتریکی نظام دونوں  
 مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں۔ جب کہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن میں اُس کا  
 عطا کردہ نظام موجود ہے جس کی کوئی شقِ خلافتِ فطرت نہیں۔ بہر حال فرمایا  
 کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو عاجز کرنے کی کوشش کی، وہ لامحالہ دوزخ  
 کا شکار ہوں گے۔ آیاتِ الہی تو اللہ قائم رہیں گی، مگر یہی لوگ جہنم کے  
 کندہ ناتراش بنیں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا  
 إِذَا تَمَنَّيَ الْوَقْعَ الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ  
 اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ آيَتِهِ ط  
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۵۲ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ  
 فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ  
 قُلُوبَهُمْ ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝۵۳ وَلِيَعْلَمَ  
 الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّ الْحَقَّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا  
 بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۚ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ لِلَّذِينَ  
 آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۵۴

ترجمہ:- اور نہیں بھیجا ہم نے اس سے پہلے کوئی  
 رسول اور نہ بنی مگر یہ کہ جب اُس نے پڑھا، ڈال  
 دیا شیطان نے اُس کے پڑھے ہوئے میں۔ پس  
 مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے۔  
 پھر مضبوط کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ  
 سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۝۵۲ تاکہ  
 کہ مے اُس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے فتنہ  
 (آزمائش) اُن لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری

ہے (نفاق) اور جن کے دل سخت ہیں (مشرک)۔ اور بیشک ظلم کرنے والے البتہ مخالفت میں دور پڑے ہوئے ہیں (۵۳) اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ بیشک یہ برحق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ پس اس پر ایمان لائیں۔ پھر عاجزی کریں گے اُس کے سامنے اُن کے دل، اور بیشک اللہ تعالیٰ راہ دکھانے والا ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے سیدھے راستے کی طرف (۵۴)

رابط آیات گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی مذمت بیان کی جو اس کی آیتوں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں اور فرمایا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ اب آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ کو تسلی کے طور پر فرمایا ہے کہ آپ مخالفین کی مخالفت سے گجھرائیں نہیں کیونکہ کافروں اور مشرکوں کا ابتداء سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے پروردگار کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے رہے اور اللہ کے نبیوں کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہے ہیں۔ مگر نہ تو وہ سابقہ ادوار میں کامیاب ہوئے اور نہ اب ہوں گے بلکہ ذلیل و خوار ہی ہوں گے۔ ان کے مقابلے میں فتح و کامرانی اہل حق کو ہی نصیب ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی إِلَّا إِذَا تَمَنَّيَ الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ مَكْرِيَةً کہ جب بھی اُس نے پڑھا تو شیطان نے اُس کی پڑھی ہوئی چیز میں رخنہ ڈال دیا۔

نبی اور رسول  
میں مشرق

اس آیت کرمیہ میں نبی اور رسول کے دو الفاظ بیک وقت استعمال ہوئے ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان کے درمیان فرق کو واضح کر دیا جائے۔ ایک لحاظ سے نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ نبی اور رسول دونوں پر وحی نازل ہوتی ہے مگر رسول اس لحاظ

سے خاص ہے کہ اُس کو مستقل کتاب یا شریعت عطا کی جاتی ہے۔ البتہ نبی صاحبِ وحی ہونیکے ساتھ سابقہ کتاب یا شریعت پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ پھر ایک لحاظ سے رسول عام ہے اور نبی خاص۔ رسول انسانوں اور فرشتوں دونوں انواع میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ عام ہے اور نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے نبی خاص ہے لفظ ”تمنی“ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی تو عام فہم ہے اور اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی محبت کے ساتھ آرزو کرنا ان معانی میں جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب بھی کسی رسول یا نبی نے کسی چیز کی محبت کے ساتھ خواہش ظاہر کی تو شیطان نے دوسرے انداز کی کمر کے اُس خواہش میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ نبی کی آرزو اور تمنا تو یہی ہو سکتی ہے کہ لوگ ایمان قبول کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے نجات حاصل کر لیں۔ اس طرح وہ نظر، شرک اور گمراہی سے بچ جائیں گے۔ بعض مفسرین کہہ ام تمنی سے مراد تلاوت لیتے ہیں کہ عربی زبان میں یہ معنی بھی استعمال ہے۔ اس طرح جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب بھی اللہ کے رسول یا نبی نے لوگوں کے سامنے اللہ کا کلام یا اُس کے احکام تلاوت کیے تو شیطان نے اُس تلاوت شدہ کلام میں رخنہ ڈال دیا۔ تمنی کا یہ معنی عربی ادب میں بھی ملتا ہے جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ کے اشعار سے ثابت ہے۔

تَمَنَّى كِتَابَ اللَّهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ

تَمَنَّى دَاوُدَ الذَّبُورَ عَلَى رِسْلٍ

تَمَنَّى كِتَابَ اللَّهِ أَوَّلَ لَيْلَةٍ

وَإِخْرَها لَأَقْ حَامِ الْمَقَادِرِ

آپ حضرت عثمانؓ کی مدح میں کہتے ہیں کہ آپ رات کے پہلے

حصے میں اللہ کی کتاب تلاوت کرتے تھے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام



زبور پھر پھر کہ پڑھتے تھے۔ آپ کا انداز تلاوت نہایت اعلیٰ اور پُر سوز ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ کے ساتھ پند سے اور درخت بھی تلاوت میں شامل ہو جاتے۔ حضرت حسانؓ پھر کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ رات کے اول حصہ میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے تھے اور رات کے دوسرے حصے میں تقدیروں کی موت سے جا بٹے یعنی شہید کر دیے گئے۔ بحکم موت کو کہتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تمہنی کا معنی حدیث کہتے ہیں یعنی جب بھی اللہ کے نبی نے اللہ کے کلام یا اُس کا کوئی حکم بیان کیا تو رسول یا نبی کی بیان کردہ چیزیں شیطان نے وسوسہ ڈال کر اُس میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی۔ اور پھر شیطان کی طرف سے ڈالا گیا وسوسہ بعض لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بن گیا۔ منافق اور مشرک لوگ تو اس فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر مومنوں کے گروہ کو اللہ تعالیٰ اس فتنے سے بچا لیتا ہے اور شاد ہوتا ہے۔ فَيَسُخِّرُ اللَّهُ مَا يَلْقَى الشَّيْطَانُ پھر اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اس چیز کو جو شیطان رخنہ ڈالتا ہے ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ إِلَيْهِ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو مضبوط بناتا ہے وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ حَكِيمٌ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

شیطان کی  
رخنہ اندازی

فرمایا جب اللہ کا نبی لوگوں کے سامنے کوئی چیز پڑھ لیتا ہے مگر تو شیطان اس میں وسوسہ ڈال کر رخنہ اندازی کرتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (البقرہ - ۱۷۳) اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام قرار دیا ہے۔ اس آیت کے متعلق شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جس جانور کو اللہ نے موت دی وہ تو حرام ہو گیا اور جسے خود ذبح کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا، وہ ان کے لیے حلال ہو گیا۔ چنانچہ اللہ نے اس بات کو اس طرح واضح فرمایا وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ

(الانعام - ۱۲۲) جس چیز پر وقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو مست کھاؤ کیونکہ اس میں روحانی خرابی پیدا ہو گئی ہے، لہذا یہ تمہارے لیے حلال نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو جانور اپنی موت مر گیا ہے اس کو نہ تو ذبح کیا اور نہ اُس پر اللہ کا نام لیا گیا، لہذا وہ کھانے کے قابل نہیں رہا۔

وسوسہ اندازی کی دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ (الانبیاء - ۹۸) تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس پر شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے جہنم میں جانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے جب کہ معبودوں میں تو مسیح علیہ السلام اور فرشتے بھی شامل ہیں جن کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ تو پھر یہ پاک ہستیاں دوزخ میں کیسے جاسکتی ہیں؟ اللہ نے اس کے جواب میں اپنی برگزیدہ ہستیوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (الانبیاء - ۱۰۱) وہ جہنم سے دور رہیں گے۔ اتنے دور کہ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا (الانبیاء - ۱۰۲) وہ تو دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سن پائیں گے۔ ان ہستیوں کو تو اللہ تعالیٰ مقامات عالیہ پر سرفراز فرمائے گا، البتہ جہنم میں وہ لوگ جائیں گے جو خود اپنی پرستش کرتے رہے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالتے رہے یا وہ شجر، حجر اور بت جہنم میں جائیں گے جن کی مشرکین پوجا کرتے رہے اس طرح عابد اور معبود دونوں جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

شیطان کی وسوسہ اندازی کی تیسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَاتُهُ الْقَوْلَ الْخَالِصَ مَرْكَبُ رُوحٍ مِنْهُ (النساء - ۱۷۱) یعنی مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول اور اُس کا کلمہ ہیں جسے مریم کی طرف ڈالا گیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ

جب خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح اللہ کہا تو پھر وہ اللہ کے بیٹے ٹھہرے۔  
مگر اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کی وضاحت فرمادی اِنْ هُوَ إِلَّا  
عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي اِسْرَآءِیْلَ  
الذخرف - ۷۹) وہ تو اللہ کے بندے تھے اور اللہ نے ان پر اپنا انعام  
کیا اور ان کو اپنی نشانی بنایا۔ وہ خدا کے بیٹے تو نہیں ہیں۔ اللہ نے صاف  
تہدید فرمادی۔

منافق اور  
مشرک کے لیے  
آزمائش

فرمایا شیطان کی وسوسہ اندازی سے یہ مراد ہے لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي  
الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّكَ شَيْطَانُ جَدُّوسٍ وَالتَّائِبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی اُسکو آزمائش  
بنامے لِلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے  
جن کے دلوں میں بیماری ہے وَالتَّكَاسِبَةُ قُلُوْبُهُمْ اور ان  
لوگوں کے لیے بھی جن کے دل سخت ہو چکے ہیں۔ یہاں پر دو قسم کے لوگوں  
کا ذکر کیا گیا ہے۔ دل کے مریضوں سے مراد منافق قسم کے لوگ ہیں۔ اور  
سخت دل والے مشرک ہیں جو اپنے شرک میں پختہ ہو چکے ہیں۔ جب بھی اللہ  
کے رسول کے کلام الہی پڑھتے پر شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے تو یہ وسوسہ  
اندازی ان دو گروہوں کے لیے فتنہ یعنی آزمائش کا ذریعہ بن جاتی ہے  
ایسے لوگ شیطان کی رخنہ اندازی سے متاثر ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اسی  
لیے فرمایا۔ وَآتِ الظَّالِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ لَّعِيْدٍ کہ اس قسم  
کے ظالم لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور صراطِ مستقیم سے  
محروم ہیں۔

اہل ایمان  
کے لیے ذریعہ  
ایمان

فرمایا اُدْھُرْ آيَاتِ اللّٰهِ سے مقصود یہ ہے وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا  
الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور تاکہ اہل علم جان لیں کہ یہ تیرے رب  
کی طرف سے برحق ہے۔ اللہ کا ہر حکم مبنی برحق ہے۔ فَيُؤْمِنُوْا بِہِ  
لہذا وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ یہ کلام علم والوں کے لیے فتنہ کا موجب



نہیں بنتا۔ چونکہ وہ کلام الہی پر ایمان رکھتے ہیں فَخُتِبَ لَكَ قُلُوبُهُمْ  
لہذا اُن کے دلوں میں احبات یعنی عاجزی پیدا ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ  
کے سامنے خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ یہ چار خصلتیں ایسی ہیں جن کی تمام انبیاء  
اور امتیں پابند ہیں اور وہ ہیں طہارت (پاکیزگی) احبات (عاجزی) سماعت  
(خیس چیزوں سے پرہیز) اور عدالت۔ یہ چاروں چیزیں مدارِ سعادت  
ہیں اور ان پر پابندی اختیار کرنے والا آدمی سعادت مند ہوگا اور ان کے  
خلاف کرنے والا شقی یعنی بد بخت ہوگا۔

بہر حال یہ نبی آخر الزمان اور آپ کی امت کے لیے تسلی کا مضمون ہے  
کہ جو لوگ آیات الہی کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں، اسلام کے پروگرام کو ناکام  
بنانا چاہتے ہیں۔ آپ اُن سے گھبرائیں نہیں کیونکہ یہ ایک قدیم شیوہ ہے  
اور ہر نبی کو ان حالات سے گزرنا پڑا ہے۔ پہلی قومیں بھی اپنے اپنے نبیوں کی اسی  
طرح تکذیب کرتی رہی ہیں۔ اللہ نے سورۃ الانعام میں فرمایا ہے وَكَذَلِكَ  
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ (آیت ۱۱۳)  
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے دشمن بنائے ہیں  
شیاطین انسانوں میں بھی ہوتے ہیں اور جنوں میں بھی۔ جب اللہ کا نبی کچھ بیان  
کرتا ہے تو وہ اس میں رخنہ اندازی کرتے ہیں تاکہ نبی کی بات آگے نہ چل  
سکے۔ اللہ نے فرمایا، اس قسم کی رخنہ اندازی کوئی نئی بات نہیں ہے، لہذا  
آپ ایسی رکاوٹوں سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے جائیں۔

لفظ تمہی کی  
غلط تفسیر

بعض مفسرین نے تمہی کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ کا نبی جب کوئی چیز پڑھتا  
ہے تو شیطان آپ کی آواز میں آواز ملا کر لوگوں کے سامنے ایسی باتیں پیش  
کرتا جو اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کے خلاف ہوتی ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ  
شیطان کی باتوں کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط رکھتا ہے۔ بعض  
روایات میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ النجم کی



یہ آیات تلاوت فرمائیں اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ (۱۹) وَمَنْوَةُ  
الثَّلَاثَةِ الْاُخْرٰی (۲۰) کیا تم نے لات اور عزی کو دیکھا ہے، اور تیسری  
بت منات کو بھی۔ کہتے ہیں کہ جب آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں  
تو شیطان نے آپ کی آواز میں اپنی آواز ملا کر کہا۔

تِلْكَ الْعَذَابِیْقُ الْعُلٰی ۝ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَكُ تَرْجٰی  
یہ بت بڑی بڑی ہستیاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے ایسی  
بات مشرکین کے لیے فتنہ کا باعث بن گئی اور انہوں نے لات، عزی اور  
منات کو اپنا سفارش کنندہ بنالیا۔ پھر سورۃ کے آخر میں حضور علیہ السلام نے  
سجدہ کی آیت تلاوت فرمائی تو سجدہ بھی کیا۔ اور آپ کے ساتھ مجلس میں  
موجود سب لوگوں نے سجدہ کیا۔ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کہ شیطان نبی کی آواز میں کوئی  
غلط بات چلائے۔ یہ تو عصمت وحی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کو  
ہمیشہ ملاوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔ محدثین نے اس بے اصل روایت کا  
انکار کیا ہے۔ تاہم صحیح تفسیر میں نے عرض کر دی ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے، کہ  
جب اللہ کا نبی کوئی تمنا یا آرزو کرتا ہے تو شیطان اُس میں رخنہ اندازی کرتا ہے  
اور دوسری تفسیر یہ کہ جب رسول خدا کسی آیت یا حکم کی تلاوت کرتا ہے تو  
شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر رخنہ اندازی کرتا ہے۔ پھر  
اللہ تعالیٰ اس وسوسے کو مٹا دیتا ہے، ایمان والے صحیح سلامت رہتے  
ہیں اور کفار و منافقین فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ دوسری  
آیات نازل فرما کر مومنوں کا وسوسہ دور کر دیتا ہے۔

سورۃ النجم کے آخر میں سجدہ کرنے سے متعلق امام شاہ ولی اللہ دہلوی  
فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں موجود مسلمانوں نے تو اس لیے سجدہ کیا تھا کہ ان کے  
ہادی و راہنما نے سجدہ کیا تھا۔ لیکن کافروں اور مشرکوں نے اس لیے سجدہ کیا  
تھا کہ یہ سورۃ تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی قہری تجلیات نازل ہو رہی

تھیں جن کی وجہ سے کافر لوگ سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ البتہ ایک بوڑھے کافر نے سجدہ کرنے کی بجائے تختہ پڑی سی مٹی لے کر اپنی پیشانی پر مل لی اور کہنے لگا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے (بخاری شریف) حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے اس بوڑھے آدمی کو بدر کی لڑائی میں کفر کی حالت میں مروہ پڑا پایا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اَمْ تَنْتَظِرُونَ اِلَّا صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی سچی راہ سننے کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور وہ صراطِ مستقیم کو پالیتے ہیں۔ برخلاف اس کے مشرک اور منافق شیطان کی دوسوہ اندازی کا شکار ہو کر فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ  
السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ⑤٥  
الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِينَ  
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي حَبْطِ النَّعِيمِ ⑤٦  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ  
عَذَابٌ مُّهِينٌ ⑤٧ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ  
اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ⑤٨ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ⑤٩  
لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ⑥٠ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ  
حَلِيمٌ ⑥١ ذَلِكَ ⑥٢ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ  
بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ ⑥٣ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ  
غَفُورٌ ⑥٤ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ  
وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ⑥٥ وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ  
بَصِيرٌ ⑥٦ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ ⑥٧ وَإِنَّ مَا  
يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ ⑥٨ وَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ  
الْكَبِيرُ ⑥٩ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ

السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾

ترجمہ :- اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا شک میں اس (قرآن) کی طرف سے ، یہاں تک کہ آجائے ان کے پاس قیامت اچانک ، یا آجائے ان کے پاس عذاب سخت دن کا ﴿۵۵﴾ بادشاہی اُس دن اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوگی وہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان - پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے ، وہ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے ﴿۵۶﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہو گا ﴿۵۷﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے راستے میں ، پھر وہ مائے گئے یا مر گئے تو ضرور اللہ اُن کو روزی دے گا اچھی روزی - اور بیشک اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ﴿۵۸﴾ ضرور داخل کریگا اُن کو ایسی جگہ میں جس کو وہ پسند کریں گے - اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور بردبار ہے ﴿۵۹﴾ یہ بات (تو تم نے سُن لی ، جس شخص نے گرفت کی ایسی کہ جیسی اُس کو تکلیف دی گئی تھی ، پھر اُس پر کُرفی کی گئی تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا - بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہے ﴿۶۰﴾ یہ بات (اسی لیے کہ) بے شک اللہ تعالیٰ



داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (۶۱) یہ بات (اس لیے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ ہی وہ برحق ہے اور وہ جس کو پکارتے ہیں لوگ اُس کے سوا، وہ باطل ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بلند ہے اور بڑائی والا ہے (۶۲) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان کی طرف سے پانی - پس ہو گئی زمین سرسبز۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت لطیف اور خبر رکھنے والا ہے (۶۳) اُسی کے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ وہ غنی اور تعریفوں والا ہے (۶۴)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ جب بھی اللہ کے نبی اللہ کا کلام یا احکام پڑھتے ہیں تو شیطان اُس میں رخنہ اندازی کرتا ہے وہ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات اور غلط خیالات ڈالتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال ہوتی ہے تو وہ شیطان کی دوسرہ اندازی کو زائل کر دیتا ہے، اور حق بات کو ثابت رکھتا ہے۔ اس سے ایمان والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی پیدا ہوتی ہے اور منافق اور مشرک فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

کفار کا شک و تردید

اب اس آیت میں کفار کے شک و تردید کا ذکر ہے کہ قرآن پاک کے متعلق ان کے شبہات ہمیشہ قائم رہیں گے حتیٰ کہ اُن کا خاتمہ ہو جائے ارشاد ہوتا ہے وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ اور کافر لوگ ہمیشہ شک و تردید میں پڑے رہیں گے اس قرآن کی طرف سے۔ اُن کے ذہن ہمیشہ پرآگندہ رہتے ہیں اور وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً یہاں تک کہ اچانک قیامت واقع ہو جائے أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ یا اُن پر سخت دن کا عذاب نازل ہو جائے۔ عقیم بانجھ کو کہتے ہیں، یعنی وہ جس میں خیر نہ ہو۔ قرآن

میں رِیْحٌ عَقِیْمٌ بھی آتا ہے یعنی سخت مضر اور غیر مفید ہوا۔ بالجہ عورت بھی غیر مفید ہوتی ہے کیونکہ اس سے اولاد نہیں ہوتی اور وہ منحوس سمجھی جاتی ہے۔ تو قیامت کا دن کافروں کے لیے منحوس دن ہوگا جس دن اُن کا محاسبہ اعمال ہوگا اور پھر انہیں سزا ملیگی۔

خدا تعالیٰ  
کی بادشاہی

اسی قیامت کے دن کے متعلق فرمایا الْمَلِكُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ اٰج کے دن بادشاہی خدا تعالیٰ کے لیے ہوگی۔ دنیا میں تو مجازی طور پر اقتدار بعض انسانوں میں ہوتا ہے اگرچہ حقیقی بادشاہی اللہ ہی کی ہوتی ہے مگر قیامت کو یہ مجاز بھی ختم ہو جائے گا۔ اور ظاہری باطنی ہر طرح کی حکومت اور اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ یَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ فَالَّذِیْنَ اٰنٰوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پس وہ لوگ جو دنیا میں ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے فِیْ جَنَّٰتٍ الثَّعٰلِیِّہِ وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے مقام جنت میں داخل کرے گا۔ جہاں انہیں ہر طرح کا آرام و راحت حاصل ہوگی۔ برخلاف اس کے وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو حیدر، احکام الہی، کتب سماویہ، ملائکہ، رسل اور قیامت کی تکذیب کی فَاُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ اُن کے لیے عزت کا وہاں کوئی موقع نہیں ہوگا۔

ہماجرین کی  
حوصلہ افزائی

اب اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنا وطن، خویش و اقارب، دوست احباب، زمین، مکان اور تجارت کو چھوڑا، اور اللہ کی رضا کے طلبگار ہوئے ثُمَّ قُتِلُوْا پھر یا تو

راہِ حق میں کفار کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے اَوْ مَا تُوِيَ بِطَبْعِي مَوْتِ مَرَكْتُ  
 لَيْزُ قَتْنَهُمُ اللّٰهُ رَزَقًا حَسَنًا اللّٰهُ تَعَالٰی اُن کو باعزت روزی  
 عطا فرمائے گا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزٰقِيْنَ . بیشک  
 اللّٰهُ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے اس میں اُن اہل ایمان کی طرف  
 اشارہ ہے جو مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کر گئے . وہ اپنی ہر چیز  
 مکے میں چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے اور اُن کی اکثریت بالکل ہی دستِ ہمو  
 گئی تھی . سورۃ النّٰشر میں بھی اللّٰهُ تعالیٰ نے فقرِ مہاجرین کی تعریف کی ہے  
 لِّلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ  
 وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا  
 وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرِسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُصَدِّقُوْنَ  
 (آیت - ۸) مالِ فے کے متعلق اللّٰہ نے فرمایا کہ اس میں اُن غریب مہاجرین  
 کا بھی حصہ ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے اور  
 جو اللّٰہ کا فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں . اللّٰہ کے دین اور اسکے  
 رسول کی مدد پر کھڑے ہیں . یہی لوگ سچے ہیں .

چنانچہ مہاجرین کو اللّٰہ تعالیٰ نے دنیا میں بلند مرتبہ عطا فرمایا . وہ خالی ہاتھ  
 آئے تھے مگر اللّٰہ نے اُن کو تجارت اور دیگر ذرائع سے کثیر مال و دولت  
 عطا فرمایا اور اس طرح اُن کی حوصلہ افزائی فرمائی . اُن کے متعلق یہ خود بخبری  
 بھی سنائی گئی خَلَقْنٰهُمْ مَّذٰخَرًا لِّرِضْوَانِ اللّٰهِ تَعَالٰی  
 یقیناً انہیں ایسے مقامات میں داخل کر دیا جس کو وہ پسند کریں گے ، اور یہ  
 خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقامِ جنت ہے ، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے  
 رہیں گے . وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ اور بیشک اللّٰہ تعالیٰ  
 سب کچھ جاننے والا اور بہ دبار ہے ، وہ نافرمانوں کی نافرمانی اور سرکشوں  
 کی شرارت پر جلدی کر دیتا ہے کہ تا بلکہ بسا اوقات جلت دیتا ہے اور



یہی اُسکی بدداری اور تحمل کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ  
کی طرف  
نصرت

اگے ارشاد ہوتا ہے ذَلِكْ يَهِ بِات تَوَهُوْجِي اَوْر قَم نَے سُن لِي دَوْرِي  
بات یہ ہے وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّقَ بِهِ اَوْر حَس  
شخص نے بدلہ لیا اُسی کی مانند جیسا کہ اُس کو اذیت پہنچائی گئی تھی قَسَمَ  
بُغِي عَلَيَّ بِمِثْرِ اُس پر سرکشی کی گئی كَيْنُصْرَنَّهُ اللّٰهُ تَوَالِي تَعَالٰی  
ضرور اُس کی مدد فرمائے گا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے  
اہل ایمان کو تیرہ سال تک سخت تکلیفیں دیں حتیٰ کہ انہیں ہجرت پر مجبور  
کر دیا۔ پھر اللہ نے اُن سے بدر کے معرکے میں انتقام لیا۔ گویا جس طرح  
کافروں اور مشرکوں نے مسلمانوں کو مکے میں تنگ کیا، اُس کا بدلہ مسلمانوں  
نے جنگ بدر میں لیا۔ اس کے بعد اگر کافروں نے پھر مسلمانوں پر  
سرکشی کی جیسا کہ احد اور خندق کے مواقع پر کی تو اللہ نے فرمایا کہ وہ مظلوم  
مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا۔ چنانچہ ان دونوں مواقع پر کافروں نے مسلمانوں  
کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی مگر اللہ کی نصرت آڑے آئی اور دونوں  
مواقع پر کافر اور مشرک ناکام لوٹ گئے۔ جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں  
نے مدینے کے تین اطراف میں خندق کھود کر اور چوتھی طرف سے ذاتی  
طور پر دفاع کر کے کافروں کو شہر میں داخل ہونے سے روک رکھا۔ پھر  
اللہ نے تند و تیز ہوا بھیج کر دشمن کے لشکر کو درہم برہم کر دیا اور فرشتوں نے  
انہیں دھکیل دھکیل کر واپس جانے پر مجبور کر دیا، یہی اللہ تعالیٰ کی نصرت  
تھی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ بِشَكَ اللّٰهُ تعالیٰ بہت معاف  
کر نے والا اور بہت بخشش کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر یہ سرکش  
لوگ اس تمام تہذیب و تمدن کے باوجود آئندہ کے لیے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ  
ان کی کوتاہیوں کو معاف فرما دے گا کیونکہ وہ بہت بخشش کرنے والا ہے  
فرمایا ذَلِكْ يَهِ اس وجہ سے اَنَّ اللّٰهَ يُؤَلِّجُ اللّٰیْطَ فِي النَّهَارِ

توجہ الہی  
کی دلیل



کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ  
اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی  
وحدانیت کی دلیل ہے کہ کائنات کے تمام تصرفات اُسی کے قبضہ قدرت  
میں ہیں اور وَأَن رَّاتٍ وَأَن رَّاتٍ کا نظام اُس نے کمال حکمت کے ساتھ بنا رکھا  
ہے وَإِنَّ إِلَهَ سَائِغِ الْجَبِينِ ہر بات کو سننا اور ہر چیز کو  
دیکھنا اسی کا کام ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ جب تصرفات  
اُس کے ہاتھ میں ہیں تو وہ مظلوموں کی مدد کرنے پر بھی قادر ہے اور وہ اپنا  
وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

فرمایا ذَلِكَ يَهْدِيكَ إِلَيْهِ اللہ هُوَ الْحَقُّ کہ بیشک اللہ تعالیٰ  
ہی برحق ہے۔ حق کا معنی قائم، ثابت اور صحیح ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نشان  
ہے وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُمُ الْبَاطِلُ اور جس  
کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ باطل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت  
بلاشبہ بے حقیقت اور غلط ہے۔ حق بات یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت  
کی جائے کیونکہ وہی ذات قائم دائم اور برحق ہے۔ فرمایا يَا دُرُودُ وَأَنَّ  
اللَّهُ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ بیشک اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبت اور بڑائی  
والا ہے۔ تمام کبریاہی اُسی کو سزاوار ہے۔ تمام چیزوں کا مافوق الاسباب  
کنٹرول اُسی کے ہاتھ میں ہے، لہذا عبادت بھی اُسی کی ہونی چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
کیا تم نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے  
پانی نازل فرمایا فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً اور اس کے ذریعے زمین  
کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔ بارش برساکہ مردہ زمین کو نئی زندگی بخشتا، اس  
میں پھل، پھول، درخت اور اناج پیدا کرتا اُسی مالک الملک کا کام ہے  
جس طرح وہ بارش کے ذریعے زمین کو تازگی بخشتا ہے۔ اسی طرح

مردہ دلوں  
کی زندگی

وہ وحی الہی کے ذریعے کفر و شرک کی وجہ سے سردہ دلوں کو نئی زندگی بخشتا ہے  
 فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ بِشَکِّ اللّٰهِ تَعَالٰی بہت باریک  
 بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ  
 اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہر چیز اسی کی پیدا کردہ  
 اور اُسی کے تصرف میں ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ وَلِلّٰهِ اللّٰہُ  
 لَہٗوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ بِشَکِّ اللّٰهِ تَعَالٰی وہی بے نیاز اور تعریفوں والا  
 ہے۔ وہ غنی ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ بربخلاف اس کے ساری مخلوق  
 اللّٰہ تَعَالٰی کی محتاج ہے۔ وہ تعریفوں والا ہے کہ کوئی اس کی تعریف  
 کرے یا نہ کرے، وہ پھر بھی سب تعریفوں کا مستحق ہے۔ ساری حمد ثنا  
 کا سزاوار وہی ہے۔ وہ غنی ہے اور باقی سب محتاج ہیں

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ  
 وَالْفُلْكَ تَجَرَّى فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ  
 أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ  
 لَرَّءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ  
 يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾  
 لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا  
 يُنَازِعُونَكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ  
 لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ  
 أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ :- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کام  
 میں لگا دیا ہے تمہارے لیے اُن چیزوں کو جو زمین میں ہیں  
 اور کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اس (اللہ تعالیٰ) کے حکم سے۔  
 اور وہ روکتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے مگر اُس کے  
 حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بہت شفقت  
 کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۶۵﴾ اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں  
 زندگی بخشی ہے، پھر وہ تم پر موت طاری کرتا ہے، پھر تم

کو زندہ کرے گا۔ بیشک انسان البتہ ناشکر گزار ہے (۶۶) ہر امت کے لیے مقرر کیا گیا ہے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ کہ وہ اس عبادت کو کرنے والے ہیں۔ پس نہ جھگڑا کریں آپ سے یہ لوگ اس معاملہ میں۔ اور آپ دعوت دیں اپنے پروردگار کی طرف۔ بیشک آپ البتہ سیدھی راہ پر ہیں (۶۷) اور اگر یہ جھگڑا کریں آپ کے ساتھ۔ پس آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اُن کاموں کو جو تم کرتے ہو (۶۸) اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اُن باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے (۶۹)

رابط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ کی قدرت کی بعض نشانیوں کا ذکر کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف رغبت دلائی گئی تھی۔ اللہ کے سوا کسی دوسری ذات کی عبادت کو باطل قرار دیکر اُس سے منع کیا گیا تھا، پھر اُت اور دُن کے اختلاف، آسمان کی طرف سے پانی کے نزول اور زمین کے سرسبز و شاداب ہونے کا ذکر تھا۔ اللہ نے یہ نشاناتِ قدرت اس لیے بیان فرمائے ہیں تاکہ انسان ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکے اور اس پر ایمان لے آئے۔

تفسیر اشیاء ارضی

اسی ضمن میں اللہ نے اپنی قدرت کی کچھ مزید نشانیوں کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَے مخاطب! کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا۔ اس مشاہدہ سے مراد رویت بصری نہیں بلکہ قلبی اور علمی رویت مراد ہے یعنی کیا تمہارے دل میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی یا تمہارے علم میں یہ بات نہیں آئی؟ اگر ابھی تک تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں آئی تو اب آجانی چاہیے کہ اِنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ یعنی تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے۔ زمین کی تمام اشیاء تمہاری خدمت پر مامور ہیں اور تم



ان سے مستفید ہو رہے ہو۔ سورۃ البقرہ میں بھی اللہ کا فرمان خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (آیت ۲۹) اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں۔ ان اشیاء میں سے انسان کسی چیز سے براہ راست فائدہ اٹھانے میں اور کسی چیز سے بالواسطہ طور پر، حتیٰ کہ زمین کے زہریلے کیرے مکوڑے اور سانپ کچھو بھی انسان کے لیے کسی نہ کسی طور پر مفید ہیں۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض چیزوں سے انسان باری صورت مستفید ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ زمین میں موجود مٹی، پہاڑ، پتھر، صحرا، پانی، درخت، سبزہ، پھول، پھل، اناج، دریا، سمندر، چٹانیں، بشمار چیزیں ہیں جو انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ اسی طرح جانور بھی اللہ نے انسان کے فائدے کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ لوگ ان سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے، کہ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح ان چیزوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے؟ حقیقت میں تمام اشیاء کا مالک اور خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اُس نے ان کو انسان کے لیے مسخر کر کے ان سے مستفید ہونے کی اجازت دے دی ہے۔

کشتی رانی  
کے فوائد

فرمایا وَالْفُلُكَ تَجَرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِ اللَّهِ اسی طرح اللہ کے حکم سے سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو بھی تمہارے تابع کر دیا ہے۔ کشتی رانی بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کشتی سازی کا علم عطا فرمایا اور پھر انہیں پانی میں چلانے کا طریقہ سکھلایا۔ جب اس کی مشیت ہوتی ہے تو ہوا کشتی کی منزل کے موافق چلتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو ہوا مخالف سمت میں چلنے لگتی ہے سمندر میں طوفان برپا ہو جاتا ہے اور بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز سامان سمیت ڈوب جاتے ہیں۔ پہلے

زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔ جو نقل و حمل کا کام دیتی تھیں۔ اب اُن کی جگہ بڑے بڑے سلیمروں اور جہازوں نے لے لی ہے جو بحاب اور تیل سے چلتے ہیں اور لاکھوں ٹن سامان ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں۔ بہر حال کشتی ہو یا جہاز، وہ جس ایندھن کے ساتھ بھی چلتا ہے، اللہ کا حکم اس میں شامل ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ کی مشیت اس کے برخلاف ہوتی ہے تو جدید دور کے تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود بڑے بڑے جہاز حادثے کا شکار ہو کر غرق ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ کشتی رانی کسی بھی قسم کی ہو، اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے یہ اسی کے حکم سے چلتی ہیں۔

آسمانی نظام  
قدرت

اگے اللہ تعالیٰ نے آسمانی نظام قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے اِشَادَہُتَاہُ۔ وَیُمِیْسُکُ السَّمَاوَاتِ اَنْ تَقْعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہِ اللّٰہِ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے۔ اُس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہے اور پھر ایسا انتظام بھی کر دیا ہے کہ یہ نیچے نہ گرنے پائے مگر اُس کے حکم سے۔ اِلَّا بِاِذْنِہِ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمان کو اللہ نے ایک خاص مدت تک کے لیے تمام رکھا ہے۔ پھر جب قیامت کا وقت آجائیکا، تو اللہ تعالیٰ آسمان و زمین سے اپنی حفاظت اٹھالے گا۔ آسمان زمین پر گرنے لگے گا۔ اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اور صدر الوب کے زمانے کا واقعہ ہے، آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ امریکہ کے کسی علاقے میں ایک شہاب شائق گھر پڑا تھا جس میں چار پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور بہت سی عمارتیں تباہ ہو گئی تھیں۔ یہ تو شہاب کے ایک ٹکڑے کا کارنامہ ہے اندازہ لگائیے جب آسمان و زمین کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو اُس وقت کیسی قیامت برپا ہوگی۔ موجودہ آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیگا اور موجودہ آسمان و زمین کی جگہ

دوسرا نظام لایا جائے گا۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِالشَّيْءِ

لَكَ خَبِيرٌ اے تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی شفقت والا اور نہایت مہربان ہے۔ یہ اُس کی شفقت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے کائنات کے پورے نظام کو انسانوں کے فائدے کے لیے اپنے اپنے کام پر لگا رکھا ہے اور یہ تمام چیزیں انسانوں کی خدمت کے لیے ہی ہیں۔

الغناء الہی  
کا شکر

ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ اَوْرَدَ اللّٰهَ اِلٰی ذٰلِكَ  
وہ ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے ثُمَّ لَمَيِّتٌكُمْ پھر وہ تم پر موت  
طاری کرے گا۔ گویا موت و حیات کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے  
ایک وقت آئے گا ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔  
اُس کے بعد تمہیں اللہ کے روبرو پیش ہو کر زندگی بھر کا حساب کتاب دینا  
ہوگا۔ اور پھر اُس دن انسان کی ابدی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ نے  
فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ بَلٰشِكَّ اِنَّا اَلَيْنَا نَاشِرٌ مَّزَارٌ  
اللہ نے انسان کو زندگی عطا کی اور پھر اُس کے ساتھ ہدایت کا سامان بھی دیا  
فرمایا۔ کفر اور شرک سے مجھ سے ہونے والے مردہ دل لوگوں کو ہدایت کی اور انہیں  
حقیقی زندگی سے روشناس کرایا۔ بعض اوقات اللہ انسان کی اپنی پر عقیدگی  
اور بد عملی کی وجہ سے ایمان کی دولت سے محروم کر دیتا ہے، ایسا شخص  
کفر، شرک اور نفاق کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو  
جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان بے شمار انعامات کے پیش نظر انسان کا فرض  
تھا کہ وہ اس کی توحید کو مانتا، شرک سے پرہیز کرتا، اس کی عبادت کرتا  
اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتا مگر اکثر انسان ناشکر گزار واقع ہوئے ہیں جو  
ہر وقت اللہ کی نعمتوں کو استعمال تو کرتے ہیں مگر اُس کا شکر یہ ادا کرنے  
کی بجائے کفر، ان نعمت کے مترتب ہوتے ہیں۔ یہ اللہ نے کفر و شرک



کی قباحت اور ربانی کا ذکر کیا ہے اور بعض دلائل قدرت بیان فرمائے جن کو دیکھ کر انسان اللہ کی توحید کو سمجھ سکتا ہے۔

عبادت کا  
طریقہ

آگے فرمایا لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا طور طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس عبادت کو کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی عبادت کا حکم کرتا ہے۔ تو پھر اپنے نبی کے ذریعے اس کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ منک کا اطلاق مطلق عبادت پر بھی ہوتا ہے اور یہ لفظ اس کی راہ میں جانور قربان کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص حج یا عمرے کی ادائیگی کے دوران کسی جنابت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی تلافی کے طور پر جانور ذبح کرتا ہے جسے عرف عام میں دم کہا جاتا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے منک کہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں جہاں حج اور عمرے میں سر مونڈوانے کا حکم دیا، وہاں فرمایا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سر میں کسی تکلیف کی وجہ سے یہ رکن پورا نہ کر سکے فِذْيَةٍ صَّاتِ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (آیت - ۱۹۶) تو اس کا فدیہ ادا کرے روزوں کی صورت میں، صدقہ کی صورت میں یا قربانی کی صورت میں۔ اسی سورت حج میں بھی پہلے گزر چکا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّذِكْرِ اسْمِ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (آیت - ۳۴) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مویشیوں پر اس کا نام سیکر ذبح کریں۔ الغرض! منک نفس قربانی کو بھی کہتے ہیں اور جانور قربانی یعنی قربان گاہ کو بھی اس طریقے سے منک کا معنی نفس عبادت بھی ہوتا ہے اور عبادت کا طور طریقہ بھی۔ تو فرمایا ہم نے ہر امت کے عبادت گزاروں کے لیے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حَضَرُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے فرمایا کہ



عید الاضحیٰ کے دن ہمارا سب سے پہلا کام نماز ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے بسا اوقات ایسا بھی کیا کہ عید کی نماز ادا کی اور متصلًا جانور بھی ذبح کیا۔ اس مقام پر آپ نے نماز کے لیے بھی نیک کا لفظ استعمال کیا ہے کہ عید کے دن ہماری پہلی عبادت نماز ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں قربانی کے لیے بھی نیک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسے قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام ۱۶۳) اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ آپ یوں کہیں کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جانوروں کا پروردگار ہے۔

فرمایا ہم نے ہر امت کے لیے عبادت اور قربانی کا ایک طریقہ مقرر فرمایا ہے فَلَا يُنَاكَرُ عَنْكَ خِافَ الْاُمْرِ لِنَاكَفَارٍ وَمُشْرِكِيْنَ کہ اس معاملہ میں آپ سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ تو خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانی کرتے ہیں۔ جب کہ وہ بتوں کی عظمت کے لیے جانور ان کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ ان کا فرض تھا کہ وہ قربانی کا وہی طریقہ اختیار کرتے جو اللہ نے ہر امت کے لیے مقرر کیا ہے، نہ کہ مشرکانہ طریقہ اختیار کرتے اور پھر جب ایک چیز اللہ کی طرف سے طے ہو چکی ہے تو انہیں اس معاملہ میں آپ کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ دین کی چار بنیادی چیزیں ہرنبی کے دور میں یکساں رہی ہیں اور یہ ہیں طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت۔ اسی بنیاد پر مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ہرنبی کی امت کے لیے دین ایک ہی رہا ہے اور ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور دیگر عبادات بھی مقرر ہیں۔ جب تمام امتوں کے لیے اللہ نے ایک طریقہ رائج کیا ہے۔ تو پھر یہ کافر اور مشرک لوگ اس کے خلاف کیوں کرتے ہیں اور آپ کے

ساتھ جھگڑا کیسے کرنے ہیں؟۔ ان کو تو چاہیے کہ آپ کا بتایا ہوا طریقہ اختیار  
کریں اور اہل ایمان سے جھگڑا نہ کریں۔

دعوتِ تمجید

اے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا وَادْعُ إِلَى سَبِيلِ  
آپ سب لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں لوگوں کو اُس کی توحید اور عبادت  
کی طرف بلائیں۔ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ آپ  
سیدھی ہدایت پر ہیں۔ اور اس ہدایت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عبادت صرف  
اللہ کی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ نہ کسی کو اللہ  
کی ذات میں شریک بنایا جائے۔ نہ صفات میں اور نہ عبادت میں آپ  
اسی بات کی لوگوں کو دعوت دیں۔ وَالسَّجَادُ لَوْلَا اور اگر یہ  
آپ سے جھگڑا کریں فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ تو آپ کہہ  
دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ وہ علیم کل ہے،  
مجھلا تمہاری بدکرداریاں اُس سے کیسے چھپ سکتی ہیں؟ محاسبہ کی منزل آنے  
والی ہے تمہیں اپنی ہر کارگزارمی کا حساب دینا ہوگا۔ آج تم حق کو ٹھکراتے ہو  
مگر قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہو گے۔ فرمایا اللہ يَحْكُمُ  
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان  
فیصلہ کرے گا فِي مَمَالِكُكُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ان معاملات  
میں جن میں تم بلاوجہ جھگڑا کرتے ہو۔ اُس دن اللہ تعالیٰ نیکی اور بدی کو واضح  
کرے دیگا اور پھر ہر ایک کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دیگا۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
 إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۴۰﴾  
 وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا  
 وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ  
 نَصِيرٍ ﴿۴۱﴾ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ  
 فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۚ يَكَادُونَ  
 يَسْطُونِ الَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا ۚ قُلْ  
 أَفَأَنْتُمْ بِشِرِّ مِمَّنْ ذُكِّرْتُ أَنْتُمْ وَالنَّارُ وَعَدَهَا  
 اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: کیا آپ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو  
 کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ  
 بات کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔ بیشک یہ بات اللہ  
 پر آسان ہے ﴿۴۰﴾ یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے  
 سوا اُن چیزوں کی کہ نہیں اتاری اللہ نے اُن کے بارے میں  
 کوئی دلیل، اور نہیں اُن کو اس بارے میں کچھ علم۔ اور نہیں  
 ہے ظالموں کا کوئی مددگار ﴿۴۱﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن کے  
 سامنے ہماری آیتیں واضح، تم پہچانو گے ان لوگوں کے چہروں

میں جنہوں نے کفر کیا ، ناگواری ، قریب ہے کہ یہ لوگ حملہ کر دیں  
اُن لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ہماری آیتیں۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر)  
کیا بتلاؤں میں تم کو اس سے زیادہ بُری بات ، وہ دوزخ  
کی آگ ہے۔ وعدہ کیا ہے اس کا اللہ نے اُن لوگوں سے  
جنہوں نے کفر کیا ، اور بُری ہے جگہ لوٹ کر جانے کی ﴿۴۲﴾

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں قربانی کا ذکر اور کفر و شرک کا رد تھا۔ اللہ نے توحید کے کچھ  
دلائل بیان فرمائے اور قربانی کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا  
ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ اس معاملہ میں کوئی جھگڑا کریں تو اللہ نے  
اپنے نبی کو فرمایا کہ آپ انہیں توحید کی طرف دعوت دیں ، نیز بتادیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری  
کارگزاریوں کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کہہ ہو اس کے متعلق وہ قیامت کو فیصلہ  
کر دے گا۔

متعلقات  
قربانی

گذشتہ آیات میں قربانی کا خصوصی ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے  
ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ معلوم دنوں میں لوگ علال ہوشیوں  
کو اللہ کا نام لے کر ذبح کریں۔ اس قربانی کو اپنی جان کا بدل سمجھیں اور اس طرح  
جذبہ قربانی کو زندہ رکھیں۔

امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے ہیں کہ ائمہ اہل سنت کے نزدیک قربانی واجب  
ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ، امام محمدؒ ، امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام  
ابو حنیفہؒ کے استاد الاساذ امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ قربانی صاحب نصاب  
مقیم آدمی پر واجب ہے ، مسافر کے لیے ضروری نہیں۔ حاجی بھی چونکہ مسافر ہوتا ہے  
اس لیے اُس پر بھی ہر سال گھر پر کی جانے والی قربانی واجب نہیں ہوتی۔ تاہم امام  
مالکؒ کے نزدیک ہر صاحب حیثیت پر قربانی ضروری ہے خواہ مقیم ہو یا مسافر۔  
البتہ شافعیؒ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی سنت مؤکدہ ہے۔



قربانی تین ایام یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو کی جاسکتی ہے صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ ایک سال حضور علیہ السلام نے تین دن سے زیادہ گوشت نہ کھنکھایا۔ ممانعت فرمادی۔ وجہ یہ تھی کہ اُس سال بہت سے غریب لوگ باہر سے مدینہ منورہ آگئے تھے اور اگر مدینہ کے لوگ قربانی کا گوشت زیادہ دنوں تک کے لیے محفوظ کر لیتے تو ان غریب کو کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ لہذا آپ نے فرمایا کہ اپنے لیے تین دن سے زیادہ گوشت نہ رکھو۔ چونکہ تین دن کی ضروریات سے زیادہ ہو، اُسے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ پھر اگلے سال آنحضرت علیہ السلام نے حکم دیا کہ سابقہ حکم منسوخ ہے اب گوشت خشک کر کے بچھنے دن تک چاہو رکھ سکتے ہو اس روایت میں چونکہ تین دن کا ذکر ہے اس لیے جمہور ائمہ کہہ م تین دن کی قربانی کے ہی قائل ہیں۔

امام شافعیؒ قربانی کو ایام تشریق کے ساتھ منسلک کرتے ہیں جو کہ چار دن ہیں یعنی دسویں تا تیسرے ذی الحجہ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ چار دن والی روایت میں راوی کو بیان کہہ نے میں غلطی ہوئی ہے۔ اُس نے بیان کیا ہے اَیَّامُ مَنًیٰ کُلَّهَا منحر یعنی منیٰ میں ٹھہرنے کے سارے دن (ایام تشریق) قربانی کے دن ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے قیام عرفہ کے متعلق فرمایا تھا العرفات کُلَّهَا مَوْقِفٌ یعنی سارا میدانِ عرفات موقف ہے، نو تارخ جہاں کسی کا جی چاہے ٹھہر جائے۔ البتہ اس میں وادیِ عرہ شامل نہیں جو مسجدِ نجرہ کے عقب میں نشیبی جگہ ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مزدلفہ میں ہر جگہ ٹھہر سکتے ہو سوائے وادیِ محسر کے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مانتھی والوں پر عذاب نازل فرمایا تھا جس کا ذکر سورۃ الفیل میں موجود ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مکے کی کلیاں اور بازار اور سارے میدانِ منیٰ میں جہاں چاہو قربانی کر لو۔ مگر آجکل انتظامی امور کے تحت حکومت وقت نے منیٰ میں قربانی کے لیے بعض قربان گاہیں مقرر کر دی ہیں اور حاجی لوگ ان مقررہ قربان گاہوں میں ہی قربانی کرتے ہیں

ہر خیمے میں قربانی کرنے سے عفا فی کاسلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے ایام تشریق کو کہیں بھی قربانی کے دن نہیں فرمایا، لہذا صحیح بات یہی ہے کہ قربانی صرف تین دن ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ قربانی دس تاریخ اور دو دن بعد ہے لہذا قربانی کے کل ایام تین ہی ہیں۔

اللہ کا  
علم محیط

اب اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّهُ مخاطب اکیا تو نہیں جانتا؟ اگر یہ بات تجھے معلوم نہیں تو جان لینا چاہیے اور اس پر قطعی یقین رکھنا چاہیے کہ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِشَكِّ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ قرآن پاک میں ہے وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ نہ صرف ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھتا ہے بلکہ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابِ كُنُوتَاتِ کی ہر چیز لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ لوح محفوظ کے اندراج کو تقدیر کہتے ہیں اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر ایمان ہے خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ (عبس - ۱۹) اللہ نے انسان کو پیدا کیا، پھر اُس کی تقدیر بنائی۔ صحیح حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں قَدَرَهُ مَقَادِيرِ الْخَلْقِ قَبْلَ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیر بنائی۔

تقدیر کی  
تین قسمیں

محدثین کرام تقدیر کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے نمبر پر تقدیر ارادی ہے یعنی کائنات میں جو کام بھی واقع ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر بھی کوئی چیز واقع ہو سکتی ہے تو اس کا عقیدہ مشرکانہ سمجھا جائے گا۔ تقدیر کی دوسری قسم علمی تقدیر ہے یعنی کائنات کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ

ہر چیز کو جانتا تھا، کہ فلاں چیز فلاں وقت پر ظاہر ہوگی۔ اور فلاں واقعہ اس طرح پیش آئیگا۔ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الملک - ۱۴) کیا وہی نہیں جانتے گا جس نے خود ہر چیز کو پیدا کیا؟ حالانکہ وہ باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ وہ تو ازل سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی واقعہ ہو چکی یا آئندہ پیش آنے والی چیز کو نہیں جانتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ سابقہ موجودہ اور آئندہ پیش آنے والی ہر چیز کو اللہ نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں بھی لکھ دیا ہے۔ اس مقام پر بھی یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ فرمایا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ یہ اُس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔ وہ تو قادر مطلق اور علیم کل ہے، اُس کے لیے کون سی بات مشکل ہے؟

غیر اللہ کی  
عبادت  
بلا دلیل

آگے اللہ نے مشرکوں کا رد فرمایا ہے وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَهُمْ بِهِ سُلْطَانٌ یہ لوگ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی سند اور دلیل نہیں فرمائی۔ غیر اللہ کی عبادت پر نہ کوئی عقلی دلیل پیش کی جاسکتی ہے، نہ نقلی اور نہ مشاہداتی۔ اسی لیے قرآن میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ کفر اور شرک کہہ نے والے بے پاس لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ (المؤمنون - ۱۱۷) قطعاً کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف آباؤ اجداد یا خاندان اور ببادری کے رسم و رواج کو ہی دلیل کے طور پر پیش کر سکتا ہے۔ جس کے متعلق اللہ نے فرمایا وَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (البقرہ - ۱۷۰) اگرچہ انکے آباؤ اجداد بے علم اور غیر ہدایت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں، مگر یہ بلا سوچے سمجھے اسی دھرم پر



چلتے جا رہے ہیں۔ ہاں اگر آباؤ اجداد صحیح راستہ پر ہوں تو پھر ان کا اتباع کرنا فخر کی بات ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی تو یہی کہا تھا۔ وَآتَتْهُمْ مَلَائِكَةُ أَبَائِهِمْ بِزَهَابٍ وَأَسْحَقَ وَيَعْقُوبَ (یوسف ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت پر چلتا ہوں اور انہی کا اتباع کرتا ہوں۔ آباؤ اجداد کے اختیار کردہ غلط راستے پر چلنا اندھی تقلید کہلاتا ہے۔

فرمایا مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جس کے متعلق نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے فَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ اور نہ ہی ان کے پاس اس چیز کا کوئی علم ہے۔ یہ تو پوچھا کی جانے والی چیز کی حقیقت سے ہی نا بلکہ ہیں۔ یہ لوگ بعض بے جان چیزوں سے حاجت روائی کرتے ہیں جو کہ ویسے ہی بے جان ہیں۔ یا ان کو اپنا سفارشی تسلیم کر کے ان کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ نے ان کا یہ بیان نقل فرمایا ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُواَنَا إِلَى اللَّهِ (الزمر ۳) ہم تو ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں یعنی ہمارے سفارش کرتے ہیں۔ بعض معبودوں کے متعلق یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال دی ہے۔ یہ اللہ کے محبوب ہیں اور اُس سے ہر بات منوا لیتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ باتیں ہیں جن کے پیچھے اندھی تقلید کا فرمایا ہے۔

فرمایا، یہ کتنے ظالم لوگ ہیں جو قادر مطلق، مختار مطلق اور علیم کل ہستی کو چھوڑ کر بے اختیار چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ کبھی کسی قبر سے مانگتے دیکھتے ہیں کبھی شجر و حجر کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور کبھی شمس و قمر سے حاجت برداری کرتے ہیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تمام انسان، ملائکہ اور جن اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ سے حاجتیں طلب کرتے ہیں کیسئلہ صکت



فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمن - ۲۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اسی مالک  
 الملک کی سوالی ہے۔ بھلا جو خود سوالی ہوں وہ دوسروں کی کون سی حاجت پوری  
 کریں گے؟ فرمایا وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ اس قسم کے ظالموں  
 اور مشرکوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ خدائے  
 وحدہ لا شریک کو چھوڑ کر مخلوق میں کمرہ مانا جائے اور اُن کے سامنے اپنی حاجت  
 پیش کی جائے۔ یہ ظالم لوگ ہیں جن کا کوئی پریشان حال نہیں ہوگا۔

توحید سے  
 چسپ

اللہ نے کفار و مشرکین کی ایک بری حرکت یہ بھی بیان فرمائی ہے۔ وَ  
 اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٌ جِبْ اُنْ كَسَلَتْ ہمارے واضح  
 آیتیں پڑھی جاتی ہیں تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرَ  
 تو تم کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات محسوس کرو گے۔ آیات الہی  
 کی تلاوت کافروں کے لیے سخت پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ سورۃ الزمر  
 میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ  
 اشْمَازَتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ  
 وَ اِذَا ذُكِرَ الذِّیْنُ مِنْ دُوْنِہٖ اِذَا هُمْ یَسْتَلْشِرُوْنَ  
 (الزمر - ۴۵) جب اُن کے سامنے صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو  
 اُن کے دل بگڑ جاتے ہیں، اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے  
 تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ آپ روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مشرک لوگ  
 توحید کے مسئلہ کو خشک مضمون سمجھ کر نہاک بھوں چڑھاتے ہیں مگر جب جھوٹی  
 کرامتیں، جھوٹے قصے اور بے بنیاد باتیں بیان کی جائیں تو خوب جھومتے  
 ہیں۔ تو فرمایا کہ توحید کے ذکر سے وہ ناگواری محسوس کرتے ہیں حالانکہ ایمان  
 والوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی صفت سن کر خوشی ہونی چاہیے۔ دین کی  
 توجہ اور بنیاد ہی توحید ہے مگر یہ لوگ توحید کے بیان پر سیخ پا ہو جاتے ہیں  
 فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْہِمْ

الْبَيْتِ قَرِيبٌ ہے کہ یہ لوگ حملہ آور ہو جائیں اُن پر جو ہماری آیتیں پڑھتے  
 ہیں۔ مشرکین کی ساری تاریخ پڑھ لیں۔ ہر نبی کے دور میں انہوں نے اپنے  
 نبی پر حملہ کیا۔ اس کی تحریب کی، جادو و گدہ کہا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں  
 فوج علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا اور پیغمبرِ آخر الزمان کو کونسی تکلیف تھی جو نہ پہنچانی  
 گئی ہو، محض اس لیے کہ وہ کہتے تھے اَنْ يَّقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ کہ  
 ہمارا پروردگار اللہ ہے، ہم اُس کے سوا کسی کو خالق، مالک اور لائق عبادت  
 نہیں مانتے۔ سائے انبیاء، اسی جرم کی پاداش میں ماریں کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ  
 بعض کو قتل بھی کر دیا گیا۔ بہر حال اسی طرح اہل بدعت اور غالی رافضی اور  
 شرک نواز لوگ بھی اہل توحید کی بات سنانا گوارا نہیں کرتے بلکہ بے اوقات  
 اُن پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی مثالیں آپ کو ہر جگہ ملیں گی۔ نواب آف  
 بہاولپور کی مسجد میں مولانا رحمت اللہ علیہ جیسے متذہب اور نیک سیرت عالم دین  
 کو ہم مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے خطبہ جمعہ کے دوران  
 قرآن پاک کی روشنی میں مسئلہ بشریت رسول بیان کیا، مگر اہل بدعت اُسے بدعت  
 نہ کر سکے۔ اسی مسئلہ پر اوکاڑہ میں دو طالب علموں کو شہید کر دیا گیا خود حضور  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں حضرت ابو جہم صدیقؓ پر حملہ ہوا۔  
 آپ کو آتنا پٹا گیا کہ سر کے بال اکھڑ گئے۔ آج بھی لوگ قرآن سے بدکتے  
 ہیں۔ دراصل مشرکوں کو توحید سے چڑھے۔ سورۃ البینہ میں ہے وَمَا  
 اَمْرُ وَاِلاَّ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (آیت ۵)  
 تمام کائنات کے لوگوں کو اللہ نے ہی حکم دیا ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ  
 لا شریک کی عبادت کریں، اسی کی غلامی اختیار کریں کیونکہ اُس کے سوا  
 کوئی معبود نہیں۔ جب یہ بات کی جاتی ہے تو وہ مرنے پر تیار  
 ہو جاتے ہیں۔ یہاں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔

ذٰلِكُمْ اَپ کُہہ دیکھئے کیا میں تبلاؤں تم کو اس سے بھی بری بات۔ یعنی  
 قرآن پاک کی آیات اور توحید الہی کا بیان سن کر چین بچیں ہونے سے بھی  
 زیادہ بری چیز النار دوزخ کی آگ ہے وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ  
 کَفَرُوْا جس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ  
 اُن کو ضرور اس آگ میں ڈالے گا۔ آج تو ان کو آیات الہی پسند نہیں آتیں مگر  
 قیامت کا دین آنے والا ہے۔ جب ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا۔  
 وَبِسُّ الْمَصِیْرِ اور یہ کوٹ کہہ جانے کی بہت ہی بُری جگہ ہے  
 جو خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کا مقام ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ  
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا  
وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَأَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۖ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۚ مَا  
قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۚ  
اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِمَّنِ  
النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَالْحُكْمُ لِلَّهِ تَرْجِعُ  
الْأُمُورُ ۚ

ترجمہ :- اے لوگو! بیان کی گئی ہے ایک مثال۔ پس اس

کو غور سے سنو۔ بیشک وہ لوگ کہ پکارتے ہو تم انکو اللہ کے سوا۔ ہرگز

نہیں پیدا کر سکتے۔ ایک مکھی بھی اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں

اس کے لیے۔ اور اگر چھین لے اُن سے مکھی کوئی چیز

تو نہیں چھڑا سکتے اُس کو اس سے۔ کمزور ہے طالب (طلب

کرنے والا) اور مطلوب (جو چیز طلب کی گئی ہے) ۚ

نہیں کی انہوں نے عظمت اللہ کی جیسا کہ اس کی عظمت کا

حق تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ زور والا اور کمال قدرت کا مالک



ہے ﴿۴۴﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام  
پہنچانے والے اور لوگوں میں سے بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ  
سننے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿۴۵﴾ جانتا ہے جو کچھ اُن  
کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ  
کی طرف ہی تمام امور لوٹائے جائیں گے ﴿۴۶﴾

رابط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے مشرکین کا رد فرمایا تھا وَكَيَبُدُّوْنَ مِنْ دُونِ  
اللّٰهِ مَا لَكُمْ لِيُنْزِلَ بِهٖ سُلْطٰنًا یہ لوگ ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے  
بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر کفر اور شرک کرنے والوں کی قباحت  
بیان کی کہ وہ حق بات یعنی آیات الہی کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ تاہم جب  
کبھی وہ یہ آیات سُن لیتے ہیں تو اُن کے چہرے بگڑ جاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم  
کو جو ناگواری آیات الہی کے سننے سے ہوتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ بُری بات  
یہ ہے کہ تم دوزخ کی آگ کا شکار ہونے والے ہو۔

شرکوں کے لیے  
سکھی کی مثال

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے کفر و شرک کا رد فرمایا  
ہے۔ اس سورۃ کی اہم ترین باتوں میں سے ایک بات شرک کی تردید بھی ہے۔ اس  
کے علاوہ ایمان کا مسئلہ ہے، رسالت کا بیان اور قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
جزائے عمل کی بات کی ہے، حج کے بعض مسائل اور بعض دوسرے ذیلی احکام بیان کیے  
ہیں۔ چنانچہ شرک کی تردید میں یہ مثال پیش کی گئی ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ  
مِّثْلُہٗ اے لوگو! ایک مثال کا اطلاق تمثیل اور واقعہ پر بھی ہوتا ہے، اور یہ لفظ عجیب و  
غریب چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو فرمایا، اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی  
فَاَسْتَمِعُوْا لَہٗ پس اے غور سے سنو۔ اس مثال سے مشرکوں کی بے سمجھی اور  
شرک کی قباحت ظاہر ہوتی ہے۔ اس مثال کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور مشرکوں  
کی سی قبیح حرکات سے باز رہنا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ يَشْكُوْنَ  
 جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، اُن کی حالت تو یہ ہے کہ تَحْتَلِقُوْا  
 ذُبَابًا وَّلَوْ جَمَعُوْا لَهٗ وَهٓ هِرَكَزٍ نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی اگر یہ وہ  
 سب کے سب اس کام کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ مکھی ایک حقیر جانور ہے  
 جو گندگی پر بیٹھتا ہے اور جسے کوئی دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ فرمایا اگر سارے  
 معبودانِ باطلہ مل کر بھی کوشش کریں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ فرمایا  
 مکھی کو تخلیق کرنا تو بڑی بات ہے کہ اس کا ڈھانچہ بنانا پڑے گا۔ اس کے  
 جسم کا سارا نظام قائم کرنا پڑے گا اور پھر اس میں جان بھی ڈالنا ہوگی۔ لطف  
 کی بات یہ ہے کہ وَ اِنَّ يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ اَكْمَرُ اگے مکھی ان سب سے کوئی چیز اچک کر لے جائے  
 تو وہ اس سے چھڑانے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ  
 دیکھو طلب کرنے والے اور طلب کی گئی چیز کتنے کمزور واقع ہوئے ہیں۔  
 سورۃ عنکبوت میں مکڑی کے جانے کو کمزور چیز فرمایا گیا ہے۔ اور ساتھ  
 یہ بھی کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ  
كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ (آیت ۲۵) اللہ کے علاوہ دوسروں کو کارساز  
 بنانے والے مشرکوں کی مثال مکڑی کی ہے اور مکڑی کا گھر سب سے کمزور ہوتا  
 ہے۔ گویا اللہ نے شرکیہ عقیدے کی کمزوری کو مکڑی کے جانے کے ساتھ  
 تشبیہ دی ہے جو سب سے کمزور چیز ہے۔ فرمایا جب یہ سارے معبود تھے کمزور  
 ہیں کہ مکھی سے کوئی چیز واپس لینے پر بھی قادر نہیں تو ان کو الٰہیت کے  
 مرتبہ پر بھٹانا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

مشرک لوگ بسا اوقات اپنے معبودانِ باطلہ کے سامنے سٹھائی، شہد،  
 دودھ یا دہی وغیرہ رکھتے ہیں تاکہ اُن کی رضا حاصل کر سکیں۔ ہنود بھی مختلف  
 چڑھائے بتوں پر چڑھاتے ہیں، مگر اللہ نے فرمایا کہ مکھی کو تخلیق کرنا تو کجا وہ

تو مکھی سے اپنی چھینی ہوئی چیز بھی واپس نہیں لے سکتے، وہ تمہاری حاجت روائی اور مشکل کشائی کیا کریں گے؟

اس آیت میں طالب اور مطلوب دونوں کو کمزور فرمایا گیا ہے۔ طالب سے مراد عبادت گزار اور مطلوب سے معبودِ باطل مراد لیا جاسکتا ہے، اور اللہ نے دونوں کے متعلق فرمایا کہ انہیں کچھ اختیار حاصل نہیں۔ وہ تمہاری پریشانیوں کو کیسے دور کر سکتے ہیں اور تمہارے بیماروں کو کیسے شفا دے سکتے ہیں، طالب سے مراد معبودِ باطل اور مطلوب سے مراد مکھی بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح معنی یہی ہو گا کہ جو ہستی ایک مکھی پر قدرت نہیں رکھتی، وہ تمہاری تمدنی و تنزیل کی کیسے ذمہ دار ہو سکتی ہے؟ اس قسم کے شرکیہ عقائد محض خام خیال ہیں اور ان کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ بہر حال مٹی اور پتھر کی بے جان مورتیاں ہوں یا کوئی جاندار ہستیاں ہوں، کسی کو کچھ اختیار نہیں ہے کہ وہ مافوق الاسباب کسی کی مدد کر سکیں۔

تصویر کشی

حدیث شریف میں تصویر کشی اور بت سازی کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تصویریں اور مجسمے بنانے والوں سے فرمائے گا کہ ذرا ان میں خاں تو ڈال کر دکھاؤ۔ تم نے شعبہ تو بنالی۔ میری تخلیق کی نقل تو اتار لی۔ اب ذرا اسے مکمل بھی کر دو۔ کوئی بڑی چیز نہیں بنا سکتے تو ایک چوینٹ ہی بنا ڈالو یا جو کا ایک دانہ ہی پیدا کر کے دیکھو پھر جب وہ الیا نہیں کر سکیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعَنَ اللَّهُ الْمُصَوِّرِينَ اللہ نے تصویریں بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ انسان کی تخلیق کے متعلق اللہ نے سورۃ اک عمران میں فرمایا ہے هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (آیت - ۶) اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ماں کے رحم میں تمہاری شکل و صورت بناتا ہے۔ جیسی چاہتا ہے۔ مصور حقیقی تو وہ ہے۔ جو لوگ اللہ کی اس صفت میں مشابہت پیدا کرنے کی

کوشش کرتے ہیں، وہ کہ تو نہیں سکیں گے مگر سخت عذاب میں ضرور پھنس جائیں گے۔

اللہ کی  
عظمت  
کی پہچان

فرمایا: مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ اِنَّ لَوُكُوْلٍ نَّالِ الشُّرْكَى وَه  
عظمت نہیں کی جو اُس کی عظمت کا حق تھا۔ انہوں نے بے اختیار اور عاجز  
چیزوں کو خدا تعالیٰ کا شرک ٹھہرایا۔ قدر کا معنی پہچانا بھی ہوتا ہے۔ اس  
لحاظ سے جلے کا مطلب ہوگا مَا عَرَفُوا اللَّهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ انہوں  
نے اللہ کو اُس طرح نہیں پہچانا جس طرح اُس کو پہچاننے کا حق تھا۔ اللہ تعالیٰ  
عظمت اور بزرگی والا ہے، وہ تمام اختیارات کا مالک ہے۔ اُس نے  
ہر چیز کو پیدا کیا ہے، مگر یہ ایسی ہستیوں کو معبود بناتے ہیں جن میں کوئی بھی  
ایسی صفت نہیں پائی جاتی، لہذا الوہیت کا منصب بھی صرف اللہ کے  
پاس ہے۔ حدیث شریف میں بھی معرفت الہی کا اشارہ ملتا ہے۔ حضور  
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا  
میں اہل کتاب کا مکن ہے۔ انہیں سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت  
دینا فَاِذَا عَرَفُوا اللَّهَ احب وہ اللہ کو پہچان لیں تو پھر انہیں پانچ نمازوں  
روزے، زکوٰۃ اور حج کی تعلیم دینا گو یا خدا تعالیٰ کی پہچان اولین چیز ہے اور  
دین کی پوری عمارت اسی بنیاد پر قائم ہونی چاہیے پہچاننے کو تو یہود، نصاریٰ  
مجوس ہندو وغیرہ سب کسی نہ کسی طرح خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں اور وہ اس  
کو پہچانتے ہیں مگر وہ صحیح طریقے سے نہیں پہچانتے جیسا کہ اس کو پہچاننے  
کا حق ہے۔ یہ لوگ حجابِ سورہ معرفت میں مبتلا ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدثؒ  
فرماتے ہیں کہ ان میں سے کچھ لوگ شرک میں مبتلا ہیں اور کچھ عقیدہ تشبیہ میں پھنسے  
ہوئے ہیں شرک یہ ہے کہ مخلوق میں خالق کی صفت مانی جائے اور یہ عقیدہ  
رکھا جائے کہ فلاں بھی مافوق الاسباب مدد کر سکتا ہے یا عالم الغیب ہے  
اور تشبیہ یہ ہے کہ مخلوق کی صفت خالق میں تسلیم کی جائے جیسے فَتَالُوْا



اَتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (الکہف - ۴) انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ اولاد رکھنا مخلوق کی صفت ہے۔ یہاں بھی پہچان غلط ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ تو ایسی چیزوں سے پاک اور منزہ ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس تنزیہ کے ساتھ پہچاننا چاہیے۔ اور اس کی طرف وہی صفات منسوب کرنی چاہیں جو اس کے لائق ہیں اگر غلط صفت کے ساتھ اللہ کو موصوف کیا گیا تو پہچان غلط ہو گئی۔ جو جہنم میں لے جانے کا باعث ہوگی۔

حجاب سورہ معرفت کا ذکر ہو چکا ہے، دوسری قسم کا حجاب حجاب طمع ہے۔ اکثر لوگ مادیت کے اس حجاب میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کو محسوس جلتے ہیں۔ وہ سب کچھ اسی دنیا کو سمجھتے ہیں، لہذا آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور وہ دائمی زندگی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ تیسری قسم حجاب رسم ہے۔ بعض لوگ عمر بھر رسم و رواج کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ موت و حیات کی رسومات ہوں یا شادی بیاہ کی، خاندانی رسم ہو یا ملکی رواج، ہمیشہ اسی کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں اور مالک حقیقی اور اس کے احکام کی طرف توجہ کا موقع ہی نہیں ملتا۔ بہر حال جو شخص ان تین اقسام کے حجابات سے نکل جائیگا اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان اُسی کو حاصل ہوگی اور وہی کامیاب ہوگا۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَفَّوْیْ عَزَّیْزٌ بَیْشَکُ اللّٰهُ تَعَالٰی زَبَدِ دَسْتِ طَاقَتِ وَلَا اُوَدُّ ہر چیز پر غالب ہے، اس کے ارادے اور مشیت کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں آتی، وہ کمال قدرت کا مالک ہے، علیم کل اور مختار مطلق ہے، تمام چیزوں پر مافوق الاسباب تسلط اُسی کو حاصل ہے۔

آگے فرمایا اللہ یصطفیٰ من المملکة رسلاً و من الناس المرسلین ہے جو فرشتوں میں سے رسولوں کا انتخاب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی تمام نبی اور رسول اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں اور اللہ کے ہاں سب سے مقرب ہوتے ہیں۔ رسولوں کا انتخاب محض

رسولوں کا  
انتخاب

اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہوتا ہے، کوئی فرشتہ یا انسان اپنی محنت اور کاوشوں کے بل بوتے پر رسول بننے کا حق نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی استعداد اور صلاحیت کو جانتا ہے اور وہ اسی کے مطابق نبی یا رسول کا انتخاب کرتا ہے فرشتے اگرچہ مجموعی طور پر سائے کے سائے نیک بندے ہیں اور بڑے درجات والے ہیں مگر ان میں سے بلند ترین مرتبہ والے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پیغام رسانی کے لیے منتخب کرتا ہے اس کے باوجود وہ باختیار نہیں ہیں بلکہ سارے کاموں کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

فَرَمَا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ط  
 اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے۔ یعنی وہ فرشتوں کے اگلے پچھلے تمام حالات سے واقف ہے، اور وہی سب پر کنٹرول رکھتا ہے وَالْحَکَمُ اللّٰہِ تَرْجِعُ الْأُمُورُ اور تمام معاملات خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹے جاتے ہیں۔ فرشتوں کے متعلق گذشتہ سورۃ انبیاء میں بھی گزر چکا ہے وَمَنْ عِنْدَهُ لَا یُسْتَكْبَرُ وَتَعْبَادَتِہٖ (آیت ۱۹) کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے نیک اور عاجز بندے ہیں۔ جو خود عاجز اور عابد ہیں، وہ معبود کیسے بن سکتے ہیں؟ جو اُن کو معبود تسلیم کرے گا۔ وہ جہنمی ہو گا۔ غرضیکہ بے جان اصنام ہوں یا مقربین الہی انبیاء اور ملائکہ ہوں، اُن میں سے کوئی بھی الہ بننے کا اہل نہیں ہے اور نہ وہ کسی کی غائبانہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام اور مرتبہ ہے مگر الوہیت کے درجے تک کوئی نہیں پہنچتا۔ سورۃ سبائ میں موجود ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرے گا، تو فرشتوں سے کہے گا، کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے۔ فرشتے جواب دیں سُبْحَانَکَ اَنْتَ وَلِیْنَا مَنْ دُونِہُمْ (آیت ۲۱) مولا کریم! تیری

ذات پاک ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ غریب کو فرشتے اپنی الوہیت کا انکار  
 کر رہے گئے۔ اور کہیں گے کہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ ہمیں اپنا کارساز بنا لیں  
 اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں شرک کی تردید فرمائی ہے اور یہ بات ایک سمجھی  
 کی مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔

---

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ  
 وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۷۸﴾ وَجَاهِدُوا فِي  
 اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ  
 فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۖ هُوَ  
 سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا  
 لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ  
 عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
 وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۖ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ  
 وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور عبادت  
 کرو اپنے پروردگار کی اور مہلاتی کے کام کرو تاکہ تم فلاح  
 پا جاؤ ﴿۷۸﴾ اور جہاد کرو اللہ کے واسطے جیسا کہ حق ہے  
 اس کے جہاد کرنے کا۔ اُس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے  
 اور تمہیں رکھا اُس نے تم پر دین میں کوئی حرج (تنگی)  
 لازم پکڑو ملت اپنے جدِ عبدِ ابراہیم علیہ السلام کی۔ اُس نے  
 تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اُس سے نیچے بھی اور اس  
 (قرآن) میں بھی، تاکہ رسول بنانے والا ہو تم کو اور تم



بتانے والے ہوں لوگوں کو۔ پس قائم کرو نماز اور ادا کھتے رہو زکوٰۃ، اور مضبوطی سے پکڑو اللہ تعالیٰ کو۔ وہی مختار مولا

ہے۔ پس بہتر مولا ہے اور بہتر مددگار ﴿۷۸﴾

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں مشرکین کی برائی اور قباحت کا ذکر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقے پر نہیں پہچانا وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کچھ اختیار حاصل نہیں۔ اس ضمن میں اللہ نے معبودانِ باطلہ کی بے بسی کو مکھی کی مثال دے کر بیان فرمایا کہ وہ تو مکھی جیسی حقیر چیز کو پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں، بلکہ اگر مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے واپس لینے کی طاقت بھی نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ دوسروں کی حاجت برداری کرے۔ اللہ کی ساری مخلوق خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کے سامنے عاجز ہے، لہذا اُن میں الٰہیت کا پایا جانا بعید از قیاس ہے۔ مشرکین کی طرف سے اُن کی پرستش نہایت ہی بے وفائی کی بات ہے۔

عبادتِ غیر اللہ کی

غیر اللہ کی پرستش کی مذمت بیان کرنے کے بعد اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کرنے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَعْبُدُوا رَبَّكُمُ

اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی۔

رکوع و سجدہ سے مراد نماز ہے کیونکہ یہ دونوں نماز کے اہم ارکان شمار ہوتے

ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے کے بعد سجدہ صرف اللہ کو روا ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ کا فرمان ہے لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا

لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ رَحْمَةً السَّجْدَةِ ۝ ۳۷

شمس و قمر کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا

ہے۔ سجدہ انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے

ہی روا ہے۔ رکوع اس سے ادنیٰ درجے کی تعظیم ہے مگر یہ بھی

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اسی لیے کسی کے ساتھ ملاقات کے وقت جھک کر رکوع کی شکل نہیں اختیار کرنی چاہیے کہ یہ مکروہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے انحنائے بھی منع فرمایا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ رکوع و سجود اور ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کی کر۔ یہ آیت امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت والی آیت ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ

سجدہ تلاوت کے نزدیک اس آیت میں مذکورہ سجدہ سے مراد نماز کا سجدہ ہے۔ لہذا اس کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم نہیں آتا۔ ان دو فضائے کرام میں اس معمولی سے اختلاف کے باوجود دونوں ائمہ قرآن پاک کے کل چودہ مقامات میں سجدہ تلاوت کے قائل ہیں امام شافعیؒ آیت زیرہ درس والے سجدہ کو سجدہ تلاوت مانتے ہیں۔ مگر سورۃ صٰہ کے قائل نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ

سورہ صٰہ کے سجدہ کے قائل ہیں مگر اس سورۃ کے سجدہ تلاوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ امام مالکؒ ساتویں منزل میں سورہ نجم، سورۃ الشقاق اور سورۃ علی کے تین سجدے تسلیم نہیں کرتے لہذا ان کے نزدیک پورے قرآن میں سجدہ ہائے تلاوت صرف گیارہ ہیں۔ غالباً ان تک وہ احادیث نہیں پہنچ سکیں جن میں ساتویں منزل کے سجدوں کا ذکر ہے اور جن کے مطابق خود حضور علیہ السلام نے ان مقامات پر سجدہ ادا فرمایا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ سجدات مؤکد ہیں اور تین غیر مؤکد۔

نماز اور عبادت کے حکم کے بعد فرمایا وَافْعَلُوا الْخَيْرَ بھلائی کے نیکی کے کام کام کرو۔ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ شرک اور کفر سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ خدا تعالیٰ کے سامنے تعظیم بجالاؤ اور اپنی پیشانی کو اُسی کے سامنے رکھو۔ شرک اور کفر میں انسان کی ہلاکت ہے جب کہ بھلائی کے کاموں میں فلاح ہے۔ بنیادی طور پر نیکی کے کاموں میں عبادت اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ اس کے علاوہ صلہ رحمی، مکارم اخلاق، مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی، غریب پروری، حق و انصاف کی شہادت وغیرہ سب نیکی کے کام

ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی عبادت کرو اور دیگر نیکی کے کام بھی انجام دو۔

جہاد فی  
سبیل اللہ

اگلی آیت میں اللہ نے جہاد کا بھی حکم فرمایا وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ  
جِهَادِهِ اللہ کی رضا کی خاطر جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ جہاد صرف  
قتال کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد ہے استعمال الوسع والطاقة  
فی مقابلة العدو وظاهراً وباطناً یعنی اپنی وسعت اور طاقت  
کے مطابق ظاہری اور باطنی طور پر دشمن کا مقابلہ کرنا "جہاد" کہلاتا ہے۔ اسی  
لیے کبھی جہاد کا معنی اصلاح نفس بھی ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں  
ہے وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یعنی مجاہد وہ ہے  
جس نے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔

میدان جنگ میں دشمن کے خلاف صف آرا ہو کر لڑائی کرنا بھی جہاد ہے  
ارشاد ربانی ہے وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ (التوبہ - ۴۱) اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔  
ابوداؤد شریف اور مسند احمد کی روایت میں ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ  
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّنَّةُ كُفْرُ كَافِرٍ اور مشرکوں کے ساتھ اپنے  
مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔ غیر مسلموں کے سامنے زبان کے ذریعے  
کلمہ حق ادا کرنا اور ان کو تبلیغ کرنا بھی جہاد میں داخل ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد  
مبارک ہے أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ  
جائیں یعنی ظالم حاکم کے روبرو کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے۔ کج روی گمراہوں کے  
شکوہ و شبہات دور کرنے کے لیے تحریر و تقریر کا استعمال بھی جہاد میں شامل  
ہے۔ مسئلہ دین کی وضاحت کے لیے کتاب رسالہ یا مضمون لکھنا قلمی جہاد ہے  
بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ اور محض معاوضہ لینا مقصود نہ ہو۔ پیسے لے کر اخبار  
میں صحیح غلطیہ قسم کا کالم لکھ دیا تو یہ جہاد نہیں ہوگا۔ علمائے حق نے حدیث  
کی کتابیں جمع کی ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث کی شرح بیان کی ہے اور دیگر  
۱۰ ترمذی ص ۲۵۲ ۱۱ ترمذی ص ۳۱۶ (فیاض)



دینی کتب تحریر کی ہیں، یہ سب جہاد میں داخل ہے۔ گمراہ فرقوں کے پویل کو زبانِ پاتھر پر ہی طور پر کھولنا بھی جہاد ہے۔ غرضیکہ اسلام کی دعوت دینا، اُس کی تعلیم کا بندوبست کرنا اور لوگوں کی روحانی تربیت کرنا بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے بعض نوجوان جان تو دے سکتے ہیں مگر مالی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ وہ جان کی بازی لگا کر علی جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں۔ بعض صاحب ثروت لوگ جسمانی طور پر جہاد بالسیف کے قابل نہیں ہوتے، وہ مالی جہاد کر سکتے ہیں اور جن کو اللہ نے زبان و قلم کی وسعت عطا فرمائی ہے وہ اس استعداد کو ذریعہ جہاد بنا سکتے ہیں۔

امام ابو بکر حباصؓ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں کہ کوئی بھی اہل ایمان جہاد سے مستثنیٰ نہیں۔ ہاں معذور لوگ اندھے، لنگڑے، مالی اور جسمانی طور پر کمزور مسلمان اس صورت میں مستثنیٰ ہیں اِذَا أَصْحَوْا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبہ ۹۱) جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہ ہوں۔ اگر وہ خیر خواہ بھی نہیں ہیں اور مجاہدین کے پیچھے ان کی برائی اور مذمت بیان کر رہے ہیں، یا غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں تو وہ مجرم ہوں گے، غرضیکہ ہر آدمی کو حرب استطاعت جہاد میں حصہ لینے کا حکم ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے لیے جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کے وسائل جہاد میں صرف ہونے کی بجائے برائی کے کاموں میں صرف ہو رہے ہیں۔ اخبارات بلاشبہ قلمی جہاد کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں مگر ان میں اکثر صوبہ واریت کی بات کی جاتی ہے اقتدار کی خاطر انتشار پھیلانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ غلط سیاست کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ دشمنان اسلام کے نظام کی تعریف و توصیف کا اہتمام ہوتا ہے اسلام کی بات برائے نام ہوتی ہے اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ کی طرف سے دشمنوں میں ڈالی گئی بات کی تشریح ہوتی ہے۔ اسی لیے بغیر سوچے سمجھے اخبارات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ جان بوجھ کر واقعات کو توڑ مڑ کر پیش

جہاد کے  
معاملہ میں  
غفلت



کرنا گمراہی کو تقویت دینے کے مترادف ہے۔ یہی حال دیگر ذرائع ابلاغ کا بھی ہے۔ مسلمانوں کے وسائل کس کام میں صرف ہوئے ہیں؟ آرٹ گیلریوں کی تعمیر و ترقی کے لیے لاکھوں روپے صرف ہوئے ہیں۔ مگر آج تک کسی حکومت کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ حدیث کی کوئی کتاب ہر شائع شدہ ہوئے۔ سونے کے تاروں سے قرآن کریم کی کتابت پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی ہے مگر اس کا فائدہ؟ نمود و نمائش کے سوا اس میں کیا رکھا ہے؟ اتنی رقم کاغذ پر قرآن مجید کی اشاعت پر صرف ہوتی اور قرآن کی تعلیم کا بند و بست ہوتا، اس کی تعلیمات پر عمل درآمد کو ممکن بنایا جاتا تو کوئی فائدہ بھی ہوتا۔

بعض مزارعوں پر سونے کے دروازے لگائے ہیں، اُن پر پٹرے پٹرے  
گیند تعمیر ہوئے ہیں، مینار بنائے گئے ہیں۔ یہ تو مشرکین کا شیوہ ہے اور اللہ  
نے اُن کی ذمّت بیان فرمائی ہے۔ بڑی بڑی عمارت تو کھڑی کر دی ہیں محض اللہ  
تو بتاؤ کہ تعمیر انسانیت کے لیے کتنا کام کیا ہے؟ غربت اور جہالت کو دور کرنے  
کے لیے کتنی مساعی کی ہیں؟ آج بھی ستر فیصد لوگ جاہل ہیں۔ ان کی جہالت کو کون  
دور کرے گا، یہی تو جہاد ہے کہ لوگوں تک علم کی روشنی پہنچائی جائے اور انہیں  
ضروریاتِ دین سے روشناس کرایا جائے۔ انسان کی عقلی اور دینی ضروریات  
کو پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، وہ اسے اپنا فرض سمجھ کر پورا کرے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت کی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔  
هُوَ أَجْتَبَ لَكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے تمہیں افضل الانبیاء کی  
 امت میں شامل کیا، قرآن حبیبی عظیم المرتبت کتاب عطا کی، اسلام کی دولت سے  
 نوازا مگر تم نے نہ قرآن کی قدر کی، نہ اسلام اور نہ ایمان کی۔ تمہارے نزدیک مال و  
 دولت، رسم و رواج، جاہالت، بے ایمانی اور بہائی کی قدر ہے۔ کاش کہ تم اللہ  
 کی نعمتوں کی قدر کر کے اس کے شکر گزرا رہے بن جاتے۔ فرمایا اس کا ایک  
 اور بڑا انعام یہ ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

امتِ محمدیہ  
کی خصوصیت

اُس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ تمہیں کوئی مشکل میں پڑنے والا حکم نہیں دیا۔ اس کے برخلاف آپؐ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں پڑھتے ہیں کہ اللہ نے انہیں کتنے سخت احکام دیے۔ انہیں کل مال کا چوتھا حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ جب کہ اس آخری امت کے لیے چالیسواں حصہ مقرر ہے مگر لوگ پھر بھی اس کی ادائیگی حیلوں بہانوں سے ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تو بہ ہی بعض اوقات قبول نہیں ہوتی تھی۔ جب تک وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے پچھڑے کے کثیر بچاریوں کی تو بہ اسی صورت میں قبول کی کہ اُن کے رشتہ داروں ہی نے اُن کو قتل کیا۔ اُن کے ہاں اگر قیمتی سے قیمتی کپڑے پر بھی پیشاب کی چھینٹ پڑ جاتی تو وہ دھونے سے پاک نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس حصہ کو کاٹنا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ایسی تنگی نہیں ڈالی۔ یہاں تو نجاستِ غلیظہ بھی کپڑے کو لگ جائے تو تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس امت کے لیے تو بہ کی قبولیت بھی آسان ہے، اگر کوئی شخص سچے دل سے تو بہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی تو بہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ نے بعض احکام میں بھی اس امت کو رخصت عطا کی ہے سفر میں ہے تو روزہ افطار کر سکتا ہے۔ تکلیف ہے تو نماز بھیڑ کر اور لیٹ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔ وضو نہیں کر سکتا تو تیمم کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری سہولتیں دی ہیں کیونکہ الدِّیْنُ یُسِّرُ اہمار دین آسان ہے، اس میں تنگی والی کوئی بات نہیں ہے۔

ملن ابراہیمی  
پر شائبہ قدی

ارشاد ہوتا ہے صَلَّۃٌ اَبَیْکُمْ اَبْرَہِیْمَ اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو لازم پکڑو۔ اللہ نے تم پر آسانی رکھی ہے جو ملت ابراہیم کا خاصہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی آخر الزمان کے تو بالفصل جد امجد ہیں۔ جب ہمارے نبی کے باپ ہیں، تو ہمارے بھی باپ ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے اَبَیْکُمْ کہہ کر خطاب فرمایا ہے آپؐ اسرائیلیوں کے بھی بالفعل باپ

ہیں کیونکہ سنی اسماعیلی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی طرح عرب کے لوگ بھی آپس کی براہ راست اولاد میں کیونکہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپس کے حکم کے لفظ سے ساری نسل انسانی کو خطاب فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ مَعَنَا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ عِلَلَاتٍ یعنی ہم پیروں کا گروہ سارے علاقے میں بھائی ہیں، جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہیں مطلب یہ کہ سب انبیاء کا دین تو واحد ہے مگر شرائع مختلف ہیں اس لحاظ سے بھی آپس کے حکم کا خطاب مناسب حال ہے۔

امت مسلمہ  
کی شہادت

ارشاد ہوتا ہے هُوَ سَيَقُومُ الْمُسْلِمِينَ اے لوگو! اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے هُوَ سے ابراہیم علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تَحْيَ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ (البقرہ - ۱۲۸) اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں باپ بیٹا کو اپنا فرمانبردار بنائے وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ اور ہماری اولاد میں سے امت مسلمہ بن جائے اور ان میں اپنا عظیم الشان رسول مبعوث فرما۔ امت مسلمہ اسی وقت کا رکھا ہوا نام ہے جس کا ظہور ہزاروں سال بعد ہوا۔ فرمایا اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا جس سے قبل اس سے پہلے بھی وَفِي هَذَا اور اس قرآن میں بھی تمہاری ہی نام ہے مسلمان کا معنی فرمانبردار اور اطاعت گزار ہے، لہذا تم اسم باہمی بن جاؤ۔

فرمایا اللہ نے تم پر یہ انعامات کیے ہیں لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ تاکہ اللہ کا رسول تم پر گواہ بن جائے وَتَكُونُوا شَهِدَاءَ عَلَى النَّاسِ اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ شہادت کا ایک معنی تو گواہی ہے اور یہ گواہی قیامت والے دن ہوگی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی کی شہادت دیں گے، اور پھر اس امت کے کئے لوگ پہلی امتوں اور ان کے پیروں کے حق میں گواہی دیں گے۔ شاہ عبدالقادر اس کا معنی یوں کہتے



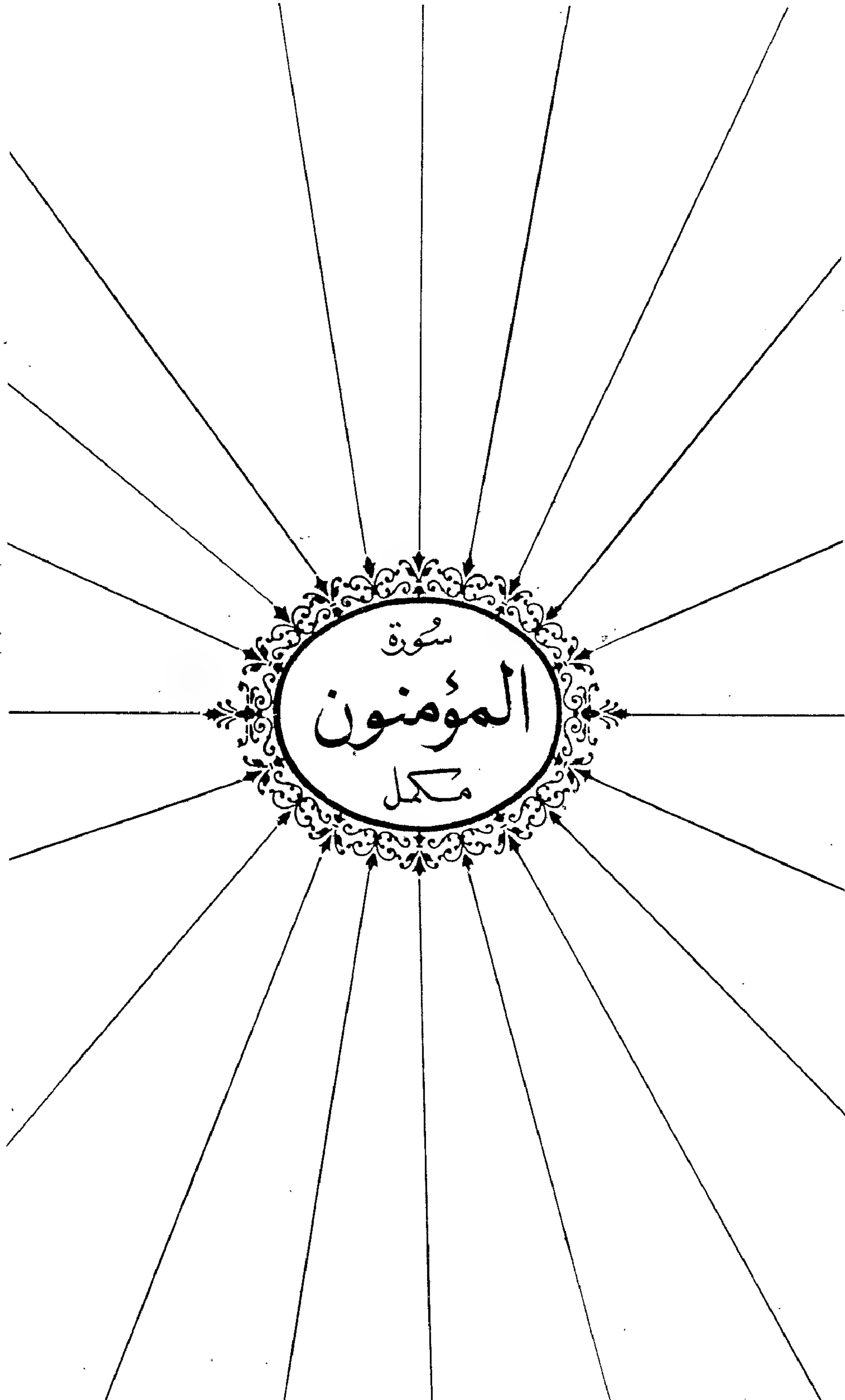
ہیں تاکہ رسول تمھارے سامنے حق و حقیقت کو ظاہر کرنے والا بن جائے اور تم حق و صداقت کی گواہی دینے اور اس کو ظاہر کرنے والے بن جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کا رسول تمھارا معلم بن جائے اور تم باقی لوگوں کے معلم بن جاؤ اور ان تک دین پہنچاؤ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے اولین مخاطبین قریش اور انصار نے اللہ کا دین آگے چلایا اور باقی دنیا کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا۔

خلاصہ سورۃ

بات قیامت کے زلزلے سے شروع کی، پھر توحید، رسالت، حج، جہاد، قرآنی کے مسائل بیان کیے جو کہ دین کی اہم ترین باتیں ہیں۔ اب آخر میں سورۃ کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ فَاقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ یہ دو عبادات ملت اسلامیہ کی کنیت کی علامت ہیں۔ ایک کے ذریعے اللہ سے تعلق درست ہوتا ہے۔ اور دوسری کے ذریعے مخلوق کے ساتھ میلانی ہوتی ہے آگے فرمایا وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو یعنی اپنی حاجات میں اسی پر اعتماد رکھو۔ تنگی، بیماری، تندرستی، راحت ہر حالت میں خدا کی ذات پر توکل رکھو، تمھاری مشکلات کو حل کرنے والی وہی ذات ہے۔ هُوَ مَوْلَاكُمْ وہی تمھارا کارساز ہے فَتِعْمَمُ الْمَوْلَىٰ وَتَعْمَمُ النَّصِیۡۃُ پس بہتر مولیٰ ہے اور بہترین مددگار ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی کی اطاعت کرتے رہو۔



042



سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ وَمِنْهَا ثَمَانُ عَشْرَ آيَةً وَفِيهَا سِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورۃ المؤمنون مکی ہے اور یہ اکیسوا اٹھارہ آیات اور اس میں چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ

خَاشِعُونَ ② وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ③

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ④ وَالَّذِينَ هُمْ

لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ⑤ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ⑥

فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ⑦

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ⑧

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ⑨ أُولَٰئِكَ

هُمُ الْوَارِثُونَ ⑩ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ

هُمُ فِيهَا خَالِدُونَ ⑪

تو حجامہ :- تحقیق کامیاب ہو گئے ایمان والے

لوگ ① وہ جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے

ہوتے ہیں ② اور وہ جو لغو (بیوردہ) بات سے

اعراض کرنے والے ہیں ③ اور وہ جو زکوٰۃ دیا کرتے

ہیں ④ اور وہ جو اپنے مقامِ شہوت کی حفاظت کرنے  
 والے ہیں ⑤ مگر اپنی بیویوں کے سامنے یا اپنی لونڈیوں  
 کے سامنے - پس بیشک وہ اس میں ملامت نہیں  
 کئے گئے ⑥ پس جو تلاش کرے گا اس کے سوا کوئی  
 اور راستہ ، پس یہی لوگ ہیں تعدی کرنے والے ⑦ اور  
 وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدِ پیمان میں رعایت  
 کرنے والے ہوتے ہیں ⑧ اور وہ جو اپنی نمازوں کی  
 حفاظت (نگہداشت) کرنے والے ہیں ⑨ یہی لوگ ہیں جو  
 وارث ہوں گے ⑩ وہ جو وارث ہوں گے جنت  
 الفردوس کے ، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ⑪

اس سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت میں آدھ لفظ المؤمنون کے نام پر رکھا گیا  
 ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورۃ سابقہ  
 سورۃ الحج کے معاً بعد نازل ہوئی۔ سورۃ ہذا ایک سو اٹھارہ آیات ، چھ رکوع ، ۱۸۴۰  
 الفاظ اور ۴۸۰۱ حروف پر مشتمل ہے۔

گذشتہ سورۃ  
 کے ساتھ  
 ربط

گذشتہ سورۃ کے آخری رکوع میں ہم پڑھ چکے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
 ارْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا وَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَفْعَلُوْا خَيْرًا لِّعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ  
 اے ایمان والو! رکوع و سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور بھلائی کے کام  
 کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اب اس سورۃ کی ابتداء میں بھلائی کے کاموں کی تشریح کی گئی  
 ہے جن پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ گویا گذشتہ سورۃ میں بھلائی کے  
 کاموں کی نوید سنائی گئی تھی اور اس سورۃ میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ جو لوگ بھلائی  
 کے کاموں کو بالفعل انجام دیں گے ، وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ اس سورۃ کا  
 گذشتہ سورۃ کے ساتھ ربط ہے۔



سابقہ سورۃ الحج کی طرح اس سورۃ میں بھی اسلام کے بنیادی اصولوں تو حید، رسالت اور قیامت کے متعلق ذکر ہے۔ رسالت کے بارے میں جو لوگ شکوک و شبہات ظاہر کرتے تھے اُن کو جواب دیے گئے ہیں تو حید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا سورۃ الانبیاء کی طرح اس سورۃ میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن میں حضرت نوح علیہ السلام، صالح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریمؑ شامل ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں وعدتِ ملتِ انبیاء کا ذکر بھی ملے گا۔ نافرمانوں کی گمراہی اور ناکامی کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

آج تو کفار و مشرکین اپنی ہرٹ دھڑکی پر اڑے ہوئے ہیں مگر قیامت کے دن اُن کی جو فضیلت (رسوائی) ہوگی، اُس کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اُس دن یہ لوگ درخواست کریں گے کہ انہیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ نیکی کا کام کر سکیں مگر اُن کی یہ خواہش قبول نہیں ہوگی۔ سورۃ ہذا کے آغاز میں مومنوں کے اوصاف بیان کر کے انہیں کامیابی کی بشارت سنائی گئی ہے جب کہ سورۃ کے آخر میں کفار کے متعلق فرمایا گیا ہے اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکَافِرُوْنَ یعنی وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جائیں گے۔

اس سورۃ میں بعض دیگر ضمنی مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں تاہم اس کا زیادہ تر حصہ بنیادی تعلیمات پر ہی مشتمل ہے دیگر مکی سورتوں کی طرح یہاں بھی مکارمِ اخلاق کی بات کی گئی ہے۔ اور نبی کریم اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی موجود ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات سے مستفید ہونے والوں کا نیک انجام اور اعراض کرنے والوں کا بُرا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

کامیاب مومنین  
رانا خورشید  
کمر نیوالے

سب سے پہلے مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے اور اُن کے

اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ تحقیق فلاح  
 پاگئے ایمان والے۔ یعنی اُن اہل ایمان نے کامیابی حاصل کر لی الَّذِينَ هُمْ  
فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع یعنی عاجزی کرنے  
 والے ہیں۔ خشوع کا معنی پست ہو جانا، دب جانا، عجز و نیاز مندی کا اظہار کرنا،  
 سکون اور تذلل اختیار کرنا ہوتا ہے۔ خشوع اعتناء جو ارجح کے ساتھ بھی ہوتا  
 ہے اور قلب کے ساتھ بھی۔ گویا نماز کی حالت میں قلب پوری طرح اللہ تعالیٰ  
 کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور تمام اعضاء کو بالکل پر سکون ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ  
 آنکھ سے ادھر ادھر دیکھنا بھی درست نہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے  
اَلْاَلْتِفَاتُ فِي الصَّلَاةِ هُلَاكَةٌ یعنی اس قسم کا فعل ہلاکت  
 کا باعث ہے غرضیکہ دوران نماز ہلا و وجہ کسی عضو کو حرکت نہیں دینی چاہیے  
 اور قلب میں عاجزی اور نیاز مندی ہونی چاہیے۔ جو لوگ اس معیار پر اترے  
 ہیں۔ انہیں کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔

(۲) لغویات سے  
 پرہیز کرنا

کامیاب مومنین کی دوسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ  
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ کہ وہ لغو یعنی فضول اور بیودہ چیزوں سے پرہیز  
 کرنے والے ہوتے ہیں۔ لغو بڑا جامع لفظ ہے، اس میں تمام ناپسندیدہ اشغال  
 مثلاً گانا بجانا، کھیل تماشہ، سینما، تھیٹر، بیودہ مجلس، عریانی، فحاشی، تصویر کشی،  
 بد اخلاقی، غیر اخلاقی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ وغیرہ شامل ہیں۔ غرضیکہ فضول  
 اور بیکار باتیں لغویات میں داخل ہیں جن کے ارتکاب سے فائدے کی بجائے نقصان  
 ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت  
 کی طرف رجحان رکھتے ہیں اور ایسے افعال انجام دیتے ہیں جو ان کے لیے دنیا و  
 آخرت میں مفید رہوں۔ سورۃ فرقان میں عباد الرحمن کی صفات میں سے  
 اللہ نے اُن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا  
 کما مآر آیت ۲۰، جب وہ کسی بیودہ چیز کے قریب سے گزرتے ہیں۔

تو شریفانہ طور پر گزر جاتے ہیں۔ یعنی اوسے توجہ ہی نہیں کرتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج اغویات ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ جن کی وجہ سے اخلاق، دین اور عاقبت کا نقصان ہو رہا ہے کام تو وہ ہونا چاہیے جس سے قوم ملت اور انسانیت کو فائدہ پہنچے۔ محض اپنے نفس کی تسکین کا انتظام کر لینا تو کوئی کام نہیں ہے۔ غل وہ ہونا چاہیے جس سے مخلوق خدا کی بہتری اور عاقبت اچھی ہو جائے تو فرمایا کامیاب مومنین وہ ہیں جو لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔

۳) زکوٰۃ  
میں داک

فرمایا ان کی تیسری صفت یہ ہے وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ سے مراد اصطلاحی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے جو ہر سال نصاب کے مال کا چالیسواں حصہ ادا کی جاتی ہے اور جو صاحب نصاب اہل ایمان کے لیے فرض ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر زکوٰۃ سے یہ زکوٰۃ مراد نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا حکم تو مدنی زندگی میں نازل ہوا تھا۔ اور یہ سورۃ مکی دور کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق یہاں پر زکوٰۃ سے مراد طہارت اور پاکیزگی ہے۔ اسی طرح جملے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی روں اور قلب کی پاکیزگی اختیار کرتے ہیں اور کفر و شرک کی نجاست سے بچتے ہیں اور اپنے آپ کو دیگر معاصی سے بھی بچاتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی طرح منقول ہے۔

تاہم صحیح بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مکی زندگی میں ہی نازل ہو گیا تھا۔ البتہ اس کا نصاب مدنی دور میں مقرر ہوا تھا۔ مکی زندگی میں زکوٰۃ کی مقدار مقرر نہیں تھی تاہم اپنے مال میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ زکوٰۃ کا حکم سورۃ المنزل میں بھی موجود ہے جو قرآن پاک کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے وَآتُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ ذِكْرًا وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (آیت ۲۰۰) بہر حال جس طرح نماز اور روزہ بدنی عبادت ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی انسان پر مالی حق ہے۔ مالی عبادت میں سے پہلا نمبر زکوٰۃ کا ہے اس کے بعد



واجبات اور نوافل وغیرہ آتے ہیں۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی صاحبِ نصاب پر فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کی صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔

۴ مقامات  
شہوت کے

ارشاد ہوتا ہے، کامیاب مومنین وہ ہیں وَالَّذِينَ كَفَرُوا لِيُحْضِرُوا حفظوں جو اپنے مقاماتِ شہوت کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ إِلَّا عَلَىٰ

أَزْوَاجِهِمْ اور شرعی لونڈیوں کے سامنے۔ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَكْمُومِينَ کہ ان پر کوئی

ملاست نہیں۔ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْعَادُونَ البتہ جو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا، تو یہی زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ قدرت نے انسان کے اندر میلانِ شہوانی فطری طور پر رکھا ہے جس کو فرو کرنے کے لیے اللہ نے صرف دو ذرائع بتلائے ہیں یعنی منکوحہ

بیوی اور شرعی لونڈی۔ پرانے زمانے میں لونڈی غلام کا رواج تھا۔ دورانِ جنگ ہاتھ آتے والے جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جو

شرعی لونڈی ہوتی تھی اس سے تمتع جائز تھا مگر اب پوری دنیا میں یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے لہذا شہوت رانی کا اب واحد ذریعہ منکوحہ بیوی ہی رہ گیا ہے

گویا اب اپنی بیوی کے علاوہ جو کوئی دوسرا ذریعہ استعمال کرے گا۔ اس کو اللہ نے تعدی کرنے والا فرمایا ہے۔

شہوت رانی کے غیر شرعی ذرائع میں زنا، لواطت، ہشت زنی، یا جانوروں کے ساتھ فعلی جیسے قبیح ذرائع شامل ہیں۔ قدیم زمانے میں بعض

لوگ ایک دوسرے کی لونڈی عاریتہ لے لیتے تھے، بعض فرقوں میں تمتع کو جائز قرار دیا گیا ہے یعنی کسی خاص مدت کے لیے نکاح کر لیا جائے اور

پھر اس مدت کے بعد خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے۔ یہ تمام ذرائع ناجائز ہیں اسی لیے شریعت نے نکاح عام کرنے کی تلقین کی ہے۔ نکاح کے راستے

میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے بلکہ اسے آسان بنانا چاہیے۔ رسمِ رواج



کی پابندیاں اور غیر ضروری چیز کی لعنت نکاح کے راستے میں رکاوٹیں ہیں، ان کو ختم ہونا چاہیئے تاکہ نکاح عام ہو۔ اس پر غیر ضروری پابندیاں ناجائز ذرائع اختیار کرنے کا موجب بنتی ہیں جس سے نسل خراب ہوتی ہے اخلاق اور دین بگڑتا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ کامیاب مومن وہ ہیں جو اپنے مقامات شہوت کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے شہوت کو فرو نہیں کرتے۔

انسان کا  
شہوانی  
میلان

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جس طرح ٹھوک پیاس وغیرہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی طرح اللہ نے شہوت کو بھی انسان پر مسلط کر رکھا ہے۔ انسانی جسم میں موجود مادہ تولید باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ ہر جائز یا ناجائز ذرائع سے ممکن ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ناجائز ذرائع پر پابندی لگا دی ہے تاکہ انسان کی نسل خراب نہ ہو، اور شہوت رانی کے بعد انسان اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرے، یہ اسی صورت میں ہوگا۔ جب انسان اپنی منکوحہ بیوی سے متمتع ہوگا۔ پھر وہ اپنی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری بھی اٹھائے گا۔ اور اگر محض شہوت رانی کرے انسان علیحدہ ہو جائے تو نہ وہ قانون کی پابندی کرنے والا ہوگا اور نہ اس کے نتیجے میں آنے والی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائیگا۔ یہی وہ قباحت ہے جو پوری انسانی سائنس کو خراب کرتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کی پابندی عاید کر کے معاشرے کو مہذب، متحضر اور ذمہ دار بنایا ہے اس طریقے سے نسل انسانی کی حفاظت بھی ہوگی، جس طرح ایمان اور عقیدے کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح نسل اور اخلاق کی حفاظت بھی ضروری ہے اور یہ نکاح کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔

ایک اچھی حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرتی حقوق کی حفاظت کرے، بے حیائی اور بااخلاقی کا قلع قمع کرے، بلکہ سب سے پہلے تو عقیدے

کی حفاظت ضروری ہے حکمران طبقہ چونکہ عام طور پر خود ملحد ہوتا ہے۔ اس لیے وہ عقیدے کی حفاظت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جس کی وجہ سے کفر، شرک اور بدعات فروغ پاتی ہیں۔ بہر حال نکاح کے لوازمات اور مرد و زن کی ذمہ داریوں کی تفصیل قرآن و سنت نے واضح کر دی ہے۔ جو ان کی پابندی کرے گا وہی کامیاب و کامران ہوگا۔

آج ہم دنیا بھر میں دیکھ رہے ہیں کہ شہوانی جذبات کے فرو کرنے میں خدائی قوانین کی پرواہ نہیں کی جا رہی، بلکہ مغرب کی تمدن دنیا میں تو خود ساختہ قوانین کے ذریعے خدائی احکام کے الٹ کیا جا رہا ہے۔ برطانوی قانون کے مطابق اگر دو مرد باہمی رضا مندی سے ہم جنسی کے مرتکب ہوتے ہیں تو قانون کی نظر میں ان پر کوئی جرم عاید نہیں ہوتا۔ اسی طرح امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے کئی دوسرے ممالک میں بالغ مرد و زن باہمی رضا مندی سے بدکاری کر سکتے ہیں، ان پر کوئی پابندی عاید نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ قانون کی نظر میں قصور وار ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر ان کا قانون حرکت میں آتا ہے، ورنہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کے متعلق فرمایا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل: ۳۲) زنا کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی اور بُرا راستہ ہے۔ زنا عقل اور دستور دین کے خلاف ہے۔ اور ہم جنسی تو زنا سے بھی زیادہ فحش ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ نکل کے راستے میں تو معاشرے نے طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی ہیں اور غلط راستہ کھلا ہے۔ فرمایا جائز ذرائع کے علاوہ جو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ تعدی کرنے والا ہوگا اور اللہ کے ہاں مانوڑ ہوگا۔

(۵) امانت اور عہد کے پانچ

پانچویں قسم کے کامیاب لوگ وہ ہیں وَالَّذِينَ هُمْ لَا يُخَالِفُوا عَهْدَهِمْ وَالْعُقُوبَ جِوَابِ امانتوں اور عہد کے پابند ہیں۔ امانت، ایک وسیع المعانی لفظ ہے جس کی ضد خیانت ہے۔ غفل، وصوف، نماز وغیرہ بھی

امانت میں داخل ہیں۔ ان کی پابندی کہ نہ گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ اگر کسی کے کام میں شُرکت کی ہے تو یہ بھی امانت ہے۔ کسی نے کسی کے پاس وصیت رکھی ہے تو یہ امانت ہے۔ کسی مجلس میں کوئی غفی صلاح مشورہ ہوا ہے تو وہ بھی امانت ہے۔ کوئی راز کی بات ہے تو اسے فاش نہ کرو کہ یہ تمھارے پاس بطور امانت ہے۔ اگر کسی سے کسی معاملہ میں کوئی عہد و پیمان کیا ہے۔ کوئی قول و قرار کیا ہے تو اس کو پورا کرو۔ امانت میں خیانت کرنا منافقوں کا کام ہے۔ فرمایا کامیابی اُن اہل ایمان کے حصے میں آئیگی جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان میں رعایت کرنے والے ہیں۔

(۶) محافظینِ نماز

ابتداء میں بھی نماز کا ذکر ہوا تھا، وہاں نماز میں خشوع و خضوع کرنے والوں کو کامیاب قرار دیا گیا تھا۔ اب آخر میں فرمایا وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ وہ مومن لوگ کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ نماز کیلئے وقت کی پابندی، شرائط کی تکمیل، طہارت، خشوع وغیرہ نماز کی حفاظت کرنے والی بات ہے۔ انسان کی فلاح کا دار و مدار حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہے۔ نماز تعلق باللہ درست کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب کہ زکوٰۃ مخلوق کے ساتھ تعلقات استوار کرتی ہے۔ اب نماز کی حفاظت کو بھی کامیابی کی کلید قرار دیا گیا ہے۔

جنت کی وراثت

ان تمام صفات کے حاملین کے متعلق اللہ نے فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ، الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ یہی لوگ ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کہ یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ خدائے رحمن کا عرش اسی جنت کے اوپر ہے۔ اس جنت سے نہریں پھوٹتی ہیں جو دوسری جنتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ فرمایا یہ لوگ اسی جنت الفردوس کے مالک ہوں گے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وہاں سے نہ نکلنے کا خطرہ، نہ زوال کا خدشہ اور نہ رستہ چھین جانے کا ڈر  
 ہوگا اللہ تعالیٰ دہلی کامیابی نصیب فرمائے گا۔



وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝  
 ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً ۖ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝  
 خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً  
 فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۖ ثُمَّ  
 أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝  
 ثُمَّ إِنكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝  
 ثُمَّ إِنكُمْ يُبْعَثُونَ ۝  
 وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ  
 طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَفِيلِينَ ۝

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے  
 خلاصے سے ۱۲ پھر ہم نے رکھا اُس کو قطرہ آب کی  
 شکل میں ایک جے ہوئے ٹھکانے میں ۱۳ پھر ہم نے  
 پیدا کیا قطرہ آب کو خون کا لوتھڑا - پھر پیدا کیا ہم نے  
 اس لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا - پھر ہم نے بنائیں گوشت  
 کے ٹکڑے میں ہڈیاں - پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنا  
 دیا - پھر ہم نے بنایا اس کو ایک اور صورت میں - پس  
 بڑی برکت والی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سب سے  
 بہتر پیدا کرنے والا ہے ۱۶ پھر تم اس کے بعد مرنے

والے ہو ⑮ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ⑯  
اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیے ہیں تمھارے اوپر سات  
طبقات، اور نہیں ہیں ہم مخلوق سے غافل ⑰

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی بعض صفایاں فرمائی ربطاً آیات  
ہیں اور نوپرسنائی ہے کہ جن لوگوں میں یہ اوصاف پائے جائیں گے ان کو کامیابی  
نصیب ہوگی اور وہ آخرت میں جنت الفردوس کے مالک بن جائیں گے۔  
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسئلہ تخلیق انسانی بیان فرمایا ہے کہ اس نے انسان  
کی تخلیق کن کن مراحل کے بعد کی۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ انسان اپنی طبعی عمر  
پوری کر کے فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے  
گا اور پھر حساب کی منزل کیسے اور جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

انسان کی  
اولین تخلیق  
مٹی سے

ان آیات میں اللہ نے تخلیق انسان کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔  
اُس نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے پیدا کیا  
جب کہ باقی نسل انسانی کو قطرۂ آب کے توسط سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی  
تخلیق کا ذکر فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ  
طِينٍ اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ صحیح حدیث  
میں آتا ہے کہ اللہ نے فرشتے کو حکم دیا کہ تمام سطح ارض سے چھانٹ کر مٹی  
مٹی لاؤ۔ تعمیل حکم کی گئی تو اسی مٹی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام  
کا ڈھانچہ تیار کیا، پھر اُس میں روح پھونچی تو وہ جتیا جاگتا انسان بن گیا۔ زمین کی  
مٹی مختلف مقامات پر مختلف نوعیت کی ہے، کہیں ریتلی ہے اور کہیں  
چکنی۔ کوئی مٹی سفید ہے، کوئی سُرخ اور کوئی سیاہ، کوئی پتھر ملی ہے اور کوئی  
بھر بھری، مٹی کی انہی خصوصیات کی وجہ سے انسانوں میں بھی مختلف خصوصیات  
پائی جاتی ہیں۔ مختلف علاقوں میں مختلف رنگوں کے لوگ پائے جاتے ہیں۔  
پھر ان کی طبیعتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، کوئی سعادت مند اور کوئی شر پسند۔

کوئی نرم طبیعت اور کوئی سخت طبیعت، کوئی صلح کن اور کوئی جنگجو، گویا اس مٹی کا اثر انسانی اخلاق پر بھی پڑتا ہے اور اسی لیے مختلف لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔

اگرچہ بارہ راست مٹی سے تخلیق صرف آدم علیہ السلام کی ہوئی تھی تاہم اُسکو تمام انسانوں پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ جن غذاؤں کے استعمال سے انسان کی پرورش ہوتی ہے اور نسل انسانی کی بقا کے لیے لطف کا سلسلہ چلتا ہے، وہ ساری کی ساری غذائیں مٹی ہی کی پیداوار ہیں۔ اناج، پھل، سبزی، وغیرہ جو انسان استعمال کرتے ہیں۔ وہ مٹی سے ہی اگتی ہیں۔ لہذا اس لحاظ سے بھی انسان کی تخلیق مٹی سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ گویا مٹی انسان کی اصل ہے، مرنے کے بعد پھر مٹی ہی اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور قیامت کو دوبارہ اسی مٹی سے انسان کو اٹھایا جائے گا۔ مٹی میں فطرتی طور پر عاجزی اور انکاری پائی جاتی ہے، لہذا جو شخص منکر المزاج ہوگا۔ وہ دراصل اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے والا ہوگا۔ جو کہ ایک اچھی صفت ہے۔ مٹی سے ابتدائی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کے فطری ذریعہ تخلیق کا ذکر فرمایا ہے **ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ** پھر ہم نے اُسے قطرہ آب کی شکل میں جمے ہوئے ٹھکانے یعنی رحم مادر میں رکھا۔ نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں جس میں کوئی میل کچیل یا کسی دوسری چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ انسان کا مادہ تولید بھی بایں معنی شفاف ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک ہی انسان کا مادہ ہوتا ہے اور اس میں کسی دوسرے شخص کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ غرضیکہ فرمایا کہ ہم نے مرد کے مادہ تولید کو عورت کے رحم میں رکھا اور پھر وہاں اُسے مختلف مراحل سے گزارا اور اس کی مختلف شکلیں بنائیں اور پھر اس سے مکمل انسان کو پیدا کر دیا۔ قرآن میں دوسری جگہ نطفہ کو **مَاءٍ مَّهِينٍ** بھی کہا گیا ہے یعنی یہ ایک حقیر پانی ہے جس کی ناپاکی

قطرہ آب سے  
تخلیق

میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر یہ کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا بھی اچھی طرح دھوئے بغیر پال نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ہے کہ جس راستے سے اس پانی کا اخراج ہوتا ہے وہ بھی نجاست آلود ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو حقیر پانی کہا گیا ہے اور پھر اس سے انسان عیسیٰ اشرف مخلوق کو پیدا کیا جو اس کی ساری مخلوق میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

رحم مادر میں  
تغیرات

فرمایا، ہم نے اس قطرہ آب کو رحم مادر میں مقرر جگہ پر رکھا۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْقَةَ عِلْقَةً پھر اس قطرہ آب کو خون کے لوہے میں تبدیل کیا۔ گویا چالیس دن کے عرصہ میں پانی کا یہ حقیر قطرہ خون کا لوہے میں بنا گیا۔ فَخَلَقْنَا الْعِلْقَةَ مَضْغَةً پھر ہم نے خون کے جمے ہوئے لوہے کو گوشت کے ٹکڑے میں بدل دیا۔ اس تبدیلی پر بھی چالیس دن کا عرصہ صرف ہوا۔ فَخَلَقْنَا الْمَضْغَةَ عِظْمًا پھر مزید چالیس دن کے عرصہ میں ہم نے اس گوشت میں ہڈیاں پیدا کر دیں۔

فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا یہ کورس بھی چالیس دن میں مکمل ہوا۔ ایک تحقیق کے مطابق انسانی جسم میں پانچ سو ہڈیاں ہیں جن کو جوڑ کر انسانی ڈھانچہ مکمل کیا جاتا ہے۔ ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ہی پکڑا ر مادہ تخلیق کرتا ہے اور ہڈیوں کو باندھنے کے لیے رباطات یعنی رسیاں بھی جسم کے اندر ہی پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ پھلیاں اور پھٹے ہوتے ہیں جن کے ذریعے ہڈیوں کو اس طریقے سے آپس میں باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسری سے مربوط ہو جاتی ہیں، اور پھر ان پر گوشت چڑھا کر انسانی اعضا کو مکمل کر دیا جاتا ہے فرمایا ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کے بعد ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ پھر ہم نے اس کو ایک نئی شکل و صورت میں لاکھڑا کیا۔ جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو پھر جسم پر کھال پیدا ہو گئی۔ بال آگ آئے، ناخن بن گئے اور



اندرونی اور بیرونی تمام نشیب و فراز بن گئے۔ ذرا غور کریں کہ کجا ایک حقیر قطرہ آب اور کجا ایک مکمل انسان جسکی آنکھیں، کان، دل کام کرنے لگتے ہیں۔ ایک خاص مدت کے بعد دل کی دھڑکن بھی شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تمام ساختوں میں خون گردش کرنے لگتا ہے اور جسم کی نشو و نما شروع ہو جاتی ہے۔ وگرنہ انسان تو اس قدر کمزور ہے کہ ساری دنیائے سائنس دان بھی مل کر ایک قطرہ خون نہیں پیدا کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ یہ کام کروڑوں فرشتوں کے ذریعے کرتا، جب کوئی شخص تخلیق انسانی کے ان مراحل پر غور و فکر کرتا ہے۔ تو اس کی زبان پر بے ساختہ خدا نے بلند برتر کی حمد کا ترانہ آجاتا ہے۔ فَتَكْبِرُ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ پس بڑی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے۔ انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہترین شاہکار ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم کے لفظ سے ہر صفت کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے انسان اس کی بہترین مخلوق ہے اس کی شکل و صورت اور اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا بہترین نمونہ ہیں۔

قدرت کا شاہکار

مفسر قرآن علامہ زحشریؒ قَسَمَ اَنَّهُ اَشَدُّ اَلْاَشْيَاءِ خَلْقًا اَخَرًا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس جملے سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے مرغی کا انڈا چھین کر اُسے مرغی کے نیچے رکھ دے اور اس سے بچہ نکل آئے تو وہ شخص صرف انڈا واپس کرنے کا ذمہ دار ہوگا نہ کہ انڈے سے نکلنے والا بچہ، اگر انڈا بیسر نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کر لیا وہ شخص بچہ واپس کرنے کا مکلف نہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اُسے دوسری شکل و صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس حصہ آیت سے واضح ہے میٹریکل سائنس والوں نے انسانی تخلیق کے نو ماہ کے عرصہ پر بڑی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کی ہے۔ اس عرصہ کے دوران ایک ایک لمحہ میں ہونے

یہی تحقیقات

والے تعجیرات کا خور و بینوں کے ذریعے مطالعہ کیا ہے جو کہ دس سال میں مکمل ہوا۔ ڈو الفری کی مشہور کتاب (TEN TEACHERS) (دس معلمین) میں اس تحقیق کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ گزشتہ کچھ عرصہ میں سائنسدانوں نے بڑی بڑی طبیعی تحقیقات کر کے دنیا کو نئی نئی چیزوں اور نئے نئے تجربات سے روشناس کرایا ہے بعض سائنسدانوں نے محض چوبیسویں پرچالیس سال تک محنت کی، ان کے تمام خدو خال، ان کے حرکات و سکنات اور ان کے معمولات و مشغولات کا مطالعہ کیا اور پھر انہیں کتابی صورت میں شائع کیا ظاہر ہے کہ بغیر محنت کے کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے تجربات اور مشاہدات ہی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اپنے عروج کے زمانے میں مسلمانوں نے بھی سائنسی تجربات کر کے میں بڑی بڑی محنت کی ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں ان کے مقابلہ کی کوئی قوم نہ تھی، اس سے پہلے رومیوں اور یونانیوں نے بھی بڑی بڑی مشقیں اٹھائیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کی۔ بعد میں ابن سینا جیسے مسلمان سائنسدان بھی پیدا ہوئے۔ اس شخص نے صرف سولہ سال کی عمر میں پانچ جلدوں پر محیط فن طب پر قانون نامی کتاب لکھی جس کے نتائج آج کے سائنسی دور میں بھی پچھتر فیصد تک درست ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اس شخص کا دعویٰ ہے کہ اس کا اصل موضوع تو فلسفہ ہے، طب کی تحقیق تو اس نے محض شغل کے طور پر اختیار کر رکھی ہے جب اُسے بادشاہ وقت نے وزارت عظمیٰ کی پیش کش کی تو اُس نے قبولیت کے لیے دو شرط پیش کیں۔ پہلی یہ کہ اگر کوئی مجھ سے علاج معلیٰ کے متعلق مشورہ طلب کرے گا تو مجھے وہ مشورہ دینے کی اجازت ہوگی، اور دوسری شرط یہ کہ اگر میرے طالب علم حصول علم کے لیے آئیں تو ان کو روکا نہیں جائیگا اور مجھے ان کی تشنگی دور کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ بادشاہ نے آپ کی یہ دونوں شرط تسلیم کیں اور وزارت عظمیٰ پر فائز کیا۔

افسوس کا مقام ہے کہ اب مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی نہیں رہا، ان کی صلاحیتیں تباہ ہو چکی ہیں، دوسروں کے غلام بن چکے ہیں اور اب ان کے پاس غیروں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں رہا۔

ایک کاتب  
وحی کا دفتر

حضور علیہ السلام کے زمانے میں آپ ایک شخص کو قرآن پاک لکھوایا کرتے تھے۔ جب آیت ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ کا نزول ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو لکھنے کے لیے کہا۔ جب وہ شخص یہ الفاظ لکھ چکا تو اُس کی زبان پر خود بخود یہ الفاظ جاری ہو گئے فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اُس پر اُس قدر اثر ہوا کہ وہ خالق ارض و سما کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ جب حضور علیہ السلام نے اُسے یہی الفاظ لکھنے کے لیے کہا تو شیطان نے اُس کے دماغ میں فتور پیدا کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ الفاظ تو پہلے ہی میری زبان پر جاری ہو چکے ہیں لہذا یہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ وحی کے نزول کا دعویٰ کر کے وہ شخص مرتد ہو گیا اور مکے چلا گیا، تاہم فتح مکہ کے بعد اللہ نے اُسے پھر توفیق بخشی اور وہ تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ تاریخ میں اس کے بڑے بڑے کارناموں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

انسان کی  
موت اور  
بعثت

آگے فرمایا ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ پھر اس کے بعد تمہیں موت آنے والی ہے کیونکہ اللہ رب العزت کا یہ اٹل فیصلہ ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران - ۱۸۵) ہر ذی جان کو موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ فرمایا ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ پھر تم قیامت والے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی اور تمہیں اسی دنیا کی کارکردگی کا پھل مل کر ہے گا۔

پیدائش انسان کا آغاز تھی۔ اس کے ساتھ اللہ نے انجام کا ذکر بھی کر

دیا۔ یہ سب باتیں توحید خداوندی کے دلائل ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت  
 اور قدرت سمجھ میں آتی ہے۔ یہ تو انسان کا اندرونی حال تھا، آگے اللہ نے بیرونی  
 مشاہدات کا تذکرہ بھی کیا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ  
 ہم نے تمہارے اوپر سات طبقات بنا ڈالے، طریق راستے کو بھی کہتے ہیں  
 اور طبقہ کو بھی۔ یہاں آسمان کے ساتھ طبقات مراد ہیں۔ اللہ نے ہر طبقہ  
 میں اپنی حکمت کے شواہد رکھے ہیں۔ فرمایا ہم نے ہر چیز کو تخلیق کیا وَمَا كُنَّا  
عَلَى الْخَلْقِ غَافِلِينَ اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔ یہ  
 سب کچھ پیدا کر کے اُسے ویسے نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی مسلسل نگہداشت  
 بھی کرتے ہیں اور ہر مخلوق کے لیے اُس کے مناسب حال سامان بھی مہیا  
 کرتے ہیں۔ یہ ہمارے علم و حکمت میں ہے کہ کس کو کیا چیز کس وقت میں  
 دینی ہے اور کس سے کیا چیز کب روکنی ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی  
 مخلوق سے غافل نہیں ہے۔ فیملی پلاننگ والے تو دنیا کو محض کسے بچانے  
 کے لیے بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں مگر وہ سارے پیکار محض ہیں۔ ہر جاندار  
 کی روزی کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے۔ اس کا واضح اعلان ہے  
وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا  
 (ہود - ۶) وہ پیدا کرے تا ہے تو روزی کے وسائل بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ  
 سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں۔ وہ وعدہ لا شریک ہے۔ یہ  
 دلائل قدرت دیکھ کر انسان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہیے  
 تاکہ اسے دائمی فلاح نصیب ہو سکے۔



وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَهُ فِي  
 الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿۱۸﴾ فَأَنْشَأْنَا  
 لَكُمْ فِيهِ جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ  
 فِيهَا فَوَاقٍ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً  
 تَخْرِجُ مِنْ طُورٍ سَيِّئًا تَنْبُتُ بِالذُّهْنِ وَصَبْغٍ  
 لِلَّائِكِلِينَ ﴿۲۰﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً  
 نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ  
 كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَىٰ  
 الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۚ ﴿۲۲﴾

ترجہ:۔ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی ایک  
 خاص انداز سے کے ساتھ۔ پس ہم نے اس (پانی) کو  
 ٹھہرا دیا زمین میں۔ اور بیشک ہم اس کو لے جانے  
 پر بھی قادر ہیں ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے پیدا کیے تمھارے  
 لیے اس (پانی) کے ساتھ باغات کھجوروں کے اور انگوروں  
 کے۔ تمھارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور  
 انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو ﴿۱۹﴾ اور ہم نے وہ  
 درخت اکایا جو نکلتا ہے طور پہاڑ سے اور وہ اگاتا ہے

تیل اور سالن کھانے والوں کے لیے ۲۰ اور بیشک  
 تمھارے لیے موشیوں میں البتہ عبرت کا سامان ہے  
 ہم پلاتے ہیں تم کو اُس سے جو اُن کے پیٹوں  
 میں ہے۔ اور تمھارے لیے ان موشیوں میں بہت  
 سے فائدے ہیں۔ اور بعضوں کو ان میں سے تم  
 کھاتے ہو ۲۱ اور ان جانوروں اور کشتیوں پر تم کو  
 اٹھایا (سوار کیا) جاتا ہے ۲۲

رابطہ آیات

اللہ تعالیٰ نے درسِ توحید کے سلسلے میں اپنی قدرت کے کچھ نمونے  
 بیان فرمائے ہیں۔ پہلے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر کیا اور پھر انتہائے عمر  
 تک کے حالات بیان کیے۔ درمیان میں اپنی کبریائی کا ذکر بھی کیا فَتَلْبِكُ اللَّهُ  
 أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی برکتوں والی اور بہترین خالق  
 وہی معبودِ بدعت ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس زندگی کے بعد اللہ نے انسان کی موت کا ذکر بھی کیا اور پھر قیامت کو دوبارہ  
 اٹھائے جانے کی بات ہوئی۔ اللہ نے آسمان کے سات طبقات کا ذکر بھی کیا اور یہ  
 بھی کہ اللہ کے فرشتے آسمانوں کے مختلف مقامات پر چلتے ہیں اور اس مقصد کے لیے  
 اُن کے راستے مقرر ہیں۔ اللہ نے آخر میں فرمایا کہ ہم اپنی پیدا کردہ مخلوق سے غافل  
 نہیں ہیں بلکہ ہم اُن کی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔

پانی کی نعمت

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی کچھ مزید نشانیوں کا ذکر کیا ہے  
 ابتداء میں پانی کا ذکر ہے وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُرًا اور ہم نے آسمان کی طرف  
 سے پانی نازل کیا۔ عربی زبان میں ہر بلند چیز پر سماء کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جس میں آسمان،  
 فضا اور بادل وغیرہ شامل ہیں۔ بارش بادلوں کے ذریعے برستی ہے اور یہ بھی فضا میں  
 ہوتے ہیں اس لیے یہاں بھی سماء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے

ہیں کہ سما سے مراد صرف بادل نہیں جو بارش کا ذریعہ بنتے ہیں، بلکہ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ بارش کے نزول کا حکم اُپر سے آتا ہے تو بارش بستی ہے، اور نہیں، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ نے فرمایا وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذّٰرِیّٰت: ۲۲)، یعنی "خاری روزی آسمان" میں ہے۔ وہاں سے جو آتا ہے تو روزی ملتی ہے اسی طرح جب اُپر سے اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے تو بارش بھی ہوتی ہے۔ تو فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا، اور یہ نزول بھی بِقَدَرِ ایک خاص انداز سے ہے۔ اُسے ہوتا ہے نہ کہ بے تحاشہ جس قدر اللہ کی مصلحت ہوتی ہے اس کے مطابق بارش ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات اللہ کی مصلحت میں ضرورت سے زیادہ بارش ہوتی ہے جس کی وجہ سے سیلاب آکر نقصان کا باعث بھی بنتے ہیں بہر حال بارش برسانے کے مقام، وقت اور مقدار کا تعین اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر موقوف ہوتا ہے۔ دراصل ہر چیز کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ جیسے فرمایا وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحج: ۲۱) ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم انہیں ایک خاص انداز سے کے مطابق اتارتے ہیں۔ بارش کا خزانہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور وہ اُسے اپنی مشیت کے مطابق نازل فرماتا ہے۔

فرمایا، ہم نے پانی اتار دیا فَأَسْكَنُوهُ فِي الْأَرْضِ اور پھر ہم نے اُسے زمین میں بکھیر دیا یعنی اس کو زمین کے اندر جذب کر لیا۔ بارش کا کچھ پانی زمین کی سطح کے اُپر رہ جاتا ہے، کچھ حصہ زمین جذب کر لیتی ہے اور کچھ حصہ زمین کی کچلی تہ میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے جو کہ عام طور پر پہاڑی علاقوں میں چشموں کی صورت میں بہ نکلتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَسَلَكَهُ يَمِينُ فِي الْأَرْضِ

(النمر - ۲۱) پھر اُسے زمین میں چھینٹوں کی صورت میں چلا دیا جس سے انسان اور حیوان سیراب ہوتے ہیں۔ پانی کے زیر زمین ذخیرہ سے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے جو انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی آبیاری کرتا ہے۔ البتہ ریگستانی علاقوں میں پانی بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس لیے اُسے نکالنے کے لیے بہت زیادہ محنت اور رقم درکار ہوتی ہے۔ بعض اوقات پانی میں تیل کی ملاوٹ بھی ہوتی ہے جسے بڑے بڑے پلانٹوں کے ذریعے صاف کر کے قابل استعمال بنایا جاتا ہے، آگے پانی کی اسی نمایاں کی طرف اشارہ ہے وَإِنَّا كَلَّا ذَهَابَ بِهَا لَقَدْ رُودَک اور ہم اس پانی کو کہیں دور لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کو اس پانی کے ذریعے انسان کی مصلحت منظور ہوتی ہے تو وہ اسے زمین پر برساتا ہے جس سے پھل، پھول اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑوں سے چشمے اور ندی نالے جاری ہوتے ہیں جو سارا سال پانی کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں۔ اور جب اُسے منظور نہیں ہوتا تو ایسی چٹانوں پر بارش برساتا ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ یا وہ زمین کے اندر اتنی دور لے جاتا ہے کہ اس کا نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے آسمان کی طرف سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل کیا اور پھر اُسے زمین میں کھرا دیا اور ہم اسے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔

پہاڑوں کی  
پیداوار

آگے اللہ نے نازل کردہ پانی کی افادیت کا ذکر کیا فَاَنْشَاْنَا لَکُمْ بِہٖ جَنَّاتٍ مِّنْ حٰثِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ اس کے ذریعے ہم نے تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے۔ یہ جب پانی میسر آتا ہے تو سنہرے، درخت اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ یہاں پر اللہ نے باغات کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی خاص طور پر کھجور اور انگور کا کیونکہ یہ دونوں پھل انسان کے لیے نہایت ہی کارآمد ہیں۔ کھجور ایک سدا بہار درخت ہے جس کا پھل جلد ہی خراب



نہیں ہوتا اور یہ سارا سال بطور غذا استعمال ہو سکتا ہے۔ صحرائی علاقوں میں غذا کا سب سے بڑا ذریعہ کھجور ہی ہے۔ اسی طرح انگور بھی بڑی کارآمد چیز ہے۔ یہ پھل بیک وقت غذا اور مشروب کا کام دیتا ہے۔ اس کے استعمال سے خون کثرت سے پیدا ہوتا ہے جو انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ انسانی جسم کے لیے شکر بھی نہایت ضروری ہے اور انگور شکر کی بہترین قسم مہیا کر کے انسان کو تندرست و توانا رکھتا ہے۔ گرم ممالک کا انگور زیادہ میٹھا نہیں ہوتا، البتہ سرد علاقوں کا انگور بہت شیریں ہوتا ہے۔ ہمارے صاں افغانستان، روس اور ایران کا انگور کمال درجے کا میٹھا ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں پھل نہایت مفید ہیں، اس لیے ان کا یہاں پر خاص طور پر ذکر لگایا ہے

فَرَمَاكَ كَغَرْفَتِهَا فَوَالَهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ

تمھارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ یہ دونوں پھل نہایت لذیذ، مقوی اور دیرپا ہیں، اور یہ سارا سال استعمال ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں کھجور کو سرد مومن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس طرح ایک ایماندار آدمی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا ہے، وہ مکارم اخلاق کا نمونہ ہوتا، خدمتِ خلق اس کا وظیفہ ہوتا ہے اسی طرح کھجور کا درخت بھی ہمیشہ سرسبز رہتا ہے اور اس کا پھل ہمیشہ کارآمد رہتا ہے۔

زیتون کا  
درخت

آگے ایک اور درخت کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ ہم نے پانی کے ذریعے ایک اور درخت پیدا فرمایا جو طور سینا سے بکثرت نکلتا ہے۔ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے یہ اگرچہ دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے مگر اس کا اصل وطن طور سینا یعنی سرزمین شام و فلسطین ہے۔ اس خطہ کی زمین اس درخت کے لیے زیادہ موزوں ہے اسی لیے یہ درخت وہاں پر پھل بھی زیادہ دیتا ہے۔ اس درخت کی خصوصیت

یہ ہے تَنْبُتُ بِاللَّهْثِ یہ تیل یا روغن اگاتا ہے۔ زیتون میں تیل کی مقدار بکثرت موجود ہوتی ہے جو کہ دوائی اور غذائی لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی ایک بیماریوں میں اس تیل کی ہاش بہت مفید ہے، اور مشرق وسطیٰ کے اکثر ممالک میں کھانا پکانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ تیل گھی کا کام بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وَصْبِغٍ لِلْأَكْلِینِ یہ کھانے والوں کے لیے سالن کا کام بھی دیتا ہے عام طور پر لوگ سالن میں روٹی کا لقمہ ڈبو کر کھاتے ہیں۔ تاہم جن علاقوں میں زیتون بکثرت ہوتا ہے وہاں اس کے ساتھ روٹی بھی کھاتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب و غریب قسم کا درخت پیدا کیا ہے جس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے اور اس کا روغن بھی مختلف طریقوں سے استعمال ہوتا ہے، اس درخت کی طویل العمری کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث فرماتے ہیں کہ شام و لسیطین کے علاقے میں زیتون کے بعض درخت دو ہزار سال پرانے ہیں اور یہ یونانیوں کے زمانے سے پھل دیتے آئے ہیں۔ اس کا چھلکا اور پتے بھی کارآمد ہوتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کُلُوا الزَّيْتِ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونِ کا تیل بھی کھاؤ اور اس کی ہاش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت کی پیداوار ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ بعض نبیوں نے اس کی برکت کے لیے دعائیں کیں، اس لیے اللہ نے اس کو بابرکت بنایا ہے۔

مردمان کا  
دور دور

زمینی پیداوار کے تذکرے کے بعد اللہ نے فرمایا **وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً** بیشک تمھارے لیے چوپاؤں میں عبرت کا سامان ہے یہ جانور مختلف طریقوں سے تمھاری خدمت کرتے ہیں۔ تم نہ صرف ان کے بال، کھال، اون اور گوشت استعمال کرتے ہو، اور بعض سواری اور بار برداری کے کام بھی آتے ہیں، بلکہ **نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا** ہم تمہیں

پلاتے ہیں اُس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے دودھ  
 مراد ہے جس کے متعلق سورۃ النحل میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے  
 نَسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ  
 لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ (آیت ۶۶) ہم تمہیں موشوں  
 کے پیٹوں کی چیز پلاتے ہیں جو گوبر اور خون کے درمیان سے گزرتی ہے اور یہ  
 خالص دودھ ہے جو نہایت خوشگوار ہے۔ اللہ نے جانوروں کے پیٹ کے  
 اندر ایسا ملک پلانٹ لگا دیا ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے  
 کہ لیس شئی یجزء مکان الطعام والشراب غیر اللبن  
 (ترمذی ص ۵۸۲) یعنی دودھ کے قاعلم مقام دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔ جو  
 کھانے اور پینے دونوں کے لیے کفایت کرے۔ یہ ایسی بے مثال چیز ہے  
 جو بیک وقت غذا اور مشروب کا کام دیتی ہے۔ خود جانوروں کے بچے کچھ عرصہ  
 تک اسی دودھ پر گزارہ کرتے ہیں اور انسانوں کے بچے تو دو ارہائی سال تک  
 دودھ پیتے رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ دودھ  
 کی نعمت عطا کرے اسے یوں دعا کرنا چاہیے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ لے  
 اللہ! اس میں ہمارے لیے اضافہ فرما۔ دیگر نعمتوں کے متعلق حکم ہے کہ  
 اس کا شکریہ ادا کرو اور ساتھ دعا کرو کہ اے اللہ! ہمیں اس سے بہتر  
 نعمت عطا فرما، مگر دودھ میں صرف اضافہ کی دعا ہے کیونکہ اس سے بہتر  
 کوئی چیز نہیں۔ اس میں انسانی غذا کے تمام عناصر من جملہ شکر، پروٹین، کیلشیم  
 نمکیات، نشاستہ، وٹامن اور روغنیات پائے جاتے ہیں۔ جس طرح مصنوعی  
 گھی اصل گھی کا بدل نہیں اسی طرح مصنوعی دودھ بھی خدا کے پیدا کردہ دودھ  
 کا کسی طور پر مقابلہ نہیں کر سکتا۔

موشوں کے  
 دیگر فوائد

فرمایا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ مِّمَّا تَهْتَكُونَ لے ان جانوروں  
 میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ ان کی کھال، اون، پشیم، ہڈیاں، چربی



اور سینگ وغیرہ سب مفید چیزیں ہیں اور انسانوں کے کام آتی ہیں۔ نیز  
 وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ تم ان میں سے کھاتے بھی ہو، یعنی ان کا گوشت تمہاری  
 خوراک کا حصہ ہے۔ یہ وہی چاقوم کے حلال جانور اونٹ، گائے، بھیر اور بکری  
 ہیں جن کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور جنہیں انسانی صحت کے ساتھ خصوصی  
 مناسبت ہے۔ اسی لیے یہ جانور روحانی اور جسمانی لحاظ سے انسان کے لیے  
 مفید ہیں۔ یہ خلاف اس کے انسانی صحت پر منفی اثرات ڈالنے والے جانوروں  
 کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حرام جانور کھانے  
 سے اخلاق پر بھی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً خور جانوروں کا گوشت  
 کھانے سے انسان میں بھی درندگی والی صفت پیدا ہوتی ہے۔ گتا، بلی، شکرہ،  
 باز وغیرہ کھانے سے چھینا چھشتی کی خصلت پیدا ہوتی ہے اور خنزیر کا گوشت  
 استعمال کرنے سے بے غیرتی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

سواری کے  
 ذرائع

فرمایا وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ اور بعض جانور ایسے  
 ہیں جو سواری کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح کشتیاں بھی تمہارے لیے نقل و حمل کا ذریعہ  
 ہیں۔ جانوروں میں اونٹ، گھوڑا، خچر، گدھا، بیل وغیرہ ایسے جانور ہیں جو قدیم زمانے  
 سے نقل و حمل کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ اگرچہ سائنسی دور میں اب تیز ترین  
 سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں مگر قرآن پاک کے نزول کے زمانے میں یہی سواریاں تھیں  
 جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض دور افتادہ مقامات میں اب بھی یہی سواریاں کام دیتی  
 ہیں۔ سورۃ النحل میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اونٹ، گھوڑے اور گدھے تمہاری سواریاں  
 اور زینت کا سامان ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت - ۸)  
 ان کے علاوہ اللہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ ظاہر ہے  
 کہ اس جملے میں وہ تمام سواریاں آجاتی ہیں جو اُس زمانے میں نہیں تھیں مگر  
 قیامت تک ایجاد ہوتی رہیں گی۔ اس وقت ہمارے ملنے سائیکل، موٹر سائیکل  
 موٹر کار، ریل گاڑی، بحری جہاز اور ہوائی جہاز جیسی سواریاں موجود ہیں، جو آج تیز ترین



سواریاں سمجھی جاتی ہیں۔ آج یہ ہوائی جہاز ہی ہے جس کی بدولت پاکستان کے ساٹھ ستر ہزار حاجی ہزاروں میل کا سفر طے کرتے ہیں اور چار ہفتے میں حج کمرے کے واپس آجاتے ہیں۔

اس زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں جو سواری اور بار برداری کا کام دیتی تھیں یہ کشتیاں ہوا کے رُخ پہ چپوڑوں کے ذریعے چلتی تھیں۔ ان پر بڑے بڑے بادبان باندھ دیے جاتے تھے۔ مگر اب بحری سواریوں کے لیے موٹر لائینجیں اور بڑے بڑے بحری جہاز ایجاد ہو چکے ہیں جو تیز رفتار بھی ہیں اور لاکھوں ٹن سامان ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاتے ہیں۔ یہ تو اس زمانے کی بات ہے، ہو سکتا ہے کہ آمدہ زمانے میں اس سے بھی مفید سواریاں ایجاد ہو جائیں جن سے آج ہم بے بہرہ ہیں۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جن جانوروں اور کشتیوں کے ذریعے تم اپنی ضروریات پوری کر رہے ہو۔ یہ خدا کی قدرت کے نمونے ہیں۔ اگر اب بھی تم اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ مخلوق کو خدا کی کرسی پر بٹھاتے ہو، تو اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

یہاں پر کشتی کے ذکر کی مناسبت سے اگلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ، قیامت، توحید اور دلائل قدرت کا ذکر آ رہا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ  
 اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ②٣  
 فَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا  
 إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ  
 شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَكًا مِّنَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا  
 الْأَوَّلِينَ ②٤ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ فَنَرَبَّصُوا بِهِ  
 حَتَّىٰ حِينٍ ②٥ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ②٦  
 فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا  
 وَوَحَيْنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ  
 فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ  
 سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي  
 الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ②٧ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ  
 أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
 الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ②٨ وَقُلْ رَبِّ  
 أُنزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ②٩ إِنَّ  
 فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ③٠

توجہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام کو (رسول بنا کر) اُن کی قوم کی طرف۔ پس انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے سوا کوئی معبود۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟ (۲۳) تو کہا سربراہِ مردہ لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اُن کی قوم میں سے۔ نہیں ہے یہ شخص مگر انسان تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ بڑائی حاصل کرے تمہارے مقابلہ میں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اتارنا فرشتوں کو (وہ رسول ہوتے)۔ ہم نے نہیں سنا اس بات کو جو یہ شخص کہتا ہے اپنے اگلے باپ دادوں سے (۲۴) نہیں ہے یہ مگر ایک شخص جو مجنون ہے۔ پس انتظار کرو اس کے بارے میں ایک وقت تک (۲۵) کہا نوح نے اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہے مجھ کو (۲۶) پس ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بناؤ تم کشتی ہمارے سامنے ہمارے حکم سے۔ پس آئے گا ہمارا حکم، اور جوش مارے گا تنور۔ پس ڈال دینا اس رکشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو، اور اپنے گھھر والوں کو مگر وہ جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے ان میں سے۔ اور نہ مجھ سے بات کرنا اُن لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا بیشک وہ غرق کیے جائیں گے (۲۷) پس جب تو بیٹھ جائے چڑھ کہ کشتی پر اور جو تیرے ساتھ ہیں۔ پس کہو، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نجات دی ہمیں ظالم قوم

سے (۲۸) اور کہو، اے میرے پھر دو گار! اتارنا مجھ کو اچھی طرح برکتوں والا اتارنا، اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے (۲۹) بیشک البتہ اس میں نشانیاں ہیں اور بیشک ہم البتہ آزمانے والے ہیں (۳۰)

رہط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کی نشانیاں اور توحید کے عقلی دلائل بیان کیے جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے۔ اللہ نے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان کیے، آسمان کے طبقات اور پانی کے نزول کا ذکر کیا۔ زمین میں پانی کی ذخیرہ اندوزی کی طرف اشارہ کیا اور اس کے ذریعے باغات، سبزہ، پھل اور اناج کی پیدائش کو مصنوع سخن بنایا۔ زیتون کے درخت کا خصوصی ذکر کیا کہ یہ کھانے اور مالش کرنے کے کام آتا ہے اور اس کو اللہ نے بڑا بابرکت بنایا ہے۔ پھر اللہ نے جانوروں کا ذکر کیا کہ اُس نے اپنی قدرت نامہ سے جانوروں کے پیٹوں میں دودھ جیسا لذیذ اور غذائیت سے بھرپور مشروب پیدا کیا ہے جو تم استعمال کرتے ہو۔ اس کے علاوہ جانوروں سے بے شمار دیگر فوائد بھی حاصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کی افادیت بھی بیان کی جو قدیم زمانے سے انسانوں کے لیے نقل و حمل کا کام مے رہی ہیں۔ ان تمام چیزوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت اور دلائل توحید کے طور پر کیا۔

کشتی کے ذکر سے متصل اللہ نے آج کے درس میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں نے دنیا کی اولین کشتی تیار کی اور آپ کے واقعات میں اس کشتی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں پر اللہ نے اپنی وحدانیت کے نقلی دلائل بیان کیے کہ تمام انبیاء نے سب سے پہلے اللہ کی توحید کا درس دیا۔ اور یہی چتر حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے سامنے پیش کی۔ بہر حال آج کی آیات کو گزشتہ آیت کے ساتھ کشتی کے ذکر کی مناسبت ہے۔





فرشتوں کو اس کام پر مامور کرتا۔ بھلا ایک معمولی انسان کو یہ فرض کیسے تفویض کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب اللہ نے دو کمر مقام پر دیا ہے قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (بنی اسرائیل - ۹۵) اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ہم اُن کی طرف لازماً کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ اس زمین پر انسان آباد ہیں، لہذا اُن کی طرف انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ بہر حال ان کا اعتراض یہ تھا کہ انسان رسول نہیں ہو سکتا۔ ان کی دلیل یہ تھی مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ کہ ہم نے تو اپنے پہلے آباؤ اجداد سے یہ بات نہیں سنی کہ کوئی انسان بھی خدا کا رسول ہو سکتا ہے۔ کہنے لگے بات یہ ہے اِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ أَبْهَتْ حِجَّةً کہ یہ شخص تو مجنون معلوم ہوتا ہے جو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے اور اس قسم کی سبکی سبکی باتیں کہہ رہا ہے اس معاملے میں انہوں نے فیصلہ کیا فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ کچھ عرصہ تک اس معاملے میں انتظار کرو اور دیکھو۔ چند دن کی بات ہے یا تو یہ ٹھیک ہو جائیگا یعنی اس کا پاگل پن دور ہو جائیگا یا پھر خود بخود ختم ہو جائے گا۔

نوحؑ کی دعوت  
اور خدا کا  
جواب

حضرت نوح علیہ السلام طویل عرصہ تک قوم میں تبلیغ کرتے رہے اور خدا نے  
 وعدہ لائے کہ ایک کی طرف بلا لیتے ہے مگر قوم نے آپ کی بات نہ مانی ۔  
 آخر ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ حق میں شب و روز ایک کمر دینے کے بعد اللہ  
 کے نبی اللہ کے حضور اسی طرح دست بدعا ہوئے قَالَ رَبِّ انصُرْنِي  
 بِمَا كَذَبُوا بِي كُنْ لِي مِيرَاجًا يَوْمَ يُنْفَخُ الصُّورُ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
 سے کہ ان لوگوں نے مجھے محض بھلا یا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب  
 آیا فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ نَارُ السُّورِ اَنْ اَصْنَعُ الْفُلَ  
 بِاَعْيُنِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ نَارُ السُّورِ اَنْ اَصْنَعُ الْفُلَ  
 فَاِذَا جَاءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التُّنُورُ هِيَ اَنْ اَصْنَعُ الْفُلَ  
 فَاِذَا جَاءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التُّنُورُ هِيَ اَنْ اَصْنَعُ الْفُلَ

اور تنور ابلنے لگے۔ تنور مٹی کی اس جھٹی کو کہتے ہیں جس میں روٹی پکائی جاتی ہے عربی، فارسی، پنجابی، اردو وغیرہ میں یہ لفظ یکساں معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ کونسا تنور تھا جس کے جوش مارنے کی بات ہو رہی ہے؟ مفسرین کرام اس کی مختلف توجہیات بیان کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور حواؑ کے زمانے کا تنور تھا جس میں پانی نے جوش مارا تھا اور یہ قوم کی ہلاکت کی نشانی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی خاص چشمہ تھا، بعض نے تنور کا معنی سطح ارض بھی کیا ہے کہ جب سطح ارض سے پانی نکلنا شروع ہو جائے گا تو فاسٹلک فیہا من کل زوجین ابنین تو اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا جوڑا سوار کر لینا۔ اور ساتھ ہی وَاَهْلَكَ اِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ اپنے گھروالوں کو بھی بٹھا لینا سوائے اُن کے کہ جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے کہ وہ نافرمان ہیں اور دیگر نافرمانوں کے ساتھ ہی غرق ہو جائیں گے، ان میں ایک یومی اور ایک نافرمان بچہ تھا۔ اللہ نے بتیہ بھی کہ دی وَاَلَا تَحَاطِبُنِي فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اور میرے ساتھ ان لوگوں کے متعلق بات نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ، کیونکہ وہ تو لازماً پانی میں ڈوبے جانے والے ہیں۔ یہ نافرمان عذاب الہی میں مبتلا ہو کر رہیں گے، لہذا ان کے بارے میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کر۔

فرمایا فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَكُن مَّعَكَ عَلَى الْفُلِّ جب تم اور تمہارے ساتھی اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ ساتھیوں میں تمام اہل ایمان اور گھر والے تھے جن کی تعداد ستر اور اسی کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجَّيْنَاكَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ تو محض اس طرح کہنا سب تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہیں جس نے ہمیں اس ظالم قوم سے نجات دی۔ یہ لوگ ہر آن تکلیفیں دیتے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے



اللہ نے ان سے اہل ایمان کو بچالیا۔ اس واقعہ کی بہت سی تفصیلات، سورۃ اعراف، سورۃ ہود، سورۃ نوح اور دیگر سورتوں میں موجود ہیں، تاہم اس مقام پر دلائل توحید کے طور پر مختصر بیان ہے۔

دُعائے بوقت  
نیزول از کشتی

زمین و آسمان سے پانی بھڑٹ پڑا، طوفان آگیا جس میں سارے مکذبین ہلاک ہو گئے۔ کشتی چلتی رہی جب تک اللہ کو منظور تھا۔ پھر وہ جودی پہاڑ پر ٹک گئی تو اللہ نے اپنے نبی کو اس سے اترنے کا حکم دیا اور ساتھ یہ دعا سکھلائی وَقُلْ رَبِّ انْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبِينًا اے اللہ مجھے اس کشتی سے اتر دے بابرکت اتارنا مُنْزَلًا کا لفظ دو طریقے سے پڑھا جاتا ہے۔ اگر مُنْزَلًا یعنی زرا کی زیر کے ساتھ ہو تو یہ مصدر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے پروردگار! انا مجھے برکتوں والا اتارنا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو یہ دعا آپ کی زبان پر جاری ہو گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ مولا کریم! زمین پر واپس اتر کر مجھے زندگی کی تمام سہولتیں اور نیکی حاصل ہو جائے جس میں تیری رضا شامل ہو اور اگر مُنْزَلًا یعنی زرا کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی اٹھکانا ہو گا یعنی اے اللہ مجھے اچھے ٹھکانے پر اتارنا جہاں تمام سہولتیں اور نیکی کے کام میسر ہوں۔

وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے، لہذا تیرے ہی سامنے دست سوال دراز کرتا ہوں۔

نشانات  
قدرت

فرمایا، یاد رکھو! اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اِسْمٰعٰلَہٗمَ واقعہ میں نشانات قدرت موجود ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین آتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد محض اس لیے تھی کہ لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دی جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم نے جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے اُن کی کوئی حیثیت نہیں وَ اِنَّ كُنَّا لَمُبْتَلٰی اور



بیشک ہم البستہ آزمانے والے ہیں۔ ابتلا کا معنی آزمائش بھی ہوتا ہے  
 اور سزا دینا بھی، اور العاصم کرنا بھی، تاہم یہاں پر مبتلائے عذاب کہہ نیرالی بات  
 زیادہ قرین قیاس ہے کہ دیکھو ہم مافراؤں کو کس طرح سزا دیتے ہیں اور قوم نوح  
 کا کیا حشر ہوا۔ انہوں نے توحید خداوندی کا انکار کیا تو پانی میں غرق کر دیے گئے۔

۲۳

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَرْسَلْنَا  
 فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ  
 إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَاءِ الْآخِرَةِ ۖ وَاتْرَفْتُهُمْ  
 فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ  
 مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾  
 وَلَٰئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ ﴿۳۴﴾  
 أَعِيدُكُمْ أَنكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّكُمْ  
 تُخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هِيَ هَاتِ هَاتِ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾  
 إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ  
 بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ  
 كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي  
 بِمَا كَذَبُونَ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِّيُصْبِحَنَّ نَدِيمِينَ ﴿۴۰﴾  
 فَآخَذَهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَيِّ ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً فَبَعْدًا  
 لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ :- پھر اٹھائیں ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں ﴿۳۱﴾

پس بھیجا ہم نے اُن کے اندر رسول اُن میں سے۔ (اس نے تعلیم دی) عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اُس کے سوا، کیا تم ڈرتے نہیں؟ (۳۲) اور کہا سربراہِ لوگوں نے اس کی قوم میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا آخرت کی ملاقات کو۔ اور ہم نے اُن کو آسودگی بخشی تھی دنیا کی زندگی میں۔ (انہوں نے کہا) نہیں ہے یہ مگر ایک انسان تمہارے جیسا۔ یہ کھاتا ہے اُن چیزوں سے جن سے تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے اُس میں سے جو تم پیتے ہو (۳۳) اور اگر تم نے اطاعت کی ایک انسان کی اپنے جیسے، تو بیشک البتہ تم نقصان اٹھانے والے ہو گے (۳۴) کیا یہ وعدہ کرتا ہے تم سے کہ جب تم مرجاؤ گے اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں، تو کیا تم دوبارہ نکالے جاؤ گے؟ (۳۵) بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (۳۶) نہیں ہے یہ مگر ہماری صرف دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اس میں۔ اور نہیں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۳۷) نہیں ہے یہ شخص مگر اس نے افتراء بازھا ہے اللہ پر جھوٹ۔ اور نہیں ہیں ہم اس کی بات کی تصدیق کرنے والے (۳۸) کہا اُس (اللہ کے رسول) نے، اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس وجہ سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے (۳۹) فرمایا (اللہ نے) تھوڑے وقفے کے بعد ضرور ہو جائیں گے یہ پشیمان ہونے والے (۴۰) پس پکڑا اُن کو ایک چنچ نے حق کے

ساتھ۔ پس کر دیا ہم نے اُن کو کوڑا کچرا۔ پس ہلاکت ہے  
اُس قوم کے لیے جو ظلم کرنے والی ہے ④

ربطِ آیت

گزشتہ دروس میں پہلے توحید باری تعالیٰ کے عقلی دلائل پیش  
کیے گئے اور پھر نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہوا۔ انہوں نے بھی لوگوں کو توحید  
کی طرف دعوت دی اور فرمایا یَقُومُوا لِلّٰهِ مَالَكُمْ مِّنْ  
اللّٰهِ غَیْبٌ اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اُس کے سوا  
تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کافروں نے نوح علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا کہ  
یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے، بھلا ہم اس کو اللہ کا رسول کیسے تسلیم کر لیں  
انہوں نے آپ کی بات سننے کی بجائے آپ کو ہر طرح سے تنگ کیا۔  
نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ تک تبلیغی جدوجہد کے بعد اللہ تعالیٰ سے  
نجات کی درخواست کی تو اللہ نے کشتی بنانے اور اُس میں ہر جاندار کا جوڑا  
جوڑا نیز اپنے اطاعت گزار گھمروالوں کو سوار کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے ایسا  
ہی کیا۔ پھر اللہ نے ایسا طوفان بھیجا کہ ساری قوم غرق ہو گئی جن میں نوح علیہ السلام  
کی بیوی اور بیٹا بھی شامل تھا، اور صرف وہی چند لوگ بچے جو آپ کے ساتھ  
کشتی میں سوار تھے۔

قومِ عاد یا  
ثمود کا تذکرہ

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد یا قومِ ثمود کا ذکر کیا ہے  
قومِ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور قومِ ثمود  
کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مامور کیا گیا۔ ان دونوں اقوام کا مفصل  
تذکرہ سورۃ اعراف، سورۃ ہود، سورۃ الشعراء وغیرہ میں موجود ہے تاہم  
ان آیات میں نہ تو کسی قوم کو نام دیا گیا ہے اور نہ  
اُن کی طرف مبعوث ہونے والے نبی کا اسم گرامی ذکر کیا ہے۔ نفسِ مضمون  
وہی ہے جو گزشتہ درس میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بیان ہو چکا ہے  
البتہ اس درس کی آخری آیت میں لفظ الصَّیْحَةُ سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ



قومِ ثمود کا ذکر ہے جنکی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اور جب یہ قوم حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ایک خوفناک چیخ بھیج کر سب کو ختم کر دیا۔ تاہم اس سے مطلق عذاب بھی مراد لیا جا سکتا ہے، جیسے سورۃ یس میں ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خَامِدُونَ (آیت ۲۹)

ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ یعنی قومِ نوح کی ہلاکت کے بعد ہم نے اور بھی قومیں اٹھائیں۔ قرن کا اطلاق ایک صدی پر ہوتا ہے، تاہم اس سے چالیس سال، اسی سال اور ایک سو بیس سال کا عرصہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ ایک عمر یا سنگت کے دور پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو پھر ہم نے اور قوموں کو اٹھایا فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اور اُن کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ اس سے مراد حضرت ہود یا صالح ہیں جو کہ اپنی اپنی قوم کے ہی فرستے تھے، اور دونوں نے ایک ہی پیغام پہنچایا جو کہ توحید کا پیغام تھا۔ مگر اُن کی قوموں نے اُن کی دعوت قبول کرنے کی بجائے اُن کے ساتھ سخت بدسلوکی کی ہے اور اُن کو تکلیفیں پہنچائیں۔ قومِ نوح کے بعد قومِ عاد یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو عروج نصیب ہوا، اور پھر اُس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی قومِ ثمود بدستِ اقتدار آئی۔ اگرچہ دونوں قوموں کے زمانے مختلف ہیں مگر دونوں قومیں ایک جیسے حالات سے گزریں اور انہوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ بھی تقریباً ایک جیسا سلوک کیا۔ یہ دونوں مستبد قومیں تھیں جو جسمانی اور مالی لحاظ سے بڑی مضبوط تھیں، اسی لیے انہوں نے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی۔

فرمایا، ہم نے اُس قوم کی طرف جو نبی بھیجا اُس نے قوم سے کہا اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ لَوْ كُوْنُا عٰبِدُوْا سِوَا اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لَعَنَ اللّٰهُ اُولٰٓئِكَ اَسٰمٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ

قوتِ توحید  
در قوم کا  
بواب

کیا تم ڈرتے نہیں؟ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے اُس کے ساتھ شرک و  
مُشرکے ہو کیا تمہیں خدا تعالیٰ کی گرفت کا خوف نہیں ہے۔

اس کے جواب میں وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ  
كَفَرُوا اور کہا آپ کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا وَكَذَّبُوا  
بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ اور آخرت کی ملاقات کو بھی جھٹلایا مطلب یہ کہ قوم  
ہو دیا قوم ثمود کے اُن سربراہ اور وہ لوگوں نے نبی کی دعوت کا جواب دیا جنہوں  
نے ایک ٹوکفر کا ارتکاب کیا یعنی توحید خداوندی کو نہ مانا اور دوسرے قیامت  
اور جزائے عمل کا انکار کیا۔ یہ ایسے لوگ تھے وَاتَّرفُفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ حال بنایا تھا۔ یہ بڑے خوشحال لوگ  
تھے جنہیں دنیا کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ کہنے لگے مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ  
مِثْلُكُمْ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا ایک انسان۔ عاصوب ثروت لوگوں  
نے عام لوگوں کو نبی سے بدظن کرنے کے لیے یہ پیڑ پڑھائی کہ یہ کیسے نبی ہو سکتا  
ہے، یہ تو تمہارے جیسا عام انسان ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ تَكُونُ مِنْهُ  
اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ شخص بھی وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو وکثير  
مِمَّا تَشْرَبُونَ اور وہ چیر پیٹا ہے جو تم پیتے ہو۔ اگر یہ اللہ کا رسول ہوتا  
تو اس کا کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، سونا جاگنا اور دیگر معمولات تم سے مختلف ہوتے  
مجبلاً ایک انسان کے دعویٰ نبوت کو ہم کیسے تسلیم کر لیں۔ کہنے لگے اس کی بات  
ہرگز نہ ماننا وَلَٰكِنْ اطَّعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ اگر تم نے اپنے جیسے  
انسان ہی کی اطاعت اختیار کر لی اِنَّكُمْ اِذَا خُسِرْتُمْ تَوْضَعْتُمْ  
اٹھانے والے بن جاؤ گے۔ غرضیکہ قوم کے لوگوں نے اُس نبی کی اطاعت کا  
انکار کر دیا جو کمال اخلاق، کمال دیانت اور کمال امانت کا مالک ہوتا ہے۔  
اُس کا کردار اس قدر شفاف ہوتا ہے کہ کوئی اس کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔  
اور اُس نبی کی تعلیم ہمیشہ یہ ہوتی ہے فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا

(الشعر آ - ۱۲۶) لوگو! اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس طرح نبی کی اطاعت فرض ہوتی ہے مگر ان لوگوں نے کہا کہ اگر اس کی اطاعت کرو گے تو خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

اتراف کے  
نقصانات

ان آیات میں آمدہ الفاظ مَکَلًا اور اَتَرَفْتَهُمْ قابلِ غور ہیں مَکَلًا سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق کے مخالفین اکثر بڑے لوگ ہی ہوتے ہیں جو یا تو قوم یا قبیلے کے سردار ہوتے ہیں یا پھر حکومت میں صاحب اقتدار ہوتے ہیں۔ مگر اسی کا دوسرا سبب اَتَاف یعنی آسودہ حالی ہے۔ مالدار لوگ بھی اپنے عیش و عشرت میں ہی لگے رہتے ہیں اور انہیں زندگی میں کسی قسم کا انقلاب منظور نہیں ہوتا کیونکہ انقلاب کے ذریعے ان کے آرام و آسائش میں فرق آنے کا خطرہ ہوتا ہے امام شاہ ولی اللہؒ اس کو رفاہیت بالغہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ کے نظریہ کے مطابق قیصر و کسریٰ اسی رفاہیت بالغہ میں مبتلا تھے اور یہی چیز ملک ہے غلط نظام کی یہی قباحت ہے کہ حکومتیں اپنی معیاشی کے لیے زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگاتی ہیں اور مالدار لوگ اپنے مال کے بل بوتے پر سامانِ عیش حاصل کرتے ہیں۔ پھر متوسط طبقہ امراء کی اقتدار میں ہر جائزہ اور ناجائزہ طریقے سے وہی سہولتیں حاصل کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادنیٰ طبقہ ظلم کی چکی میں پستارہتا ہے۔ ان سے جانوروں کی طرح کام تو لیا جاتا ہے مگر معاوضہ پورا نہیں دیا جاتا۔ ان بیچاروں کو اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ آخرت کے بارے میں بھی کچھ غور و فکر کر سکیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح رفاہیت بالغہ غلط ہے اسی طرح نقشف بھی غلط ہے۔ منٹائے خدا کے خلاف جو گیانہ یا راہبانہ زندگی بسر کرنا اتراف کا الٹ ہے۔ نہ تو بہت زیادہ عیش و آرام کی زندگی ہونی چاہیئے اور نہ بالکل تارکِ دنیا ہی ہو جائے۔ بلکہ درمیانہ راستہ ہی بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے قیصر و کسریٰ کا اترافِانی نظام نبی آخر الزمان علیہ السلام کے ذریعے ختم کر دیا مگر لوگ اپنی روش کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور حق کی مخالفت میں پیش پیش



سُنتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم مقرر کر کے نصرت کرتے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی اِيَاكَ وَالشَّنْعَمُ فَإِنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَيُسُوْنَ بِالْمُدَّةِ بَيْنَ عِيشٍ وَعِشْرَتٍ سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش و عشرت میں نہیں پڑتے۔ شاہ ولی اللہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس شہر کی آبادی دس ہزار نفوس تک بڑھ جائے وہاں اختیار کیے جانے والے پیشوں پر بھی نظر رکھنی چاہیئے اور ضروری ہے کہ حکومت ان میں توازن پیدا کرے۔ اچھے پیشوں کو اختیار کرنے کے لیے سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اور بُرے پیشوں کی جو صلہ شکنی کی جائے۔ اگر اس طرف سے غفلت رہتی گئی تو لوگوں میں اتراف پیدا ہو جائے گا۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اب دنیا میں ترقی کا معیار عیش و عشرت ہی رہ گیا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور پھر مشورے بھی ان مالک سے لیے جاتے ہیں جو نام نہاد ترقی یافتہ ہیں اور جنہوں نے اتراف کو ترقی کا معیار بنا رکھا ہے

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ (روم - ۷۰) وہ دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو تو خوب جانتے ہیں، اُس کے نفع نقصان سے بھی بخوبی واقف ہیں مگر آخرت سے یکسر غافل ہیں۔ اُن کا جغرافیہ اسی مادی حیات پر ختم ہو جاتا ہے جو کہ ترقی کا لازمی نتیجہ ہے۔

مشرق کے ترقی پذیر ممالک میں عام لوگ صحت اور تعلیم جیسی بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ انہیں معیاری خوراک، پانی اور ملاش تک میسر نہیں۔ غرباء کو ہسپتال دینے کا وعدہ محض پراپیگنڈا ہے۔ سرکاری دار اور صاحبانِ اقتدار تو کاروں اور کوٹھیوں کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ ایک عام آدمی کم از کم ضروری تعلیم بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہمارے ملک کی صرف تیس فیصد آبادی تعلیم یافتہ ہے جب کہ ستر فیصد بالکل جاہل ہیں۔ کیا ان کے



حقوق کی ادائیگی حکومت وقت کا فرض نہیں؟ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک بھیجا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے والا انہی کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور جو تھوڑا بہت دین لے کر جاتا ہے، وہ بھی وہیں چھوڑ آتا ہے فنی تعلیم کے لیے بیرون ملک بھیجنے کی بجائے باہر سے ماہرین تعلیم منگوائے جاسکتے ہیں تاکہ ہماری نوجوان نسل کا ماحول تو تبدیل نہ ہو بہر حال یہ سب اتراف کے ذرائع اور معاشرے کی خرابی کے ذمہ دار ہیں۔

بات انکار رسالت کی چل رہی تھی کہ قوم عاد یا ثمود نے اپنے نبی کی نبوت کا اس لیے انکار کر دیا کہ یہ ہمارے جیسا انسان ہے اور ہماری طرح کھاتا پیتا ہے

بعث  
نبی الموت کا  
انکار

اور دوسری بات یہ کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مِمَّا وَعَدْتُمْ اور وَعِظَامًا أَنْتُمْ تَخْرِجُونَ جو شخص یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ جب تم

مر کر مٹی اور ہڈیاں بن جاؤ گے تو پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائیگا۔ قوم کے سردار کہنے لگے کہ دیکھو ایسی ہلکی باتیں کہتا ہے۔ سورة القمر سجدہ

میں منکرین بعث کا بیان یوں نقل کیا گیا ہے عَرَا إِذَا ضَلَلْنَا فِي

الْأَرْضِ عَرَانَا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ (آیت - ۱۰) کیا جب ہم مٹی میں

رک ل جائیں گے تو ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے سورة النازعات

میں ہے عَرَا إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخْرَةً (آیت - ۱۱) کیا جب ہم

بھر بھری ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر بھی جی اٹھیں گے؟ غرضیکہ انہوں نے

حیات بعد الممات کا انکار کیا اور کہنے لگے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ

لِمَا تُوعَدُونَ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی مر کر دوبارہ

جی اٹھو گے، یہ بات بالکل بعید ہے، ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ ساتھ یہ بھی

کہا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ہماری تو صرف اسی دنیا کی زندگی

ہے، ہم اس سے پرے کسی زندگی کو نہیں مانتے لَهُمُوتٌ وَنَحْيَا

ہم اسی دنیا میں مرتے ہیں اور اسی میں جیتے ہیں وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ

اور دوبارہ بالکل نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ سب اس شخص کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ نہ کوئی بد زخ ہے، نہ آخرت، نہ حشر و نشر ہے اور نہ کوئی دوزخ جنت۔ اسی دنیا میں انسان پیدا ہوتے ہیں اور پھر طبعی عمر پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔ اگے کچھ نہیں ہے۔

نبی پر الہ

توحید خداوندی اور معاد کے منکرین اور اتراف کمرے والے لوگ نبی کی نبوت کا تو پہلے ہی انکار کر چکے تھے کہ ایک انسان نبی کیسے ہو سکتا ہے اب اس پر الہام تراشی بھی شروع کر دی۔ کتنے انھوں نے اَلَا رَجُلٌ اِفْتَرٰی عَلٰی اللّٰهِ کَذِبًا یہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر افتراء باندھا ہے جھوٹ کہتا ہے کہ خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے گا، یہ بالکل جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) جو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ کہ ہم اس شخص کی بات پر یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ نے بشریت رسول کے منکرین کو مدلل جواب دیا ہے کہ جس شخص سے کوئی دوسرا شخص فائدہ اٹھاتا ہے ان دونوں کے درمیان مناسبت ہونا ضروری ہے ورنہ وہ ایک دوسرے سے مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ انسانوں کو وحی الہی کا علم اور اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین نبی سے سیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر نبی انسان نہیں ہوگا تو دوسرے انسان اُس سے فائدہ کیسے اٹھا سکیں گے۔ ایسی صورت میں تو غیر جنس کا اسوہ حسنہ بھی اختیار نہیں کیا جاسکے گا تو پھر کامیابی کیسے حاصل ہوگی؟ منکرین کا مطالبہ حق کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ کسی فرشتے کو بھیجتا تو انسانی شکل میں ہی بھیجتا کیونکہ عام انسانوں میں یہ تاب ہی نہیں کہ وہ فرشتے کو اصلی شکل میں دیکھ سکیں۔ اور جب وہ انسان کی صورت میں آتا تو مسئلہ پھر وہی پیدا ہو جاتا کہ یہ تو انسان ہے، ہم اس کا اتباع کیوں کریں۔

لہذا انسانوں کی راہنمائی کے لیے نبی کا انسان ہونا ہی ضروری ہے جس میں تمام لوازمات بشری پائے جائیں تاکہ لوگ اس کا نمونہ اختیار کر سکیں۔

نبی کی مُعا  
اور عذاب  
اللہ

جب نبی اور امت کے درمیان خلیج اس حد تک وسیع ہو گئی کہ اس کا پٹنا ناممکن نظر آنے لگا تو نبی نے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ لَئِنْ مَرَّتْ بِرَدِّكَ بِمِثْرِي مَدْفُوعًا اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ یہ مجھے تکلیفیں پہنچا رہے ہیں۔ نہ خود مانتے ہیں اور نہ دوسروں کو قریب آنے دیتے ہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْحَبَنَّكَ صِغِيرَاتٌ صَبْرًا، تھوڑے عرصہ کے بعد یہ خود ہی پشیمان ہو جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے گی اور ان کے حواس درست ہو جائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا فَلَحَذَتْهُمْ الصِّغَرَةُ بِالْحَقِّ پس بچڑا ان کو ایک چیخ نے حق کے ساتھ۔ جب خدا نے گرفت کی تو پھر نیچے سے زلزلہ آیا۔ اور اوپر سے ایک خوفناک چیخ سنائی دی جس سے مکزین کے جگر پھٹ گئے فَجَعَلْنَاهُمْ عَتَاءً مُّجْتَنِّئِينَ پھر ہم نے ان کو پیس کہہ کوڑا کچرا بنا ڈالا جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بڑے مغرور تھے، مال و دولت کی فراوانی تھی، اسراف و تبذیر کا شکار تھے اپنے زعم میں بڑے باعزت اور نامور تھے مگر اللہ نے انہیں کوڑا کچرا بنا کر رکھ دیا۔ فرمایا فَبَعْدَ اللَّقَوٰمِ الظَّالِمِينَ پس تباہی اور بربادی ہے ظالم قوم کے لیے۔ کفر شرک دنیا میں سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ نے فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ - ۲۵۴) کافر ہی ظالم ہیں۔ نیز فرمایا إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان - ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ گویا خدا کی وحدانیت سے انکار شدید ترین ظلم ہے۔ بہر حال اللہ نے ان آیات میں نبی کا نام لیے بغیر اس کی قوم کا سلوک بیان کر دیا ہے۔ پر دگر نام اس نبی کا بھی وہی تھا جو دوسرے نبیوں کا تھا کہ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی

معبود نہیں۔ اسی مضمون کو نبی آخر الزمان علیہ السلام نے بھی پیش کیا۔ آگے  
 اسی سلسلہ میں مزید انبیاء علیہم السلام کا ذکر آ رہا ہے۔



ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۚ (۴۲) مَا تَبِقُ  
 مِنْ أُمَّةٍ أَجَلُهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۚ (۴۳) ثُمَّ أَرْسَلْنَا  
 رَسُولَنَا نَثُرًا ۚ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ  
 فَاتَّبَعْنَاهُمْ بِعُضَا ۚ وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبَعَدًا  
 لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ (۴۴) ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَآخَاهُ  
 هَارُونَ ۚ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۚ (۴۵) إِلَىٰ فِرْعَوْنَ  
 وَمَلَائِكَهٖ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۚ (۴۶)  
 فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَدُونَ ۚ (۴۷)  
 فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۚ (۴۸) وَلَقَدْ آتَيْنَا  
 مُوسَىٰ الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۚ (۴۹) وَجَعَلْنَا ابْنَ  
 مَرْيَمَ وَأُمَّةً آيَةً ۚ وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ  
 قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۚ (۵۰)

ترجمہ: پھر پیدا کیں ہم نے اُن کے بعد اور توہیں (۴۲)

نہیں سبقت کرتی کسی امت سے اُس کی ٹھہرائی ہوئی

موت اور نہ وہ پیچھے ہوتے ہیں (۴۳) پھر ہم نے

بھیجا اپنے رسولوں کو لگاتار۔ جب بھی کسی امت کے پاس

اُس کا رسول آتا تھا، تو وہ اُس کو جھٹلاتے تھے۔ پھر ہم

نے ان میں سے بعض کو بعض کے پیچھے لگایا ، اور ہم نے اُن کو کمرہ دیا افسانے ، پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے (۴۳) پھر ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نشانوں اور کھلی سند کے ساتھ (۴۵) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ۔ پس تکبر کیا انہوں نے ، اور تھے وہ لوگ مغرور (۴۶) پھر انہوں نے کہا ، کیا ہم ایمان لائیں ان دو آدمیوں پر جو ہمارے جیسے ہیں ، اور اُن کی قوم ہماری غلام ہے (۴۷) پس جھٹلایا انہوں نے ان دونوں کو ۔ پس ہو گئے وہ ہلاک ہونے والوں میں (۴۸) اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب تاکہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں (۴۹) اور بنایا ہم نے مریم کے فرزند اور اُس کی والدہ کو ایک نشانی ۔ اور ہم نے اُن کو ٹھکانا دیا ایک اونچی جگہ جو برابر تھی اور ستھرے پانی والی (۵۰)

ربط آیت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے درس توحید کا ذکر کیا ، اور یہ بھی کہ قوم نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی جس کے نتیجے میں ساری قوم طوفان میں غرق ہو گئی ۔ اس کے بعد اللہ نے ایک دوسرے رسول کا ذکر کیا ، اس نے بھی لوگوں کو وہی درس دیا جو پہلے انبیاء دیتے آئے تھے لِقَوْمٍ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ لَوْ كَفَرَ اِنَّ اللّٰهَ لَكَنَ الْعَلِيمُ اللّٰہ کی عبادت کرو کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ، مگر اس قوم نے بھی رسول اور توحید کا انکار کیا اور اپنے کفر و شرک پر ہی اڑی رہی ۔

اس قسم کے منکرین اور مکرذبین اکثر آسودہ حال لوگ تھے جنہیں اپنے وقت میں زندگی کی تمام سہولتیں حاصل تھیں ۔ ایسے لوگوں نے ہمیشہ اللہ کے نبیوں کی توہین کی اور کہا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو ، ہم تمھاری پیروی کیوں کہیں ؟ اس پر اللہ کے

نبیوں نے خدا کی بارگاہ میں درخواست پیش کی اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ اللہ نے ظالم لوگوں پر اتنا سخت عذاب نازل فرمایا کہ انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔

قوموں کا  
عروج و  
زوال

اب آج کے درس میں بھی بعض قوموں کے غرور و تکبر اور ان کی تباہی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کا مختصر تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ أَهْلًا نَا مِنَّا لَعَدِهِمْ قُرُونًا آخِرِينَ پھر ان کے بعد ہم نے بعض دیگر قوموں کو اٹھایا یعنی دنیا میں عروج دیا۔ پھر ان قوموں نے بھی اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی اور توحید الہی سے انکار کیا، تو وہ بھی عذاب الہی میں مبتلا ہو کر نیست و نابود ہو گئیں، اللہ نے فرمایا کہ ہر نافرمان قوم کی سزا کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ کوئی قوم یا امت اپنے مقررہ وقت سے نہ تو سبقت کرتی ہے اور نہ قیچھے ہوتی ہے بلکہ عین وقت مقرر پہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

فرمایا ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا پھر ہم نے بھیجے اپنے رسول لگاتار، پے در پے۔ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا، انہوں نے اُسے جھٹلا دیا۔ تاریخ انسانی بتاتی ہے کہ ہر نبی کا اتباع بہت تھوڑے لوگوں نے کیا اور ان کی غالب اکثریت نے رسولوں کی مخالفت ہی کی۔ فرمایا فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا پھر ہم نے ان کے بعض کو بعض کے پیچھے لگایا، یعنی پہلے لوگوں کو ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسروں کو کھڑا کیا۔ پھر انہوں نے بھی نافرمانی کی تو ان کو بھی اس طور پر نیست و نابود کیا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ کہ انہیں قصہ کہانی یا افسانہ بنا کر رکھ دیا۔ ان کافر و واحد بھی دنیا میں زندہ نہ رہا اور قوم کا نام و نشان محض قصے کہانیوں میں محدود ہو کر رہ گیا۔

لوگ تاریخ میں ٹھٹھتے ہیں کہ کسی زمانے میں فلاں قوم فلاں جگہ پر آباد تھی۔ آمدہ نسلوں نے اُن کی بستیوں کے ٹھنڈے رات میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کے آثار نکالے اور انہیں عجائب گھروں کی زینت بنا دیا۔ فرمایا فَبَعْدَ الْقَوْمِ لَیُّوْمُنَّ پس ہلاکت اور تباہی ہے، خدا کی رحمت سے دوری ہے ایسی قوم کے لیے جس کے افراد ایمان نہیں لاتے۔

موسیٰ اور  
ہارونؑ کی  
بعثت

اللہ نے فرمایا کہ جب سابقہ اور آئندہ گئے، نافرمانوں کو سزا مل چکی تو پھر آخر میں ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَآخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ اپنی نشانوں اور کھلی سند کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا جیسے واضح معجزات عطا فرمائے جن کا قوم کوئی جواب نہ دے سکی بلکہ آپ کا مقابلہ کرنے والے چوٹی کے جادوگر مغلوب ہو گئے اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَائِكَتِهِ فِرْعَوْنَ اور اس کے سرداروں کی طرف۔ موسیٰ اور ہارون دونوں بھائی تھے اللہ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور ان کی درخواست پر ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کی۔ اللہ نے ان دونوں کو فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ابتدائی طور پر فرعون کی قبیلہ قوم کی طرف تھی اور آپ کو بنی اسرائیل کی آزادی اور ان کی اصلاح کے کام پر بھی مامور کیا گیا اس طرح آپ قبیلہ اور بنی اسرائیل دونوں کی طرف رسول تھے۔ اللہ نے فرمایا إِذْ هَبْنَا فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ (آیت ۷۰) فرعون کی طرف جادو کر وہ سرکش ہو چکا ہے اور اس نے أَنَا رَبُّكُمْ عَلٰی (المنحٰث - ۲۴) کا نعرہ لگایا ہے۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا ہے۔ جا کہ اُس کو خدا کا پیغام سناؤ اور توحید کی دعوت دو۔ اللہ کے حکم کے مطابق جب اللہ کے دونوں بنی فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے، انہیں توحید خالص کی دعوت دی۔



فَاسْتَكْبَرُوا قَوْمَانِیوں نے تکبر کیا۔ اللہ کے نبیوں کو حقیر جانا اور ان کی  
 دعوت کا مذاق اڑایا۔ اللہ نے فرمایا وَكَانُوا قَوْمًا عَالَمِينَ یہ بڑے  
 مغرور لوگ تھے، اپنے آپ کو دوسروں سے بلند و برتر سمجھتے تھے۔ فَقَالُوا  
 اَنُؤْمِنُ بِبَشَرٍ مِّثْلِكَ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر  
 ایمان لائیں۔ ہماری طرح یہ بھی کھاتے پیتے چلتے پھرتے اور دیگر لوازمات  
 رکھتے ہیں۔ ان کو ہم پر کونسی برتری حاصل ہے بلکہ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِدُونَ  
 ان کی تو ساری قوم ہماری غلام ہے ہم ان بنی اسرائیل سے حسبِ مشاخذت  
 لیتے ہیں۔ بھلا ہم اپنے غلاموں کا کیسے اتباع کر سکتے ہیں؟ فَكَذَّبُوهُمَا  
 پس قوم نے اللہ کے دونوں نبیوں کی تکذیب کی، ان کی بات ماننے سے  
 انکار کر دیا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ اور ہو گئے وہ ہلاک ہونے  
 والوں میں۔ تمام بڑے بڑے سرداروں، ان کے باڑی گارڈوں اور دوسرے  
 لوگوں کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور اللہ نے ان کو ذلت ناک سزا سے دوچار کیا  
 نبیوں کی بشریت لوگوں کے لیے ہمیشہ قابلِ اعتراض رہی ہے۔ کہتے تھے  
 کہ یہ ہمارے جیسے انسان ہو کر نہیں کیا سبق پڑھا سکتے ہیں، انہیں ہم پر  
 لون سی برتری حاصل ہے؟ یہ بھی ہماری طرح پیدا ہوتے، فوت ہونے  
 زندگی میں کاروبار کرتے، چلتے پھرتے اور سودا سلف خریدتے ہیں، ہم کس  
 بنا پر انہیں نبی تسلیم کر لیں؟ لوگوں کی بیوقوفی کی وجہ سے یہ چیز ایمان کے راستے  
 میں ہمیشہ رکاوٹ بنی رہی ہے، مگر ان لوگوں کو سمجھ ہوتی تو وہ لعنتِ انبیاء  
 وغیرہ سمجھ کر قبول کرتے، ان کی بات کو سننے، سمجھنے اور پھر اس پر عمل  
 برا ہو جاتے کیونکہ ان کی سداستی کا یہی ایک واحد راستہ تھا۔ اللہ نے تو  
 ہی بھیج کر ان پر خاص مہربانی فرمائی تھی کہ وہ راہِ حق کو پا کر ہمیشہ کی کامیابی حاصل  
 کر لیں۔ مگر اللہ کے اس فضل کو لوگوں نے از خود عجیب بنالیا، اس سے  
 کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ مخالفت کر کے جہنم رسید ہو گئے۔

تورات کا  
نزدول

پھر فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ اور البتہ تحقیق ہم نے  
موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی۔ یہ بنی اسرائیل کے لیے خصوصی اور  
دوسرے لوگوں کے لیے عمومی سامان ہدایت تھا تاکہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر منزل  
مقصود تک پہنچ جائیں اور انہیں فلاح حاصل ہو جائے۔ یہ اس دور کی عظیم الشان  
کتاب تھی جس کے لیے خود بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا  
کہ اللہ تعالیٰ سے قانون کی کوئی کتاب نازل کر دے کی درخواست کرو جس  
پر ہم آزادانہ ماحول میں عمل درآمد کر سکیں۔ اور اس کتاب کا مقصد یہ تھا  
لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُونَ تاکہ لوگ اس کے ذریعے ہدایت حاصل کر سکیں۔ اس  
میں یہ اشارہ موجود ہے کہ بنی اسرائیل نے اس کتاب پر کسی حد تک عمل درآمد  
بھی کیا مگر بعد میں انہوں نے اس میں تحریف کر کے اس کی اصل شکل و صورت  
کو مسخ کر دیا۔ اس کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔  
سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے انہیں اب  
آخر میں اللہ نے اُن کا ذکر کیا ہے وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ  
أُمَّةً آيَةً ہم نے ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ یعنی حضرت  
مریمؑ کو قدرت کی ایک نشانی بنا دیا۔ قرآن پاک میں مسیح علیہ السلام کو ابن مریمؑ  
کے نام سے ہی موسوم کیا گیا ہے اور مومن لوگ بھی آپ کو اسی نام سے یاد  
کرتے تھے لَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ یعنی اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ  
مگر بعد میں عیسائیوں نے مشرکانہ عقیدہ اختیار کر لیا اور مسیح علیہ السلام کو کبھی  
خدا کہا، کبھی خدا کا بیٹا اور کبھی تینوں میں تیسرا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں  
اس عقیدہ کی بار بار نفی کی ہے حقیقت یہی ہے کہ آپ ایک پاکیزہ خالق  
کے فرزند تھے۔ یہ دونوں قدرت کی نشانیاں ہیں وجہ تھے کہ آپ کی پیشانی  
غیر معمولی طریقے سے درخشش کی بغیر ہوئی۔ اور حمل کا معمول کے مطابق نو ماہ  
عرصہ بھی نہیں گزرا، جو نبی فرشتے نے حضرت مریمؑ کے گم بیان یا استین

حضرت مسیح  
کا تذکرہ

میں پھونک ماری، آپ کو حمل ٹھہر گیا اور پھر چند گھنٹوں کے اندر اندر دروازہ شروع ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو گئی۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَا كُلِّنَ الطَّعَامَ (آیت ۷۵) آپ کی والدہ صدیقہ تھیں جو نبوت کے بعد سب سے بڑا درجہ ہے۔ کسی شخص کی نسبت اس کی ماں کی طرف کرنے کا مطالبہ واضح ہے کہ وہ ایک عورت کے بیٹے تھے نہ کہ خدا تعالیٰ کے۔ پھر آپ کی بشریت کا یہ بھی ثبوت ہے کہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ اگر خدا یا خدا کے بیٹے ہوتے تو لوازمات بشریہ سے پاک ہوتے۔ جب کھانا کھاتے تھے تو آپ کو بول و براز کی حاجت بھی ہوتی تھی۔ یہ سب انسانی لوازمات ہیں جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بڑی زیادتی کی بات ہے۔ بہر حال اللہ نے مختلف طریقوں سے یہ بات سمجھا دی ہے کہ مسیح علیہ السلام انسان تھے اور ان میں الودہیت والی کوئی بات نہ تھی۔ اس میں عیسائیوں کے باطل عقیدے کا رد بھی ہو گیا۔

مقام ربوہ  
یارملہ

پھر انہی ماں بیٹے کے متعلق فرمایا وَأَوَيْنَهُمَا الْحِلْمَ دُجُورًا ہم نے دونوں کو ایک اونچی جگہ پر ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسی جگہ تھی ذاتِ قرارِ حجبہ ربوہ تھی وَرَحْمٰنٍ اور مستحضرے پانی والی تھی۔ اس سے مراد وہی مقام بریت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ یہ اونچی جگہ ہے اور اس کے نیچے پانی کا چشمہ بھی تھا۔ جب حضرت مریمؑ بچے کی ناکھانی پیدائش پر پہنچیں تو اللہ نے فرشتے کے ذریعے تسلی دی اور کہا أَلَا تَحْزَنُ خَافَ قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهَؤُلَاءِ رِجَالُكَ يَجْعَلُ الْخُكُوتَ تُسْقِطُ عَلَيْكَ طَبَاً جَنِيًّا فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا (مریم آیت ۲۴ تا ۲۶) اس کھجور کے درخت کے نیچے چلی جاؤ۔ اس کے تنے کو ملاؤ تو تازہ کھجوریں گریں گی، نیچے پانی کا چشمہ ہے۔ ان کو کھاؤ پیو۔ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ بہر حال بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ربوہ



سے مراد آپ کی جائے پیدائش ہے۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ولادتِ مسیح کے زمانے میں ہیرودس نامی حاکم وقت کو بخیر میوں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیری سلطنت چھین لے گا۔ لہذا اس نے ایسے بچے کی تلاش کے لیے نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ بچے کی جان کے خوف سے حضرت مریمؑ مسیح علیہ السلام کو ہمراہ لے کر شام سے مصر چلی گئیں۔ وہاں انہوں نے ایک اونچی بستی میں قیام کیا جس کے نیچے شقاق پانی کا چشمہ بھی جاری تھا۔ وہاں کے کسی زمیندار نے ان کو دس بارہ سال تک بیٹا بنا کر رکھا۔ اس دوران ظالم بادشاہ مر گیا اور مسیح علیہ السلام بھی بچپن سے نکل کر جوانی میں پاؤں رکھنے لگے، تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر واپس شام آگئیں۔ اس بستی کا نام بعض مفسرین نے رملہ بتایا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری موت ربوہ کے مقام پر واقع ہوگی صحابہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو رملہ کے مقام پر موت آئی جو کہ مصر کے علاقے میں ایک اونچی جگہ ہے اور جس کی آب و ہوا خوشگوار ہے اسلام کے ابتدائی دور میں یہ جگہ مسلمانوں کی چھاؤنی ہوا کرتی تھی، اس کے قریب ایک نہر بھی بہتی ہے۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رملہ وہی مقام ہے جس کو قرآن پاک اور حدیث میں ربوہ کا نام دیا گیا ہے۔ بہر حال وہ بیت اللحم تھا یا رملہ کی بستی تھی جس کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے دونوں کو ٹھکانا دیا جب کہ دشمن ان کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

قادیانوں  
کا دجل

تقسیمِ برصغیر کے بعد قادیانی ٹولہ جب قادیان سے پاکستان منتقل ہوا تو انہوں نے کسٹل سگر دھام میں ایک جگہ کا انتخاب کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر وہاں منتقل کیا۔ ایک نئی بستی آباد کی اور اس کا نام ربوہ رکھا۔ اس نام سے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو! ہم سچے ہیں، ہماری بستی کا نام تو قرآن پاک میں موجود ہے



دراصل مرزا یحیٰی کا سارا فلسفہ مہمات مسیح پر چلتا ہے۔ سب سے پہلے وہ مسیح  
 علیہ السلام کی وفات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے لیے وہ قرآن  
 پاک کی بعض آیات کی صریحاً غلط تاویل کرتے ہیں۔ حدیث کے مطابق جب  
 مسیح علیہ السلام کے قریب قیامت میں نزول کی بات کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں  
 کہ مسیح تو فوت ہو چکے ہیں، اب جن کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ مسیح  
 نہیں بلکہ تمثیل مسیح ہیں اور مرزا غلام احمد کی شکل میں دوبارہ دنیا میں آچکے ہیں۔  
 چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اس لیے کبھی یہ مرزا قادیانی کو تمثیل مسیح  
 کبھی مسدی اور کبھی مکمل نبی اب ت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام  
 کے بعد نبوت کے سارے دعویدار کذاب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی  
 بھی ہے کہ قیامت تک تیس بڑے بڑے دجال پیدا ہوں گے۔ پہلے دجال اور پھر  
 اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي میں سلسلہ نبوت کو ختم کرنے  
 والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ اب تک جن دعویداران  
 نبوت کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے، ان میں سید کذاب، اسود غنی، بابک غری،  
 اسحاق انور، خراسانی وغیرہ کے ناموں کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام بھی  
 شامل ہے۔ بہر حال یہ قادیانی گروہ رجبہ کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی  
 کوشش کرتا ہے۔ جس کا سد باب حکومتی سطح پر ہونا چاہیے اور اس قسم کا دھوکا  
 دینے والا نام بدل دینا چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا  
صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ⑤۱ وَإِنَّ  
هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ⑤۲  
فَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا  
لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ⑤۳ فَذَرَهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ حَتَّى  
حِينَ ⑤۴ اِيْحَسِبُونَ أَنَّ نِعْمَتَهُمْ بِهِمْ مِنْ مَّالٍ  
وَبَيْنٍ ⑤۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ بَلْ لَا  
يَشْعُرُونَ ⑤۶

ترجمہ :- اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک

بیشک جو کچھ تم کرتے ہو میں اُن کو جانتا ہوں ⑤۱ اور بیشک

تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔

پس مجھ ہی سے ڈرو ⑤۲ پھر (بعد میں لوگوں نے) پھوٹ ڈالی

اپنے معامے میں اپنے درمیان (اور) ٹکڑے ٹکڑے (کر دیا)

ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اُس پر خوش ہونے

والا ہے ⑤۳ پس چھوڑ دیں اُن کو اُن کی غفلت میں ایک

وقت تک ⑤۴ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم اُن کو

مدد پہنچا رہے ہیں مال اور اولاد سے ⑤۵ ہم جلدی کرتے ہیں

اُن کے لیے بھلائیوں میں، نہیں کہہ یہ لوگ شعور نہیں رکھتے ⑤۶

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کا ذکر کیا اور بتایا کہ انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور توحید کی دعوت دی۔ پھر انبیاء کے تذکرے میں قوموں کی نافرمانی اور ان کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے فرعون کی سرکشی، نافرمانی اور تکبر کا حال بیان کیا اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کا ذکر کیا۔ یہ دونوں ماں بیٹا اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اکثر قوموں نے محض اس لیے انبیاء کی تکذیب کی کہ وہ انسان تھے، کہتے تھے ہم اپنے جیسے انسان کا اتباع کیسے کریں اور اسی بنیاد پر انہوں نے رسالت کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے وقوع قیامت اور بعثت بعد الموت کا ذکر کیا اور اسے برحق فرمایا۔ اللہ نے اس بارے میں بہت سے دلائل دیے جن سے اللہ کی توحید اور وقوع قیامت پر ایمان لانے کی ترغیب ملتی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں شبہ کرنے والے لوگ غلط کار اور نادان ہیں۔

اکل حلال اور اعمال صالحہ

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملت کا ایک عام اصول بیان کیا ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام دو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب تمام انبیاء سے کب ہوا، اس کے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ خطاب معراج کے موقع پر کیا گیا جب تمام انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ خطاب اس وقت کا ہے جب اللہ نے تمام انبیاء سے میثاق لیا جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ (آیت - ۸۱) بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب سائے انبیاء کو اکٹھا نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہر نبی کو اللہ نے اس کے زمانہ نبوت کے دوران میں حلال چیزیں کھانے اور نیک اعمال انجام دینے کا حکم دیا تھا، تاہم اس کو اکٹھا ذکر کر دیا

دین ہائے  
اور شریعت

گیا ہے۔ بہر حال ان دو باتوں کا حکم ملت کا ایک عام اصول ہے۔  
حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کام کا حکم اللہ نے نبیوں کو دیا ہے۔ وہ  
حکم تمام مومنوں کے لیے بھی قابل عمل ہے کہ حلال چیزیں کھاؤ اور نیک کام  
کرو۔ گزشتہ دروس میں انبیاء کی یہ تعلیم اپنی قوم کے لیے گزر چکی ہے کہ  
اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (آیت ۳۲) نوگو! اللہ  
کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ یہ دین کا اصول ہے جو  
ہر نبی نے اپنی امت تک پہنچایا۔ دین کے بڑے بڑے اصولوں میں توحید  
رسالت، قیامت، کتب سماویہ، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان لانا ہے جب کہ  
اکل حلال اور عمل صالح کا تعلق ملت سے ہے تمام انبیاء کا دین اور ملت  
ایک ہی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں بھی وحدتِ ملتِ انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے  
إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (آیت ۹۲) اور یہاں بھی  
اگلی آیت میں یہی الفاظ آئے ہیں۔ ملت میں کلی اصول ہوتے ہیں۔ چنانچہ  
اخلاق کی پاکیزگی، اکل حلال اور عمل صالح سارے نبیوں کے مشترک اصول  
ہیں۔ دراصل یہ تین چیزیں ملتی جلتی ہیں ایک دین دوسری ملت اور تیسری  
شریعت۔ دین میں بنیادی اصول ہوتے ہیں جو کہ تمام انبیاء کی تعلیم میں مشترک  
ہوتے ہیں۔ اور ملت میں کلی اصول ہوتے ہیں اور یہ بھی تمام انبیاء کی ملل کے لیے  
مشترک ہوتے ہیں۔ تیسری چیز شریعت ہے جو ہر نبی کی الگ ہوتی ہے۔ اس  
میں جزئیات ہوتی ہیں۔ بعض شرائع میں کوئی چیز حلال ہوتی ہے تو بعض میں حرام  
ہوتی ہے۔ اور ایک شریعت کے بعض احکام دوسری شریعت کے لیے نسخ  
ہو جاتے ہیں۔ شریعت کو منہاج کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
کا ارشاد ہے لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا  
(المائدہ - ۴۸) ہم نے ہر امت کے لیے علیحدہ علیحدہ منہاج یا شریعت  
مقرر کر دی ہے اور پھر آخر میں اللہ نے حضور علیہ السلام سے خطاب کر کے



فَرَمَانُكُمْ جَعَلْتُكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا  
(الحجاثیہ - ۱۸) ہم نے آپ کے لیے بھی ایک خاص شریعت مقرر کی ہے  
اس کا اتباع کریں، اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ بہر حال اکل حلال  
اور عمل صالح ملت کے اصولوں میں سے ہیں، اور یہ سائے بنیوں کے مشترک  
اصول ہیں اللہ نے سب انبیاء کو یہی حکم دیا ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی چیز کے سیاہ و سفید رنگ کی بناء  
پر یہ حکم نہیں دیا بلکہ حلال چیز کو معیاری قرار دے کر اُس کو کھانے کا حکم دیا ہے۔  
حضرت نعمان بن قوئلؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی  
خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو مانوں، رسالت کی گواہی  
دوں، نماز ادا کروں، زکوٰۃ دوں، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں، تو کیا مجھے  
نجات حاصل ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ علتِ خدمت  
کے امتیاز کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور حلال و حرام کی تعریف یہ  
ہے۔ الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ حَلَال  
وہ چیز ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے  
حرام کہا ہے۔

لفظ طیب  
کی تشریح

طیب اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی۔ بعض مقامات  
پر حَلَالاً طَیْباً (البقرہ - ۱۶۸) دونوں الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔  
اس کی مثال ایسی ہے کہ کھانا عام طور پر حلال بھی ہوتا ہے اور پاکیزہ بھی، اور  
اگر اس میں بدبو پیدا ہو جائے تو طیب نہیں رہتا بلکہ مکروہ تحریمی کے حکم میں آجاتا  
ہے۔ طیب ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اُس کے ساتھ کسی کا حق متعلق  
نہ ہو مثلاً اگر ایک مسروقہ بکری کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا  
جائے تو اس کا گوشت پاک تو ہے مگر طیب نہیں ہے۔ یا اگر کوئی طیب  
گوشت کو چوری کر کے پکائے تو پھر بھی وہ طیب نہیں ہوگا۔ حرام چیز کے استعمال

سے حرام خون پیدا ہوگا اور ایسی چیز کھانے سے عبادت بھی مقبول نہیں ہوگی۔  
اسی طرح حرام لباس پہننے سے بھی عبادت نامقبول ہوگی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فلسفہ اکل و شرب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں، یاد رکھو! انسان کی سعادت چار خصلتوں پر موقوف ہے اور وہ خصلتیں (۱) طہارت (۲) اخبات (۳) سماحت اور (۴) عدالت ہیں۔ اگر ان کی متضاد خصلتیں پائی جائیں گی یعنی (۱) نجاست (۲) تجبر (۳) خاست (۴) ظلم تو وہ شخص شقی یا بدبخت ہوگا۔ سعادت مند شخص وہ ہوگا جس میں پہلی چار خصلتیں پائی جائیں گی۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم اور اخلاق پر خوراک سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر خوراک پاک ہوگی تو اخلاق بھی پاک ہوں گے۔ اور اگر خوراک ناپاک ہوگی تو انسان کے اخلاق بھی ناپاک ہوں گے۔ اسی لیے اللہ نے اپنے رسولوں اور ان کی معرفت تمام لوگوں کو حکم دیا کہ پاک چیزیں کھاؤ جو حلال بھی ہوں اور صاف ستھری بھی۔

باطنی نجاست

نجاست ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی۔ اگر کھانے یا مشروب میں کوئی نجاست پڑ جائے تو ظاہر ہے کہ وہ ناپاک ہو کہ کھانے پینے کے قابل نہیں رہے گا۔ یہ تو ظاہری نجاست ہے۔ اور باطنی نجاست یہ ہے کہ کوئی چیز غیر اللہ کی نیاز کے طور پر دی جائے۔ وہ بظاہر تو صاف ستھری ہوگی۔ مگر اس میں روحانی نجاست پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو قطعی حرام قرار دیا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمَيْتَۃَ وَالدَّمَّ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُھْلَ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (البقرہ - ۱۷۳) ان میں سے مردار میں ظاہری نجاست ہے۔ خون کے استعمال سے دماغ کی خصلت پیدا ہوتی ہے۔ اور خنزیر کے گوشت اور نذر غیر اللہ میں روحانی نجاست پائی جاتی ہے جس سے دل اور روح پیدا ہو جاتے ہیں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنِّجَاسُ النَّاسِ عَلَیْ اَنْفُسِہُمْ یعنی لوگوں کی نجاست ان کے نفسوں میں پڑی ہوئی ہے۔

ہے۔ شرک سے روح ناپاک ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا فَاَجْتَنِبُوا الشُّرُكَ  
مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج - ۳۰) بت پرستی و گم سے بچو۔ یہ نوس باطنہ  
 کی گندگی ہے۔ جس شخص کا دل دماغ اور روح ناپاک ہو وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے  
 کے اہل نہیں رہتا۔ خدا کی بارگاہ میں تو اس کی رسانی ہوگی اِنَّ  
اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء - ۸۹) جو قلب سلیم لے کر جائیگا، ایسا دل  
 جس میں کفر، شرک اور نفاق جیسی کوئی گندی چیز نہ ہو۔

اکلِ حلال  
اور صدقِ مقال

اللہ نے سارے نبیوں اور اہل ایمان کو طیب چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔  
كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ طہ - ۸۱ جو روزی ہم نے تمہیں  
 دی ہے اس میں سے طیب چیزیں کھاؤ یعنی جو حلال بھی ہوں اور صاف ستھری  
 بھی حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ الْاَطْيَابَ  
اِلَّا شَرَعًا خود پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔ حرام مال  
 سے صدقہ و خیرات قبول نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص مرنے کے بعد پیچھے حرام  
 مال چھوڑ گیا ہے تو وہ اُس کے لیے جہنم کا گوشہ ہوگا۔ علامہ اقبال مرحوم نے بھی  
 کہا ہے ۔

سر دین اکلِ حلال و صدقِ مقال

خلوت و خلوت تماشا ہے جمال

دین کا راز ان دو چیزوں میں ہے یعنی اکلِ حلال اور صدقِ مقال۔ حلال چیز کھانا  
 اور سچی بات کہنا۔ فرماتے ہیں کہ خلوت و خلوت میں اللہ ہی کی صفت ظاہر ہونی  
 چاہیے۔ الغرض اکلِ حلال بہت بڑی چیز ہے۔ ”کشف الغمہ“ میں امام حسن بصریؒ  
 سے منقول ہے، کاش مجھے خالص حلال روزی نصیب ہو تو میں اسے ہسپتالوں  
 میں بیماروں میں تقسیم کر دوں۔ کیونکہ حلال خوراک میں اللہ نے شفا رکھی ہے بہر حال  
 جہاں اللہ نے پاک اشیا کھانے اور نیک عمل کرنے کا حکم دیا، وہاں یہ بھی  
 فرمایا اِنَّ  
اللّٰهَ يَهْدِي لِمَا تَعْمَلُونَ عَلَیْہِمْ بَشِکْ میں تمہارے اعمال سے  
 لے تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۲ (فیاض)



بخوبی واقف ہوں۔

فرقہ بندی

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَهْذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً بیشک تمہارا دین اور ملت ایک ہی ہے۔ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس مجھ سے ڈرو۔ یہی نافرمانی سے بچتے رہو۔ اللہ نے سائے نبیوں کو ان کے نبی نے دور میں ہی حتم دیا، مگر بعد میں آنے والے لوگوں کی حالت یہ ہوئی فَقُتِّعُوا أَمْرَهُم بِبَيْنِ زُبُرٍ انہوں نے اپنے معاملات کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دین کے بنیادی عقائد کو ترک کر دیا۔ اس میں اپنی خواہشات کے مطابق محرمات اور مشحوکات کو داخل کر دیا اور اس طرح بہت سے گمراہ فرقے بن گئے۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَّسَتْ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ رَّأَيْتَ جن لوگوں نے دین میں گمراہی کر دی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ فرقہ بندی یہ ہے کہ دین کے اسی اصولوں کو ترک کر دیا جائے یا ان کو غلط معنی پہنا دیے جائیں اور یا پھر غلط عقیدے وضع کر لیے جائیں۔ اچھے اعمال کو چھوڑ کر غلط رسومات کو اختیار کر لینا بھی فرقہ بندی میں شامل ہے۔ یہ ایک ہلک چنیر ہے جس کی انتہا جہنم ہے۔ فرمایا اس تمام تر فرقہ بندی کے باوجود كُلُّ حِزْبٍ لَّيْسَ لَهُمْ فَرْحُونَ ہر گمراہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے کہ وہ ٹھیک اُستے پر جا رہے ہیں۔ یاد رکھو! گمراہ فرقے وہ ہیں جن میں اساس دین کا بگاڑ ہے اس سے فروعات مراد نہیں ہیں کیونکہ فروعات میں توسع ہوتی ہے اگر اس میں اختلاف بھی ہوگا تو بنیاد بہر حال ایک ہی ہوگی۔ چنانچہ مشہور مذہب اربعہ یا محدثین میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ فرقہ بندی میں داخل نہیں۔ یہ سب لوگ ہدایت پر ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح عقیدے، رسومات اور اعمال میں گمراہی ہو تو یہ فرقہ بندی ہے جو کہ گمراہی ہے۔



فرمایا فَاذْكُرْهُمْ فِي غَمَرَاتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ اِنْ فَرَقْتَهُ  
 پرست گمراہ لوگوں کو ایک مقررہ وقت تک ان کی غفلتوں میں چھوڑ دیں۔ یہ لوگ  
 دنیا میں اپنا وقت گزاریں۔ اَيَحْسِبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ  
 مِنْ مَّاءٍ مَّكَالٍ وَبَيْنَا يَنْ كَيْفَ يَكْفِيهِمْ اَنْ كُنْ اَنْ كُنْ اَنْ كُنْ اَنْ كُنْ  
 کی صورت میں جو مدد کر رہے ہیں۔ نَسْكَارِمْ لَّهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ  
 تو کیا ہم اُن کے لیے بھلائیوں میں سبقت کر رہے ہیں؟ جب نافرمانی کے  
 باوجود اللہ کسی کو مال و اولاد میں برکت دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھ سے  
 راضی ہے جیسی تو انعام و اکرام ہو رہا ہے۔ فرمایا، یہ اُس کی خام خیالی ہے  
 سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (القلم - ۲۲)  
 یہ تو اسے تدریجاً ہے۔ ہم انہیں ایسے طریقے سے پکڑیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ  
 ہوگی۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اٰتٍ كَيْدِيْ مَتِّينٌ (القلم - ۴۵) میں  
 اُن کو مہلت دیتا ہوں اور میری تدبیر بڑی قوی ہے اگر اس زندگی میں بچ بھی گیا  
 تو اُنڈہ زندگی میں ضرور گرفت ہوگی۔ فرمایا، یہ لوگ توحید کی بجائے شرک، اعمال  
 صالحہ کی بجائے اعمالِ فاسدہ اور عقائدِ حقہ کی بجائے عقائدِ باطلہ اختیار کر کے  
 اور حلال و حرام کی تمیز سے صرفِ نظر کر کے سمجھ رہے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر  
 جا رہے ہیں۔ نہیں بَلْ لَا كَيْفَ رُؤْيٰ بَلْ اَنْ كُنْ تَوَشَّوْا رُؤْيٰ بَلْ اَنْ كُنْ تَوَشَّوْا رُؤْيٰ  
 مہلت دے رہا ہے اور یہ اپنی کارکردگی پر خوش ہو رہے ہیں غمخیز پر پکڑے  
 جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِنْ خَشِیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۝۵۷  
 وَالَّذِیْنَ هُمْ بِآیَاتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُونَ ۝۵۸ وَالَّذِیْنَ  
 هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُونَ ۝۵۹ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُونَ مَا اتُّوا  
 وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ اِنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝۶۰  
 اُولٰٓئِكَ یُسْرِعُونَ فِی الْخَیْرِ وَهُمْ لَهَا سَبِقُونَ ۝۶۱  
 وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدِیْنَا کِتَابٌ یُنْطِقُ  
 بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُونَ ۝۶۲ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِی غَمْرَةٍ  
 مِنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذٰلِكَ هُمْ  
 لَهَا عَمِلُونَ ۝۶۳ حَتّٰی اِذَا اَخَذْنَا مُتَرْفِعِهِمْ بِالْعَذَابِ  
 اِذَا هُمْ یَجْرُونَ ۝۶۴ لَا تَجْرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا  
 لَا تُنْصَرُونَ ۝۶۵ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ  
 فَكُنْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ ۝۶۶ مُّسْتَكْبِرِیْنَ  
 بِهٖ سَمِیْرًا تَهْجُرُونَ ۝۶۷

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے

ڈرنے والے ہوتے ہیں ۵۷ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں

پر ایمان رکھتے ہیں ۵۸ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ

کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے ۵۹ اور وہ جو دیتے ہیں

وہ چیز جو جیتے ہیں۔ اُن کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ بیشک انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے ⑥۰ یہی لوگ ہیں جو سبقت کرتے ہیں بھلائیوں میں اور وہ اس کے لیے سب سے آگے جانے والے ہوتے ہیں ⑥۱ اور ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اُس کی طاقت کے مطابق، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو بولتی ہے حق کے ساتھ۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ⑥۲ بلکہ نافرمانوں کے دل غفلت میں ہیں اس سے۔ اور ان کے لیے اعمال ہیں اس کے سوا جن کو وہ کرنے والے ہیں ⑥۳ یہاں تک کہ جب ہم ان میں سے پکڑتے ہیں آسودہ حال لوگوں کو عذاب کے ساتھ، تو یہی لوگ چلاتے ہیں ⑥۴ (اُدھر سے حکم ہوگا) مت چلاؤ آج کے دن۔ بیشک تم ہماری طرف سے مدد نہیں کیے جاؤ گے ⑥۵ تحقیق تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تم کو۔ پس تم اپنی ایڑیوں پر الٹے پلٹتے تھے ⑥۶ تکبر کرنے والے تھے اس کے ساتھ اور قصہ گوئی کرنے والے اور بیہودہ باتیں کرتے تھے ⑥۷

رابطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توجید ذکر کرنے کے بعد نافرمان لوگوں کا حال بیان کیا اور اس سلسلے میں بہت سے نبیوں کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا مگر انہوں نے انکار کیا۔ آخر میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کا بھی مختصر تذکرہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے تمام نبیوں کی مشترک تعلیم کا ذکر کیا۔ اللہ نے تمام رسولوں کو یہی اصول

سَمِعَافِ كَلُوا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَعَمَلُوا صَالِحًا هَمِيشَہ حلال اور طیب  
چیز کھاؤ اور نیک اعمال انجام دو۔ اسی اصولِ ملت کی تعلیم انبیاء علیہم السلام نے  
عام لوگوں کو بھی دی۔ پھر بعد میں لوگوں میں اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ مختلف  
فرقوں میں بٹ گئے۔ بہت سے گمراہ فرقے پیدا ہوئے جنہوں نے دین کے  
اصول ترک کر دیے، یا پھر ان کو غلط معنی پہنا کر ان سے غلط مطالب اخذ کیا۔ ان  
کا عقیدہ فاسد اور اخلاق بگڑ گیا۔ ہر گروہ اپنے اپنے عقائد میں مگن ہو گیا اور اسی کو  
اصل دین سمجھنے لگا۔ لیکن اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ ان غفلت میں پڑے ہوئے  
لوگوں کو چھوڑ دو، ہم نے ان کو دنیا کا مال، اولاد، اور دیگر نعمتیں عطا کی ہیں مگر  
یہ لوگ ان اشیاء میں اپنی بہتری خیال نہ کریں۔ آج یہ لوگ لہو و لعب اور عیش و عشرت  
میں پڑے ہوئے ہیں مگر ایک دن آنے والا ہے جب یہ بتلائے غدا ہوں  
گے۔ ان کی موجودہ آسودہ حالی محض استدراج ہے اور انہیں اللہ کی طرف سے  
مہلت مل رہی ہے جس سے یہ فائدہ اٹھا کر ایمان نہیں لے آتے۔ دراصل ان کو  
حق و باطل کی پہچان کا شعور ہی نہیں ہے۔

اہل ایمان کے  
خصائل

اب اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کے مقابلے میں اہل ایمان کے بعض خصائل  
بیان کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَخِشَوْنَ  
رَبَّهُمْ مُّشْفِقُونَ اٰیْمَان اور نیکی والے لوگ وہ ہیں جو اپنے رب کے  
خوف سے ڈرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی کا  
ارتکاب نہ کر نہ بیٹھیں جسکی وجہ سے ان کی گرفت ہو جائے۔ یہ لوگ اپنے رب  
کے انعامات کی ناقدری نہیں کرتے بلکہ ہر نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔  
فرمایا نیکی والوں کی دوسری خصلت یہ ہے وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ  
رَبِّهِمْ يُوَدُّونَ وہ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں آیات  
میں معجزات، قدرت کی نشانیاں، احکام، کتب سماویہ، تمام شرائع اور دین و ملت  
کے اصول سب چیزیں شامل ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اطاعت گزار ان سب چیزوں



پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ برحق ہیں اور وہ انہی کے اتباع میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

فرمایا تیسری خصلت یہ ہے وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ  
 کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے۔ وہ خالص ایمان اور  
 توحید پر قائم رہتے ہیں۔ اُن میں کسی قسم کا جلی یا خفی شرک نہیں پایا جاتا اور ان کے عمل  
 میں سچائی اور اخلاص ہوتا ہے۔ غرضیکہ ایسے لوگ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو  
 شریک بناتے ہیں، نہ صفات میں اور نہ عبادت میں۔ اُن کو یقین ہوتا ہے کہ  
 سارا اختیار اللہ کے پاس ہے اور اختیار میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔  
 فرمایا وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا اللّٰهَ کے نیس بندوں کی چوتھی  
 خصلت یہ ہے کہ وہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں۔ یادہ کرتے ہیں جو کچھ کرتے  
 ہیں اس حالت میں وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَّةٌ کہ اُن کے دل اس بات سے  
 خوفزدہ ہوتے ہیں أَنَّهُمْ رَاجِعُونَ کہ بیشک وہ  
 اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
 کی روایت میں موجود ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا  
 حضرت کیا يُؤْتُونَ مَا آتَوْا میں ہر اچھا برا عمل شامل ہے؟ فرمایا  
 یا بنت صدیق اس سے بڑائی کے کام از قسم چوری، ڈاکہ زنا وغیرہ نہیں۔ بلکہ صرف  
 نیکی کے کام مراد ہیں۔ یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ نماز، روزہ، صدقہ خیرات وغیرہ کام  
 کرنے کے باوجود اپنے رب سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں  
 آپ دن اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی غامی  
 کی بناء پر اُن کی کوئی نیکی قبول ہی نہ ہو اور وہ انہیں شرمندگی اٹھانا پڑے۔ وہ  
 اسی فکر میں غلطان رہتے ہیں۔ امام حسن علیہ السلام کا قول ہے کہ مومن نیکی اور خوف خدا  
 کو جمع کرتا ہے جب کہ منافق آدمی برائی اور بے فکری کو اکٹھا کرتا ہے۔ تو  
 مومن کی حالت یہ ہے کہ نیکی کے کام انجام دینے کے باوجود وہ خدا سے ڈرتے  
 رہتے ہیں جب کہ منافق لوگ برائی بھی کرتے ہیں اور اُن میں خوف خدا بھی پیدا

نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایمان کی علامت ہیں۔ نیکی کی قبولیت کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس شخص کی کون سی نیکی درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، اور کون سی نیکی رائیگاں گئی ہے بہت سے لوگ ہیں جو راہِ خدا میں صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور نیکی کے دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں مگر وہ غیر معیاری ہونے کی بنا پر درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ پاتے۔ اور جو لوگ نیکی کا کام کرنے کے باوجود دل میں ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں یہ قبول بھی ہوئی ہے یا نہیں، فرمایا اَوَّلُكَ يَسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ یہی لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں یعنی ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں وَهُمْ لَكَا سَاقِقُونَ اور وہ ایسے کام میں سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ کسی شخص کی طاقت سے باہر کسی کام پر اللہ تعالیٰ باز پرس نہیں کرتا۔ دین میں اللہ نے بڑی وسعت رکھی ہے اور فرمایا ہے اَلْدِّيْنُ يُسْرًا یعنی دین آسان ہے، اس میں کوئی مشکل بات نہیں ہے جو انسان کے بس سے باہر ہو۔ اللہ نے انسان کی سہولت کی خاطر اس کے ہر عذر پر رخصت رکھی ہے۔ مگر انسان ہے کہ طاقت بڑھنے کے باوجود نیکی کے کاموں میں کوشش نہیں کرتا۔ لاپرواہی کرنا ہے جس کا نتیجہ خطرناک صورت میں ظاہر ہو گا۔

انسان کا نامہ اعمال

فرمایا وَلَكَدْ يَنَّا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ ہمارے پاس ایک نوشتہ اور کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسانوں کے اعمال نامے محفوظ کر رکھے ہیں جنہیں عزرائل عمل کے وقت سامنے رکھ دیا

جائے گا اور ہر شخص سے کہا جائے گا اِقْرَأْ کِتَابَکَ رَبِّیْ اَسْرِیْل (۱۴) اپنا  
 اعمال نامہ خود ہی پڑھ لو۔ جو لوگ اس دنیا میں بالکل اُن پڑھ نہیں۔ وہ بھی خدا کے حضور  
 اپنی کارکردگی کا مطالعہ خود کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن میں پڑھنے کی استعداد پیدا کر  
 دے گا اور وہ اپنی زندگی بھر کی پونجی کا ریکارڈ خود پڑھ سکیں گے۔ اور پھر کہیں گے  
 مَا لَ هَذَا الْکِتَابِ لَا یُعَادِرُ صَفِیْنَةً وَلَا کِبِیْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا  
 وَوَحَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الحکف ۴۹۰) یہ کیسی کتاب ہے  
 جو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو بلکہ اس نے ہر عمل کا احاطہ کر رکھا  
 ہے۔ پھر وہ اپنا ہر عمل اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ حدیث قدسی میں حضور کا  
 فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اِنَّمَا هِیْ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا عَلَیْکُمْ  
 یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں نے شمار کر رکھا ہے۔ جو ان میں بھلائی ہے  
 وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جو ان میں برائی دیکھے فَلَا یُکُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسُهُ  
 تو وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔ غرضیکہ قیامت والے دن جزا و سزا کا فیصلہ  
 ہر آدمی کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ اور اُن پر کسی  
 قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

نافرمانوں کا  
 حال

اہل ایمان کے ذکر کے بعد آگے اللہ نے پھر نافرمانوں کا حال بیان  
 کیا ہے بِلْ قُلُوْبِهِمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا  
 اس طرف سے یعنی آخرت کی جانب سے اُن کے دل غمخت میں پڑے  
 ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِکَ  
 هُمْ لَهَا عَمِلُوْنَ کہ ان غافل لوگوں کے اعمال اہل ایمان کے اعمال  
 سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ نیکی کی بجائے برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بجائے  
 اس کے کہ وہ توحید پر ایمان لاتے وہ کفریہ، شرکیہ کام انجام دیتے ہیں۔  
 رسوماتِ باطلہ، لہو و لعب، نفاق اور بد عملی میں مبتلا ہیں۔ وہ آخرت کی  
 طرف دھیان ہی نہیں کرتے اور نہ اُس کے لیے کوئی تیاری کرتے ہیں۔



اگر کوئی عمل کرتے ہیں تو ریاکاری کے لیے جو ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرتے اُن کے ہاتھوں قوم و ملک کی بھلائی کا کوئی کام انجام نہیں پاتا، بلکہ شیطان کے اتباع میں غرور و تجبر والے کام کرتے ہیں جن میں رسوماتِ فاسدہ پیش پیش ہوتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ غافل لوگ کرنے والے کام تو کرتے نہیں اور ان کی بجائے دوسرے کام کرتے ہیں جو انہیں مزید گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ ۖ هِيََا تَك  
 کہ جب ہم ان کے اسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیتے ہیں إِذَا هُمْ  
 يَجْعُرُونَ تُو وہ چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ واولا کہہ تے ہیں کہ یہ کیا ہو  
 گیا ہے۔ پھر ادھر سے آواز آتی ہے لَا تَجْعُرُوا الْيَوْمَ آج کے  
 دن مت چلاؤ۔ تم نے دنیا میں نیچی کی طرف دھیان نہ دیا۔ خدا کی توحید، اس کے  
 رسولوں اور قیامت کا انکار کیا۔ آج جب تم اپنے انجام کو پہنچ چکے ہو اِنَّكُمْ  
 مِّنَ الْكٰفِرِيْنَ لَا تُنصِرُوْنَ تُو آج ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جاگی  
 ہم نے تمہیں زندگی دی۔ ہدایت کے سائے سامان مہیا کیے مگر تم نے کچھ پڑا  
 نہ کی۔ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِيْ تَتْلٰی عَلَيْكُمْ مِّمَّنْ اٰیٰتِیْنَ تَم  
 پڑھتی جاتی تھیں۔ میرے احکام، شرائع اور قوانین تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے  
 تھے۔ فَكُنْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ مگر تم اپنی اڑیوں  
 کے بل پٹ کر بھاگتے تھے اور میرے فرامین کو غننے کے لیے بھی تیار نہ تھے  
 عام کافروں کا وطیرہ اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کہتے  
 تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَفٰی فِیْہِ (حمر سجدہ ۵۰: ۲۶)  
 شور و غل مچاؤ تاکہ قرآن کی آواز ہی کانوں میں نہ پڑے۔ مینا نقور کا حال بھی یہ  
 تھا کہ جب قرآن کی بات ہوتی تو آنکھ بچا کر مجلس سے کھسک جاتے، تو  
 فرمایا، آج تو چیخنے چلاتے ہو مگر دنیا میں تو نیچی کے کام سے بھاگتے تھے



مُسْتَكْبِرِينَ بِہ تم غرور و تکبر میں مبتلا تھے۔ انبیاء کو حقیر سمجھتے تھے اور اہل ایمان کو ذلیل کہتے تھے۔ اپنے مالوں اور اولادوں پر اتراتے تھے اور اہل ایمان کی بات تک سننے کے لیے تیار نہ تھے۔

بہ کے مرجع کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مرجع عمر شریف ہے، یعنی نافرمان لوگ عمر شریف میں تکبر کرتے تھے۔ اس کا مرجع کتاب یعنی قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح معنی یہ ہو گا کہ وہ لوگ قرآن پاک کے ساتھ تکبر کرتے تھے اور اگر بہ کا مرجع پیغمبر علیہ السلام کی ذات ہو تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ نبی کے ساتھ تکبر کرتے تھے۔

پھر فرمایا تَهْجُرُونَ ہستم چاندنی رات میں قصہ گوئی کرنے کو کہتے ہیں کفار و مشرکین بیت اللہ شریف کے گرد بیٹھ کر راتوں کو قصے بیان کیا کرتے تھے، اس لیے اُن کی ایک یہ خصلت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ سامر تھے۔ وہاں یہ وہ پیغمبر اسلام کے متعلق بھی یہودہ گفتگو کرتے تھے۔ بھی شاعر، بھی کامن اور بھی مجنون کہتے تھے اس نے فرمایا وہ تَهْجُرُونَ یعنی باوا گوی کر کے والے تھے۔ فضول باتیں کرنے تھے۔ اگر یہ لفظ تَهْجُرُونَ کے مادہ سے ہو تو یہی معنی ہے۔ اور اگر تَهْجُرُونَ کے مادہ سے ہو تو اس کا معنی چھوڑنا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو قصہ گو سمجھ کر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ سکامر اور تہجر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کو قصہ گو سمجھ کر تکبر کرتے تھے اور پھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ یہ حال بیان کرنے کے بعد اللہ نے آگے مزید تفصیلات بیان کی ہیں اور اُن کا انجام بھی ذکر کیا ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمْ  
 الْأَوَّلِينَ ۖ (۶۸) أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۖ (۶۹)  
 أَمْ يَقُولُونَ بَاءٌ جَنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَكَثُرَهُمُ  
 لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۖ (۷۰) وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ  
 السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ  
 فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۖ (۷۱) أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا  
 فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ۖ (۷۲) وَإِنَّكَ  
 لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ (۷۳) وَإِنَّ الَّذِينَ  
 لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَالِكُونَ ۖ (۷۴) وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ  
 وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ  
 يَعْمَهُونَ ۖ (۷۵) وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا  
 اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۖ (۷۶) حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا  
 عَلَيْهِمُ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذْ هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۖ (۷۷)

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا اس بات میں

یا آئی ہے انکے پاس وہ بات جو اُن کے پہلے آباؤ اجداد کے

پاس نہیں آئی تھی (۶۸) یا انہوں نے نہیں پہچانا اپنے رسول کو

پس وہ اس کو اوپر سمجھ رہے ہیں (۶۹) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے۔ نہیں بلکہ وہ لایا ہے ان کے پاس حق بات، اور اکثر ان میں سے حق بات کو ناپسند کرنے والے ہیں (۷۰) اور اگر پیروی کرے حق ان کی خواہشات کی تو البتہ بگڑ جائیں گے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ نہیں بلکہ ہم لائے ہیں ان کے پاس ان کیلئے نصیحت کی بات۔ پس وہ اپنی اس نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں (۷۱) کیا آپ ان سے کچھ خراج مانگتے ہیں۔ پس تیرے رب کا خراج بہتر ہے، اور وہ بہتر روزی مینے والا ہے (۷۲) اور بیشک آپ البتہ ان لوگوں کو بلاتے ہیں سیدے راستے کی طرف (۷۳) اور تحقیق وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر سیدے راستے سے، وہ مٹنے والے ہیں (۷۴) اور اگر ہم اُن پر رحم کریں اور کھول دیں جو کچھ اُن کو تکلیف ہے تو البتہ وہ برابر اصرار کریں گے اور اپنی سرکشی میں سرگردان ہوں گے (۷۵) اور البتہ تحقیق ہم نے پکڑا ہے اُن کو عذاب کے ساتھ۔ پس نہیں دے وہ اپنے رب کے سامنے اور نہیں وہ گڑگڑاتے (۷۶) یہاں تک کہ جب ہم نے کھول دیا اُن پر ایک دروازہ مستقل شدید عذاب کا تو اچانک وہ لوگ اُس میں مبتلا ہو کر مایوس ہو گئے (۷۷)

پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اوصاف بیان کیے اور پھر نافرمانوں

رب آیات

کی غفلت کا شکار کیا کہ وہ قرآن پاک اور ہدایت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے جس کی وجہ سے ان میں مسلسل انکار اور ربائی پر اصرار پایا جاتا ہے۔ اللہ نے مشرکین کی اس غلط ذہنیت کا رد فرمایا۔

تدبر فی القرآن

اب اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ کیا ان لوگوں نے اس قرآن پاک میں غور و فکر نہیں کیا؟ یہ وہی قرآن کریم ہے جس کے متعلق گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ کفار و مشرکین اسے قصہ کہانی سمجھ کر چھوڑ جاتے تھے۔ اگر یہ لوگ کلام الہی میں غور و فکر کرتے تو ان پر ہدایت کے دروازے کھل جاتے اور اللہ کے کلام کا کمال ان پر ظاہر ہو جاتا۔ اللہ نے عام انسانوں کے متعلق بھی فرمایا: أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد - ۲۴) کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں؟ ذرا غور کریں تو انہیں پتہ چلے کہ یہ بے مثال اور معجز کلام ہے۔ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (النساء - ۱۷۵) ہم نے آپ کی طرف نور مبین نازل کیا ہے۔ اگرچہ ساری کتب سماویہ نور ہیں مگر قرآن کو اللہ نے نور مبین کہہ کر پکارا ہے۔ یہ بڑی واضح روشنی ہے جس کے سامنے کفر و شرک کے تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور ایمان کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ نے تو یہ عبرت کا سامان مہیا کیا ہے مگر مشرکین اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ قرآن میں تدبر کے فقدان کی وجہ سے ہی آج مسلمانوں کی حالت بحیثیت مجموعی ناگفتہ بہ ہے۔ قرآن میں غور و فکر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہی سیکھ لیں، مگر یہ تو قرآن کا ظاہری مفہوم بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یہ جانیے اس کے علوم و معارف تک پہنچتے۔ اللہ نے فرمایا ہے كِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبِينًا لِيَذَّبَرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أُولَٰئِكَ (ص - ۲۹) ہم نے یہ مبارک کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ صاحب عقل لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس سے نصیحت حاصل کریں مگر





رَسُولَهُمْ کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا فَهَسَوْلُهُمْ لَكُمْ مِّنْكُمْ اور یہ اس کو اور پہنچا ہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انکار کی وجہ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے رسول کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبل از نبوت چالیس سالہ زندگی بھی ان کے درمیان گزری ہے۔ انہوں نے کبھی آپ کی پہچانی۔ امانت، دیانت، پاکیزہ اخلاق و گفتگو پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ لوگ آپ کی پوری زندگی سے واقف ہیں، ہر شخص ان کی دیانت، امانت اور راست بازی کی تعریف کرتا رہا ہے اور اب دعویٰ نبوت کے بعد ان کی آنکھیں ہی بدل گئی ہیں اور آپ کو اچھی طرح پہچاننے کے باوجود آپ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں۔ اسی بات کو اللہ نے سورۃ یونس میں حضور علیہ السلام کی زبان سے اس طرح کہلوا دیا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتَ فِيكُمْ عُمَرًا مِّنْ قَبْلِهِ، اَفَلَا تَعْقِلُونَ (آیت ۱۶)

اس سے پیشتر میں نے عمر کا بہت سا حصہ تمھارے درمیان گزارا ہے۔ تم میرے اطوار و خصائل سے بخوبی واقف ہو۔ کیا اس کے باوجود تم عقل سے کام نہیں لیتے اور مجھے جھٹلاتے ہو؟ فرمایا نہ تو قرآن نے کوئی نئی بات پیش کی ہے جس کا تم انکار کرتے ہو، اور نہ ہی تم مجھ سے ناواقف ہو، پھر صلاہت کہتے ہو کہ قبول کرتے؟ فرمایا، کیا تم اس وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اَمْرٌ يَقُولُوْنَ بِهٖ جَنَّةٌ کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی کو نعوذ باللہ جنوں ہو گیا ہے۔ یہ پاگلوں جیسی باتیں کرتا ہے۔ فرمایا تمھارا یہ اعتراض بھی غلط ہے حقیقت یہ ہے بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ کہ اللہ کا رسول ان کے پاس سچی بات لے کر آیا ہے وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُوْنَ مَعَكُمْ ان کی اکثریت حق کو پسند نہیں کرتی۔ جنوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (العلم - ۲) اللہ کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں۔ آپ تو منبع علم و حکمت ہیں۔ اللہ کے کلام کی تو کوئی مثال ہی نہیں، خود آپ کے ذاتی کلام میں بھی کمال درجے کی حکمت اور عوالت پائی جاتی ہے۔ محدثین کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے آپ کو

کلام کا ایسا مکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کے ایک منہ ادا کیے جانے والے جملہ سے محدثین نے ایک سو مسائل نکالے ہیں۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک جملے کی سارا ساہوین تشریح کرتے رہیں تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نبی تو سچی بات لایا، مگر یہ لوگ ہٹ دھرمی کی بنا پر اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ ان کی خواہش تو یہ ہے کہ خود نبی ان کی بات مان لیں۔ وَذُو الْوُتْدِ هِنُ فِیْ ذِھِنُوْنَ (القلم - ۹) چاہتے تھے کہ حضور علیہ السلام کچھ بڑھیلے پڑ جائیں یعنی وہ بھی ہماری کوئی بات مان لیں تو ہم بھی ان کی کچھ باتیں تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح وہ سورسے بازی کرنا چاہتے تھے۔ بعض یہ اعتراض کرتے کہ لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْبَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مگر اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ اس شخص کو ہم کیسے نبی مان لیں جس کی مالی طور پر کوئی حیثیت نہیں نہ زمین ہے، نہ باغات، نہ مال تجارت رکھتا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی عظام ہیں۔ کیا اللہ کے پاس سب کے منہ پر کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا، بہر حال اللہ نے ان سب اعتراضات کا رد فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اللہ کا نبی حق بات ہی لے کر آیا ہے۔

حق و باطل  
کی کشمکش

فرمایا وَلَوْ اَتَّبَعَ الْخَوَّ اَهْوَاءَهُمْ اَکْمَرُ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ تَرٰ اَسْمٰنٌ وَّ زَمِیْنٌ اُوْرَ اِنْ مِیْنٌ مَّوْجِدٌ ہر چیز بگڑ جائے، اگر اللہ کا نبی غلط بات کو تسلیم کر لے تو فرشتے اور انسان بگڑ جائیں اور پھر ساری مخلوق بگڑ جائے۔ ایسی حالت میں کائنات کی بقا کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ مطلب یہ ہے کہ حق کسی باطل کی پیروی نہیں کر سکتا۔ حق ہمیشہ مٹنے والا ہے جب کہ باطل ناپائیدار چیز ہے۔ فرمایا اَبَلْ اَتَّیْنٰھُمْ بِذِکْرِھِمْ بَلْکَہُمْ تَوْقَرٰنٌ کی صورت میں ان کے پاس ایک نصیحت لائے ہیں فَھُمْ عَنْ ذِکْرِھِمْ مُّعْرِضُوْنَ مگر وہ لوگ اپنی نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں۔ یہ کتنی بے بختی کی بات ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح پہلے



تو کتاب کا خود مطالبہ کیا۔ کہتے تھے کہ اہل کتاب کے پاس کتاب موجود ہے ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت کی کتاب ہونی چاہیے۔ مگر اللہ نے وہ کتاب نازل فرمائی تو صاف انکار کر دیا۔

انبیاء کی  
بے لوث  
تبلیغ

فرمایا أَمْ تَسْأَلُهُمْ خُجًّا کیا آپ ان سے کوئی فیس یا میس مانگتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کر رہے ہیں۔ ایسی بات بھی نہیں ہے کہ اللہ کا نبی ان کو تبلیغ کرنے کی ان سے مزدوری یا معاوضہ طلب کرے اس کے برخلاف اللہ کے ہر نبی نے تو یہی اعلان کیا وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء ۱۲) لوگو! میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، کیونکہ میرا معاوضہ تو اللہ کے پاس ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں نے تمہارے فائدے کی بات کی ہے اور یہ میری بے لوث خدمت ہے۔ کاہن، بخومی، شاعر، حکیم وغیرہ بھی اپنی کارکردگی کی فیس وصول کرتے ہیں مگر نبی کہتے ہیں کہ ہماری بات سنو اور قبول کر دو، یہی ہمارا معاوضہ ہے۔

فرمایا، کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ ایسی بات نہیں ہے بلکہ فَخَرَجَ رِبِّيَ خَيْرٌ آپ کو اپنے پروردگار سے ملنے والا معاوضہ ہی بہتر ہے۔ دنیا کے حقیر مال اور چند ٹکوں کے مقابلہ میں اللہ کا عطا کردہ معاوضہ لازوال ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرِّزْقَيْنِ اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے چونکہ رزاق اللہ ہے، اس لیے اللہ کے نبی تم سے کچھ نہیں مانگتے۔ یہاں پر کوئی خود غرضی یا مالی منفعت کی بات نہیں بلکہ سراسر اخلاص اور بے لوث خدمت ہے۔ اب بھی اگر تم اس دعوت حق کو قبول نہ کرو تو پھر یہ تمہاری بد بختی کی علامت ہے۔ فرمایا وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ آپ تو ان کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اس میں آپ کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ ایمان اور نیکی کا راستہ تیار ہے، عقیدے، اخلاق اور عمل کی



آخرت کی  
بے یقینی

پاکیزگی کی بات تباہ ہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ  
مُسْتَقِيمٌ (الحجر - ۴۱) میری رضا و رحمت تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔  
فرمایا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وہ لوگ جو آخرت پر  
ایمان نہیں رکھتے عَنِ الصِّرَاطِ لَنَارُ كِبُونٍ وہ سیدھے راستے سے مڑنے  
والے ہیں۔ اگر انہیں قیامت اور محاسبہ اعمال کا ڈر ہوتا تو یہ ضرور سیدھا راستہ اختیار کر لیتے  
معاذ کا عدم تصور ان کے لیے رکاوٹ کا باعث ہے۔ چنانچہ آخرت کی بے یقینی کے  
متعلق اللہ نے قرآن میں مختلف مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ گناہوں کا سبب بنتی ہے  
جب کوئی شخص محاسبہ اعمال سے بے خوف ہو جاتا ہے تو پھر وہ برائی کے ارتکاب  
میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا۔

کفار کی  
عبرت شکنی

بعض سورتوں میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مشرکین کے شرور سے تنگ آکر  
حصنہ علیہ السلام نے اللہ کے ہاں درخواست کی کہ موئی کریم! ان کو کسی ابتلا میں ڈال  
شاید ان کو اسی طریقے سے تنبیہ ہو جائے۔ چنانچہ مکے میں قحط پڑ گیا۔ پھر مشرکین کا  
ایک وفد نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں  
دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قحط سے نجات دے۔ انہوں نے آپ کو یقین دلانے  
کی کوشش کی کہ اس مصیبت کے دور ہو جانے پر ہم آپ کی بات مان لیں گے۔  
مگر جب وہ تکلیف دور ہو گئی تو ان کا کفر اور شرک پہلے سے بھی بڑھ گیا۔ اللہ نے  
اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ  
مِنْ ضُرٍّ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف دور کر دیں، لَلْجُوفِ  
طُفْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب  
مکے والوں سے قحط دور ہو گیا۔ تو وہ پھر کفر پر اصرار کرنے لگے۔

فرعونوں کے ذکر میں بھی ملتا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ علیہ السلام  
سے آکر کہتے کہ دغا کر دیا کہ یتنگی دور ہو جائے تو ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے  
اور آپ پر ایمان بھی لے آئیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْنَ الی

أَجَلُ هُمْ بِالْغَوَةِ إِذَا هُمْ يَنْجُوْنَ (اناعراف - ۱۳۵) پھر جب ہم نے اُن کی تکلیف کو دور کر دیا جو ان کو پہنچنے والی تھی تو انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا۔

شدید عذاب  
کا دروازہ

فَرِیَا وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْعَذَابَ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابًا مُّتَشَتِّعَاتٍ لِّئَلَّا يُخَفِّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ لَئِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ (سجده - ۲۰) فرمایا وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ (پھر ہم نے ان کو پکڑا عذاب کے ساتھ۔ فَمَا اسْتَكَانُوا لِلْوَيِّْ لَمْ يَسْأَلُوا عَنْهُ وَمَا يُنْصَرِعُونَ پس یہ نہ بے اپنے پروردگار کے سامنے اور نہ گڑ گڑائے، شاہ عبدالقادر مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ اس عذاب سے وہی مکے کا قحط مراد ہے۔ اس آزمائش پر انہیں خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیے تھا، گڑ گڑ کر معافی طلب کرنی چاہیے تھی، مگر انہوں نے نہ تو معافی طلب کی اور نہ حق کو تسلیم کیا۔ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابًا مُّتَشَدِّدَاتٍ لِّئَلَّا يُخَفِّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ لَئِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ (پھر جب ہم نے ان پر شدید عذاب کا دروازہ کھول دیا۔ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبَسِّسُونَ تَوَاجَّاهُمْ وَوَجَّهْنَا لِيُسْأَلُوا فَمَنْ أَتَىٰ اللَّهَ بِحَدِيثٍ مُّذْخَرٍ لِّكُلِّ لَوْمَةٍ لَّوْمَةٌ تُجَبَّرُ لَهَا وَلَئِنَّ أَعْيُنَ النَّاسِ لَأَنبَغِيهَا لَوْلَا رَدُّ الْفِتْنَةِ لَسَدَّتْ الْجَنَّتِمْ فَمِنْ حَتَّىٰ لَبِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا وَلَوْ كَانُوا يَلْقَوْنَ رَبَّهُمْ لَعَذَابُ الْآلَاءِ لَشَدِيدٌ (سجده - ۲۱) اسی طرح اللہ نے ان کو شدید عذاب میں مبتلا کر دیا۔ عرب کے کفار و مشرکین تو حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی ختم ہو گئے۔ اُمّۃ الکفر مارے گئے اور باقیوں نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر رومیوں اور ایرانیوں اور دوسری قوموں کے مقابلے میں بھی مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ یہی مستقل نثر کا دروازہ تھا۔ پھر جب مسلمانوں میں جذبہ جہاد کمزور پڑ گیا، ان میں آرام طلبی اور عیش و عشرت آگئی، تو ان کو وہ مقام حاصل نہ رہا۔ اب غیر مسلموں کے دلوں میں اہل ایمان کا کچھ رعب باقی نہیں رہا، بلکہ اب

شدید عذاب کا دروازہ یہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کو مسلسل جہاد کرنے کا حکم دیدیا۔ فرمایا کفار و مشرکین کی سرکوبی کے لیے جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ - ۴۱) اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد میں کود پڑو۔ شروع شروع میں کفار نے اہل ایمان کا بڑا مقابلہ کیا جیسا کہ بدر، احد اور احزاب کی جنگوں سے ظاہر ہوتا ہے مگر آہستہ آہستہ مغلوب ہونے لگے اور اس طرح اللہ نے ان کو شدید عذاب میں مبتلا کر دیا۔ عرب کے کفار و مشرکین تو حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی ختم ہو گئے۔ اُمّۃ الکفر مارے گئے اور باقیوں نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر رومیوں اور ایرانیوں اور دوسری قوموں کے مقابلے میں بھی مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ یہی مستقل نثر کا دروازہ تھا۔ پھر جب مسلمانوں میں جذبہ جہاد کمزور پڑ گیا، ان میں آرام طلبی اور عیش و عشرت آگئی، تو ان کو وہ مقام حاصل نہ رہا۔ اب غیر مسلموں کے دلوں میں اہل ایمان کا کچھ رعب باقی نہیں رہا، بلکہ اب

یہ خود مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ کافروں پر شدید عذاب کا دروازہ آہستہ آہستہ بند ہوتا  
چلا گیا اور اب دنیاوی لحاظ سے یہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں کو ملاتی ہیں۔ اب سائنس  
اور ٹیکنالوجی ان کے پاس ہے اور مسلمان تہی دست ہو چکے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ  
انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنا ترک  
کر دیا ہے۔ نہ اس کے پروگرام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس پر عمل  
کرتے ہیں۔ ان میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں اور اب یہ اغیار کے زیر اثر ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْإِفْدَةَ  
 قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي  
 الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَ  
 يُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا  
 تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾  
 قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّنَا  
 لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاءُنَا هَذَا مِنْ  
 قَبْلُ إِنَّا هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ :- اور اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بنائے ہیں  
 تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل ، بہت کم تم شکر  
 ادا کرتے ہو ﴿۷۸﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے تم  
 کو پھیلا دیا ہے زمین میں ، اور اُسی کی طرف تم اکٹھے  
 کیے جاؤ گے ﴿۷۹﴾ اور وہ وہی ذات ہے جو زندہ کرتا  
 ہے اور موت دیتا ہے ، اور اُسی کے قبضہ میں ہے  
 اختلاف رات اور دن کا ، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ﴿۸۰﴾  
 بلکہ کہا اُن لوگوں نے مثل اُس کے جو پہلے لوگوں نے  
 کہا ﴿۸۱﴾ انہوں نے کہا کیا ہم جب مر جائیں گے اور ہو



جائیں گے مٹی ، اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۸۲) بیشک ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور ہمارے آباؤ و اجداد سے اس بات کا اس سے پہلے ، لیکن نہیں ہے یہ مگر قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی (۸۳)

ربط آیات

اللہ نے نافرمانی کرنے والے لوگوں کا حال بیان کیا اور اُن کی سرکشی کا ذکر کیا۔ انہوں نے اللہ کے عطا کردہ انعامات کی ناقدری کی۔ اُن کو اللہ کی طرف سے مہلت ملتی رہی مگر وہ کفر و شرک پر ہی اصرار کرتے رہے۔ اللہ نے اُن کو تنبیہ بھی کی، مگر وہ برائیوں سے باز نہ آئے۔ پھر اللہ نے اُن پر عذاب کا ایک مستقل دروازہ کھول دیا۔ یعنی مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دے دیا۔ ابتدا میں تو کفر و اسلام کا بڑا مقابلہ ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ کفار مغلوب ہوتے چلے گئے اور پھر آخر میں بڑے بڑے سرداران کفر مارے گئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا، اس طرح کفار مایوس ہو کر بھیڑ گئے۔

توحید اور معاد کا ذکر

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور معاد کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔ اللہ نے ایسے شواہد بیان فرمائے ہیں جن میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل پائی جاتی ہے تو دوسری طرف وقوع قیامت کا ثبوت ملتا ہے۔ توحید کے عقلی اور نقلی دلائل گزشتہ دروس میں بھی بیان ہو چکے ہیں۔ اب یہاں بھی اللہ نے بعض اندرونی اور بیرونی مشاہدات کے ذریعے اپنی توحید پر دلیل قائم کی ہے۔ وقوع قیامت سے متعلق کفار و مشرکین کا انکار تیسرے رکوع میں بھی گزر چکا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری موت و حیات تو اسی دنیا تک محدود ہے، اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ اور اس کے بعد کچھ نہیں۔ آج کے درس میں بھی کفار کا اسی قسم کا عنادیہ ظاہر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے نظریہ کا رد فرمایا ہے۔

کان اور آنکھ  
کی نعمت

اندرونی دلائل قدرت میں سے اللہ نے انسان کے بعض حواسِ ظاہرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي رَحِيمٌ وَكَرِيمٌ اور قدرتِ نامہ کی مالک وہ ذات ہے أَنْشَأَكُمْ مِّنَ السَّمْعِ وَالْأَبْصَارِ جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں بنائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ انسان کا کان معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر کسی کے کان سلب ہو جائیں تو انسان کو بیشتر معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اگرچہ مشاہدہ کے ذریعے بھی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مگر علم کا اصل ذریعہ قوتِ سماعت ہی ہے۔ کانوں کے ذریعے ہی وعظ و نصیحت کی باتیں سنی جاتی ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور بُرائی کی باتیں گانے بجانے بھی انہی کانوں کے ذریعے سنتے ہیں۔

جن سے بچنے کا حکم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر بہت سی جگہوں پر کر کے ان کی افادیت کو ظاہر کیا ہے اور ان قویٰ کو دلائل قدرت کے طور پر بیان کیا ہے۔

امام رازیؒ اور بعض دیگر حضرات نے اس بات میں بحث کی ہے کہ انسان کے لیے کانوں کی اہمیت زیادہ ہے یا آنکھوں کی۔ اگر قوتِ سماعت موجود ہے تو آنکھوں کے بغیر بھی انسان بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے اور اچھائی اور بُرائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ اور اگر قوتِ سماعت ختم ہو جائے تو انسان کی زندگی مشلوں ہو کر رہ جاتی ہے۔

آنکھیں بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں جن کے ذریعے مختلف شکلوں اور رنگوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ آنکھوں کے بغیر پورا جہان گھپ اندھیر ہے۔ اسی لیے اللہ نے جہاں اپنی دیگر نعمتوں کا ذکر کیا ہے وہاں آنکھوں کی نعمت کا احسان بھی بتلایا ہے۔ أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ (البقرہ - ۸) کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں نہیں دیں جن کے ذریعے اچھائی اور بُرائی میں امتیاز کرتے، ان کے ذریعے اللہ کی کتاب اور دیگر دینی کُتب کا مطالعہ کرتے جن سے فکرم پاک ہوتی



یہ خراب ہے تو سارا جسم ہی خراب ہے۔ الغرض! کان، آنکھ اور دل کی نعمتوں کا ذکر دوسرے مقامات پر آتا ہے مثلاً سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْعُوْرًا (۲۳۹)

کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق قیامت کے دن باز پرس ہوگی کہ میں نے تمہیں یہ عظیم نعمتیں عطا کی تھیں، تم نے ان کو کس طرح استعمال کیا؟

انسان کی  
ناشکری

فرمایا، میں نے تمہیں یہ بہت بڑی نعمتیں عطا کی تھیں مگر افسوس قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو، تم کو یہ تھا کہ ان قوی کے ذریعے اچھالی کی باتیں حاصل کرتے، خدا کی وحدانیت کو اپنے دل میں جگہ دیتے اور برائی سے نفرت کرتے، مگر تم نے ان نعمتوں کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ تم نے کانوں کے ذریعے بیودہ باتیں، قصے کہانیاں اور گلے وغیرہ سنے، تمہیں تو قرآن پا ل سننا چاہیے تھا۔ اللہ کے نبی کے فرمان سننے چاہئیں۔ تمہیں اور نیکی کی دوسری باتوں کو کانوں میں جگہ دینی چاہیے تھی، مگر تم نے اس کے برخلاف صحیح چیز کو دیکھا نہیں بلکہ غلط نگاہ ڈالی ہے، صحیح بات کو سننے کی توفیق نہیں ہوئی۔ قلب کے ساتھ نیکی کی بجائے برائی کا ارادہ کیا، دل میں ایمان، توحید اور نیکی کو جگہ دینے کی بجائے کفر، شرک، نفاق، بدعت اور رسومات باطلہ کو جگہ دی، تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم بہت کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

شکر گزاری  
کا طریقہ

شکر گزاری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ کی ہر نعمت کو اس کے صحیح مقام پر استعمال کیا جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ عمر بھر تو آنکھوں سے کوئی مفید کام نہیں لیا مگر مرتے وقت وصیت کر دی کہ مرنے کے بعد میری آنکھیں کسی نابینا کو لگا دی جائیں۔ ساری عمر کسی اندھے سے حسن سلوک نہیں کیا تو بعد از مرگ آنکھیں دینے سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ کہنے کا کام تو یہ تھا کہ اپنی زندگی میں نابیناؤں کی بھلائی کے لیے جدوجہد کرتے مگر ایسا نہیں کیا۔ یہ کام تو ولید بن عبد الملک نے انجام دیا تھا



اُس نے ہر نابینا آدمی کو ایک خادم مہیا کیا تھا اور اس کی ضروریات بیت المال سے پوری ہوتی تھیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ بعض نابینا حضرات نے بھی بڑے بڑے کام انجام دیے ہیں ہمارے زمانے میں مصر کا وزیرِ پلانہ حسین پی، ایچ۔ ڈی سنگھ نابینا تھا اس نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کی سیرت پر کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابو العلیٰ معری بھی نابینا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر اسی حالت میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے، بعض دیگر نابیناؤں نے بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

بہر حال مرنے کے بعد کسی کو آنکھیں یا کورٹی دوسرے عضو سے دینا کوئی خدمت نہیں۔ اصل کام یہ ہے کہ نابیناؤں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دی جائے انہیں تعلیم دی جائے۔ آج کل ٹیبل سسٹم موجود ہے جس کے ذریعے نابینا بھی پڑھ لکھ جاتے ہیں۔ انہیں ہنر سکھایا جائے اور اس قابل بنایا جائے کہ وہ بھیک مانگنے کی بجائے اپنی روزی خود کما سکیں۔ غرضیکہ اللہ نے کان، آنکھ اور دل جیسی عظیم نعمتیں عطا کی ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ انہیں صحیح کام پہ لگائے اور ان سے صحیح فائدہ اٹھائے ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے۔ وَالْيَهُ تَحْشَرُونَ اور تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے انسانی آبادی کو دنیا کے مختلف خطوں میں بکھیر دیا ہے۔ ہر خطے کی آب و ہوا کا اثر اس کی آبادی پر بھی پڑتا ہے جس کا اثر رنگ، صحت اور شکل و صورت میں واضح ہوتا ہے۔ گرم اور سرد علاقوں کی اپنی اپنی ضروریات اور اپنے اپنے وسائل ہوتے ہیں۔ اسی طرح میدانی اور پہاڑی خطوں کے لوگوں کے اپنے اپنے اطوار اور اپنے اپنے رسوم و رواج اور اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں۔ ہر خطے کے لوگوں کو اپنے اپنے علاقے اور وطن سے محبت ہوتی ہے اور پورے اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ

اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کا ثمرہ ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے مقام پر مطمئن ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ کوئی انسان دنیا کے کسی بھی خطے میں زندگی گزارے، مرنے کے بعد اسے بہر حال اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ وہ اپنی بارگاہ میں ہر رنگ و نسل اور ہر ملک و قوم کے لوگوں کو اکٹھا کرے گا۔

فَرَمَا وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَذُوقُوا عَذَابَ اللَّهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ  
اور موت دینا ہے۔ جب تک اُسے منظور ہوتا ہے انسان سطح ارضی پر زندگی گزارتا ہے اور پھر جب اُس کی مٹا، ہوتی ہے تو اس زندگی کو واپس لے کر موت سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ گویا موت و حیات کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ یہ اختیار اُس نے کسی دوسری ہستی کو تفویض نہیں کیا۔ یہ بھی اس کی قدرت کی ایک دلیل ہے۔

وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا  
شمسی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ایک مقررہ طریقے کے مطابق رات اور دن کو آگے پیچھے لاتا ہے۔ اُس نے دن رات کے ذریعے دنوں کی گنتی کا حساب رکھا ہوا ہے۔ ایک دن رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے، ہفتہ سات دن میں، مہینہ تیس دن میں اور سال بارہ مہینوں میں، اللہ نے ایسی تقویم مقرر کر رکھی ہے جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑتا اور تمام لوگ اسی رات اور دن کے حساب سے معمولات زندگی گزارتے ہیں۔

فَرَمَا بِسَبِّحِ لِلَّهِ الْحَمْدُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا  
جو پوری کائنات کا نظام نہایت احسن طریقے سے چلا رہی ہے اور جس میں کبھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ ان تمام شواہد کے باوجود اگر کوئی خدا کی ذات پر ایمان نہیں لاتا تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہے۔ فرمایا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ کیا تمہیں اتنا بھی شعور نہیں کہ ان دلائل قدرت پر غور و فکر کر سکو؟

فرمایا، ان تمام حقائق کی وضاحت کے بعد بھی ان لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی بجائے بکل قالوا  
مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ انہوں نے بھی وہی بات کی جو پہلے لوگوں نے  
کی تھی۔ پرانے زمانے کے کفار و مشرکین نے بھی دلائل قدرت دیکھنے کے باوجود  
توحید باری تعالیٰ اور قیامت کا انکار کیا تھا تو ان لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا قالوا  
عِذَا هُمْ نُنَاكِنَّا تَرَاءُوا عِظَامًا کہتے لگے کیا جب ہم مر جائیں گے  
اور مٹی میں مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو جائیں گی سورۃ النبی ص ۲۷  
عِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً (آیت ۱۱) کیا جب ہماری ہڈیاں گل رط کر پھیر پھری  
ہو جائیں گی۔ اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ یہ بات  
ہماری عقل میں نہیں آتی، کہتے تھے لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا هَذَا  
مِثْلَ قَبْلُ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ تو اس سے پہلے ہمارے  
آباؤ اجداد سے ہی کیا گیا، مگر ہم نے تو آج تک کسی کو مر کر دوبارہ زندہ ہوتے نہیں  
دیکھا کہنے لگے کہ اس دعویٰ میں کوئی حقیقت نہیں بلکہ اِن هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ  
الْاَوَّلِينَ بلکہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو ہم شروع سے سنتے آئے ہیں  
مگر ان کی عملی شکل کبھی نہیں دیکھی۔ کہتے تھے کہ وقوع قیامت، بعثت ابوالموت،  
مشرقت شرقت دوزخ سب کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، لہذا ہم ان  
باتوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے کافر اور  
بعد والے کافر سب ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔

الغرض! بنیادی بات یہ ہے کہ مذکورہ تمام شہادت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت  
اور اس کی قدرت کی دلیل ہیں۔ جب وہ قادر مطلق اور وحدہ لا شریک ہے تو پھر  
وہ وقوع قیامت پر بھی قادر ہے۔ اور یہ واقع ہو کر رہیگی۔ اس منعمون کو اللہ تعالیٰ  
نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾  
 سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۳﴾ قُلْ مَنْ  
 رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۴﴾  
 سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ  
 بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ  
 عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ  
 لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿۸۷﴾ بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ  
 وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۸﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ  
 وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ  
 بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ  
 اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۸۹﴾ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ  
 فَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے، کس کے لئے ہے زمین اور  
 جو کچھ اس کے اندر ہے، اگر تم کچھ جانتے ہو ﴿۸۲﴾  
 جواب میں کہیں گے، اللہ ہی کے لئے ہے۔ آپ  
 کہہ دیجئے، پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے ﴿۸۳﴾ آپ کہہ  
 دیجئے کہ کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور کون ہے مالک



عرشِ عظیم کا (۸۶) تو کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کے لیے ہیں (آپ کہہ دیجئے) پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ (۸۷) آپ کہہ دیجئے، کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہے اقتدار ہر چیز کا۔ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اُس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم جانتے ہو (۸۸) تو کہیں گے، یہ بھی اللہ ہی کے لیے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے پھر تم پر کہاں جادو کیا جا رہا ہے؟ (۸۹) بلکہ ہم لائے ہیں ان کے پاس حق، اور بیشک یہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں (۹۰) نہیں بنائی اللہ نے کوئی اولاد، اور نہیں ہے اُس کے ساتھ کوئی دوسرا الہ۔ (اگر ایسا ہوتا) تو البتہ لے جاتا ہر الہ اُس چیز کو جو اُس نے پیدا کی ہے۔ اور بعض غالب آجاتے بعض پر۔ پاک ہے اللہ کی ذات اُن چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (۹۱) وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور کھلی چیزوں کا۔ پس بلند و مرتبہ ہے وہ اُن چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں (۹۲)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے مشن کا ذکر کیا کہ انہوں نے کس طرح خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور ایمان و توحید کی دعوت دی۔ اللہ نے ساتھ ساتھ توحید کے مختلف دلائل بھی بیان فرمائے۔ چونکہ وہ لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے، اس لیے اللہ نے توحید اور قیامت کے اکٹھے دلائل بھی دیے۔ گذشتہ آیات میں بعض ایسے دلائل کا ذکر تھا جو انسانی مشاہدے میں ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر انسان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ

کی نعمتوں کی قدر کرے، توحید اور قیامت کا انکار نہ کرے۔ اللہ نے مشرکین کے اس نظریہ کو بھی بیان کیا کہ وہ کہتے تھے کہ جب ہم سر کر مٹی میں رُل مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی، تو بھلا پھر ہم کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے کہتے تھے کہ یہ تو پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو ہم آباؤ اجداد سے سنتے چلے آئے ہیں مگر ہم انہیں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

زمین و مافیہا  
کی ملکیت

اب آج کے درس میں دلائل توحید ہی کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا اے پیغمبر! آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیجئے کہ زمین اور اس میں موجود ہر چیز کس کی ملکیت ہے۔ اس زمین پر مخلوق خدا آباد ہے۔ اسی میں پیدا ہوتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ اس پر مکانات بناتے ہیں۔ اس میں کھیتی باڑی کر کے اپنے لیے روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں مگر یہ تو بتلاؤ کہ اتنا بڑا کدہ ارض آخر کس کی ملکیت ہے۔ مطلب یہ کہ اس کو پیدا کس نے کیا ہے اور اس کا پورا کنٹرول کس کے ہاتھ میں ہے۔ فرمایا بَاؤُاِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر تم جانتے ہو تو اس سوال کا جواب دو۔ پھر اللہ نے خود ہی جواب میں فرمایا سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ کہ ان لوگوں کا جواب یہی ہو گا کہ زمین اور مافیہا کی ملکیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے وہی اس کا خالق اور وہی اس کا متصرف ہے۔ قُلْ فرمایا، ان لوگوں کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تو پھر ان سے دریافت کریں اَفَلَا تَذَكَّرُونَ پھر تم نصیحت کیوں نہیں سیکھتے؟ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیوں کرتے ہو۔ اور وقوع قیامت پر ایمان لانے سے کیوں ہچکچاتے ہو؟

آسمانوں اور  
عرش کی ملکیت

آگے دلائل توحید کے سلسلے میں دوسرا سوال کیا جا رہا ہے۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّٰبِعِ مَحْضًا بَآؤُا تَوَسَّاتُونَ اَسْمَانًا کَا پَر و ر و گار کون ہے وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کے جواب میں بھی کفار و مشرکین یہی کہیں گے۔ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ

کہ یہ چیزیں بھی اللہ ہی کی ہیں۔ وہی ان کا خالق، مالک اور متصرف ہے۔ فرمایا، اگر یہ ہنسے  
قَالَ أَفَلَا تَتَّقُونَ تو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ جب تم ہر چیز کا مالک خدا تعالیٰ  
کو مانتے ہو تو پھر اس کے ساتھ شریک ٹھہرتے ہوئے تمہیں خوف کیوں نہیں آتا؟  
یہ تو بڑی گستاخی کی بات ہے۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آسمانوں کو تو ہر کافر، مشرک اور ملحد بھی مانتا  
تھا اور انہوں نے اقرار کیا کہ ان کا مالک اللہ ہی ہے مگر یہ لوگ عرش الہی سے  
تو واقف نہیں تھے، پھر انہوں نے اس کے متعلق کیسے تسلیم کر لیا کہ یہ بھی اللہ  
ہی کی ملکیت ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں آسمانی کتب کا علم رکھنے والے یہود و  
نصاریٰ تو عرش عظیم سے بھی واقف تھے کیونکہ اس کا ذکر ان کی اپنی کتابوں میں  
موجود تھا۔ اور ان سے سن کر مشرک بھی مانتے تھے کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر  
عرش الہی بھی ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا مالک بھی اللہ ہی ہے۔  
بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عرش عظیم سے مراد وہ عرش نہیں جس پر خدا تعالیٰ  
مستوی ہے بلکہ اس مقام پر اس سے مراد سلطنت عظمیٰ (

GREAT KINGDOM گریٹ کنگڈم) ہے۔ وہ لوگ چھوٹی چھوٹی ریاستوں  
اور علاقائی ملک و سلاطین کا تصور تو رکھتے تھے۔ مگر پوری کائنات یعنی سب سے  
بڑی سلطنت کا مالک کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا جواب بھی  
انہیں ہی دینا پڑتا ہے کہ سب سے بڑی سلطنت کا مالک و متصرف بھی اللہ  
ہی ہے۔

پھر تیسرا سوال یہ اٹھایا قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ  
شَيْءٍ اے پیغمبر! آپ ان سے یہ بھی پوچھیں کہ ہر چیز کا تصرف اور اختیار  
کس کے ہاتھ میں ہے؟ ملکوت کا مبالغہ ہے تسبیح میں بھی ہم پڑھتے  
ہیں سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ اور وہ کون ہے وَهُوَ  
مَجِيدٌ وَلَا يُجَادُّ عَلَيْهِ حَوبًا وہیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی

ہر چیز پر  
تصرف

پناہ نہیں دے سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی دوسری ذات اس معاملہ میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور اگر وہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کوئی ذات ایسی نہیں جو اسے اپنی پناہ میں لے کر اس کو سزا سے بچالے۔ فرمایا، اس سوال کا جواب دَوْرَانْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم جانتے ہو۔ فرمایا کافر اور مشرک بھی اس کا جواب یہی دیں گے سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ يَهْدِيْ اللّٰهُ سُبُلَ الْغَيِّبِ کی صفات ہیں۔ وہ جسے چھوڑنا چاہے اُسے کوئی پھٹ نہیں سکتا، اور جسے بچھڑنا چاہے اُسے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ فرمایا، اگر یہ بات ہے۔ قُلْ فَانِیْ تَسْحَرُوْنَ تو اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تم یہ کہاں جادو کیا جا رہا ہے؟ تم ہوش و حواس کیوں کھو بیٹھے ہو اور کیوں ادھر ادھر بھٹک رہے ہو؟ ان حقائق کا علم ہونے کے باوجود تم توحید اور معاد کا انکار کس بنا پر کر رہے ہو؟

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بلکہ ہم ان کے پاس سچی بات لے آئے ہیں یعنی ہمارے پیغمبر ان کے پاس خدا کی سچی کتاب اور صحیح پروردگارم لے کر آیا ہے۔ توحید و معاد بالکل برحق ہیں مگر وَ اَنۡهٰیہُمْ لَکَذِبُوْنَ چھوڑے یہی ہیں جو باطل خیالات کی پیروی کر کے اللہ کے سچے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اسے ساتھ، کاہن اور شاعر کا لقب دیتے ہیں اور یہ اپنے اس دعوے میں سراسر جھوٹے ہیں یہ لوگ محض سنی سنائی باتوں پر غلط عقیدے بنا کر بیچڑ گئے ہیں۔ یہ نہ تو خدا تعالیٰ کی قدرت کو سمجھتے ہیں اور نہ اُس کی حکمت کو بلکہ بلاوجہ حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اکلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے توحید پر دلیل قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَا تَتَّخِذُ اللّٰهُ مِنْ دَلِیْلِ خدا تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کا کوئی حقیقی بیٹا ہے یہ تو مخلوق کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے مبرا ہے، وہ بے نیاز ہے

توحید پر  
دلیل



وہ تو مخلوق سے درالو اور نہ۔ کیسے کَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ - ۱۱) وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا باطل عقیدہ ہے کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے اور وہ سفارش کر کے لوگوں کو اللہ کے قہر سے بچالیں گے اور لوگوں کی مرادیں پوری کر دیتے ہیں۔ فرمایا وَهَذَا كَانَ مَعَهُ مِثْرُ اللَّهِ اَللّٰهُ تَعَالٰی کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے جو قادرِ مطلق، علیمِ کل، ازلی اور ابدی ہو۔ اگر بالفرض کوئی دوسرا الہ ہوتا۔ اِذَا لَذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ تَوَسَّلَ اِلٰہِ اِپنِی پیداکردہ چیزوں کو لیکر الگ ہوتا جاتا اور وہ اپنی جدا سلطنتیں قائم کر لیتے۔ اگر بہت سے معبود ہوتے تو ظاہر ہے کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے پر تسلط جانے کی کوشش کرتا اور اپنی سلطنت کو وسیع تر کرنے کی کوشش کرتا۔ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا رایت - ۲۲) اگر ارض و سما میں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور الہ بھی ہوتا تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ یہ تو عام محاورہ ہے کہ ایک گودری میں دس فقیر تو سما سکتے ہیں مگر ایک سلطنت میں دو بادشاہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اُن میں سے ہر کوئی دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرے گا اور اس طرح فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اور اگر ان دو میں سے ایک با اختیار اور دوسرا کمزور ہے تو پھر بھی الہ ایک ہی ہوگا، کمزور تو الہ بننے کا اہل نہیں ہوگا۔ بہر کیف معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

آگے ایک اور نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ تَوَكَّلُ الْاِلٰہِ دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ ایک معبود دوسرے پر چڑھائی کر دیتا جیسا کہ دنیا کے عام سلاطین کا دستور ہے۔ فرمایا اس طریقے سے بھی امن مفقود ہو جاتا ہے اور کائنات شر و فساد کا میدان بن جاتی ہے۔ مَآ سُبْحٰنَ اللّٰهِ

عَمَّا يَصِفُونَ اللہ کی ذات پاک ہے اُن چیزوں سے جن کو وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ منہ بولا، اور نہ ہی خدا نے کسی کو اپنے اختیارات تفویض کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں بے مثل اور بے مثال ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں، نہ تصرف میں، نہ تدبیر میں، نہ خلق میں اور نہ ربوبیت میں۔ وہ وعدہ لا شریک ہے اور مشرکوں کی بیان کردہ کمزوریوں سے پاک ہے۔

خدا کی صفت  
عظیم

ارشاد ہوتا ہے عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غائب اور حاضر سب کو جاننے والا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات سے تو کوئی چیز غائب نہیں۔ اس کا اپنا فرمان ہے وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس - ۶۱) تیرے پروردگار کی نگاہوں سے تو ایک ذرہ بھی غائب نہیں۔ تو یہاں پر غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مخلوق کی نگاہ سے اوجھل ہیں، مثلاً جنات، فرشتے، سعادت، شقاوت وغیرہ۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور باطن چیز کو جانتا ہے۔ وہ عظیم کل ہے اور اس کی ذات سے کوئی چیز مخفی نہیں وہ عالم محسوسات اور عالم غیر محسوسات سب کو جاننے والا ہے۔

فرمایا فَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ پس خدا تعالیٰ کی ذات بلند و برتر ہے، اُن چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی صفات غیر محدود ہیں۔ جب کہ انسان کا علم اور سمجھ محدود ہے اور انسان ہر طرح سے محتاج ہے جب حقیقت یہ ہے تو پھر مخلوق کو خدا کی کسی صفت میں یا اس کی عبادت میں شریک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ انسان کو شرک سے ہر حالت میں بچنا چاہیے کہ مشرک کی نجات نہیں۔

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ۙ (۹۳) رَبِّ فَلَا  
 تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ ۙ (۹۴) وَاِنَّا عَلٰی  
 اَنْ تُرِیْكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِرُوْنَ ۙ (۹۵) اِدْفَعْ بِالَّتِیْ  
 هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةِ ۙ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۙ (۹۶)  
 وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَتِ الشَّیْطٰنِ ۙ (۹۷)  
 وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ ۙ (۹۸) حَتّٰی اِذَا جَاءَ  
 اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنَ ۙ (۹۹) لَعَلّٰی  
 اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ کَلَّا ۙ اِنَّهَا کَلِمَةٌ  
 هُوَ قَآئِلُهَا ۙ وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرَزَخُ الْمَلٰٓئِکَةِ  
 یُبْعَثُوْنَ ۙ (۱۰۰)

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اے میرے پروردگار! اگر تو دکھا دے مجھے وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (۹۳) اے میرے رب! پس نہ کرنا مجھے ان لوگوں میں جو ظلم کرنے والے ہیں (۹۴) اور بیشک ہم قادر ہیں اس پر کہ دکھا دیں آپ کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (۹۵) آپ برائی کا دفاع کریں اس خصلت کے ساتھ جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ

لوگ بیان کرتے ہیں (۹۶) آپ کہہ دیجئے، اے میرے پروردگار! میں پناہ چاہتا ہوں تیری ذات کے ساتھ شیطانوں کی چھیڑ چھاڑ سے (۹۷) اور میں پناہ چاہتا ہوں تیرے ساتھ اے میرے پروردگار! اس بات سے کہ یہ (شیاطین) میرے پاس حاضر ہوں (۹۸) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس پہنچتی ہے موت تو کہتا ہے، اے میرے پروردگار! مجھ کو واپس لوٹا دے (۹۹) شاید کہ میں عمل کروں اچھا اُس چیز میں جو میں نے چھوڑ دی ہے۔ خبردار! یہ ایک بات ہے جس کو یہ شخص کتنے والا ہے۔ اور ان کے آگے بزرخ (پردہ) ہے اُس دن تک جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۱۰۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور منکروں کا رد فرمایا اور دلائل توحید بیان فرمائے۔ فرمایا کہ ارض و سما اور ان کے درمیان موجود ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت اور تصرف میں ہے۔ وہ کسی لاچار کو پناہ دے سکتا ہے، مگر اُس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ فرمایا اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ جھوٹے لوگ ہیں۔ پھر اللہ نے یہ فرمایا کہ اُس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کا کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ ہی اُس کے سوا کوئی معبود ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو ہر آلہ اپنی اپنی پیدائش پر پورے کمال ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے غالب آنے کی کوشش کرتا۔ ایسی صورت میں نظام کائنات درجہ بدرجہ ہو کر رہ جاتا۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے اور شرک سے بالکل منزہ ہے۔ نیز جو لوگ دلائل توحید دیکھنے کے باوجود انکار کرتے ہیں، وہ بلاشبہ سزا کے



مستحق ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ منکرین کو جلدی سزا کیوں نہیں ملتی تو اللہ نے مختلف مقامات پر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سزا کا ایک وقت معین ہے وہ اپنے قانون احکام کے مطابق جب چاہے گا سزا میں مبتلا کر دے گا۔ بعض اوقات وہ شدید ترین مجرموں کو بھی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے اور پھر اچانک پھڑپھڑاتا ہے۔

یہ لوگ وقوع قیامت پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے، بلکہ کہتے تھے: اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (المؤمنون - ۳۷) یہ ہماری دنیا کی زندگی ہی ہے جس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی دوسری دنیا نہیں ہے۔ جس میں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور حساب کتاب ہوگا۔ کہتے تھے کہ عالم برزخ عالم آخرت، جنت و نزع وغیرہ اس دلیلِ الاُولٰٓئین یعنی پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو ہمارے سامنے دہرائی جا رہی ہیں، وگرنہ اس میں حقیقت کچھ نہیں اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگ سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

پیغمبر کی سزا

بعض اوقات منکرین کی حد سے زیادہ سرکشی دیکھ کر پیغمبر اسلام علیہ السلام کو بھی خیال آتا تھا کہ یہ بد بخت گرفت میں کیوں نہیں آتے۔ ایسے حالات میں اللہ نے اپنے نبی کی اس طرح راہنمائی فرمائی: قُلْ رَبِّ اِمَّا تَرٰى لِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ اِلٰى مِغْمٰرٍ ۚ اَوْ اَسْـَٔلُكُمْ بِرَبِّكُمْ ۚ اَمْ اَنْتُمْ تَرْكَبُوْنَ ۚ (اس طرح دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ چیز دکھائے جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی اگر میری زندگی میں ہی ان پر عذاب آجائے رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِى الْقَوْمِ الظٰلِمِيْنَ اے میرے پروردگار! نہ ٹھہرانا مجھے ان لوگوں میں جو ظالم ہیں۔ یعنی جب تیرا عذاب آئے تو مجھے ان سے الگ کر لینا۔ حدیث شریف میں یہ دعا بھی سکھائی گئی ہے اے مولیٰ کریم! اِذَا ارَدْتَ بِشَرِّ مِرْفَتْنَهٗ فَتَوَفَّنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ یا آزمائش کا ارادہ کرے تو مجھے ایسی حالت میں اپنی طرف اٹھالے کہ میں فتنے میں مبتلا نہ ہوں، یہاں بھی اللہ نے اپنے نبی کو

یہی دعا سکھلائی ہے کہ عذاب کے وقت آپ ان ظالموں سے یلجہ کی کی درخواست کریں۔  
 بعض اوقات جب کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر کسی خاص وعام کو نہیں  
 چھوڑتی۔ منکرین اور اہل ایمان سب اُس میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس کے متعلق  
 حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس دنیا میں تو بعض کو ناکرہ گناہ کی سزا بھی ملتی  
 ہے۔ قَدْ رُبَّ مُعْتَدِلٍ عَلٰی نَيْتٍ تَهْمٌ مَّكَرٌ جَبَّ قِيَامَتٌ کو دوبارہ  
 اٹھیں گے تو اپنی اپنی نیت اور عقیدے کے مطابق بعث ہوگی۔ اُس دن  
 اطاعت گزار لوگ اُس سزا سے محفوظ ہوں گے۔ جس میں منکرین مبتلا ہوں گے  
فَرِيَا وَلَا نَا عَلٰی اَنْ تُرِيكَ مَا فَعَلُوْهُمْ كَقَدِرُوْنَ

اور بیشک ہم اس بات پر قادر ہیں کہ آپ کو وہ چیز دکھادیں جس کا ہم ان سے  
 وعدہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وعدہ تو نافرمانوں سے سزا کا ہی ہے اللہ نے  
 فرمایا کہ ہم یہ سزا آپ کو اپنی زندگی میں بھی دکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ  
 نے آپ کی زندگی میں ہی دکھا دیں۔ آپ کی حیات مبارکہ میں کفار و مشرکین کو  
 ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں پے درپے شکست ہوئی حتیٰ کہ آپ کی  
 زندگی میں ہی پورا جزیرۃ العرب مشرکوں سے پاک ہو گیا۔ سرداران مشرکین مارے  
 گئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین رض  
 کے زمانہ میں کفار و مشرکین مکمل طور پر مغلوب ہو گئے حتیٰ کہ دنیا بھر میں ایمان والوں  
 کی طرف بڑی نظر اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ رہا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ مشرک لوگ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں۔  
 آپ کو جسمانی اور ذہنی طور پر پریشان کرتے ہیں، مگر اُن کی برائی کا جواب برائی  
 سے دینے کی بجائے اِدْفَحْ بِالْاِتِّیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ اس برائی  
 کا دفاع نیکی اور اچھائی کے ساتھ کریں۔ مستشرقین کی بد اخلاقی کے مقابلے میں  
 آپ نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لیں کیونکہ اللہ نے بد اخلاقی کی اجازت  
 کبھی نہیں دی۔ البتہ آپ تبلیغ دین کا کام کرتے رہیں اور اس میں کمی نہ آنے

برائی کا دفاع  
 اچھائی کے  
 ساتھ

دیں۔ فرمایا، آپ فکر نہ کریں نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ہم ان کی کمر توڑوں کو خوب جانتے ہیں۔ یہ لوگ جس قدر کینہ و بغض رکھتے ہیں، طعن و ملامت کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں اور اذیتیں پہنچاتے ہیں، وہ سب ہمارے علم میں ہیں، ہم خود ان سے ٹپٹ لیں گے، مگر آپ ان کی ہر برائی کا جواب نیکی کے ساتھ دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی نرم پڑ جائیں گے، آپ کا کام آسان ہو جائے گا اور پھر کامیابی بھی آپ ہی کے حصے میں آنے گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس چیز میں سختی داخل ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کو بگاڑ دیتی ہے، اور جس چیز میں نرمی پائی جاتی ہے وہ اُس کو زینت بخشتی ہے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ہر کام کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے معاملہ میں تو بلاشبہ نرم روی ہی بہترین ہتھیار ہے مگر جہاں نفاذِ حدود کا تعلق ہو، وہاں کسی قسم کی نرمی روا نہیں بلکہ مجرم کو پوری پوری سزا دی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ زانی مرد اور زانی عورت کو سو سو گزے لگاؤ۔ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمْ مَّا رَافَتْهُ فِی دِیْنِ اللّٰهِ (النور-۲) اور نفاذِ دین کے معاملہ میں تمہیں اُن پر کوئی ترمس نہیں آنا چاہیے۔ یاد رہے کہ سو کوڑے مارنے کی سزا خیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہے جبکہ شادی شدہ مرد و زن کی صورت میں ان کی سزا سنگساری ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں بعض اوقات بعض نو مسلم صحابہ کی زبان سے بے ادبی کی باتیں بھی نکل جاتی تھیں مگر حضور علیہ السلام نے ہمیشہ شفقت اور محبت کا اظہار کیا اور کسی کو سختی سے جواب نہیں دیا۔ حضرت معاویہ بن حکم سلمیٰؓ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو گئیں تھیں مگر اُن کو پیار سے ساری بات سمجھا دی۔ آخر اُن کو کہنا پڑا فَوَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَكَ خدا کی قسم میں نے ایسا معلم پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے نہ مجھے ڈانٹا اور نہ بڑا بھلا کہا بلکہ میری ہر درشتی کا جواب نہایت عمدہ طریقے سے دیا۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ برائی کا



دفع اچھائی کے ساتھ کریں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے ابوذرؓ! اگر تم سے کوئی بد اخلاقی یا برائی کی بات ہو جائے تو اس کو نیچی کے ساتھ مٹاؤ، ہر برائی کے پیچھے نیچی لگا دو۔ اگر ایسا کرو گے تو برائیاں خود بخود مٹتی چلی جائیں گی۔ اور اگر برائی کا جواب برائی سے دو گے تو برائی میں اضافہ ہوا چلا جائے گا۔

تعوذِ شیطین  
من الشیطان

تبلیغ دین کے سلسلہ میں بعض اوقات بحث مباحثہ بھی ہو جاتا ہے اور پھر شیطان وسوسہ اندازی کر کے غصہ دلانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ یہ شیطان کی چھٹر چھاڑ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کو ایسے معاملات سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ کو یہ دعا سکھائی۔ فرمایا۔ وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ اے پیغمبر! آپ اس طرح دعا کریں، اے میرے پروردگار! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی چھٹر چھاڑ سے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ شیطان سے ہر موقع پر استعاذہ کرنا چاہئے چنانچہ آپ نے یہ استعاذہ بھی سکھایا ہے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مَنْ هَمَزَهُمْ وَلَفَّخَهُمْ وَلَفَّشَهُمْ فِي الشَّرِّ كِيَانًا يَهُونُ شَيْطَانُ سَرْدُوْدِ كِي چھٹر چھاڑ، اُس کے تکرار اور اُس کے سحر سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیت الخلا میں جاتا ہے تو شیطان اُس کے اعضائے مستورہ سے کھیلنے لگتا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ بیت الخلا جانے وقت اس طرح استعاذہ کرنا چاہیے اَللّٰهُمَّ اِنِّكَ اَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اے اللہ! میں تیرا اور مادہ شیطانین سے تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ فرمایا ایک تر شیطین کی چھٹر چھاڑ سے پناہ مانگیں اور یہ بھی کہیں وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِيْ اے اللہ! میں اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطانین میرے پاس حاضر ہوں۔ نہ وہ میرے پاس آئیں گے اور نہ وسوسہ اندازی کریں گے، لہذا میں شیطان



کے شر سے محفوظ رہوں گا۔

دنیا میں اپنی  
کی تمنا

فرمایا آپ دعوتِ دین کا کام کرتے رہیں۔ اگر یہ لوگ نہیں مانیں گے تو پھر مرنے کے بعد انہیں سخت حسرت ہوگی۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ حتیٰ کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آگئی تو ہر کافر، مشرک اور نافرمان کہے گا۔ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِي اے پروردگار مجھے دنیا میں واپس لوٹا دے تا فرماؤں کی یہ تمنا عالمِ برزخ میں بھی ہوگی اور اس خواہش کا اظہار وہ آخرت میں بھی کریں گے۔ سورۃ المنافقین میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے خرچ کر دیتے ہیں اس کے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجائے تو وہ کہنے لگے کہ اے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی۔

فَاصْدَقْ وَ أَكْتُ مِنَ الصَّالِحِينَ (المنافقون) تاکہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا، مگر اُدھر سے جواب آئے گا۔ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا رَأَيْتَ أَنَّ مَكَرَ جِبِ مَوْتِ كَا وَقْتُ آجَاتَا ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کسی کو مہلت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون بھی یہ ہے فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (الاعراف۔ ۳۴) جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

فرمایا جب ان لوگوں کو موت آجاتی ہے تو پھر یہ تمنا کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم! ہمیں واپس لوٹا دے لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ تاکہ میں کچھ نیک کام کر لوں اُس چیز میں جو میں نے پیچھے چھوڑی ہے۔ پیچھے چھوڑی جانے والی چیزوں میں ایک تو ایمان ہے جس کو اُس نے دنیا میں ہی چھوڑ دیا اور اس کو اختیار کر کے ساتھ نہ لایا اور دوسری چیز مال ہے جو وہ دنیا میں چھوڑ آیا ہے اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر سکا۔ اب تمنا کرتا ہے کہ مولیٰ کریم! مجھے دنیا میں واپس بھیج تو میں تیری وحدانیت اور وقوعِ قیامت پر ایمان بھی لے

آؤں گا، اور تیرے لیے ہوئے مال میں سے تیرے راستے میں خرچ بھی کروں گا۔  
اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ لا خبر دار، یہ زجر اور تنبیہ ہے تمھاری  
یہ خواہش ہرگز قبول نہیں ہوگی۔

إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا يَهَيِّئُ لَهَا بَابًا وَاسِعَةً  
ہے۔ یہ اُس کی تمنا ہی تمنا ہے، محض آرزو ہے جو کبھی پوری نہیں ہوگی سو قرآنِ  
میں واضح کیا جا چکا ہے اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (آیت - ۹۵) کہ وہ دنیا  
میں واپس نہیں آسکیں گے۔ جو ایک دفعہ چلا گیا، اُس کی واپسی ناممکن ہوگئی۔

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ اَوْ رَاٰنُ اَنَّهُمْ  
ایک پردہ ہے اَلْحَيٰوِۃُ يَوْمَ يُبْعَثُوۡنَ اُس دن تک جب وہ دوبارہ اٹھائے  
جائیں گے مطلب یہ کہ اب انہیں قیامت تک اسی برزخی زندگی میں رہنا  
ہوگا۔ ویراء کا لفظ اضداد میں سے ہے اور یہ آگے اور پیچھے دونوں معنوں  
میں استعمال ہوتا ہے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر پیچھے آنے  
کی خواہش تو پوری نہیں ہوگی، البتہ ان کے آگے برزخ یا پردہ ہے۔ دوبارہ اٹھائے  
جانے کے دن تک۔ جب صورِ اسرافیل بھونکا جائیگا تو پھر سب دوبارہ جی اٹھیں  
گے، اس وقت ان کے آگے پردہ ہے۔

عالم برزخ دنیا اور آخرت کا درمیانی جہان ہے۔ ان تینوں جہانوں کے  
احکام مختلف ہیں۔ مفسرِ قرآن حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ برزخ کا جہاں بَقِیَّةُ  
الدُّنْیَا یعنی اس دنیا کا باقی ماندہ حصہ ہے۔ شاہ ولی اللہ بھی برزخ کے متعلق  
فرماتے ہیں وَمِنْ وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ اَوْ رَاٰنُ اَنَّهُمْ  
میں سے ہے۔ وہاں کے مشاہدات صاف نظر نہیں آتے بلکہ ایسے نظر آتے  
ہیں جیسے کوئی جالی کے پیچھے سے دھندلی سی چیز نظر آئے، پھر جب حشر  
پہنچا ہوگا، اور عالم برزخ ختم ہو جائیگا تو پھر ہر چیز صاف نظر آنے لگے گی  
عالم برزخ میں بھی سزا اور جزا ملتی ہے۔ مگر وہ مکمل نہیں ہوتی بلکہ اصل سزا اور

برزخ کی  
زندگی

جزا کا کچھ نمونہ ہوتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے حدیث نقل کی ہے کہ عالم برزخ میں بعض ظالموں پر دوسرا نپ مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ ایک سر کی طرف سے کاٹتا ہے اور دوسرا پاؤں کی طرف سے، اور یہ عمل صورِ برآفیل تک ہوتا ہے گا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ بعض مجرموں پر ننانوے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ اُس نے خدا تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے کسی ایک کو بھی یاد نہیں کیا ہو گا۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم برزخ میں انسان بالکل انفرادی زندگی گزارے گا۔ چونکہ انفرادی زندگی کے احکام مختلف ہوتے ہیں اس لیے برزخِ زندگی میں بھی اُسے عقیدے سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہی مفید ہوں گی۔ اگر دنیا میں اس کا عقیدہ اور فحشہ پاک تھی تو برزخ میں راحت حاصل ہوگی اور اگر اس میں خرابی تھی تو پھر سزا بھی ملے گی۔

حشر کے بعد جب سب لوگ دوبارہ جی اٹھیں گے، تو پھر اجتماعی زندگی شروع ہو جائے گی۔ اُس وقت کے احکام بھی مختلف ہوں گے۔ اس دن ہر مرم کے مجرموں کو اُن کے جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ قطاروں میں کھڑا کیا جائے گا۔ اُس دن قطعی فیصلے ہوں گے اور ہر شخص کو اس کے عقیدے اور عمل کی بناء پر جزا یا سزا ملے گی۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ  
يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ<sup>(١٠١)</sup> فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ  
فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ<sup>(١٠٢)</sup> وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ  
فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ  
خَالِدُونَ<sup>(١٠٣)</sup> تَلْفَحُ وُجُوهُهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا  
كَالْحُوتِ<sup>(١٠٤)</sup> أَلَمْ تَكُنْ آيَتِي تَتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ  
بِهَا تَكْذِبُونَ<sup>(١٠٥)</sup> قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا  
وَكَانَا قَوْمًا ضَالِّينَ<sup>(١٠٦)</sup> رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا  
عُذْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ<sup>(١٠٧)</sup> قَالَ اخْسَعُوا فِيهَا وَلَا تَكْلِمُونَ<sup>(١٠٨)</sup>  
إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا  
أَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ<sup>(١٠٩)</sup>  
فَاتَّخَذَ مُوَهُمُ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوَكُم ذِكْرِي وَكُنْتُمْ  
مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ<sup>(١١٠)</sup> إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا  
أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ<sup>(١١١)</sup> قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ  
عَدَدَ سِنِينَ<sup>(١١٢)</sup> قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ  
فَسُئِلَ الْعَادِينَ<sup>(١١٣)</sup> قُلْ إِنِّي لَبِثْتُ إِلَّا قَلِيلًا



# لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ:- پھر جس وقت پھونک ماری جائیگی صور میں تو ان کے درمیان نسب (قربتیں) نہیں ہوں گی اس دن ، اور نہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿۱۱۱﴾ پس جس شخص کے اعمال بھاری ہوں گے ، پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿۱۱۲﴾ اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے ، پس یہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنی جانوں کو اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱۳﴾ مجلس دے گی انکے چہروں کو آگ ، اور وہ اس میں شبکھل ہوں گے ﴿۱۱۴﴾ (اُن سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں ، پس تم اُن کی تکذیب کرنے تھے ﴿۱۱۵﴾ وہ کہیں گے ، اے ہمارے پروردگار ! ہم پر غالب آئی ہماری بندختی ، اور تھے ہم لوگ گمراہ ﴿۱۱۶﴾ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال دے اس سے ، پھر اگر ہم کوٹ کر ایسی بت کریں گے تو ہم گنہگار ہوں گے ﴿۱۱۷﴾ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا ، ذلیل ہو جاؤ اسی (دوزخ) میں ، اور نہ مجھ سے بات کرو ﴿۱۱۸﴾ بیشک میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو کہتے تھے ، اے ہمارے پروردگار ! ہم ایمان لائے ہیں پس بخش دے ہمیں ، اور رحم فرما ہم پر ، اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۹﴾ پس اُن کو بنا لیا تم نے ٹھٹھا کیا ہوا ، یہاں تک کہ انہوں نے تم سے بھلا دیا میری یاد کو ، اور تھے تم لوگ اُن سے ہنسی اڑاتے ﴿۱۲۰﴾

بیشک میں نے ان کو بدلہ دیا ہے آج کے دن اس کا جو انہوں نے صبر کیا۔ بیشک وہ فائز المرام ہونے والے ہیں ۱۱۱) فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) کہ کتنی مدت تم ٹھہرے زمین میں گنتی کے سال ۱۱۲) تو کہیں گے کہ ہم ٹھہرے ایک دن یا دن کا بعض حصہ۔ پس تو پوچھ گنتی والوں سے ۱۱۳) فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) تم نہیں ٹھہرے مگر بہت مختوراً عرصہ، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو ۱۱۴)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی تردید فرمائی جو شرک میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ وقوع قیامت کا انکار بھی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وقوع قیامت کے بعد اگر کوئی جزا و سزا کا تصور ہے تو پھر وہ سزا آ کیوں نہیں جاتی؟ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ اکثر و بیشتر مجرموں کو دنیا میں مہلت ملتی رہتی ہے اور سزا اپنے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے۔ پھر اللہ نے ایسے منکر بن کا ذکر کیا کہ جب ان پر اس دنیا کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ پردہ غیب اٹھ جاتا ہے اور اگلے جہان کے حالات منکشف ہونے لگتے ہیں تو پھر وہ اللہ کے سامنے تمنا کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے، اب کہ وہ بُرے کاموں کی بجائے نیک کام انجام دیں گے، شرک کی بجائے توحید کو اختیار کریں گے اور گمراہی کی بجائے ہدایت کے راستے پر چل نکلیں گے اللہ نے فرمایا ان کی یہ خواہش ہرگز پوری نہیں ہوگی، بلکہ یہ لوگ قیامت کے دن تک دنیا اور آخرت کے درمیان عالم برزخ میں رہیں گے اور وہاں بھی انہیں سزا کا احساس ہوتا ہے گا۔

صوۃ افری

اب اللہ نے وقوع قیامت کا حال بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ پس جب صور میں پھونکا جائے گا۔ یعنی برزخی زندگی ختم ہو کر آخرت کا دور شروع ہوگا۔ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ اُس

دین مجرموں کے درمیان کوئی نسب اور قرابت داری نہیں ہوگی یعنی ایک دوسرے کا خاندانی لحاظ بھی نہیں ہوگا، ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ مطلب یہ کہ ایک دوسرے کا حال پوچھنے کی ہوش بھی نہیں ہوگی

صور بھونکنے کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آیا ہے نفخ صور دو دفعہ واقع ہوگا۔ جب پہلی مرتبہ صور میں بھونکا جائے گا تو کائنات کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ پھر جب دوسری مرتبہ صور میں بھونکا جائے گا۔ تو ساری مخلوق دوبارہ زندہ ہو جائے گی اور پھر ان کا حساب کتاب اور عز و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ان دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا، حضور! صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک قرن یعنی سینک جیسی چیز ہے جس کا منہ ایک طرف سے تنگ اور دوسری طرف سے کشادہ ہے۔ تنگ حصہ فرشتے کے منہ میں ہے اور وہ اللہ کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب حکم ہو اور وہ اس میں بھونک مارے، ترمذی شریف اور بعض دوسری کتابوں میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں یا کیسے بے فکر ہو سکتا ہوں۔ جب کہ صور بھونکنے والا فرشتہ بالکل تیار کھڑا ہے، منہ میں صور تھامے ہوئے ہے، اُس نے اپنی پیشانی جھکا رکھی ہے اور اللہ کے حکم کا منتظر ہے، یہ سن کر صحابہ کرام پریشان ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا قُولُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا خدا تعالیٰ کی طرف دھیان رکھو اور اس طرح کہو، ہمارے لیے اللہ ہی کافی جو بہترین کار ساز ہے اور ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں مشکلوں کو آسان کرنے والی وہی ذات ہے۔

شیخ ابن عربیؒ نے ایک کشفی روایت بیان کی جس کو محدثین بھی بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ

۱۔ مسلم ص ۴۲، بخاری ص ۲۵۵ ۲۔ ترمذی ص ۲۶۶ ۳۔ ترمذی ص ۲۶۱ (فیاض)

صور کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صور اتنا بڑا ہے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اُس کے دھلنے میں پٹمی ہوئی ہیں جب اس میں پھونکا ماری جائے گی تو آسمانی کھروں سمیت زمین و آسمان کی ہر چیز تہہ و بالا ہو جائے گی ۔ زمین پر پہلے آہستہ آہستہ جھٹکے محسوس ہوں گے اور پھر تیز ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ سب کچھ تھس تھس ہو جائے گا، سمندر بجاپ بن کر اڑ جائیں گے، پہاڑ ذرات کی شکل میں منتشر ہو جائیں گے، حتیٰ کہ اللہ کے فرشتے بھی سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔ اِسے الطامۃ الکبریٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خاندانی تعلقات  
کا انقطاع

فرمایا جب صور پھونکا جائے گا۔ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ تو اُس دن نسبی تعلقات اور خاندانی رشتے ختم ہو جائیں گے۔ لوگ آج جس حسب نسب پر غرور کرتے ہیں اس دن کچھ مفید ثابت نہیں ہوں گے۔ کوئی رشتہ دار کسی رشتے دار کے کام نہیں آئے گا۔ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نسبی تعلقات فی الواقع باقی نہیں رہیں گے بلکہ وہ تو موجود ہوں گے مگر وہ کسی کام نہیں آسکیں گے۔ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ اور ایک دوسرے سے سوال بھی نہیں کریں گے، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ متذکرہ کیفیت کفار و مشرکین کے متعلق بیان کی گئی ہے، وگرنہ اہل ایمان کی حالت مختلف ہوگی۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُوْنَ (الطور - ۲۵) وہ تو ایک دوسرے کے آئے سامنے بیٹھیں گے اور سوال و جواب بھی ہوں گے۔

اِس آیت اور آیت زیر درس میں کچھ تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ایک آیت میں ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی سوال جواب نہیں ہوگا۔ جب کہ دوسری آیت میں ہے کہ ایسا ہو سکے گا۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حشر کا دن ذوالوان ہے اور اس میں مختلف کیفیتیں پیش آئیں گی۔ یہ بڑا طویل دن ہوگا جو اس دنیا کی تقویم کے لحاظ سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ بعض مواقع ایسے آئیں گے



کہ کوئی ایک دوسرے کو نہیں پہچانے گا اور نہ کلام کر سکے گا، اور بعض مواقع پر جان پہچان بھی ہوگی، پھر جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو مومن کافر سب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، جہاں تک آپس میں دوستی کا تعلق ہے، فرمایا لَا تَخْلَعُوا يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الزخرف: ۶۷) اس دنیا میں دوستی کا دم بھرنے والے قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے البتہ ان متقین کی دوستی قائم رہے گی جنہوں نے دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر دوستی کی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ قیامت والے دن تمام سلسلہ نسب ختم ہو جائے گا، مگر میرے نسب کا سلسلہ قائم رہے گا۔ جو لوگ ایمان دار ہوں گے اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیسی تعلق بھی ہوگا۔ ان کا نسب مفید ثابت ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے نکاح کیا تھا اور ان کے لطن سے آپ کا ایک بچہ بھی پیدا ہوا تھا مگر ماں بیٹا ایک ہی دن فوت ہو گئے تھے۔ اس نکاح کے لیے آپ نے چالیس ہزار درہم حق مہر ادا کیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بخدا مجھے اس پیرائہ سالی میں نکاح کی کوئی رغبت نہیں۔ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ قیامت کو ہر قسم کا نسب ختم ہو جائے گا۔ إِلَّا نَسَبِي وَنَسَبِي سَوَائِي میرے نسب اور سسرال کے کہ یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ فرمایا میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ یہ سلسلہ نسب قائم رکھنے کے لیے نکاح کیا۔

میدانِ حشر میں جب جزائے عمل کی باری آئے گی تو سب کے اعمال تولدے جائیں گے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ پھر جن کے اعمال بھاری نکلیں گے فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے۔ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی

بھاری اور  
ہلکے اعمال

جانوں کو گھائے میں ڈالا ہے فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ یہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہاں ان کا حال یہ ہوگا تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ آگ ان کے چہروں کو چھلس دیگی۔ وَهُمْ فِيهَا كَالْحُوتِ اور وہ اس دوزخ میں نہایت ہی بد شکل ہو جائیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ دوزخ کی آگ جب اُن کے قریب آئے گی تو آدمی کا اوپر والا ہونٹ نصف پیشانی تک چلا جائے گا اور نیچے والا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا۔ دانت کھل جائیں گے، اور اس طرح وہ بد شکل بن جائے گا۔

مجرموں کا  
اعتراف گناہ

اللہ تعالیٰ ان مجرموں سے فرمائے گا اَلَمْ تَكُنْ اِیَّتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں فَكُنْتُمْ بِهَا تُكْذِبُونَ پس تم اُن کو جھٹلاتے تھے، تمہیں ایمان کی باتیں سمجھائی جاتی تھیں، احکام پڑھ کر سنائے جاتے تھے، دلائل قدرت کا مشاہدہ کرایا جاتا تھا، مگر تم مانتے ہی نہ تھے اور کہتے تھے کہ خدا نے کوئی کلام نازل نہیں کیا۔ تم رسالت کا انکار کرتے رہے وقوع قیامت کا انکار کیا اور اس طرح آیات الہی کو جھٹلاتے رہے، اب دیکھو تمہارا کیا حشر ہو رہا ہے۔ اس وقت وہ لوگ اعتراف گناہ کریں قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! ہماری بد بختی ہم پر غالب آگئی ہم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے وَکُنَّا قَوْمًا ضَالِّیْنَ اور ہم یقیناً گمراہ لوگ تھے۔ پھر درخواست پیش کریں گے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا اے ہمارے پروردگار! ہمیں ایک دفعہ یہاں سے نکال دے۔ فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُونَ اگر ہم ہلٹ کر نافرمانی کریں گے تو یقیناً ہم سخت گناہ گار ہوں گے، مطلب یہ کہ اب ہم ایمان لائیں گے، شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور نیک کام انجام دیں گے۔

اُدھر سے جواب آئے گا قَالَ اُخْسُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اسی دوزخ میں ذلیل ہو جاؤ، اور میرے ساتھ بات بھی

نہ کرے۔ امام زہریؒ اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ دوزخیوں کی چیخ و پکار اور اللہ کی طرف سے جواب آنے کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا۔ ہزار سال تک چیخنے چلانے کے بعد انہیں یہ جواب ملے گا۔

صاحب ایمان  
گروہ

یہ تو نافرمانوں کا حال تھا۔ آگے فرمایا اِنَّكَ اَنْتَ فَارِيقٌ مِّنْ عِبَادِي مِمَّنْ بَنَواْ اٰمَنًا جو کہتے تھے اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تیری توحید اور قیامت کو تسلیم کر لیا ہے فَاَغْفِرْ لَنَا لَئِنْ اِهْمَارِی غَلَطِیَاں معاف کر دے۔ وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما۔ وَاَنْتَ خَبِیْرُ السَّحْمِیْنَ کہ تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے، فرمایا، میرا یہ گروہ میرا طاعت گزار تھا اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا رہتا تھا مگر تم نے اس گروہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فَاَتَّخَذْتُمُوْهُمْ سَخِرَیًّا تم نے انہیں ٹھٹھا و تمسخر کا نشانہ بنایا۔ وہ مادی لحاظ سے کمزور تھے مگر صاحب ایمان تھے۔ تم اُن کو مذاق کرتے بہتے تھے حَتّٰی اَنْسَوْكُمْ ذِکْرَیْ بِہَا تِک کہ انہوں نے تم کو میرے ذکر سے غافل کر دیا۔ تم میرا ذکر کرنا ہی بھول گئے۔ صاحب ایمان لوگوں نے ذکر سے کیسے غافل کر دیا، مفسرین اس کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ منکرین اہل ایمان کو ٹھٹھا تمسخر کرنے میں اس قدر منہمک ہو چکے تھے کہ انھیں اللہ کی یاد کے لیے وقت ہی نہیں ملتا تھا وَکُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضَعُ کُوْنًا اور تم اُن کی ہنسی اڑاتے تھے۔ اس مضمون کو سورۃ المطففین میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وَاِذَا مَرُّواْ بِہُمْ یَتَفَاَمَزُوْنَکَ (آیت ۳۰) جب وہ اہل ایمان کے قریب سے گزرتے تھے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو آنکھوں کے اشارے سے کہتے کہ دیکھو یہ جنت کے وارث اور حوروں کے خاوند جا رہے ہیں جن کے پاس نہ پہننے کو کپڑا، نہ کھانے کو روٹی، نہ رہنے کو مکان اور نہ سفر کے لیے سواری ہے۔ بہر حال اللہ فرمائے گا



ان کے صبر  
کی جزا

کہ تم وہ لوگ ہو جو میرے صاحب ایمان بندوں کو ٹھٹھا اور قسخر کیا کرتے تھے۔  
پھر اللہ فرمائے گا اِنَّ جَزَاءَ جَزَاءِ يَوْمَ يَمَآ صَبْرًا وَبِشَاكٍ  
 آج کے دن میں نے ان کو بدلہ دیا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہاری ایذا  
 رسانیوں پر صبر کیا۔ اور اس کا پھل یہ ہے اِنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ  
 بیشک یہی لوگ فائز الحرام ہونے والے ہیں۔ صبر بہت بڑا اصول ہے جس کا  
 نتیجہ آگے چل کر ظاہر ہوگا۔ مگر ابراہیمؑ کے بڑے بڑے اصولوں میں سے  
 صبر بھی ایک اہم اصول ہے۔ صاحب ایمان لوگوں نے صبر کیا، تکالیف  
 کو برداشت کیا تو اللہ نے انہیں کامیابی کا مشرودہ سنایا۔ اللہ نے کافروں اور  
 مشرکوں کا حال بھی بیان فرمایا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے ہیں، پھر بزدل  
 ہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا اور حشر میں ان کی کیا حالت ہوگی۔  
 اسی طرح اہل ایمان کے اچھے انجام کو بھی بیان فرمادیا۔

زندگی کا قلیل  
عمر

اُسَیْذِیْنَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَجْرَمُوْنَ سے بھی پوچھے گا۔ فَلْکُمْ لَبِثْتُمْ  
فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ تم زمین میں کتنے سال تک ٹھہرے۔ دنیا  
 میں رہ کر تو عذاب کے جلدی لانے کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے مٹی  
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (الملک - ۲۵) یہ وعدہ کب  
 پورا ہوگا۔ قیامت کب آئیگی اور جزائے عمل کی منزل کب شروع ہوگی؟ اب  
 ذرا بتلاؤ کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے جو اس طرح کے مطالبات پیش کرتے  
 تھے۔ ان کا جواب ہوگا۔ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہ ہم  
 دنیا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اس دنیا کی سچاس، ستر یا سو سالہ  
 زندگی انہیں ایک دن کے برابر محسوس ہوگی۔ اس میں بزدل کا عرصہ بھی شامل  
 کر لیں تو بھی وہی تصور رہے گا۔ کیونکہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیا  
 اور بزدل کی زندگی بالکل قلیل معلوم ہوگی۔ فرمایا فَاَسْئَلُ الْعٰدِیْنَ  
 اگر تمہیں اپنی دنیوی زندگی کا شمار یا د نہیں تو شمار کنندہ فرشتوں سے پوچھ لو۔



وہ تو تمہارا ایک ایک لمحہ شمار کرتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے ہر نیک اور بد افعال کا ریکارڈ مرتب کرتے رہتے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں ٹھیک ٹھیک بتا دینگے کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے۔

ارشاد ہوگا، حقیقت یہ ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا تم نے دنیوی اور دُنیوی زندگی میں بہت تھوڑا عرصہ گزارا ہے لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر تمہیں کچھ سمجھ پوچھ ہے۔ دنیا کی اتنی قلیل زندگی کو تم نے لہو و لعب، کفر و شرک اور نافرمانی میں ضائع کر دیا فَمَا رَجَعَتْ اِیَّاهُمْ (البقرہ - ۱۶) اس تجارت نے تمہیں کچھ نفع نہ دیا۔ تمہیں اس عرصہ میں ایمان اور اچھے اخلاق کو نہ خریدا۔ اور زندگی کی اس تسبیل پورنجی کو ضائع کر دیا۔ اس زندگی کی مثال برف کی ڈلی کی ہے جس پر اوپر مجاہدوں کی پیش ہو جس طرح یہ برف جلدی پگھل جائیگی اسی طرح تمہاری زندگی بھی جلدی ختم ہونے والی ہے، لہذا اس کا صحیح استعمال کر کے آخرت میں اپنا مقام پیدا کر لو، ورنہ آگے خالی ہاتھ جانا پڑے گا

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعَلَىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: کیا تم گمان کرتے ہو کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو فضول۔ اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱۵﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ جو سچا بادشاہ ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص پکارتا ہے اللہ کے ساتھ دوسرے کو، نہیں ہے اُس کے لیے کوئی دلیل۔ پس بیشک اُس کا حساب اُس کے رب کے پاس ہے، بیشک نہیں فلاح پائیں گے کفر کرنے والے ﴿۱۱۷﴾ اور (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، اے پروردگار! بخش دے اور تم فرما، اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۸﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی ضد، ہٹ دھرمی اور ان ربط آیات

کے انجام کا ذکر فرمایا۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی توحید اور معاد کے مضمون سے ہوئی تھی۔ اور اب اختتام بھی اسی پر ہو رہا ہے۔ درمیان میں اللہ نے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ اور کفار و مشرکین کی بدسلوکی کا ذکر فرمایا، اور توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے۔ قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا۔ اب آخر میں پھر قیامت اور جزائے عمل کا خصوصی ذکر فرمایا ہے۔

انسان مکلف ہے

ارشاد ہوتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے؟ عَبَثًا کا معنی باطل، بھل، بے کار، بے سود یا فضول ہے۔ سورۃ القیامہ میں ہے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَن يُّتْرَكَ سُدّی (آیت ۳۶) کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اُسے مہل چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں بلکہ یہ خیال ہی باطل ہے کہ انسان سے باز پرس نہ ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان کو بالکل کھلا چھوڑ دیا جائے، وہ نہ کسی حلال حرام کا پابند ہو، نہ امر و نہی کا اور نہ نیکی بدی کا، جب وہ کسی چیز کا پابند نہیں ہوگا، تو پھر اس سے باز پرس بھی نہیں ہوگی۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر انسان قانونِ خداوندی کا پابند ہے اور پھر اس کا محاسبہ بھی ہوگا کہ اُس نے قانونِ قدرت کی کس حد تک پابندی کی ہے۔ یہ صرف انسان کی بات نہیں بلکہ جہاں اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کیا وہاں فرمایا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (آل عمران - ۱۹۱) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار محض نہیں پیدا کر دیا۔ گویا پوری کائنات کی تخلیق بھی مہنی برحمتِ الہی ہے۔

فرمایا کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے وَاَنَّا لَالِیْنَا لَا تَرْجِعُوْنَ اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ اگر انسان کی تخلیق بے مقصد ہے تو پھر اُس کے محاسبے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اُسے اللہ کے پاس واپس لوٹائے جانے کی ضرورت ہے یہ باطل خیال ہے۔ ہر چیز کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے مقصد اور حکمت کے مطابق عمل

میں آئی ہے۔ اللہ نے انسان کو ایک پروگرام دے کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اُس سے اُس کی کارکردگی کی باز پرس ضروری ہے اور اس کے لیے اس کا واپس لوٹا جانا بھی ضروری ہے۔ الغرض! اللہ نے انسان کو مکلف یعنی قانون کا پابند بنایا ہے لہذا وہ سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا، پھر حساب کتاب کی منزل آئیگی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

ملکیت اور  
بہمیت کی  
کشمکش

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی حکمت الیہ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ملکیت اور بہمیت دو قوتیں رکھی ہیں۔ ملکیت اسے فرشتوں جیسی پاکیزہ خصلتیں مثلاً اللہ کے سامنے عجز و نیاز مندی، عدل و انصاف، عبادت و ریاضت، خود غرضی اور کمینے باتوں سے اجتناب وغیرہ شامل ہیں جب کہ بہمیت میں کھانا پینا، اولاد پیدا کرنا، خواہشات کی تکمیل، جسم کا بناؤ سنگار، آرام و راحت وغیرہ خصال شامل ہیں۔ گویا انسان ملکیت اور بہمیت کی کشمکش کا نام ہے، انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں صفت ملکیت غالب اور بہمیت مغلوب ہو، اور پھر اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہو۔

شاہ صاحب مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ گائے، بھینس، بھیر، بکری وغیرہ جب تک گھاس یا چارہ کھاتے ہیں ان کا بہمی مزاج درست رہتا ہے۔ وہ کام بھی کرتے ہیں اور دودھ بھی دیتے ہیں، اگر یہی جانور گھاس کی بجائے گوشت کھانے لگیں تو یہ ان کی فطرت کے خلاف ہوگا اور ان کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اسی طرح درندوں کی فطری خوراک گوشت ہے۔ جب تک گوشت کھاتے رہیں گے ان کا مزاج درست رہے گا۔ اگر شیر، چیتا، بھیر یا وغیرہ گوشت کی بجائے گھاس چیرنے لگیں تو ان کا مزاج بگڑ جائیگا۔ انسان کے مزاج کی مثال بھی ایسی ہی ہے جب تک وہ طہارت، ساحت، عبادت، ریاضت اور فکر کی پاکیزگی جیسے کام نہ کرتا رہتا ہے تو اُس کا ملکی مزاج بالکل ٹھیک رہتا ہے۔ اور جو نہی وہ نجاست، تکبر، خود غرضی، ظلم و جبر وغیرہ کو اختیار کرتا ہے تو اُس کا مزاج



خراب ہو جانا اور پھر اُس کا نتیجہ بھی غلط ہی نکلتا ہے۔

الغرض! اللہ نے انسان کو ملکیت اور مہمیت کا مزاج بخشا ہے۔ اللہ نے اس میں مکلف بننے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ اور یہی اس کا کمال ہے۔ گویا اللہ نے انسان کو فطری طور پر مکلف بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک جیسی امانت کو ارض و سما اور پہاڑوں نے تو اٹھانے سے انکار کر دیا مگر وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (الاحزاب - ۷۲) انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ جب انسان مکلف ٹھہرا تو پھر اُس پر جزائے عمل بھی آئے گا، وہ پیدا ہوا ہے تو موت سے بھی ہٹنا نہ ہوگا، اس کے ذمے قانون کی پابندی بھی لازم آئیگی۔ اگر وہ اس میں ناکام ہے گا تو حظیرۃ القدس جیسے پاک مقام کا مہر نہیں بن سکے گا، گویا اس کی ترقی کا راز اس کے مکلف ہونے میں ہے، لہذا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ نے اُسے فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ وہ اُس کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔

فرمایا فَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ پس بلند و بڑا ہے اللہ کی ذات جو سچا بادشاہ ہے۔ ایسی بلند ہستی بھلا فضول کام کیسے کر سکتی ہے۔ وہ حکیم ہے اور اُس کا ہر فعل مبنی بر حکمت ہے۔ تو اللہ نے انسان کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اُسے مکلف بنا کر اُس کے لیے ترقی کا دروازہ کھول دیا ہے تاکہ وہ قانون کی پابندی اختیار کر کے اپنے لیے اعلیٰ مقام حاصل کر سکے۔

فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی اللہ۔ اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں، کوئی نافع ضار، قادر مطلق، علیم کل، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان نہیں ہے۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی قولی، فعلی، مالی، جسمانی اور روحانی عبادت کی جائے، عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے۔ جو اس اعتقاد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ معبود میرے حالات کو جانتا ہے میری جگہ ٹہنی بنا سکتا ہے، خالق اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ

اللہ تعالیٰ  
کی صفات  
عالمیہ

ہے یعنی عزت والے عرش کا مالک ہے۔ گزشتہ آیت میں عرش عظیم کے الفاظ بھی گزر چکے ہیں اور اب عرش کرم سے یاد کیا گیا ہے، عرش کا تصور دو صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ عرش الہی بہت بڑا ہے اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس کے مقابلہ میں ایک کٹرے کی حیثیت رکھتی ہیں جو کسی بہت بڑے میدان میں پڑا ہو۔ گویا عرش عظیم تمام کائنات پر محیط ہے۔ عرش کا دوسرا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی سلطنت کا مالک ہے، ایسی سلطنت جو ساری کائنات اور اس سے بھی پرستے تک محیط ہے۔ جس مالک الملک کی سلطنت اتنی وسیع ہے وہ اپنے وفاداروں کو اعلیٰ بدلہ اور غداؤں کو سخت سزا بھی دے گا۔ ان سب کو عزت کے عمل کی منزل سے گزنا پڑے گا۔

توحید باری تعالیٰ

آگے اللہ نے پھر توحید کے مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس سورۃ مبارکہ کا اہم مضمون ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارتا ہے یعنی اس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے، لَا جُحُومَ لَكَ بِهِ اس کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کسی مشرک اور کافر کے پاس کفر و شرک کی صحت پر کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں بَلْ نَتَّبِعُ مَا آَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَالْبَقَرَةُ - ۱۷۰) ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ یہ جاہلانہ دلیل ہے جسے اندھی تقلید کہا جاتا ہے جب آباؤ اجداد بے عقل اور غیر ہدایت یافتہ ہوں تو پھر ان کی راہ پر چلنا بجائے خود بے عقلی کی دلیل ہے اس کے برخلاف اللہ کی وحدانیت کی کمرڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس سورۃ میں بھی اللہ نے سمیع و بصیر، زندگی اور موت، زمین کا پھیلنا اور غیر حبسی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں عقلی دلیل کا مطلب یہی ہے کہ مشاہدات قدرت میں غور و فکر کر دے گے تو اللہ کی وحدانیت، خود بخود سمجھ میں آئے گی۔ پتہ چلے گا کہ ہر شے کا خالق، مالک اور متصرف اللہ

ہی ہے، جہاں تک نقلی دلائل کا تعلق ہے اللہ کے ہر نبی نے یہی کہا ہے  
 يُقَوْمُوا عِبَادُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (المؤمنون - ۲۳)  
 اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں  
 ہے۔ تمام انبیاء اور تمام صلحاء نے یہی تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کتا  
 اور حاجت روا نہیں ہے، کوئی موت و حیات کا مالک نہیں۔ اس کے علاوہ  
 نہ کوئی شفا دے سکتا ہے اور نہ کوئی ترقی و تنزیل کر سکتا ہے۔ فرشتوں کے حالات  
 میں بھی یہی چیز ملے گی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر مشرک کے پاس سوائے  
 اندھی تقلید کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

محاسبہ اعمال

فَرَمَا يَفَاتِمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ اِيسَى كَافِرٌ وَشَرِكٌ كَاسْحَابِ  
 اُس کے اللہ کے پاس ہے۔ جب وہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا تو پھر پتہ  
 چلے گا کہ اُس نے دنیا میں جاہلانہ دلیل کی بنا پر شرک کا راستہ اختیار کیا، جب وہ  
 حساب کتاب کے لیے پیش ہوگا تو ضرور گرفت میں آئے گا۔ فَرَمَا يَفَاتِمَا  
 لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ بیشک کفر کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے، جس  
 نے توحید، رسالت، معاد، کتب سماویہ، رسل اور ملائکہ کا انکار کیا وہ کافر بن گیا  
 اور وہ ہمیشہ نامراد رہے گا۔

اس حصہ آیت کو سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں وہاں  
 تَحَقَّقْ اَفَلَا يَتَذَكَّرُ الْمُؤْمِنُونَ تحقیق ایمان والے فلاح پاگئے اور پھر  
 آگے اُن کی صفات بیان کی گئی ہیں اور یہاں ارشاد ہے اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ  
 الْكَافِرُونَ اللہ تعالیٰ کافروں کو فلاح سے ہمکنار نہیں کرے گا۔ کافروں  
 کو فلاح نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی دھوم  
 دھام اور شور و شر سے گزاریں مگر انہیں بزرخ اور آخرت کی فلاح ہرگز نصیب  
 نہیں ہوگی۔ اس طرح اس سورۃ کی ابتدا اور انتہا آپس میں مربوط ہو گئی ہے۔  
 فَرَمَا وَقَدْ رَّبِّ اعْفِرْ اے پیغمبر! آپ اس طرح دعا کریں

کہ اے میرے پروردگار! ہمیں بخش دے، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو  
 معاف فرما دے وَ اَرْحَمْ اور ہم پر رحم فرما، اپنی رحمت نازل فرما، ہمیں  
 کسی ابتلا یا بد عقیدگی میں مبتلا نہ کر، کفر و شرک سے نجات دے اور ہماری حالت  
 پر رحم فرما کیونکہ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرَّحِمٰیْنِ تو سب سے بہتر رحم کرنے والا  
 ہے۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں۔

آخری آیت  
 کے فضائل

یہ آخری آیات بہت بڑی فضیلت کی حامل ہیں، اس لیے مفسرین کرام اور  
 بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ان آیات کو ہر روز کم از کم دو دفعہ پڑھ لینا چاہیے۔  
 صاحبِ روح المعانی، حکیم تہذیبی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں اور صاحب  
 علیۃ الاولیاء نے اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے بیان  
 کرتے ہیں کہ انہوں نے سورۃ ہذا کی یہ آخری چار آیات (اَفْخَسَبْتُمْ... الخ)  
 پڑھ کر ایک جنون زدہ آدمی کو پھونک ماری تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو شفا دیدی۔  
 جب یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے گوش گزار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔  
لَوْ اَنَّ مَعْقِنًا یعنی اگر کوئی کامل الایقان والیقین آدمی ان آیات  
 کو پڑھ کر ہمارے پھونک دے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔ بہر حال یہ  
 بڑی فضیلت والی آیات ہیں جنہیں بطور روزِ صبح و شام پڑھا جاسکتا ہے۔



4m

سُورَةُ  
النُّورِ  
مَكْمَل

قد افلح

النور ۲۴

درس اول ۱

آیت ۱

سُورَةُ النُّورِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَفِيهَا تِسْعٌ وَكُودَعَاتٍ

سورۃ نور مدنی ہے اور یہ چونسٹھ آیات اور اس میں نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

سُورَةُ اَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَاَنْزَلْنَا فِيهَا آيَةً كُبَيِّنَاتٍ

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ①

ترجمہ : یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے اُتارا ہے اور اس

کے احکام کو ہم نے ہی فرض قرار دیا ہے ۔ اور اتاری ہیں ہم

نے اس میں واضح اور کھلی باتیں تاکہ تم نصیحت پکڑ لو ①

اس سورۃ کا نام سورۃ نور ہے جو اس کی آیت اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نام اور کوائف

سے ماخوذ ہے ۔ اس سورۃ مبارکہ کی دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایسے احکام و قوانین

بیان کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے ۔ اس سورۃ مبارکہ

کی چونسٹھ آیات ، نور رکوع ، ۱۳۱۶ الفاظ اور ۵۹۸۰ حروف ہیں ۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں

نازل ہوئی ۔

زمانہ نزول

اس سورۃ میں واقعہ انک بیان ہوا ہے جو کہ ۶ھ میں پیش آیا ۔ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ

اکثر اسلام دشمن کاروائیوں میں ملوث ہوتے تھے ۔ جب ان کی ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں ، تو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور خود مجاہدین کی قیادت فرمائی ۔

اس سفر میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھیں ۔ واپسی پر ایک ایسا حادثہ

پیش آیا کہ قافلے نے ایک مقام پر رات کے وقت قیام کیا ۔ صبح سویرے حضرت عائشہؓ

باہر نکلیں تو اُن کا ہار گم ہو گیا، اُس کی تلاش میں انہیں دیر ہو گئی۔ قافلے کی روانگی کا وقت ہوا تو چار آدمیوں نے حضرت عائشہؓ کا خالی ہودہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چل بیٹے۔ قافلے کے پیچھے دیکھ بھال کے لیے جانے والے ایک صحابی صفوان بن معطلؓ نے آپ کو دیکھ لیا اور اپنے اونٹ پر سوار کر کے قافلے تک پہنچایا۔ اس واقعہ پر منافقین نے بڑا پروپیگنڈا کیا حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا۔ اس سے اہل ایمان کو بڑی کوفت ہوئی۔ پھر ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت میں اس سورۃ کی سورۃ آیات نازل فرمائیں۔ اس واقعہ سے اس سورۃ کے نزول کا تعین ہوتا ہے۔

گزشتہ سورۃ کے ساتھ ربط

گزشتہ سورۃ المؤمنون کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب اہل ایمان کا ذکر کیا تھا اور ساتھ اُن کی بعض صفات بھی بیان کی گئی تھیں۔ پھر آخر سورۃ میں کافروں کی ناکامی کا ذکر ہوا۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیکار محض پیدا نہیں کیا کہ وہ اس دنیا میں جو چاہے کرے یا پھرے، اس سباز پر ہی نہیں ہوگی بلکہ انسان کو اللہ نے مکلف پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کے عاید کردہ قوانین کا پابند ہے۔ قانون کی یہ پابندی یا عدم پابندی ہی اس کی کامیابی یا ناکامی کا سبب ہے۔ اب اس سورۃ میں اللہ نے بعض معاشرتی قوانین بیان فرمائے ہیں جن کی پابندی انسان پر لازم ہے۔ اور یہی اس سورۃ کا پہلی سورۃ کے ساتھ ربط ہے ان دونوں سورتوں کا دوسرا بھی ربط ہے کہ دونوں سورتوں میں بعض مضامین جیسے توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل، رسالت پر اعتراضات اور ان کے جوابات، قیامت اور جزائے عمل وغیرہ مشترک ہیں۔

سورۃ کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد اور مشہور تابعی حضرت مجاہدؓ نے حدیث بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے عَلِّمُوا رِجَالَكُمْ سُورَةَ الْمَائِدَةِ وَعَلِّمُوا نِسَاءَكُمْ سُورَةَ النُّورِ اپنے مردوں کو سورۃ مائدہ سکھاؤ کیونکہ اس میں حلت و حرمت اور دیگر مسائل بیان ہوئے ہیں جو زیادہ مردوں کے لیے تفہیم و فہم (فیاض)



سے متعلق ہیں۔ اور اپنی عورتوں کو سورہ سکھاؤ کیونکہ اس میں ناموس و عفت کی حفاظت اور بدکاری کے انداد کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بعض حضرات کو اس مضمون کا مکتوب لکھا تھا اَنْ تَعْلَمُوْا نِسَاءَكُمْ سُورَةُ النِّسَاءِ وَالْاَحْزَابِ، وَالنُّوْرِ یعنی اپنی عورتوں کو سورہ نساء، سورہ احزاب اور سورہ نور سکھاؤ۔ کیونکہ ان سورتوں میں عورتوں سے متعلق بہت سے مسائل آئے ہیں اس سورہ مبارکہ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے معاشرتی قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ ناہم اس کا مرکزی مضمون اسلام کا نظام عفت و عصمت ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورہ فحاشی، بے حیائی، بداخلاقی اور زنا کے انداد کا ایکٹ ہے۔ اس میں عصمت و ناموس کی حفاظت کے قوانین بیان کیے گئے۔ پردے کا حکم دیا گیا۔ حد زنا کے علاوہ اس سورہ میں حد زنا بھی بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ لعان کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد اپنی عورت پر بے حیائی کا الزام لگائے تو اس معاملے کو کس طرح نمٹایا جائے۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ انکب بھی اسی سورہ میں بیان ہوا ہے۔ کسی کے گھر میں داخلے کے لیے اجازت کا قانون۔ قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر بھی ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات سے استفادہ کرنے والے اور محروم رہنے والے لوگوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے باہمی تعلقات، عزیز و اقارب سے حسن سلوک اور آداب رسالت بھی اس سورہ کی زینت ہیں۔ اجتماعی مسائل میں خلافت راشدہ کا ذکر اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ غلامی اور مکاتبت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے احکام، حدود، مثالیں، حقائق و معارف نصیحت آموز باتیں۔ توحید اور تنبیہات بھی اس سورہ کے مضامین میں شامل ہیں۔ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور رسول کی مخالفت کرنے سے سختی کے ساتھ

مضامین  
سورہ

منع کیا گیا ہے۔

سورۃ کی  
تمہید

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار طریقے سے اس کی تمہید کیا  
کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُورَةٌ اَنْزَلْنَاهَا بِهٖ اٰیٰتٍ سُوْرَةٍ هِیْ مِنْ اَنْزَلْنَاهَا  
ہماری طرف سے ہوا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے شاہی فرمان ہیں اور اُس کی طرف  
سے جاری کردہ قوانین ہیں وَفَاٰیزُهَا اور ہم نے ہی ان  
احکام کو فرض قرار دیا ہے۔ ان احکام میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات ہیں جن کو ہم نے ہی  
مقرر کیا ہے۔ یہاں پر فرض سے مراد مقرر کرنا ہے کہ تمام احکام فرامین اللہ ہی کیطریق سے مقرر  
کیے جاتے ہیں۔ دوسرے مقام پر آتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ  
(الاحزاب ۵۰) ہم جانتے ہیں جو کچھ ہم نے ان پر مقرر کیا ہے۔ یعنی ہم  
نے تمام احکامات مصلحت کے مطابق نازل کیے ہیں غرضیہ فرمایا کہ یہ سورۃ ہے جسے  
ہم نے نازل فرمایا ہے اور اس میں احکام مقرر کیے ہیں وَاَنْزَلْنَاهَا فِیْہِیْ  
اٰیٰتٍ مُّکِیِّنٰتٍ اس میں ہم نے واضح احکام نازل فرمائے ہیں جن کی تعمیل  
ضروری ہے لَعَلَّکُمْ تَذٰکَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔  
یہ پہلی آیت گو یا سورۃ کی تمہید ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ تمام  
قوانین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو حاکم علی الاطلاق اور شہنشاہ مطلق ہے۔  
یہ کوئی من گھڑت یا رسمی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ جل جلالہ کے نازل کردہ  
قوانین ہیں۔ اگر ان قوانین پر عمل کرو گے تو اس سے تمہارے ذاتی اخلاق  
بھی درست رہیں گے۔ اور تمہارا معاشرہ بھی سدھر جائے گا۔ تم اجتماعی طور  
پر مضبوط ہو جاؤ گے۔ جس کی وجہ سے تمہارا دشمن مغلوب ہو جائے گا۔  
در اصل قوانین پر عمل درآمد سے ہی کوئی چیز زندہ اور قائم ہوتی ہے۔ اگر عمل نہ  
ہو تو قانون کی حیثیت فلسفہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بہر حال اس ابتدائی آیت میں  
قوانین پر عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے بعد اصل قوانین آتے ہیں جن کا  
آغاز حدود سے کیا جا رہا ہے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ  
وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ  
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيَشْهَدَ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ  
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ② الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً  
وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ  
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ③

ترجمہ :- بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد ، پس  
مارو ان میں سے ہر ایک کو سو درّے ۔ اور نہ پکڑے تم کو ان  
دونوں کے بارے میں نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو  
اللہ پر اور قیامت کے دن پر ۔ اور چاہیے کہ حاضر ہو اُن کی سزا کے  
وقت ایک گروہ ایمان والوں کا ② اور بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر  
بدکار عورت سے یا شرک کرنے والی سے ۔ اور بدکار عورت نہیں  
نکاح کرتا اُس کے ساتھ مگر بدکار مرد یا شرک کرنے والا ۔ اور حرام  
قرار دیا گیا ہے یہ ایمان والوں پر ③

قانون الزنا

سورۃ اہدٰ کی پہلی آیت میں اللہ نے بڑے زور و طریقے سے اس کی اہمیت بیان فرمائی

تاکہ اس سے نصیحت حاصل کی جاسکے ، اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے الزنا کا قانون

بتلایا ہے اور اُس کی بعض ذیلی دفعات کا ذکر کیا ۔ بدکار مرد و زن کی سزا کا ایک حصہ اس آیت

میں ہے ۔ جب کہ دوسرا حصہ اور مزید تفصیلات احادیث میں موجود ہیں ۔ اس ضمن میں فقہائے کرام

کی وضاحتیں بھی موجود ہیں۔

مفسرین کرام اور علماء عظام یہ بنیادی بات بیان کرتے ہیں کہ قانون خواہ کتنا اچھا ہو جب تک اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی ڈاکٹر سرریض کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے تو اس اچھے سے اچھے نسخے کو بھی محض زبانی پڑھنے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک نسخے کے مطابق دوائی خرید کر استعمال نہ کی جائے۔ اسی طرح قانون کی محض تلاوت کا کچھ فائدہ نہیں جب تک اُس پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔

زنا دو قسم سے ہے۔ اگر کوئی کنوارہ شخص اس فعل کا مرتکب ہوگا تو اُسے اس آیت میں مذکورہ سزا دی جائیگی یعنی سو درے لگائے جائیں گے اور اگر کوئی شادی شدہ شخص زنا میں ملوث ہوتا ہے تو اس کی سزا سنگساری ہے۔ تو رات میں بھی یہی قانون تھا کہ ایسا شخص جان سے مارا جائے گا۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا يَا مَعْشَرَ النَّاسِ اتَّقُوا الزَّكَاءَ اے انسانوں کے گروہ! زنا جیسی برائی سے بچتے رہو کیونکہ اس میں چھ باتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے تین کا تعلق دنیا سے اور تین کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا سے متعلق تین باتیں یہ ہیں کہ زانی کے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، بعض اوقات وہ محتاجی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی عمر میں خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی آخرت کی خرابی یہ ہے کہ اس پر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ اس کا حساب بُرا ہوگا اور وہ جہنم کا شکار بنے گا۔

بدکاری اور اس قبیل کے دیگر جرائم کی قباحت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بدکاری کا فعل عرف یعنی انسانی سوسائٹی کے اخلاق کے اعتبار کے بھی خلاف ہے اور انسانی عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی ناراضگی کے اعتبار سے یہ بڑا ہی گناہ



ہے۔ اس فعل کے ارتکاب سے نہ صرف خود زنا کا ارتکاب ہوتا ہے بلکہ اس سے پوری سوسائٹی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بدکاری کے نتیجے میں نسل خراب ہوتی ہے، اخلاق بگڑتا ہے اور معاشرے میں دیگر خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور! کون سا گناہ زیادہ قبیح ہے؟ تو آپ نے فرمایا، سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ عرض کیا، اس کے بعد؟ فرمایا کہ اولاد کو اس وجہ سے قتل کرنا کہ انہیں لکھا کہ کون کھلائے گا۔ ابن مسعودؓ نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا کہ تم اپنے بیوی کی بیوی کے ساتھ برائی کرو۔ تو رات میں بھی اس کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔

زنا کا ثبوت  
اور سزا

زنا کا ثبوت دو صورتوں میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ زانی پر چار عینی گواہ پیش کیے جائیں جس کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ زانی مرد یا زانی عورت خود اقرار کرے کہ اس نے اس فعل پر ارتکاب کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن مجرمین کو زنا کی نرا دی گئی، ان سب نے اس جرم کا خود اقرار کیا تھا۔

سنگساری کی سزا کے لیے مجرم کا محسن ہونا ضروری ہے، ورنہ یہ سزا انہیں دی جاسکے گی محسن کی شرائط یہ ہیں کہ مجرم مسلمان ہو کہ غیر مسلم اس سزا کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سزا کے لیے یہ شرط نہیں ہے بلکہ مسلم یا غیر مسلم کو سنگسار کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ أَشْرَكَ فَلَيْسَ بِهِ حَصْنٌ یعنی مشرک آدمی محسن نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو امام اسحاق ابن راہویہؒ نے بھی اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ اور امام دارقطنیؒ اور صاحب ہدایہؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک یہودی اور یہودیہ کو اس جرم میں رجم کیا تھا۔ اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ

غیر مسلموں کی یہ سزا اسلامی ضابطے کے مطابق نہیں تھی بلکہ تورات کے قانون کے مطابق تھی۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ جب یہودی مجرم حضور علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوئے تو آپ نے تورات منگوا کر اُسے پڑھنے کے لیے کہا۔ یہودی سنگساری کی سزا کو چھپانا چاہتے تھے مگر حضور علیہ السلام کی وجہ سے اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا۔ یہودی نادم ہوئے اور مجرموں کو سنگساری کی سزا دی گئی۔

محسن بننے  
کی شرائط

چنانچہ پہلے عرض کیا ہے کہ مجرم کی سزا عائد کرنے کے لیے مجرم کا محسن ہونا ضروری ہے۔ کسی شخص کے محسن بننے کے لیے پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مجرم مسلمان ہو کسی غیر مسلم کو یہ سزا نہیں دی جائے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو کیونکہ لونڈی یا غلام کو یہ سزا نہیں ملے گی۔ ان کے لیے قرآن پاک نے آزاد کی نسبت ادھی سزا مقرر کی ہے۔ محسن ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی عاقل ہو کسی پاگل آدمی کو یہ سزا نہیں دی جائے گی۔ چوتھے نمبر پر مجرم کا بالغ ہونا بھی ضروری ہے کسی نابالغ کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ اور پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم صحیح نکاح کر کے اپنی بیوی سے مباشرت کر چکا ہو۔ جب یہ ساری شرائط پائی جائیں تو مجرم محسن سمجھا جائے گا اور اُسے سنگساری کی سزا دی جائے گی۔

زنا کی طرح لواطت بھی حرام ہے بلکہ زنا سے بھی زیادہ قبیح فعل ہے۔ امام شافعیؒ اس کو زنا کے زمرے میں شمار کر کے سنگساری کی سزا کے قائل ہیں مگر امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل اگرچہ زنا سے بھی بدتر ہے مگر اس پر سنگساری کی سزا عاید نہیں ہوتی بلکہ حاکم کی صوابدید پر ایسے مجرم پر تعزیر لگے گی۔ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے حاکم مجرم کے قتل کا حکم دے سکتا ہے۔ اُس پر دیوار گرا سکتا ہے۔ کسی بلندی سے گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ یا قید میں ڈال سکتا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ

جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنا بھی بالاتفاق حرام ہے، تاہم اس جرم پر حد کی بجائے تعزیر لگے گی۔ اسی طرح مشیت زانی بھی اگرچہ سخت قبیح فعل ہے مگر اس پر بھی تعزیر لگے گی۔ ایسے شخص پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

زنا کی شرعی  
سزا

ارشاد ہوتا ہے الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

مِائَةَ جَلْدَةٍ زانی عورت اور زانی مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔

یہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی سزا ہے۔ اس کے علاوہ اگر حاکم مناسب

سمجھے تو ایک سال کے لیے جلا وطنی بھی کر سکتا ہے۔ یا مجرم کو جیل میں ڈال

سکتا ہے۔ اور اگر مجرم مرد یا عورت شادی شدہ محسن ہیں تو ان کی سزا قرآن

نے بیان نہیں کی بلکہ اُس کی سزا سنت میں موجود ہے۔ امام ابو جبر حصاصؒ

فرماتے ہیں کہ متواتر اور مشہور احادیث سے ثابت ہے کہ محسن شادی شدہ عورت یا مرد کیلئے رجم کی سزا

ہے یعنی انہیں سنگسار کیا جائیگا جنور علیہ السلام کے زمانہ میں یہ سزا عملی طور پر نافذ ہو چکی ہے۔

فرمایا، ہر ایک کو سو درے مارو وَلَا تَأْخُذْ بِهِمَا رُفَّةٌ

فِي دِينِ اللَّهِ اور نہ پکڑے تم کو نرمی ان دونوں کے بارے میں اللہ

کے دین میں یعنی شرعی سزا نافذ کرتے وقت مجرموں کے متعلق تمہارے دل میں غلبہ

ترحم و ہمدردی نہیں پیدا ہونا چاہیئے بلکہ ان کو پوری پوری سزا دو اور اُن کو کٹ

تَوَمِّنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر

ایمان رکھتے ہو۔ خدا تعالیٰ پر ایمان ہو گا تو جان لو گے کہ سزا اُسی نے مقرر کی ہے

اور اُس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے اور اگر وقوع قیامت پر ایمان ہے۔ تو

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کی اس عارضی سزا سے آخرت کی دائمی سزا

سخت تر ہے۔ لہذا مجرم کی مصلحتی بھی اسی میں ہے کہ اُسے اللہ کی مقرر

کردہ سزا سے دی جائے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

اور دوسری بات یہ فرمائی وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ

الْمُؤْمِنِينَ اور چاہیئے کہ اس سزا کو مومنوں کا ایک گروہ مشاہدہ کرے



کیا دیے کی  
سزا وحیانہ  
ہے

مطلب یہ کہ یہ سزا سر عام دی جائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔  
اللہ تعالیٰ نے جرم زنا اور بعض دوسرے جرموں میں دُرے مارنے کی  
سزا مقرر کی ہے جب کہ بعض لوگ اُسے وحیانہ سزا قرار دیتے ہیں۔ حقیقت  
یہ ہے کہ یہ شیطان کی دوسرہ انداز می کا نتیجہ ہے وگرنہ اسلام کی مقرر کردہ  
دُرروں کی سزا ہرگز وحیانہ نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اس سزا کی تفصیل میں فرماتے ہیں  
کہ دُرے لگانے والا شخص اس فن کا ماہر ہونا چاہیے اور ایک خاص مقدار سے  
زیادہ شدید ضرب نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ دُرروں  
کی سخت ترین ضرب وہ ہے جو تعزیر کے طور پر لگائی جائے۔ اس سے  
کم تر ضرب حد زنا کی ہے، اور پھر اس سے کم حد قذف کی ضرب ہے  
اور یہ بھی ضروری ہے کہ کوڑا پھلدار نہ ہو بلکہ صاف ہونا چاہیے۔ اگر کوڑا  
نشان زدہ ہو گا تو ضرب میں شدت پیدا ہوگی جس کی اجازت نہیں دی گئی  
امام صاحب فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جن مجرموں کو زنا کے کوڑے  
لگوائے تھے، اُن کے زاید کپڑے مثلاً کوٹ، چادر وغیرہ اتروائے تھے۔  
قمیض باجامہ وغیرہ جسم پر چھوڑ دیے تھے تاکہ برہنگی نہ ہو۔ خاص طور پر عورت  
کو تو کوڑے میں کھڑا کر کے یہ سزا دی تھی تاکہ اُس کی بے پردگی نہ ہو۔ دُرے  
مارتے وقت یہ بھی خیال رکھا جائے گا کہ ان کی ضرب سر، چہرے اور اعضائے  
تنا سلیہ پر نہ پڑے۔

اس کے برخلاف انگریزی قانون کے مطابق جو کوڑے لگائے جاتے  
ہیں وہ شدید ترین ہوتے ہیں۔ جسم کے سارے کپڑے اتروا لیے جاتے ہیں  
اور صرف ایک لنگوٹی پہنا کر ایک ماہر آدمی دور سے دوڑتا ہوا اگر شدید  
ترین ضرب لگاتا ہے جس سے جسم کے اندر گوشت کا قیمہ بن جاتا ہے۔  
ایک بڑے سے بڑا صحت مند آدمی بھی ایسے قیس کوڑے برداشت نہیں کر  
سکتا۔ اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ اسلامی سزا وحیانہ ہے یا انگریزی قانون



زانیہ اور زانی  
میں تقدم  
تاخر

کے تحت دی گئی منرا وحشیانہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں زانیہ کو زانی پر مقدم رکھا گیا ہے۔ حالانکہ جہاں چوری کی سزا کا ذکر ہے وہاں فرمایا وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ (المائدہ - ۳۸) یعنی چور مرد اور چور عورت۔ یہاں مرد کو عورت کے مقابلے میں مقدم لایا گیا ہے امام محمد بن ابوبکر رازیؒ اس کی توجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مرد کی نسبت عورت کا مادہ شہرت زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لیے اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد شیخ المنہ حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا قول ہے کہ اللہ نے اس معاملے میں عورت کو اس لیے مقدم رکھا ہے کہ عورتیں اکثر ناقصات العقل ہوتی ہیں اور بہکاوے میں جلدی آجاتی ہیں اور اکثر انہی تحریریں یہی اس جرم کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے عورت کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے اس کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں ضعیف اور قابلِ رحم ہوتی ہے مگر اس سزا کے معاملے میں اللہ نے نرمی اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے عورت کا ذکر پہلے کیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب عورت صنفِ نازک ہونے کے باوجود کسی نرمی کی مستحق نہیں تو مرد کو سزا دیتے وقت تو بطریقِ اولیٰ نرمی اختیار نہیں کی جائے گی۔ آپ نے ایک تیسری وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ کہتے ہیں کہ جہاں تک زنا کی قباحت کا تعلق ہے وہ تو مرد و زن کے لیے یکساں ہے، لیکن حمل ٹھہر جانے کی صورت میں عورت کے لیے زیادہ شرم و عار کا باعث ہوگا۔ لہذا عورت کو مقدم رکھا گیا ہے۔

زانی اور زانیہ  
کے لیے قوی  
سزا

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑوں کی شرعی سزا کے علاوہ ایک قوی سزا بھی مقرر فرمائی ہے۔ یعنی شرعی سزا کے علاوہ اُسے معاشرے اور قوم کی طرف سے بھی ایک سزا ملتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً زَانِي مَرْدَنٍ نَّكَاحٌ كَرْتَا مَرَكْ

زانیہ عورت یا مشترکہ عورت کے ساتھ کیونکہ ایسا شخص پاکدامن عورت کے ساتھ نکاح کا اہل ہی نہیں بلکہ بدکار یا مشترکہ عورت کے قابل ہے۔ اسی طرح فرمایا وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ اور بدکار عورت نہیں نکاح کرتا اُس سے مگر بدکار مرد یا مشرک آدمی۔ امام احمدؒ تو یہی فرماتے ہیں کہ پاکدامن عورت کے ساتھ بدکار مرد اور زانیہ عورت کے ساتھ پاکدامن مرد کا نکاح حلال نہیں جب تک وہ توبہ نہ کر لیں۔ البتہ دیگر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر آدمی ایماندار ہے اگرچہ بدکار ہے تو اس کا نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ بہتر نہیں ہے۔ بہر حال یہاں پر زنا اور شرک کو ایک زمرے میں شمار کیا گیا ہے جس طرح شرک ذہنی طور پر بے حیائی کی بات ہے۔ اسی طرح زنا بھی سخت بے حیائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زنا کار مرد کو ایک زنا کار عورت کے ساتھ ہی مناسبت ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ زانیہ عورت صرف زانی مرد سے نکاح کرتی ہے اور زانی مرد زانیہ عورت سے ہی نکاح پسند نہ کرتا ہے ہے کیونکہ مشہور مقولہ بھی ہے

کنہ ہم جنس با ہم جنس پر واز  
کبوتر با کبوتر باز با باز

ماہم فرمایا وَحِينَ مَرَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اور یہ حرام قرار دیا گیا ہے ایمان والوں پر۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے امام احمدؒ ذلک سے مراد نکاح لیتے ہیں کہ پاکدامن اور زنا کار کا نکاح حلال نہیں ہے۔ بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ ذلک کا اشارہ زنا کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے لیے زنا حرام قرار دیا گیا ہے چاہے رضا مندی سے ہو یا زبردستی۔ بہر حال شرعی سزا کے علاوہ اللہ نے ایک قومی سزا بھی مقرر کی ہے تاکہ بدکار مرد یا عورت قابل نفیس ہو جائے اور رشتے ناطے کے قابل نہ رہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ  
شُهَدَاءَ فَأُولَٰئِكَ مِنْهُمْ ثَمَنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ  
شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ  
تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥﴾

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر، پھر

نہیں لاتے وہ چار گواہ، پس مارو ان کو اتنی دڑے، اور نہ قبول

کرو ان کی گواہی کبھی بھی۔ اور یہی لوگ ہیں فاسق ﴿۴﴾ مگر وہ لوگ

جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور جنہوں نے اصلاح کی، پس

بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۵﴾

گذشتہ آیات میں زنا کی حد بیان ہوئی، جو کوئی مُحْصَن آدمی زنا کا ارتکاب کرے، پھر

رابط آیات

اُس کا جرم بذریعہ گواہانِ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے یا متعلقہ شخص خود اقرارِ جرم کر لے تو فرمایا ایسے

شخص کو اسلامی عدالت سو دُرے مارنے کی سزا دیگی۔ یہ شرعی سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے

اور اگر زنا کار شادی شدہ محسن ہو تو اس کی سزا سنت میں بیان کی گئی ہے کہ ایسے شخص کو سبقت

مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس حد کے نفاذ کے متعلق اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے دین

میں نرمی نہ کرو اور یہ سزا دیتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود ہونا چاہیے تاکہ اس جرم اور

اس کی سزا کی تشہیر ہو اور دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ایک

معاشرتی سزا کا ذکر بھی کیا ہے کہ ایک پاکدامن مرد یا عورت کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح نہیں کریگا

مطلب یہ کہ بدکار مرد و زن کو معاشرے میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

قذف کی  
تعریف

بدکاری کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے اور عدم ثبوت کی صورت میں تہمت لگانے والے کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس جرم کے لیے شریعت میں قذف کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قذف کی حد بھی بیان فرمائی ہے۔ ان حدود کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کو جرائم سے پاک رکھا جائے اور فحاشی اور بدکاری کا انسداد کیا جائے۔ حدیث میں قذف کے جرم کو اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے اس آیت کریمہ میں محصنت یعنی پاکدامن عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن پر تہمت لگائی جائے۔ اللہ نے عورتوں کا ذکر خاص طور پر ان کی محنت و عصمت، پاکیزگی، صیانت اور ان کی لاچاری و مجبوری کی بنا پر کیا ہے۔ وگرنہ اس لفظ میں عورتوں کے علاوہ پاکدامن مرد بھی شامل ہیں جن پر بلا ثبوت زنا کا الزام لگایا گیا ہو۔ مطلب یہ کہ اگر کسی مرد پر بھی زنا کا الزام لگایا جائے جسے ثابت نہ کیا جاسکے تو متہم (اتهام لگانے والے) پر اُسی طرح حد جاری ہوگی جس طرح پاکدامن عورت پر اتهام لگانے کی صورت میں جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اتهام لگانے والی کوئی عورت ہے تو اس کا اتهام خواہ مرد پر ہو یا عورت پر، عدم ثبوت کی صورت میں وہ حد قذف کی مستحق ہوگی۔ اور اگر کوئی مرد کسی مرد پر زنا کا اتهام لگاتا ہے جسے ثابت نہیں کر سکتا تو اس پر بھی حد قذف جاری کی جائے گی۔

اس آیت کریمہ میں یَقْضُوْا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا لغوی معنی تیر اندازی ہے۔ تاہم یہاں عیب جوئی یا تہمت لگانا مراد ہے۔ یہ لفظ صرف زنا کی تہمت پر بولا جاتا ہے، اس کا اطلاق کسی دوسری تہمت پر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی مومن آدمی کو یہودی یا کافر کہہ دیتا ہے تو یہ اگرچہ اتهام ہے مگر یہ حد قذف میں نہیں آئے گا کیونکہ حد قذف صرف زنا کے الزام کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ دیگر جھوٹے الزامات



کے سلسلے میں عدالت ملزم کو پیش در سے لگانے کی سزا دے سکتی ہے۔  
 ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ جو لوگ پاکہ امین عورتوں  
 پر تهمت لگاتے ہیں۔ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِدَلِيلَةٍ شہداء اور پھر  
 وہ چار گواہ پیش نہیں کرتے۔ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً پس  
 لگاؤ ان کو اسی در سے۔ یہ سزا اُس صورت میں ہے جب کہ متہم محسن یعنی  
 مسلمان، عاقل، بالغ، پاکہ امین اور آزاد ہو۔ اگر کسی نابالغ، غلام، مجنون، غیر مسلم پر  
 زنا کا اتہام لگایا جائے تو ایسی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی۔ بلکہ حاکم کی صوابدید  
 پر اتہام لگانے والا تعزیر کا مستحق ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے رُفِعَ  
الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ یعنی تین قسم کے لوگ مرفوع القلم یعنی اجرائے حد  
 سے بری ہیں۔ ان میں نابالغ ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ کیونکہ  
 نابالغ مکلف نہیں ہوتا۔ دوسرا پاگل ہے جب تک کہ وہ صحت یاب نہ ہو جائے  
 اور تیسرا ایسا اتہام لگانے والا ہے جس نے خطا یا نسیان کی بنا پر تهمت لگائی ہو۔  
 زنا کے ثبوت کے لیے شریعت نے چار گواہوں کا نصاب مقرر کیا ہے  
 حالانکہ قتل کے ثبوت کے لیے دو گواہ بھی کافی ہیں بشرطیکہ وہ عادل اور پندیرہ  
 ہوں۔ زنا کے جرم میں چونکہ سخت سزا ہے اس لیے اس کے ثبوت کو بھی مشکل  
 بنایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اتنی سخت سزا کسی بے گناہ کو نہ مل جائے کسی  
 شخص کے خلاف زنا کا جرم اُس وقت تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا جب تک  
 چار یعنی مرد گواہ اس بات کی واضح شہادت نہ دیں کہ انہوں نے فلاں مرد  
 اور عورت کو مباشرت کرتے ہوئے اس طرح دیکھا ہے۔ جس طرح سلائی  
 مہرہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ اگر گواہ محسن اس قدر شہادت دے کہ  
 اُس نے فلاں مرد و زن کو ایک کمرے میں یا ایک چارپائی پر اکٹھے لیٹے  
 ہوئے دیکھا ہے، تو یہ گواہی کافی نہیں ہوگی اور نہ ہی متہم اس پر اتہام  
 لگایا گیا ہے، پر حد جاری ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی گواہ عدالت میں جا کر متخرف ہو جائے۔ اگرچہ زنا فی الواقعہ ہوا ہو، پھر بھی زنا کے عدم ثبوت کی بنا پر اتہام لگانے والے پر حد جاری ہوگی۔ ایسی صورت میں اتہام لگانے والا اللہ کے ہاں تو فاسق (گنہگار) نہیں ہوگا کیونکہ زنا کا ارتکاب فی الواقعہ ہوا ہے البتہ وہ عدالت کی طرف سے حد قذف سے نہیں بچ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قذف کا قانون نازل فرما کر بہت سے شریف لوگوں کو رسوائی سے بچا لیا ہے۔ اگر الیا نہ ہوتا تو ہر شخص کسی بھی شریف آدمی پر زنا کی تہمت لگا کر اُسے بدنام کر سکتا تھا۔ مگر اللہ نے چار گواہوں کا انصاب مقرر کر کے اور عدم ثبوت کی بناء پر حد قذف جاری کرنے کا حکم دے کر بہت سی دیگر خرابیوں کا راستہ بند کر دیا ہے۔ اب کوئی بھی شخص الزام لگانے سے پہلے اس کی خوب چھان بین کرے گا، اور اگر اس معاملہ میں جلد بازی کرے گا تو عدم ثبوت کی بناء پر خود پکڑا جائے گا۔ حد قذف کے استقاط کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ متہم خود اتہام لگانے والے کو معاف کر دے۔ اگر گواہ عدالت تک آئے مگر گواہی نہ دی تو پھر بھی اتہام لگانے والے پر حد جاری ہوگی۔

ثبوت پیش نہ کرنے والے اتہام لگانے والے پر اللہ نے ایک سزا تو یہ تجویز کی کہ اُسے اسی درجے سے اُسے جائیں اور دوسری معاشرتی سزا یہ بھی دی وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ایسے لوگوں کی (دوسری معاملات میں بھی) شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ جو شخص اتہام لگانے کے بعد عدم ثبوت کی بناء پر جھوٹا ثابت ہو چکا ہے۔ اب وہ معاشرے میں اس قدر حقیر ہو چکا ہے کہ اُس کی گواہی کوئی عدالت عمر بھر قبول نہیں کریگی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اتہام کے عدم ثبوت پر اتہام لگانے والے کی زبان کاٹ دی جاتی مگر اُس کے لئے ذلت و رسوائی کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اُس کی شہادت ہمیشہ کے لئے غیر معتبر قرار دے دیدی گئی ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ جس شخص پر حد قذف جاری ہو چکی

شہادت کی  
عدم قبولیت

اِس کی گواہی مالی معاملات میں تو توبہ کے بعد بھی قابل قبول نہیں ہوگی مگر دیانت کے معاملات مثلاً ریت ہلال یا روست حدیث وغیرہ میں ایسے شہادت معتبر سمجھی جائے گی اور قابل قبول ہوگی۔ فرمایا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ جن پر حد قذف جاری ہو چکی، یہ لوگ فاسق، نافرمان اور حد سے باہر نکلنے والے ہیں کہ انہوں نے پاکدامن عورتوں یا مردوں پر زنا کا اہتمام لگایا۔

بعد از توبہ  
اصلاح

فرمایا إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا جن لوگوں نے اس حد قذف کے اجراء کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اپنے آپ کو درست کر لیا فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ تو بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حد قذف کے اجراء کے بعد توبہ کر لینے کی صورت میں شہادت کی قبولیت کے مسئلہ پر ائمہ کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص توبہ کر لینے کے بعد اللہ کے ہاں فاسق بھی نہیں ہے گا اور اس کی شہادت بھی معتبر ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا کا اطلاق سابقہ آیت میں مذکور عدم قبولیت گواہی پر ہوتا ہے یعنی ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی اور وہ فاسق بھی نہیں رہیں گے۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ اور سلف میں سے قاضی شریحؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید ابن جبیرؒ، امام محمدؒ، عبد اللہ بن زیدؒ، ابن جابرؒ، حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ اور سعید ابن المسیبؒ کا مسلک یہ ہے کہ توبہ کر لینے کے بعد قذف کا سزا یافتہ آدمی فاسق یعنی اللہ کے ہاں گنہگار تو نہیں ہے گا۔ اُسے معافی مل جائے گی۔ البتہ شہادت کی عدم قبولیت کا داغ اُس کے ماتھے پر ہمیشہ قائم ہے گا۔ ان اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا کا تعلق صرف لَمْ يَلْعَنُوا سے ہے یعنی وہ اللہ کے ہاں تو اس گناہ سے معاف کر دیے جائیں گے مگر باقی دو سزائیں یعنی اسٹی درے اور عدم قبولیت شہادت برقرار ہے گی۔ امام صاحب کی دلیل میں اس بات سے مزید وزن

پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اجراء نے مد سے قبل تائب ہو جائے تو کیا اس سے اسٹی  
کوڑوں کی سزا بھی زائل ہو جائیگی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر عدم قبولیت شہادت  
کی معاشرتی سزا بھی قائم ہے گی اور توبہ سے معاف نہیں ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصولِ عزیمت اور اصولِ نحو کے لحاظ سے بھی  
امام صاحب کے مسلک کی تصدیق ہوتی ہے۔ فَاحْذِلُوْا وَاوْرَعُوْا لِقَبُوْلِ  
وَالِدِیْنَ جَلَّی اَنْتَ اَیُّہِیْنَ جَبْ کَ وَاوْلَیْکَ هَہُ الْفٰسِقُوْنَ وَالْاَجَلِہ  
خبر یہ ہے۔ اور یہ گمراہی کا اصول ہے کہ جملہ خبریہ کا اطلاق جملہ الثانیہ پر نہیں  
ہوتا، لہذا فاسقوں کا اطلاق نہ تو سزا کے دُروں پر ہوتا ہے اور نہ عدم شہادت  
پر۔ البتہ اس کا اطلاق وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ بِہ ہوتا ہے کہ اتہام لگانے  
والے لوگ فاسق ہیں۔ اگر وہ توبہ کر کے اصلاح کر لیں تو فاسق یعنی آخرت میں  
مانع نہیں ہوں گے۔ البتہ مردود الشہادت ضرور رہیں گے۔ اس کی معافی نہیں۔



وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ  
 إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ  
 إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ  
 إِنْ كَانَ مِنَ الْكَذِبِينَ ⑦ وَيَدْرُؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ  
 أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ⑧  
 وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ  
 الصَّادِقِينَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ  
 اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ⑩

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر اتھام لگاتے ہیں بدکاری کا  
 اور نہیں ہیں اُن کے لیے گواہ سوائے اپنی جانوں کے، پس گواہی  
 اُن میں سے ایک کی چار مرتبہ گواہی دے اللہ کا نام لے کر کہ بیشک  
 وہ سچا ہے ⑥ اور پانچویں مرتبہ کی گواہی یہ کہ بیشک اللہ کی لعنت  
 ہو اُس پر اگر وہ جھوٹا ہے ⑦ اور اُس عورت سے بھی سزا کو ہٹا  
 دیگی یہ بات کہ وہ چار مرتبہ گواہی دے اللہ کا نام لے کر کہ بیشک  
 یہ شخص جھوٹا ہے ⑧ اور پانچویں گواہی یہ کہ اللہ کا غضب ہو اس  
 عورت پر اگر مرد سچا ہے ⑨ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر  
 اور اُس کی مہربانی ۔ اور (یہ بات کہ) بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول  
 کرنے والا اور حکمت والا ہے (تو یقیناً تم مشکلات میں مبتلا ہوتے ⑩)

سورۃ اہزا کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے زنا، فحاشی اور بدکاری وغیرہ سے متعلق تین قوانین کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے حد زنا اور حد قذف کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور آج کے درس میں لعان کا بیان آرہا ہے۔ پہلے حد زنا بیان ہوئی تھی جس کے مطابق غیر شادی شدہ زنا کار مرد یا عورت کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، اشدای شدہ محسن کی سزا کا ذکر ترائن میں نہیں کیا گیا۔ البتہ سنت میں ایسے مرد یا عورت کی سزا سنگساری مقرر کی گئی ہے اور خود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اس سزا پر عمل درآمد ہوا۔ یہ سزا سر عام دینے کا حکم ہے تاکہ تمام لوگوں کو اس قبیح جرم کے مرتکب کا پتہ چل جائے اور انہیں عبرت حاصل ہو۔ پھر حد قذف کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی آدمی کسی پاکہ امن مرد یا عورت پر زنا کا اتہام لگائے اور پھر اسے چار گواہوں کے ذریعے ثابت نہ کر سکے تو اتہام لگانے والے کو اسٹی درے مارنے کی سزا دی جائے گی، یہ حد قذف کہلاتی ہے۔

اب تیسرے نمبر پر لعان کا بیان ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی خاوند اپنی بیوی پر زنا کا اتہام لگائے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس نے خود اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ ناشائستہ حالت میں دیکھا ہو اور یا پھر اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔ جب کہ خاوند کئی سال سے بوجہ اس کے قریب نہ گیا ہو۔ ایسی صورت میں اسے یقین ہوگا کہ یہ بچہ اس کا نہیں بلکہ زنا کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر میاں بیوی کے درمیان اس معاملہ میں گواہ لانا قریباً ناممکن ہے۔ اگر خاوند نے بیوی کو خود برائی کرتے دیکھا ہے تو جب وہ گواہوں کو تلاش کرے گا۔ بحرین اپنا کام ختم کر چکے ہوں گے۔ لہذا عینی گواہوں کا حصول بڑا ہی مشکل ہے۔ اور اگر بدکاری کا علم حمل کے نمایاں ہونے یا بچے کی پیدائش پر ہوا ہے تو گواہوں کو پیش کرنے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے لعان کا قانون بیان فرمایا جس کی رو سے میاں بیوی کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔

اس قسم کے واقعات خود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پیش آئے جن کا تذکرہ صحیحین اور بعض دوسری کتب احادیث میں موجود ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضور! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں پائے تو وہ کیا کرے؟ اگر کوئی غیرت مند آدمی اس بدکار شخص کو قتل کر دے تو کیا قاتل کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اگر وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی خاموش رہتا ہے تو وہ ہر وقت غصے میں بھرا ہوا ہے گا۔ جس کی وجہ سے کسی وقت بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے سائل سے فرمایا کہ زنا کے الزام کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص الزام لگانے کے بعد گواہ پیش نہیں کرنا تو وہ خود حدِ قذف کا مستحق ٹھہرے گا۔ حدیث کے الفاظ ہیں **فَإِنْ ظَهَرَ تَبْرِيءُ** پھر پڑے لگیں گے۔

صحیح حدیث میں اس قسم کا واقعہ حضرت سعد بن عبادہ کا بھی ملتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھے گا تو وہ گواہ تلاش کرنے کے لیے جائیگا یا تلوار سے اس آدمی کا سر قلم کر دے گا؟ حضور علیہ السلام نے انصارِ مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو! تمہارا سردار یہ بات کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ سردار بڑا باغیرت آدمی ہے اور اس کے لیے ایسی صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بڑا غیرت مند ہے تو میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ سب سے زیادہ غیرت والا ہے، مگر مسئلہ یہی ہے کہ ایسے اہتمام کے ثبوت کے لیے چار گواہ لازمی ہیں، ورنہ نہ تو مجرم کو

سزا دی جاسکتی ہے اور نہ ہی متعلقہ شخص خود قانون کو ہاتھ میں لے سکتا ہے۔  
ایسے معاملے کو عدالت میں لے جانا ہوگا۔ ثبوت پیش کرنا ہوگا اور عدالت کے  
فیصلے کو تسلیم کرنا ہوگا۔

مرد کی پانچ  
قسیمیں

ایسے ہی معاملے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ  
يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا اتہام لگاتے ہیں،  
یعنی انہیں شواہد و قرائن کی بناء پر یقین ہے کہ انکی بیویاں گناہ میں ملوث ہوتی  
ہیں۔ اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی  
کو غیر مرد کے ساتھ ناشائستہ حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یا بیوی  
سے قربت کے بغیر اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے یا پیدائش متوقع ہے مگر  
اس شخص کے پاس اس اتہام کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہ موجود نہیں  
ہیں وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ یعنی اپنی ذات  
کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا گواہ موجود نہیں۔ تو ایسی صورت میں متعلقہ  
شخص معاملے کو عدالت میں لے جائے گا۔ عدالت فریقین کو طلب کرے کہ  
کارروائی کا آغاز کریں گی۔ پہلے مرد سے پوچھا جائے گا کہ اس کا الزام کس حد  
تک درست ہے۔ اگر وہ اپنے دعوے سے پھر جائے تو عدالت اُسے  
جھوٹا قرار دے کر حد قذف جاری کرے گی جس کے مطابق اُسے انسی درے  
ماتے جائیں گے۔ پھر عورت سے پوچھا جائے گا اگر وہ زنا کا اقرار کرے  
تو اُسے رجم کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ انکار کرے تو اگلی کارروائی ہوگی۔  
جب مرد اپنی بات پر اصرار کرے کہ اُس کی بیوی نے فی الواقعہ زنا کا  
ارتکاب کیا ہے اور عورت مسلسل انکار کرے۔ تو پھر فَشَهِدُوا أَوْدُ أَحَدِهِمْ  
أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ عدالت مرد سے کہے گی کہ وہ کھڑا ہو کر چار دفعہ  
اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر کہے کہ اُس کا الزام درست ہے إِنَّهُ لَمِنَ  
الصَّادِقِينَ اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔ وَالْخَامِسَةُ أَنْ لَعْنَتْ



اللّٰهُ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَذِبِيْنَ اور پانچویں دفعہ اللہ کی قسم کھا کر کہے گا کہ اگر وہ اس معاملہ میں جھوٹا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد وہ شخص بری ہو جائے گا اور اُس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی۔

عورت کی  
پانچ قسمیں

اس کے بعد حاکم عورت کی طرف متوجہ ہوگا اور پوچھے گا کہ کیا تو خاوند کی طرف سے لگائے گئے الزام کو تسلیم کرتی ہے؟ اگر وہ گناہ کا اقرار کرے تو اُسے رجم کرنے کی سزا دی جائے گی، اور اگر عورت الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کرے تو فرمایا وَيَذَرُوهَا الْعَذَابُ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ يَهَاتُ اَسْءَلُكَ عَذَابَ مُّثْلٍ لِّىْ كَذَبْتُكَ وَهَ اللّٰهُ كَ تَامِ كِي چار قسمیں کھا کر کہے اِنَّهُ لَمِنَ الْكَذِبِيْنَ کہ اُس کا خاوند جھوٹا ہے یعنی اس (عورت) پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ درست نہیں ہے وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اور پانچویں دفعہ قسم اٹھا کر کہے کہ اُس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو اگر اُس کا خاوند سچا ہے۔

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرد کی قسم کے بارے میں اللہ نے لعنت کا ذکر کیا ہے جب کہ عورت کے لیے غضب الہی تجویز کیا ہے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ لعنت کے مقابلے میں غضب الہی زیادہ شدید امر ہے۔ لعنت کا معنی اللہ کی رحمت سے دوری ہے اور یہ لفظ عام طور پر شیطان یا کسی دوسرے کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ ملعون ہے یعنی رحمت الہی سے بعید ہے۔ اور غضب سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص نہ صرف رحمت سے محروم ہے بلکہ اُس پر اللہ کی ناراضگی بھی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے غضب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ لعنت تو ایک معمولی چیز ہے جو عورتیں خود بھی ایک دوسری پر بھیجتی رہتی ہیں۔ جو نہی کسی

لعنت اور  
غضب میں  
فرق

دوسری عورت سے ناراضگی ہوئی تو جھٹ اُس کو ملعون کہہ دیا، لہذا عورتیں لعنت سے زیادہ شدید سزا کی مستحق ہیں۔

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھاری اکثریت جہنم میں جائیگی۔ ایک عورت نے عرض کیا، حضور! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمھاری زبانوں پر لعنت بہت زیادہ ہوتی ہے بعض عورتوں کا تیکہ کلام ہوتا ہے کہ وہ بات بات پر لعنت بھیجتی ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ تم اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ اسی لیے اللہ نے عورت کی زبان سے بوقت قسم غضب کا لفظ نکلوا یا ہے، شاید کہ وہ ڈر جائے اور اگر واقعی گنہگار ہے تو گناہ کا اقرار کرے آخرت میں غضب الہی سے بچ جائے۔

میاں بیوی  
بیس جدائی

اب صورت حال یہ ہو گئی کہ خاوند نے پانچ قسمیں کھا کر بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور بیوی نے پانچ قسمیں اٹھا کر اپنی بریت کا اظہار کیا۔ اب قاضی کا فیصلہ یہ ہو گا کہ وہ میاں بیوی میں جدائی کر دے گا۔ قاضی کا یہ حکم طلاق بائن کے قائم مقام ہو گا اور یہ مرد وزن دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکیں گے۔ ہاں ایک صورت ہے کہ اگر کسی وقت مرد اپنے الزام کو واپس لے لے اور عدالت میں یہ بیان دے کہ اُس نے بیوی پر الزام لگاتے وقت جھوٹ بولا تھا، تو قاضی اس شخص کو حدِ قذف یعنی انٹی کوڑوں کی سزا دے گا اور اس کے بعد وہ ہی مرد وزن دوبارہ نکاح کر سکیں گے۔

اس بارے میں کچھ فقہی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کی طرف سے پانچ پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد جب لعان مکمل ہو گیا تو عورت خود بخود مرد سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی۔ اب نہ کسی طلاق کی ضرورت ہے اور نہ قاضی کے فیصلے کی۔ اگر عورت کے پاس بچہ موجود ہے یا ابھی پیدا ہونے والا ہے تو وہ ماں کا حصہ ہو گا، خاوند چھٹا اس

کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا، نہ تو بچہ اس کی نسل میں شمار ہوگا۔ اور نہ وہ مرد کی وراثت کا حقدار ہوگا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے فقہائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ محض لعان کی تکمیل پر جدائی نہیں ہو جاتی بلکہ لعان کے بعد یا تو خاوند خود طلاق دے دے یا قاضی عدالت سے رجوع کرے۔ صحیح حدیث میں بھی ایسا ہی آتا ہے کہ اس قسم کے ایک کیس میں **ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا** خود حضور علیہ السلام نے میاں بیوی میں تفریق کرادی تھی۔

امام صاحبؒ کے مسلک کے مطابق اگر نہ خاوند طلاق دے اور نہ قاضی تفریق کرے تو پھر متعلقہ عورت اپنے خاوند کے نکاح سے باہر نہیں نکلے گی۔ بلکہ بدستور نکاح میں رہے گی۔ اور ادھر یہ ہے کہ مذکورہ شخص لعان کے بعد اس عورت سے مباشرت بھی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حرام ہے۔ اب نکاح فسخ نہیں ہوا اور مباشرت حرام ہے تو مزید پیچیدگی پیدا ہوگی۔ اور اگر اس حالت میں میاں بیوی میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو جائے تو دوسرے کو وراثت کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ ان کا نکاح قائم ہے۔ البتہ بچہ عورت کا تصور ہوگا۔ اور مرد کی وراثت کا حقدار نہیں ہوگا۔

قانون لعان  
کی افادہ

آگے فرمایا وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ اَللّٰهُ تَعَالٰی کا فضل اور اس کی مہربانی تمہارے شامل حال نہ ہوتی، اور یہ بھی **وَإِنَّ اللَّهَ لَرَبُّكُمْ** بیشک اللہ تعالیٰ بڑا تو بہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے، تو تمہارے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو جائیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لعان کا ایسا حکیمانہ قانون وضع فرمایا ہے کہ جس کے ذریعے ایک تو مرد و زن کے درمیان پردہ پوشی قائم رہتی ہے اور دوسرے دنیاوی مشکلات بھی آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا اور خاوند کی طرف سے لگائے گئے الزام کو بیوی قبول نہ کرتی تو عمر بھر کے لیے عداوت کا دروازہ کھلا رہتا اور زوجین میں سے کسی ایک کو

بھی سکھ کا سانس نصیب نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ مہربانی فرمائی ہے  
 کہ تم اس قانون کو اپنے اوپر نافذ کرو گے تو تمہاری سوسائٹی پاک رہے گی  
 اور تمہاری نسلیں اور اخلاق بھی نہیں بگڑیں گے۔ کسی قانون کی افادیت  
 جمعی ہوتی ہے جب اُس پر عمل کیا جائے۔ قانون کی محض تلاوت کرنے  
 سے تو کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہذا تمہارا فرض ہے کہ اللہ کے  
 جاری کردہ قانون پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی بہتری حاصل کر لو۔



إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ  
 شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ  
 مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى  
 كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ  
 ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا  
 هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ⑫ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ  
 فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ  
 الْكَذِبُونَ ⑬

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو لائے ہیں ایک طوفان ، وہ ایک

گروہ ہے تم میں سے نہ گمان کرو تم اس کو اپنے حق میں بڑا

بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لیے ہر آدمی کے لیے ہے اُن میں سے

جو اُس نے کمایا گناہ سے ۔ اور وہ جو والی بنا ہے اس کے

بڑے حصے کا اُن میں سے ، اس کے لیے عذاب عظیم

ہے ⑪ کیوں نہیں ہوا ایسا کہ جب تم نے سنا تھا اس کو

تو گمان کرتے مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے لوگوں کے بارے

میں بہتری کا اور وہ کہتے کہ یہ صریح بہتان ہے ⑫ کیوں

نہیں لائے وہ اس پر چار گواہ ۔ پس اگر وہ نہ لائیں چار گواہ ۔

پس یہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں ⑬

رابطہ آیات

پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حد زنا، حد قذف اور لعان کا ذکر فرمایا اب اگلے دو رکوع میں اُس بہتان کا ذکر فرمایا ہے۔ جو منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر باندھا تھا۔ اللہ نے اس الزام کو رد کرتے ہوئے منافقین کی مذمت بیان فرمائی ہے، اور مسلمانوں کی جماعت کو تنبیہ فرمائی ہے کہ آئندہ اس قسم کی کاروائی میں ملوث نہ ہوں۔ انک کا معنی صریح گھڑا ہوا جھوٹ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے یہ واقعہ اس سفر کے دوران پیش آیا تھا جب حضور علیہ السلام اپنے صحابہؓ کے ہمراہ قبیلہ بنی المصطلق کے خلاف جہاد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سفر کا واقعہ ہے۔ یہ بڑا وسیع قبیلہ تھا اور لوگ بڑے سرکش تھے لہذا ان کے خلاف جہاد ضروری ہو گیا تھا۔

واقعہ انک کا پس منظر

صحابہؓ کی کتابوں میں خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو آپ کسی ایک بیوی کو ہمراہ لے جاتے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو انتخاب کا مکمل اختیار دیا گیا تھا تاہم آپ اس امر کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کرتے تاکہ کسی بیوی کے دل میں کوئی شک نہ پیدا نہ ہو قبیلہ بنی المصطلق کے ساتھ جہاد کے سفر کے لیے قرعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام نکلا اور آپ نے انہی کو اپنا ہم سفر بنایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس سفر کے دوران دو حادثات پیش آئے۔ سفر پر جاتے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی مقام پر قافلے نے رات کو قیام کیا۔ اُس جگہ حضرت عائشہؓ کا وہ ہار گم ہو گیا جو آپ کسی سے عاریتہ لے کر گئی تھیں۔ ہار کی تلاش کے لیے بڑی تک و دو کی گئی مگر وہ نہ ملا۔ بالآخر جب قافلے کی دہاں سے روانگی کا وقت آیا اور سواری کے اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اُس کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔ اسی مقام پر پانی کی سخت قلت

۱۔ بحوالہ السراج المنیر ص ۱۱۶ (فیاض)

پیدا ہو گئی تھی کہ دشمنوں کے لیے بھی پانی میسر نہیں تھا۔ صحابہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرما کر اہل ایمان کے لیے آسانی پیدا فرمادی۔ لوگوں نے پاک مٹی کے ساتھ تیمم کر کے نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔

اسی سفر سے واپسی پر انکس کا واقعہ پیش آیا۔ مجاہدین کا قافلہ رات کے پچھلے حصہ میں ایک مقام پر محصور رہ گیا۔ علی الصبح روانگی کا پروگرام تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لیے قافلے سے زبردور نکل گئیں۔ ابھی اندھیرا تھا کہ قافلے کی روانگی کا اعلان ہو گیا۔ آپ کی خدمت پر مامور آدمیوں نے حضرت عائشہؓ کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ آپ کا جسم مدھکا پھٹکا تھا۔ اس لیے اُن آدمیوں کو محسوس ہی نہ ہوا کہ آپ کجاوے میں موجود نہیں ہیں۔ قافلہ روانہ ہو گیا۔ جتنے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فارغ ہو کر واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا، چنانچہ آپ نے یہی سمجھا کہ اُسی مقام پر بیٹھ جائیں تاکہ جب بھی اُن کی عدم موجودگی کا علم ہو تو لوگ اُن کی تلاش کے لیے اسی مقام پر آئیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے آپ کو نیند بھی آ گئی۔

اس قسم کے قافلوں کا یہ عام دستور تھا کہ کسی شخص کو مقرر کر دیتے جو قافلے سے دو تین میل پیچھے پیچھے چلتا تاکہ قافلے کی کوئی گمراہی پڑی چیز مل جائے تو اُسے اٹھالے۔ اس قافلے کی یہ ڈیوٹی صفوان ابن معطل سلمیٰؓ کے سپرد تھی جب آپ قافلے کی روانگی کے بعد اُس مقام پر پہنچے تو انہوں نے کسی کو لیٹے ہوئے پایا۔ آپ قلیلہ سلم کے بزرگ صحابیؓ تھے اور آپ نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا کہ بچپن میں کبھی دیکھا تھا۔ اس پر اُن کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے الفاظ ادا ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ استرجاع سنا تو بیدار ہو گئیں۔ حضرت صفوانؓ

نے اپنے اونٹ کو بٹھایا، حضرت عائشہؓ اُس پر سوار ہو گئیں۔ آپ نے ہمارے پکڑی اور آگے آگے چل دیے۔ اس دوران، دونوں کی آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی حتیٰ کہ آپ دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔

منافقین کا  
پراپیگنڈا

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کا سخت دشمن تھا۔ اس واقعہ سے اُسے ایک بہانہ مل گیا اور اُس نے اُسے خوب اچھالا کہنے لگا کہ تنہائی کے اس موقع پر حضرت عائشہؓ برائی سے بچ نہیں سکتیں، یہ ضرور کچھ معاملہ ہوا ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس پراپیگنڈا کا شکار ہو گئے۔ اس ضمن میں عورتوں میں سے ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی بہن حمنہؓ اور مردوں میں سے شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے خالہ زاد بھائی اور بدری صحابی حضرت قسطلیؓ کا ذکر آتا ہے۔

لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے پراپیگنڈا ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار بنا رہا ہے۔ آج کل حکومتی سطح پر اس کا بڑا رواج ہے۔ ہر حکومت اپنے حق میں یا دوسری حکومت کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کرتی ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دنوں میں پراپیگنڈا کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے اور یہ اس منظم طریقے پر کیا جاتا ہے کہ غلط بات کو بھی لوگ سو فیصدی درست سمجھنے لگتے ہیں۔ پراپیگنڈے کا یہی طریقہ عبداللہ بن ابی نے بھی استعمال کر کے بعض مسلمانوں کو ورغلا لیا۔

حضور علیہ السلام  
کی پریشانی

قافلہ واپس مدینہ پہنچ گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بعارضہ بخار کچھ بیمار بھی ہو گئیں اور ادھر چھ میگوئیاں بھی ہوتی رہیں حتیٰ کہ ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ حضور علیہ السلام مختلف قسم کی باتیں سنتے تھے مگر بلا تحقیق کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت پریشانی میں مبتلا تھے، واقف کا اور مخلص صحابہؓ بھی ذہنی پریشانی کا شکار تھے۔ جب مجلسوں میں اس واقعہ کے تذکرے ہوتے تو صحابہ سے برداشت نہ ہو پاتا۔ ایک ماہ کے بعد حضرت عائشہؓ کو پتہ چلا کہ ان کے بارے میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم



سے اجازت لے کر اپنے والدین کے ہاں آگئیں۔ جب یہ بات اُن کے علم میں لائی گئی تو وہ بھی پریشان ہوئے مگر خاموشی اختیار کیے رکھی۔ پھر حضرت صدیقؓ نے صدیقہؓ کو واپس بھیج دیا۔ آپ تین دن تک مسلسل روتی رہیں، اُن کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ خود حضور علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، لوگو! میرے اہل کے بارے میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ جب آپ کسی سے علیحدگی میں پوچھتے تو ہر شخص حضرت عائشہؓ کی صفائی پیش کرتا۔ ایک موقع پر حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی بیوی نے آپ سے تذکرہ کیا کہ لوگ حضرت عائشہؓ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تو آپ نے اپنی بیوی سے پوچھا کیا تم کوئی ایسی حرکت کر سکتی ہو؟ کہنے لگی میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ نے فرمایا اگر ابوالیوب انصاریؓ کی بیوی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تو پھر صدیق اکبرؓ کی بیٹی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ سب جھوٹے لوگ ہیں جو اس قسم کا پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے براہِ راست بھی بات کی کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اقرار کر لو۔ اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، اور اگر ایسی بات نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری برأت فرما دے گا، اُس وقت حضرت عائشہؓ نے کچھ زیادہ جواب نہ دیا اور کہا کہ میں اُس کے علاوہ کیا کہہ سکتی ہوں جو کچھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ (یوسف - ۱۸) میں تو صبرِ جمیل ہی کر سکتی ہوں وَأَفْوَضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ (المومن - ۵۴) اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔ وہی بہتر فیصلہ کرے گا۔

حضرت عائشہؓ کی برأت

بہر حال مکمل ایک ماہ تک حضور علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ اور مخلص صحابہؓ پر سخت پریشانی کا عالم رہا۔ اس کے بعد اللہ کی طرف سے پورے دو رکوع کی سورہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت عائشہؓ کی برأت اور دوسری ضمنی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِآلِ فُلِّ

بے شک جن لوگوں نے جھوٹا طوفان کھڑا کیا ہے۔ انکے کا معنی من گھڑت  
 اور صریح طوفان ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا عَصَبَةُ مِتَّ كُمْ  
 یہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ احادیث میں اس گروہ سے متعلق رئیس المناقین  
 عبداللہ بن ابی اور تین مسلمانوں کے نام آتے ہیں جو کہ میں نے پہلے عرض کر دیے ہیں۔  
 ان تینوں مسلمانوں پر حد تذف جاری ہوئی۔ انہوں نے توبہ کمر لی جو قبول ہوئی۔ البتہ  
 عبداللہ بن ابی کا معاملہ آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔ اسے اس دنیا میں کوئی سزا نہیں دی گئی  
 اللہ نے اس کے لیے آخرت کے عذابِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے۔ عربی محاورے  
 میں عصبہ کا اطلاق دس سے بیس افراد تک کے گروہ پر بولا جاتا ہے تاہم حدیث  
 کی کتابوں سے صرف چار مذکورہ اشخاص کے نام ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ  
 ابن ابی کے ساتھ بہت سے دوسرے منافقین بھی شامل ہوں جن کے نام معلوم نہیں۔  
 فرمایا اس گروہ نے جو طوفان بدتمیزی اٹھایا ہے لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا  
لَّكُمُ اَسَیْ اپنے حق میں بُرا خیال نہ کرو بلکہ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بلکہ یہ تو  
 تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگرچہ بظاہر اس میں حضور علیہ السلام اور دیگر متعلقین کو ایک  
 مہینہ بھر سخت ذہنی پریشانی رہی مگر مومنین کو فرمایا کہ نتیجہ کے لحاظ سے یہ واقعہ  
 تمھارے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاکیزگی میں سولہ  
 آیات نازل فرمائیں جو کہ آپ کے حق میں بڑی خوبی کی بات ہے۔ حضرت عائشہؓ  
 کا اپنا بیان ہے کہ یہ تو مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری بریت فرمادے گا مگر  
 مجھے یہ گمان نہیں تھا۔ کہ میرے حق میں قرآن پاک کے پورے دور کو ع نازل ہوں  
 گے۔ یہ آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کی وجہ  
 سے حضور علیہ السلام، حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر مخلص مومنین کو جو ذہنی اذیت  
 پہنچی تھی اور انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا، اس پر وہ اللہ کے ہاں بہت  
 بڑے اجر کے مستحق ٹھہرے۔ پھر یہ بھی کہ اہل ایمان کے لیے یہ بات ہمیشہ  
 کے لیے ایک نصیحت بن گئی کہ بلا تحقیق اس قسم کا الزام ہرگز نہیں لگانا چاہیے۔

واقعہ انکس  
 میں بہتری

اس کے علاوہ بہتان تراشی کرنے والوں کو سزا بھی ملی۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ اس واقعہ کو اپنے لیے شہر نہ سمجھو بلکہ اس میں تمھارے لیے بہتری کا پہلو نمایاں ہے۔ یہ واقعہ تمھارے لیے ترقی کا زینہ بن گیا ہے۔

نثر ابطاق  
حبرم

فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْاَثَمِ ان میں سے ہر شخص کے لیے گناہ میں حصہ ہے جس نے یہ برائی کمانی ہے۔ یعنی اس سلسلے میں ملوث جس شخص نے جس قدر بدگمانی کی اور اس طوفان کو اٹھانے میں جس قدر حصہ لیا، اُس قدر اُس کے ذمہ گناہ بھی لازم آگیا ہے وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ اور جو شخص اُن میں سے اس افترا میں بڑے حصے کا مالک بنا، یعنی جس نے اس معاملہ میں بدترین کردار ادا کیا کد عذاب عَظِيمٍ اس کے لیے اللہ کے ہاں عذاب عظیم ہے۔ اس سے مراد رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی ہے جس نے اس واقعہ کو سب سے زیادہ اچھالا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی ہے۔ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِانْفُسِهِمْ خَبَرًا کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب مومن مردوں اور مومن عورتوں نے ایسی بات سنی تھی۔ تو انہوں نے اپنے لوگوں پر بہتری کا گمان کیوں نہ کیا۔ مومنوں کو آپس میں بہتر گمان کرتے ہوئے اس قسم کے افتراء پر کان نہیں دھرتا چاہیے تھا۔ بخاری شریف میں اس واقعہ سے متعلق آتا ہے کہ جب لوگوں نے صفوان بن معطل سلمیٰ سے اس الزام کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے، خدا کی قسم میں نے تو جاہلیت کے زمانہ میں بھی کسی غیر عورت کے منہ سے پردہ نہیں اٹھایا، بھلا اسلام لانے کے بعد تو میں ایسی بات کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ انہوں نے بعد میں ایک جہاد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ بہر حال فرمایا کہ ایک طرف صفوان جیسا کم گو، مسکین طبع اور نیک آدمی ہے اور دوسری طرف صدیق اکبرؐ کی بیٹی اور ختم المرسلین علیہ السلام کی زوجہ ہے جو کہ بذات خود بڑی مجتہد اور نیک خاتون تھیں، ان کے متعلق

تم نے ایسا بڑا گمان کیوں کیا۔ تمہیں تو آپس کے معاملات میں بہتر گمان کرنا چاہیئے تھا۔ عام مومنوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ خواہ مخواہ بدگمانی نہ کیا کرو، بلکہ اچھا گمان رکھا کرو۔ وَقَالُوا هَذَا أَفْكٌ مِّبِّينٌ یہ پراپیگنڈا سن کر تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔

صریح بہتان  
کی مذمت

ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایسی ہی بدگمانی تھی لَوْلَا جَاءُوكَ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ تو پھر یہ لوگ اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے۔ گذشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو چشم دید گواہی دیں، ورنہ یہ جرم ثابت نہیں ہوتا اور الزام لگانے والوں پر حدِ قذف جاری ہو جاتی ہے۔ فَمَاذَا لَكُمْ بِاتِّتُوا بِاللَّهِ اگر یہ چار گواہ پیش نہیں کرتے فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ تو یقین جانو کہ اللہ کے نزدیک یہ لوگ جھوٹے ہیں اور ان کا الزام صریح بہتان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب زنا کے اتہام کے لیے چار عینی گواہ موجود نہ ہوں، ایسی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہیئے۔ اس سے ایک مسلمان کی خواہ مخواہ بے آبروئی ہوتی ہے۔ حدِ قذف کا قانون بھی اسی لیے جاری کیا گیا ہے کہ کوئی بے گناہ مرد یا عورت بے عزت نہ ہونے پائے۔ آگے منافقین کی مذمت اور مزید تنبیہ آرہی ہے۔ بعض عنمنی مسائل اور ایک مثال بھی پیش کی گئی ہے۔



وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴﴾  
إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّبْتِ كُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا  
لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ  
اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ  
لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ  
عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ  
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ط وَاللَّهُ  
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ  
فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط  
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ  
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ :- اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

دنیا اور آخرت میں تو ضرور پہنچتا تم کو اُس چیز میں جس کا تم

نے چرچا کیا تھا عذابِ عظیم ﴿۱۴﴾ جب کہ تم اس بات کو اپنی

زبانوں پر چڑھا رہے تھے اور کہتے تھے تم اپنے منہوں کے ساتھ وہ

بات جس کا تمہیں علم نہیں ۔ اور تم اس کو گمان کرتے تھے ہلکی

بات حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے (۱۵) اور ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے سنا اس کو تو کہتے کہ نہیں ہے ہمارے لیے یہ بات کہ ہم کلام کریں اس کے ساتھ۔ پاک ہے تیری ذات (اے پروردگار!) یہ بہتان ہے بہت بڑا (۱۶) اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی بات نہ کرنا۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو (۱۷) اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے یہ آیات۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۸) تحقیق وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ پھیل جائے بے حیائی کی بات اُن لوگوں میں جو ایمان لائے، ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۱۹) اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے

(تو یقیناً تم مصیبت میں مبتلا ہو جاتے) (۲۰)

واقعہ افک کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مزید تنبیہ فرمائی ہے وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَكْرَمَ اللَّهُ تَعَالٰی كَافَضْلٍ اَوْ اُس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی دنیا اور آخرت میں لَمَسَّكُمْ فِي مَا افَضَّكُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ تو ضرور تم کو عذاب عظیم پہنچتا اُس چیز میں جس کا تم نے چرچا کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ تشویر واقعہ افک سے متعلق تھی جس میں منافقوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام تراشی کی تھی اور بعض مسلمان بھی اس پر ایکنہ اکاشکار ہو گئے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس کے فضل و رحمت کی وجہ سے تم سخت سزا سے بچ گئے، وگرنہ یہ بہت بری بات تھی جس سے ناموس رسول میں خلل واقع ہوتا تھا۔ فرمایا اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالْاِسْنَةِ كُمْ جب تم اس بات کو اپنی زبانوں پر چڑھا ہے تھے وَتَقُولُونَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا

بہتان تراشی  
پر تنبیہ

لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ اور اپنے مومنوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں۔ یعنی تم بلا تحقیق منافقوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ وَحَسْبُونَا هَٰذَا اور تم اسے ہلکی بات خیال کر رہے تھے وہو عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی کیونکہ اس کے ذریعے صدیق اکبرؑ کی بیٹی اور حضور علیہ السلام کی پاک بیوی کی عزت پر بڑا لگ رہا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ تم اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَٰذَا اے کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو یوں کہہ دیتے کہ اس بات کو زبان پر لانا ہمارے لیے مناسب نہیں ہے تمہیں تو ایسے الزام کی کی فوراً تردید کرنی چاہیے تھی اور صاف کہہ دینا چاہیے تھا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے اور جو منافق کر رہے ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے اور اس میں کوئی صداقت نہیں۔ تمہیں تو نبی کے اہل بیت کے متعلق اچھا گمان کرنا چاہیے تھا مگر تم بھی منافقوں کے جھانسنے میں آگئے اور ایسی غلط بات زبان سے نکالی۔ اللہ نے سخت توبیہ فرمائی ہے۔

پھر فرمایا يُعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو آئندہ ایسی بات کبھی نہ کرنا بلکہ ان منافقوں کی سازشوں سے چوکس رہنا۔ پیغمبر اسلام اور آپ کے اہل بیت کا ادب و احترام ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَتُحِبُّونَ اللَّهَ لَكُمْ اٰلَايَاتُ اللّٰهِ تعالیٰ تمہارے لیے آیات یعنی احکام کھول کر بیان کرتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اُس نے تمام احکام اور حدود اور نصیحت کی باتیں تمہارے فائدے کے لیے بیان کر دی ہیں۔ اس کی ہر بات کی بنیاد اُس کے کلی علم اور کمالِ حکمت پر مبنی ہوتی ہے، لہذا اُس کے ہر حکم کو کامل یقین کے

ساتھ اپنے دلوں میں جگہ دو اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اہل ایمان کے  
باہمی روابط

اہل ایمان کے باہمی تعلقات کے متعلق ایک بات تو پہلے بیان ہو چکی ہے  
ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا (آیت - ۱۲)  
یعنی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آپس میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ اور بدگمانی سے  
بچنا چاہیے۔ کسی کے خلاف بلا تحقیق الزام تراشی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ حضور  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُذَيَّانِ يَشُدُّ  
بَعْضُهُ بَعْضًا (بخاری، مسلم) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ایک عمارت  
کی مانند ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے تقویت کا باعث  
ہوتی ہے۔ اسی طرح اہل ایمان کو بھی ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بننا چاہیے  
نہ کہ ضعف کا۔ نبی رحمت نے عام مومنوں کے لیے یہ قانون بھی بیان فرمادیا۔  
الْمُؤْمِنُ مِّنْ أَمْنٍ جَارُهُ كَوَاقِفُهُ مومن وہ ہے جس کا پڑوسی اس سے  
امن میں ہے جس کا پڑوسی اس سے نالال ہے وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں  
ہے۔ نیز فرمایا الْمُسْلِمُ مِّنْ سَلَمِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ  
(ترمذی و نسائی) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں  
آنحضرت علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے مَنْ سَرَّ أَنْ يُنْخَضَحَ عَنِ النَّارِ  
وَيَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلَتَاتِهِ مَنِيَّتُهُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ جو شخص پسند کرتا ہے کہ اسے دوزخ کی آگ  
سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت ایسی حالت میں  
آنی چاہیے کہ وہ توحید و رسالت کی گواہی دینے والا ہو۔ اور دوسری بات یہ  
ہونی چاہیے يُحِبُّ أَنْ يَأْتِيَ الْحَبَشَ النَّاسَ مَا يُحِبُّ أَنْ يَأْتِيَ  
النَّاسُ إِلَيْهِ۔۔۔ وہ لوگوں کے ساتھ بھی اسی بات کو پسند کرتا ہو  
جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس چیز کو کوئی شخص خود اپنے لیے پسند نہیں کرتا ہو  
دوسروں پر الزام تراشی کیسے کرے گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے لَا يُؤْمِنُ  
الْبَخَارِيُّ (بخاری ص ۶۷) ۷۲ احکام القرآن للجمہ ص ۳۸ ۳۹ ۴۰ بخاری ص ۱۷۱ و مسلم ص ۱۷۱ (فیاض)



أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (بخاری، مسلم)  
کوئی شخص صحیح معنوں میں مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے

بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی اپنی تہلیل و تحقیر کو پسند نہیں کرتا، اس لیے اُسے دوسرے کی عزت و ناموس کی بھی حفاظت کرنی چاہیے

عیب جوئی  
کی مخالفت

مسند احمد میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے لَا تُؤْذُوا عِبَادَ اللَّهِ وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ لَوْ كُنُوا الْكُفْرَ كَيْفَ نَهْنِئُوا  
اور نہ ان کی عیب جوئی کرو۔ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو تلاش کیا طَلَبَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَخْذُلَهُ فِي بَيْتِهِ اُس کے

عیب اس طرح ظاہر کرے گا کہ اُسے گھر بیٹھے بیٹھے ہی ذلیل و رسوا کر دیگا جب عام مسلمانوں کے لیے یہ قانون ہے کہ کسی کی پردہ دری نہ کرے تو اللہ کے نبی اور اس کی پاک بیوی پر اتنا ہم لگانا اور پھر اُس کی تشہیر کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی ہے اور خبردار کیا ہے کہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی شامل حال نہ ہوتی تو تمھیں اس بدگمانی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں سخت ذلت اٹھانا پڑتی۔ یہ تو اللہ کی خاص مہربانی ہے کہ اُس نے وحی کے ذریعے سوا کے کو واضح کر دیا ہے وگرنہ تم تو پکڑے گئے تھے

فحاشی کی  
تشہیر

اُس کے اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بھی بیان فرمادی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا

تحقیق وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کی تشہیر ہو ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لائے ہیں۔ فَرَّأَا لَهُمْ عَذَابَ الْيَوْمِ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ بھی واقعہ انکس کی طرف اشارہ ہے۔

اس الزام تراشی کا کہتا دھرتا رئیس المنافعین عبد اللہ بن ابی تھا۔ اُسی نے اس بات کا چرچا کیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اُس کے لیے دردناک

عذاب کی وعید سنائی۔ قَوْلًا يَاعْلَا کسی طرح بھی فحاشی کی بات کو پھیلانا درست نہیں۔

یہ آیت بتلا رہی ہے کہ بیحیائی کی تمام باتیں منجملہ زنا، لواطت، برہنگی، عریانی وغیرہ کی تشہیر معاشرے کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو سزا کا مستحق قرار دیا ہے۔ یورپ اور مشرقین کی تہذیب تو اس تشہیر کی بانی مبنی ہیں آج کے زمانے میں مسلمان قوم کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمان چاہے عرب کے ہوں یا عجم کے، ایرانی ہوں یا تورانی ہر جگہ بے حیائی کا چرچا ہے۔ اخباروں اور رسالوں میں دیکھ لیں نیم عریاں تصویروں کی بھرمار ہے۔ کھیل تماشے کی تصویریں ہوں یا فلمی اشتہارات، فن کے نام پر انٹرویو ہو یا فیشن شو کی خیر، ہر جگہ عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ اور تمام اخبارات اور رسائل اس کی تشہیر کا ذریعہ ہیں۔ اب ٹیلیوژن ان سب پر بازی لے گیا ہے جو محض بے حیائی اور عیاشی کا اڈہ بن چکا ہے۔ ٹھیک ہے اس میں چند منٹ کے لیے اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں مگر بحیثیت مجموعی منت نئے فیشن عارف کرانے کا بہترین ذریعہ بہر حال فحش بات کی تشہیر کو سخت ناپسند کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے

دنیا و آخرت کی تذلیل کی وعید سنائی گئی ہے تم بے حیائی کی باتوں کو ترقی کا زینہ سمجھو مگر حقیقت میں یہ تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے وہ اپنے علم اور حکمت کی بناء پر ایسے احکام نازل فرماتا ہے جو تمہیں برائی سے ہٹا کر نیکی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تباہی سے بچا کر دائمی راحت کا سبب بنتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو گے تو سوسائٹی پاک ہوگی۔ اور تم بد اخلاقی اور بے حیائی سے بچ جاؤ گے اور تمہیں ترقی نصیب ہوگی۔

فرمایا وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی اور یہ بھی کہ وَأَنَّ اللّٰهَ رَعُوفٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ بہت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے

اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہی و بربادی کے ٹھمنگ گڑھے میں جا گرتے۔  
 گزشتہ رکوع کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ذکر کر کے فرمایا تھا  
 وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت رُؤُوفٌ  
 رَحِيمٌ کا ذکر ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ گزشتہ رکوع میں تین  
 جرائم زنا، قذف اور لعان اور پھر ان کی حدود کا بیان تھا۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت  
 حکیم کا تذکرہ ہی مناسب تھا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مہربانی کے  
 ساتھ تمہیں کیسے قوانین دیے ہیں جو تمہاری سوسائٹی سے برائی اور بے حیائی کو ختم  
 کرنے کا ذریعہ ہیں۔ خاص طور پر لعان کا قانون ایسا ہے جس سے میاں بیوی  
 کی حیثیت بھی بچ گئی وگرنہ کسی ایک کو تو ضرور سزا ملتی۔ اگر خاوند کی طرف سے  
 بیوی پر عاید کردہ اتہامِ زنا تسلیم کر لیا جاتا تو اُسے سنگسار کرنا پڑتا، اور اگر یہ الزام  
 پایہ ثبوت کو نہ پہنچتا تو خاوند پر حد قذف جاری ہوتی۔ اللہ نے قانون لعان کے  
 ذریعے دونوں کو بچا لیا۔ میاں بیوی بدنامی سے بھی بچ گئے اور انہیں توبہ کا  
 موقع بھی مل گیا۔

اور اب اس آیت میں صرف معافی کا قانون ذکر کیا گیا ہے۔ جن لوگوں  
 سے غلطی ہوئی ان پر حد قذف جاری ہوئی اور خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ اگر قرآن پاک  
 کی آیات نازل ہو کر حضرت عائشہؓ کی بریت کا ذریعہ نہ بنتیں تو ہو سکتا ہے کہ امرت  
 کسی بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتی۔ سورہ اللہ تعالیٰ کی رافت اور مہربانی تھی۔ اس کا فضل  
 شامل حال تھا کہ اُس نے ایسے قوانین نازل فرمائے اور ان کو ایسی نصیحت کی جس کے  
 ذریعے وہ مزید خرابی سے بچ گئے۔ گویا اس مقام پر الفاظ رُؤُوفٌ اور رَحِيمٌ ہی زیادہ  
 مناسب حال ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَ  
 مَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ  
 وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا  
 مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ  
 وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَأْتِلْ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ  
 وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ  
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا تُحِبُّونَ  
 أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

توجہ :- اے ایمان والو! نہ پیروی کرو شیطان کے نقش قدم کی

پس جس شخص نے پیروی کی شیطان کے نقش قدم کی ۔ پس بیشک

وہ حکم دیتا ہے بے حیائی اور بُری بات کا۔ اور اگر

اللہ کا فضل نہ ہوتا تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاک کرتا وہ تم

میں سے کسی ایک کو کبھی بھی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے ،

جس کو چاہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُنتا ہے اور جانتا

ہے ﴿۲۱﴾ اور نہ قسم اٹھائیں فضیلت والے لوگ تم میں سے

اور وسعت والے اس بات سے کہ وہ نہ دیں گے قربتوں

کو، اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو۔

اور چاہیئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند

نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغزشوں کو معاف فرمائے۔ اور



اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان (۲۲)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اہتمام لگانے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور ان لوگوں کی بھی جنہوں نے اس بات کی بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق تشہیر کی تھی۔ اللہ نے ان کو سزا بھی دی کہ ان پر صدقہ زکوٰۃ جاری ہوئی۔ ساتھ ساتھ اللہ نے سخت تنبیہ بھی کی کہ ایسی بات آئندہ نہیں ہونی چاہیے۔ پھر اللہ نے انہیں معاف بھی فرمادیا۔ البتہ رئیس المنافقین پر حد جاری نہیں ہوئی تھی۔ اور اس کا معاملہ آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔ اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی۔ اور پھر اللہ نے معاشرے کو بے حیائی کی باتوں سے پاک رکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا جو لوگ بری باتوں کی تشہیر کو پسند کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں عذاب کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا۔

اب آج کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو مختلف مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ نے اس کے مقرر کردہ قانون کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے اور قانون کی عدم پابندی کو شیطان کے نقش قدم پر چلنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ۔ اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔

اللہ تعالیٰ نے جو قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ ان پر عمل درآمد میں ہی اہل اسلام کی عزت و آبرو ہے اور اسی کے ذریعے ان کی ظاہری اور باطنی تطہیر ہوتی ہے۔ دیکھو! اللہ نے زنا اور بے حیائی کے اندو کے لیے حد مقرر کی ہے تاکہ بد معاشوں اور غلط کار لوگوں کو برائی سے روکا جائے۔ اسی طرح اگر کہیں بیوی کے درمیان الزام تراشی تک نہایت پہنچی ہے تو اس معاملے کو ہینڈل کرنے کا بھی بہترین قانون دیا ہے جس سے زوجین کی پردہ دری بھی نہیں ہوتی اور معاملے کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ قوانین معاشرے کی درستگی کا ذریعہ ہیں، لہذا ان کی پابندی لازمی ہے۔ ان قوانین کو توڑنے سے نہ دنیا میں چین نصیب ہوگا اور نہ آخرت کے عذاب سے بچ سکیں گے۔

شیطان کے  
نقش قدم پر

غرضیکہ فرمایا کہ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ جَوْكُوْنِي شَيْطَانُ كَے نقش قدم پر چلے گا فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْإِنْفِسَارِ وَالْمُنْكَ كُوْدَہ بے حیائی اور بُہی باتوں کا ہی حکم دیتا ہے۔ شیطان سے اچھی اور نیچی کی بات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے جاری کردہ قانون کی پابندی نہ کی جائے بلکہ اپنی خواہشات کو قانون کے قائم مقام سمجھ لیا جائے۔ اس کو اتباعِ ہوی سے تعبیر کیا گیا ہے اپنی خواہشات کا اتباع کرنے کے علاوہ — کسی خود ساختہ قانون پر چلنا بھی شیطان کے نقش قدم پر چلنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح قومی، ملکی یا خاندانی رسم و رواج کے پیچھے چلتے رہنا اور خدائی احکام کی پرواہ نہ کرنا بھی شیطان کے اتباع کے مترادف ہے۔ سنت کی بجائے بدعات کو اختیار کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اگر شیطان کی پیروی کرے گے تو بے حیائی اور برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اگر اس قباحت سے بچنا چاہتے ہو اور اپنے دنیوی اور آخری حالات کو درست رکھنا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے قوانین کی پابندی اختیار کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے اور اسی میں تمھاری فلاح ہے۔

واقعہ افک  
پہ تبصرہ

اب واقعہ افک کو ہی دیکھ لو۔ بعض لوگوں نے شیطان کا اتباع کرتے ہوئے اللہ کے پاک نبی کی پاک بیوی پر اتنا م لگایا اور آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تو انہیں کس قدر سخت اٹھانا پڑی اہل ایمان پر حد قذف جاری ہوئی اور منافقوں کو آخرت کے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔ یہ شیطان کے نقش قدم پر چلنے کا ہی نتیجہ ہے۔ قرآن نے ہر معاملہ میں قانون کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ کہیں حلال و حرام کی پابندی کا ذکر ہے تو کہیں نکاح و طلاق کے معاملہ میں پابندی عاید کی گئی ہے۔ کہیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے تو کہیں شرک سے منع کیا گیا ہے۔ غرضیکہ رسم و رواج، لڑائی، دنگا، فساد، بدکاری، عریانی، فحاشی اور ہر قسم کی براہئ سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ نے انہی قوانین کی پابندی کا حکم دیا ہے اور ان

کی عدم پابندی کو اتباع شیطان سے توجیہ کیا ہے۔

ارشاد ہوا ہے وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی مگر

زُكِيَ مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا تو تم میں سے کسی کو کبھی بھی پاک نہ کرتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت تھی کہ اُس نے اتہام لگانے والوں کو توبہ کی توفیق

دی، پھر اُن پر حد جاری کر کے اُن کو پاک کیا گیا، اور آئندہ کے لیے محتاط بننے

کا حکم بھی دیا گیا۔ اللہ نے اپنی رحمت سے ایسا قانون اور ایسی شریعت نازل

فرمائی جس میں اہل ایمان کی سراسر بہتری ہے۔ فرمایا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ

مِنْ يَّسَّارٍ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے

جس کو توبہ کی توفیق مل گئی اور معافی حاصل ہو گئی۔ وہ پاک ہو گیا اور یاد رکھو واللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ

تمہاری نیت اور ارادے تک سے واقف ہے۔ اگر تم اُس کے جاری کردہ

قوانین پر عمل کرو گے تو وہ تمہاری دستگیری فرمائے گا اور تمہیں برائیوں سے پاک

کر دے گا۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ اس کے قوانین

کی پابندی لازمی ہے۔

حضرت صدیق  
کی قسم

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام لگانے

والوں میں تین مومن بھی شامل تھے۔ ان میں ایک عورت حمنہ بنت جحشؓ اور دو

مرد حسان بن ثابتؓ اور مسطح ابن اثاثہؓ تھے۔ حضرت مسطحؓ مہاجرین میں سے تھے

مگر غریب آدمی تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خالہ زاد بھائی یا بھانجے

تھے اور آپؐ ان کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ جب واقعہ انکاب پیش آیا

اور حضرت مسطحؓ پر حد قذف بھی جاری ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کو ان کی طرف

سے بڑا دکھ پہنچا کہ یہ میرے قرابت دار بھی ہیں اور میں ان کی مالی مدد بھی کرتا

ہوں مگر انہوں نے کسی بات کو ملحوظ نہیں رکھا اور میری بیٹی پر اتہام لگانے والوں

ہیں شامل ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے قسم اٹھالی کہ میں آئندہ اس شخص کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ آپ کا غصہ اپنی جگہ پر کسی حد تک بجاتا تھا۔ اس سلسلے میں عربی کا مقولہ بھی ہے۔

وُظِلُّمُ ذَوِي الْقُرْبَىٰ أَشَدُّ مَضَاوَةً  
عَلَى السَّرْعِ مِنْ وَقْعِ الْحُسَامِ الْمُهَنْدِ

یعنی قرابت داری کا ظلم و زیادتی تو اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کی معمولی سی بات پر بھی زیادہ غصہ آتا ہے کہ اپنا ہو کہ اس نے کیوں ایسی حرکت کی۔ بہر حال حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس شخص کی مالی امداد روک دینے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے ایسی قسم سے منع فرمادیا آج کی دوسری آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَا يَأْتِلْ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ

نہ قسم اٹھائیں تم میں سے صاحب فضیلت اور وسعت والے اس بات سے  
أَنْ يَكُونُوا أُولِيَ الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
کہ وہ نہ دیں گے قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں  
کو۔ ظاہر ہے کہ صاحب فضیلت سے مراد حضرت صدیقؓ ہیں آپ کو پوری  
امت میں سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ آپ نہ صرف زہد و تقویٰ کے  
لحاظ سے افضل ہیں بلکہ آپ حضور علیہ السلام کے سر اور اولین جانشین بھی ہیں  
مالی لحاظ سے بھی آپ صاحب وسعت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت  
کی بھی فراوانی دی تھی اور آپ غریب و مساکین اور قرابت داروں کی مدد بھی فرماتے  
تھے۔ دوسری طرف حضرت مسیحؑ ہیں جو حضرت صدیقؓ کے قرابت دار

بھی ہیں، مسکین بھی ہیں کہ مالی حالت کمزور ہے اور پھر ہاجر بھی ہیں۔ تو اس  
آیت کہ ہم یہ اللہ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ غصے میں آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ  
کو حضرت مسیحؑ کی امداد روک لینے کی قسم نہیں اٹھانی چاہیئے۔ بلکہ وَلْيَعْفُوا



چاہیئے کہ انہیں معاف کر دیں۔ جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے  
 اُن کو سزا مل گئی ہے تو اب معاملہ ختم ہو جانا چاہیئے وَلْيَصْفَحْ اور درگزر  
 کرنا چاہیئے یعنی اس بات کو اب ذہن سے بالکل نکال دینا چاہیئے۔ اب  
 اس کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

فرمایا اَلَا تَحْسِبُوْنَ اَنْ يُغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ کیا تم اس بات کو  
 پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغزشوں کو معاف کر دے۔ تم سے بھی تو غلطیاں  
 ہوتی ہیں۔ جب تم اپنی کوتاہیوں کی معافی کو پسند کرتے ہو تو جن مومنوں نے  
 واقعہ انکس میں غلطی کی، اُن کی معافی کو بھی پسند کرنا چاہیئے اور اُن کے معاملے  
 کو مزید طول نہیں دینا چاہیئے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ  
 نے یہ آیت سنی تو ہوا، خدا کی قسم ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ  
 ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے لہذا میں نے بھی مسطحؓ کو معاف کر دیا اور  
 اس بات سے درگزر کیا۔ اس کے بعد آپ نے نہ صرف مالی امداد کو جاری رکھا، بلکہ  
 اُسے دگنا کر دیا۔ فرمایا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا  
 اور از حد مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خطاکاروں پر مہربانی فرمائی اور انہیں معاف  
 کر دیا۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی یہ بات سمجھا  
 دی اور یہ آپ پر بھی مہربانی تھی جس کا اثر پھر حضرت مسطحؓ پر دوسری امداد کی صورت  
 میں ظاہر ہوا۔

اس آیت کرمیہ سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے  
 جاری کردہ قانون میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس  
 بات کو پسند کرتا ہے۔ اس واقعہ سے متعلق لوگوں پر حد قذف جاری ہوئی جو  
 کہ اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی تھی۔ اب صدیق اکبرؓ نے اس سزا میں اضافہ  
 کر کے ایک شخص کی امداد روک دینے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند  
 نہ آئی، لہذا اس سے منع کر دیا گیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن

قانون میں  
 کمی بیشی

اللہ تعالیٰ ایک حاکم سے فرمائے گا کہ فلاں شخص کے جرم کی سزا چالیس درجے کی ہے۔ مگر تم نے اس میں ایک درجے کا اضافہ کیوں کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ مولیٰ کر رہا ہوں۔ اس نے یہ اضافہ جرائم کی روک تھام کے لیے کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے ایک جرم کی سزا مقرر کی تھی مگر کیا تم مجھ سے زیادہ لوگوں کو روکنا چاہتے تھے۔ پھر حکم ہوگا اس حاکم کو جہنم میں لے جاؤ۔ اسی طرح ایک دوسرا حاکم پیش ہوگا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے اس جرم کی حد چالیس درجے مقرر کی تھی تم نے اس میں ایک درجے کی کمی کیوں کی، وہ عرض کرے گا، باری تعالیٰ! مجھے اس مجرم پر رحم آگیا تھا۔ اللہ فرمائے گا، کیا تو مجھ سے زیادہ رحیم بننا چاہتا تھا جو اس کی سزا میں کمی کر دی حکم ہوگا کہ اس کو بھی جہنم رسید کر دو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے ایک گورنر نے آپ کو لکھا کہ میرے علاقے میں چوری کی وارداتیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں چوروں پر جرمانے کی سزائیں اضافہ کر دوں۔ اُس نے یہ بھی لکھا کہ مرکز سے کچھ رقم بھجوائیں تاکہ میں شہر کی سڑکیں اور گلیاں صاف کرادوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جواب میں لکھا کہ جس قانون کے اجراء پر جرم نہیں رکھتے، خدا کرے کہ وہ کبھی سڑکیں یعنی جب اللہ کی مقرر کردہ حد سے جرم نہیں اُٹے گا تو پھر کس سزا سے اُس کے گا۔ اور گلیوں اور بازاروں کی صفائی کے متعلق آپ نے گورنر کو یہ لکھا کہ تم ان گلیوں اور بازاروں کو حدل و انصاف سے بھر دو گے تو لوگ خود بخود انہیں صاف کرنے لگیں گے اور تمہاری کسی کاوش کی ضرورت نہیں ہے گی۔ چنانچہ اُس گورنر نے لوگوں پر سختی کرنا چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چوری کی وارداتیں کم ہو گئیں۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ کوئی شخص بلا قصور نہیں پکڑا جائے گا۔ انگریزی قانون میں یہی خرابی ہے کہ جرم کی سزا میں کمی بیشی کی جاتی ہے۔ کوئی اپنا آدمی ملوث ہو گیا۔ تو چھوڑ دیا یا سزا میں ممکنہ حد تک کمی کر دی اور اگر کوئی غیر پھنس گیا تو اُسے سولی پر لٹکا دیا۔ انگریزی قوانین میں مقرر کردہ سزائیں خدائی حدود سے متصادم ہیں

یہی وجہ ہے کہ نہ چوری رکتی ہے، نہ قتل اور نہ ڈاکہ زنی۔ ہر طرف بے حیائی کا دہرہ دورہ ہے، لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ نہ کسی کی عزت محفوظ ہے اور نہ مال و جان۔ یہ سب اسلامی تعزیرات سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ جب اسلامی تعزیرات کی پابندی کی جائیگی تو جہراٹھ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ سڑاؤں میں کمی بیشی کرنا قانون کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی سمجھا دی ہے کہ اس کی مقرر کردہ حدوں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرے ورنہ قانون کی رنج ہی فنا ہو جائے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمَحْصَنَاتِ الْغُفْلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ  
 لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۲۳)  
 يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنُهُمْ وَاَيْدِيُهُمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا  
 كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۴) يَوْمَ يَكْفِيهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقُّ  
 وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝ (۲۵) الْخَبِيثَاتُ  
 لِلْخَبِيثِيْنَ وَالْخَبِيثُوْنَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ  
 وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُولُوْنَ  
 لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۲۶)

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو متہم کرتے ہیں پاکدامن غافل مومن

عورتوں کو اُن پر لعنت کی گئی ہے دنیا اور آخرت میں ، اور اُن

کے لیے عذابِ عظیم ہے (۲۳) جس دن گواہی دیں گی اُن پر اُن

کی زبانیں ، اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں جو کچھ وہ کہتے ہیں (۲۴)

اُس دن پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ اُن کا بدلہ ٹھیک اور جان

لیں گے وہ کہ بیشک اللہ ہی حق ہے اور کھول دینے والا

ہے (۲۵) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں اور گندے

مرد گندی عورتوں کے لائق ۔ اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے

لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ۔ یہی لوگ بری قرار

دئے گئے ہیں اُن باتوں سے جن کو یہ لوگ کہتے ہیں ۔ اُن کیلئے



## بخشش ہے اور عنت کی دوزی (۲۵)

راہگاہات

ستہ دروس میں افک کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہ منافقوں کی سازش تھی۔ جس کی لپیٹ میں بعض مخلص مسلمان بھی آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں ملوث ہونے والے منافقوں اور مسلمانوں کی سخت ترین الفاظ میں مذمت بیان کی ہے۔ مسلمانوں پر حدِ قذف جاری ہوئی اور اللہ نے اُن کی توبہ بھی قبول فرمائی۔ پھر اللہ نے تنبیہ کی کہ اُس کے جاری کردہ قوانین کی پابندی کرو اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ شیطان ہمیشہ بے حیائی اور برائی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان اور اُس کی مہربانی ہوئی کہ اُس نے تمہیں پاک کیا۔ تمہیں پاکیزہ قانون عطا کیا اور موقع دیا کہ آئندہ ایسی کسی سازش میں شریک نہ ہوں۔ پھر دوسری بات اللہ نے یہ بھی سمجھائی کہ اُس کی طرف سے نافذ کردہ قانون میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو بلکہ اس پر ٹھیک ٹھیک عمل کرو۔ اور جن لوگوں سے افک کے سلسلہ میں غلطی ہوئی تھی، اُن کو معاف کر دو، اور ان سے درگزر کرو۔ جس طرح قم اپنے لیے چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے، اسی طرح دوسروں کی خطاؤں سے بھی درگزر کرو۔

منافقین پر  
لعنت اور  
عذاب عظیم

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اللہ نے مسلمانوں پر حد جاری ہو جانے کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی مگر اس سازش کے اصل سرغنہ عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین پر نہ تو حدِ قذف جاری ہوئی اور نہ ہی انہوں نے توبہ کی۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اب یہ فیصلہ کیا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْفَاضِلَاتِ الْمُسَوِّمَاتِ بَشِئِكٍ وَهُنَّ لَكُم مِّنْ عَمَلِكُمْ كَرِهْتُمْ کہ ان کے ایمان اور بے شبہ مومن عورتوں کو، محصنات سے ایسی عورتیں ہیں جو شادی شدہ اور پاکدامن ہوں اور غافل اس لحاظ سے کہ ان کو خبر ہی نہیں کہ اُن پر کیا الزام تراشی ہو رہی ہے۔ اور مومنات سے مراد صاحبِ ایمان عورتیں ہیں۔ جن کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ اس واقعہ کے تناظر میں اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں اور عام قانون کے طور پر ان صفات کی حامل کوئی بھی عورت

ہو سکتی ہے۔ تو فرمایا ایسی عورتوں پر الزامِ زنا کی تمت لگانے والوں کی سزا یہ ہے  
لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا میں بھی اور  
 آخرت میں بھی۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کو ہمیشہ بُرائی کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔  
 لوگ انہیں ملعون کا لقب دیں گے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور آخرت  
 میں اُن کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے گزشتہ آیت و "ا میں  
 رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے متعلق خاص طور پر اسی عذاب کی وعید آچکی  
 ہے وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ واقعہ  
 افک کا سب سے زیادہ ذمہ دار یہ شخص تھا لہذا اللہ نے اس کے لیے خاص  
 طور پر عذابِ عظیم کی وعید سنائی۔

مہتمم کیے جانے والے جوڑے میں ایک طرف صالح اور بے گناہ  
 شخص صفوان بن معطلؓ ہے جس کا بیان ہے کہ اُس نے جاہلیت کے  
 زمانہ میں بھی کبھی ایسی بُرائی نہیں کی چہ جائیکہ اسلام لانے کے بعد کوئی ایسی  
 حرکت کرتا۔ اور دوسری طرف وہ پاکباز خاتون ہے جو اللہ کے نبی کی بیوی  
 اور اُس کی ماں بنتی ہے۔ اُس نے تو صرف یہ کیا کہ حضرت عائشہؓ کو اکیلی  
 پاکر اونٹ کو بٹھایا، خود دوسری طرف منہ کر لیا اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سوارہ  
 ہو گئیں۔ پھر اونٹ کی ہمارے چڑھے قافلے سے ملا دیا۔ اور سارا راستہ ایک  
 لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کیا۔ تو ایسے لوگوں پر الزام تراشی کرنے والوں  
 کے لیے اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت اور عذابِ عظیم کی وعید سنائی۔  
 صحیحین کی روایت میں سات مہلک گناہوں کا ذکر آتا ہے۔ جو  
 کبار میں بھی بڑا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں پاکہ امن عورتوں پر تہمت لگانا بھی  
 ہے جو ان دو رکوعات کا موضوع ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک  
 ہے اجْتَنِبُوا سَبْعَ الْمُؤَبَقَاتِ یعنی سات شدید مہلک گناہوں  
 سے بچو جو کہ یہ ہیں (۱) الشُّرْكُ بِاللَّهِ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا مہلک

سات مہلک  
گناہ

تہین گناہ ہے جو انسانوں کی عاقبت کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔

(۲) شہادۃ الزور یعنی جھوٹی گواہی (۳) قتل النفس التي حرم الله الا بالحق کسی جان کا ناحق قتل (۴) اکل الربو سودی خوردی (۵) اکل المال الیتیم یتیم کا مال ناحق طور پر کھانا (۶) قولی یوم الزحف جہاد میں پشت پھیر کر بھاگنا۔ جیت تک دشمن اپنے سے دگنی تعداد سے زیادہ نہ ہو، اس کے مقابلے میں بھاگ جانا بھی مہلک گناہ ہے۔ اللہ نے سورۃ الفال میں اس پر جہنم کی وعید سنائی ہے اگر دشمن کی تعداد اپنی تعداد کے دوگنا سے زیادہ ہو تو پھر پیچھے ہٹ جانے کی اجازت ہے (۷) قذف المحصنات یعنی پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سات مہلک گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی سزا ابتدائی آیات میں انسی درے مقرر کی گئی ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس جرم کے لیے دو سزائیں نازل فرمائی ہیں۔ ایک سزا تو انسی درے ہیں اور دوسری یہ کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ معافی کے بعد آخری سزا سے بچ جاتا ہے مگر معاشرتی طور پر اس کی گواہی ہمیشہ کے لیے غیر معتبر ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی نو خصوصیات

مفسر قرآن امام لغوی، صاحب تفسیر منطہری، مفسر قرطبی اور بعض دیگر مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نو خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے میری تصویر حضور علیہ السلام کو میرے نکاح سے پہلے دکھا دی تھی۔ چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ عائشہؓ میری تصویر مجھے جبریل علیہ السلام نے ریشم کے ٹکڑے پر خواب میں دکھائی، تو میں نے اس خواب کی یہی تعبیر لکالی کہ ایسا ہو کر ہے گا۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے آپ کا نکاح حضرت صدیقہؓ سے ہو گیا جب کہ اُس وقت صدیقہؓ



کی عمر صرف چھ سات سال تھی البتہ رخصتی تین سال بعد مدینہ منورہ جا کر ہوئی۔  
یہ نکاح حضرت صدیق اکبرؓ نے خود کیا۔

ام المؤمنینؓ نے فرمایا کہ میری دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام  
کی تمام ازواج مطہرات میں سے صرف میں دو شیرہ ہوں، باقی سب پہلے  
سے ایک یا دو دفعہ شادی شدہ ہیں۔ فرمایا میری تیسری خصوصیت یہ ہے کہ  
جب اللہ کے رسول کا اس دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو اس وقت  
آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ یہ پھر انتہائی قرب کی علامت ہے۔ چوتھی  
خصوصیت یہ بیان کی کہ حضورؐ کی قبر بھی میرے گھر میں بنی۔ اس گھر میں فرشتوں  
کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے، آپ کی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی۔ پھر فرمایا  
کہ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ لبا اوقات حضور علیہ السلام پر ایسی حالت میں  
وحی نازل ہوتی کہ میں آپ کے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتی۔ یہ خصوصیت  
بھی کسی دوسری بیوی کو حاصل نہیں ہوئی۔ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ میں حضور  
علیہ السلام کے خلیفہ اول اور آپ کے صدیق کی بیٹی ہوں۔ فرمایا ساتویں خصوصیت  
یہ ہے کہ میری برأت میں اللہ نے پورے دور کو رخ کی سولہ آیات نازل  
فرمائیں۔ آٹھویں خصوصیت یہ ہے خُلِقْتُ طَيِّبَةً اللہ نے مجھے  
پاک پیدا کیا ہے اور پاک ہستی کے پاس ہی رکھا ہے۔ اہبات المؤمنین  
کے متعلق قرآن کی عمومی شہادت بھی یہی ہے اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ  
عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً (الاحزاب ۳۳)  
اللہ نے نبی کی تمام بیویوں کو ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک رکھا ہے  
اور آخر میں نویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے مجھے اس اہتمام سے بری فرما کر  
معفرت اور عزت والی روزی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَةً وَرِزْقًا  
كَرِيمًا۔

حضرت عائشہؓ  
کی فضیلت

حدیث شریف میں بھی حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔



حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے فَضَّلُ الْعَايِشَةَ عَلَى سَائِرِ النِّسَاءِ  
كَفَضَّلَ الشَّرِيدَ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ یعنی تمام عورتوں کے مقابلے میں  
 حضرت عائشہؓ کی فضیلت ایسی ہے جیسے شریہ کھانے کو تمام کھانوں پر فوقیت  
 حاصل ہے۔ آپؐ شکل و صورت، علم و فقہانیت، نیکی اور تقویٰ میں جامع الصفا  
 ہیں امت کی تربیت کے سلسلہ میں آپؐ کی خدمات بہت زیادہ ہیں حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپؐ نے ۴۷ یا ۴۸ سال زندگی پائی ہے  
 اور لوگوں کی دینی معاملات میں راہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ  
 اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا  
 تو اس کا حل حضرت عائشہؓ سے ملتا۔ آپؐ نے بڑی زہد کی زندگی بسر کی۔ ہاتھ دھونا  
 کثادہ تھا کہ اگر کسی دن میں دو بوری درہم بھی آئے ہیں تو سائے غرباء میں تقسیم  
 کر دیے اور اپنے افطار کے لیے بھی کچھ نہیں رکھا۔ لونڈی سے پوچھا افطاری  
 کے لیے کوئی چیز ہے تو اس نے عرض کیا کہ اپنے اپنے لیے کچھ رکھنے کا حکم ہی  
 نہیں دیا بلکہ سب کچھ تقسیم کر دیا ہے۔

امام بیضاویؒ اور قاضی ثناء اللہؒ اپنی پتی فرماتے ہیں بَرَّهَ اللَّهُ أَرْبَعَةً  
بَارُكَةً یعنی چار شخصیتوں کی اللہ نے چار ذرائع سے برکت فرمائی ہے۔  
 جب حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے الزام لگایا تو زلیخا کے خاندان کے  
 ایک بچے نے گواہی دی تھی شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا (یوسف ۲۶)  
 کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیض آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے  
 سے پھٹی ہے تو یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ اسی طرح آپؐ کی برکت ہوئی۔  
 اسی طرح لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر عیناک ہونے کا شبہ کیا کہ آپؐ کو کوئی خطرناک  
 بیماری ہے۔ آپؐ کو اس اتہام سے بری کرنے کے لیے اللہ نے پتھر کو حکم  
 دیا تو وہ آپؐ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام  
 کو برہنہ حالت میں دیکھ کر قتل کر لی کہ آپؐ کے جسم میں کوئی عیب نہیں ہے

تیسری آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی مٹی کی تھی جب کہ آپ اُن کی گود میں تھے۔ قَالَ رَحِمْتُ عَبْدُ اللَّهِ (مریم۔ ۳۰) آپ نے اس وقت بول کر گواہی دی تھی کہ میری ماں پر اتہام نہ لگاؤ، میں تو اللہ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار ہوں۔ اور چوتھی برہیت حضرت عائشہؓ کی تھی جس کے حق میں اللہ نے یہ سولہ آیات نازل فرمائیں۔

قیامت کو  
پورا پورا بدلہ

فرمایا جنہوں نے الزام تراشی کرنے کے بعد توبہ بھی نہیں کی اُن کے لیے دنیا و آخرت میں لعنت اور عذاب عظیم ہے۔ پھر اُن کی حالت یہ ہو گئی۔ یَوْمَ نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ حَسْبُ دُرِّ اُنْ كِي زَبَانِهِمْ گواہی دیں گی کہ انہوں نے بے گناہوں پر اتہام لگا کر سخت غلطی کی تھی۔ اگر وہ خود اقرار نہیں کریں گے وَ اَيَّدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ تَوَانُ كِي ہاتھ اور پاؤں شہادت دیں گے کہ یہ لوگ اس جرم میں ملوث تھے۔ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ جو بھی غلط کام کیے ہیں سب کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ یہی مضمون سورۃ یس میں بھی بیان ہوا ہے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ اَفْوَاهِهِمْ وَ تَكَلُّمُهُمْ اَيَّدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ (آیت۔ ۶۵) اُس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔

فرمایا یَوْمَئِذٍ يُؤْفِكُهُمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقُّ اُس دن اللہ تعالیٰ اُن کا پورا پورا بدلہ دیگا جو صحیح ہے۔ دین کا معنی قیامت اور اطاعت بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر جزا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا اُن کو پورا پورا بدلہ ملے گا وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْبَیِّنُ اور یہ لوگ جان لیں گے کہ بیشک اللہ کی ذات ہی برحق ہے اور وہ سب چیزوں کو کھولنے والا یعنی ظاہر کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے تعدی و تجاوز کیا، بے گناہوں پر زیادتی کی، قیامت والے دن وہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

اب واقعہ افک کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر کی پاک بیوی کی برأت کو ایک عام قانون کے ذریعے بھی سمجھایا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ تاریخ انبیاء میں بعض نبیوں کو طح اور لوط کی بیویوں میں عقیدے کی خرابی تو ملتی ہے مگر کسی نبی کی بیوی پر بدکاری کا الزام نہیں لگا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی بیویاں ہمیشہ پاک رہی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثَاتِ وَالْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثَاتِ خبیث خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اللہ کا نبی ہمیشہ پاک ہوتا ہے لہذا اس کی بیوی بھی ہمیشہ طاہرہ ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ بھی فرمایا وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی کے گھرانے کے یہ قطعی لائق نہیں کہ وہ کوئی برائی یا بے حیائی کی بات کریں، اس آیت کو مفسرین عام معافی پر بھی محمول کرتے ہیں کہ خبیث کام خبیث لوگوں کے اور پاکیزہ کام پاکیزہ لوگوں کے لائق ہوتے ہیں۔ خبیثت سے مراد نہ صرف خبیث لوگ ہیں بلکہ اس سے گندے عقائد، اخلاق اور اعمال بھی مراد ہیں۔ اسی طرح طہیات سے پاک عقائد، پاک اخلاق اور پاک اعمال بھی ہیں اس طرح معنی یہ ہو گا کہ گندے عقائد، اخلاق اور اعمال گندے لوگ اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ پاکیزہ عقائد، پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ اعمال پاکیزہ لوگوں کے حصے میں آتے ہیں گندی رسومات گندے لوگ اختیار کرتے ہیں جب کہ اللہ کے پاک انبیاء ان کے اہل بیت اور نیکو کار لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ مَبَرُّوْنَ مِمَّا يَقُولُونَ یہ سب لوگ پاک ہیں اس چیز سے جو یہ منافق لوگ کہتے ہیں۔ بلکہ اس قسم کا اتمام لگانے والے خود غلط کار اور نجس ہیں جنہوں نے نہ تو بہ کی نہ معافی مانگی اور نہ غلطی کا اقرار کیا۔ یہ لوگ سزا کے مستحق ہیں۔ البتہ جو لوگ اس الزام سے پاک ہیں یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت صفوانؓ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا پروانہ ہے  
 اگر کوئی معمولی تقصیر ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا اور انہیں عزت  
 کی روزی بھی نصیب ہوگی۔ اللہ نے ان دور کو رخ میں منافقوں کی سازش کا  
 پردہ چاک کر کے اپنے نیک بندوں کی بریت واضح کی ہے اور منافقین  
 کی سخت تہذیب الفاظ میں مذمت بیان کی ہے۔



النور ۲۴

آیت ۲۷ ۲۹

قد افلح ۱۸

درس نہم ۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ  
 حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكَ خَيْرٌ  
 لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا  
 تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا  
 فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾  
 لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ  
 فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا  
 تَكْتُمُونَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! نہ داخل ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے  
 گھروں میں جب تک کہ تم اجازت نہ طلب کر لو اور جب تک  
 کہ تم سلام نہ کر لو اُن گھر والوں پر۔ یہ بات تمھارے لیے بہتر  
 ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو ﴿۲۷﴾ پس اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی  
 کو تو پھر نہ داخل ہو اُن میں یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے  
 اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ، پس واپس چلے جاؤ  
 یہ بات تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو،  
 اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے ﴿۲۸﴾ نہیں ہے تم پر گناہ اس بات  
 میں کہ تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں خاص رہائش نہیں ہے۔  
 اور اُن میں تمھارے لیے فائدے کا سامان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جس چیز کو تم چھپاتے ہو (۲۹) سورۃ ہذا کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے برائی، بدکاری اور فحاشی کے الزام کے لیے حدود کا ذکر فرمایا۔ زنا اور قذف کی حدود بیان کیں اور لعان کا مسئلہ بھی بیان کیا۔ پھر اللہ نے واقعہ افک کا ذکر کیا جس میں منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اہتمام لگایا تھا۔ اللہ نے آپ کی بریت کو واضح فرمایا اور اس ضمن میں بہت سی دیگر باتیں بھی سمجھائیں۔ منافقین کی مذمت اور مومنین کو تنبیہ فرمائی۔ ساتھ ساتھ ام المؤمنینؓ کی فضیلت کا ذکر بھی ہوا۔

رابط آیات

قانونِ اللہ دے دیے حیاتی کا یہ پہلا حصہ تھا۔ اب آمدہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس قانون کا دوسرا حصہ بیان فرمایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے سے عریانی، فحاشی اور بے حیائی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ ان جرائم کی ترغیب عام طور پر عورتوں کی بے پردگی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آج کی آیات میں کسی کے گھر میں داخلے کے وقت پردے کو ملحوظ رکھنے سے متعلق بعض قوانین بیان فرمائے ہیں۔ ان قوانین کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مخلوق کے تخلیق شدہ قوانین سے دنیا کی عدالتیں عام طور پر لوگوں سے بھری رہتی ہیں جب کہ اسلامی قوانین کا بنیادی مقصد معاشرے سے فحاشیت اور شرافت کی نیخ کنی ہوتا ہے۔ جب کوئی جھگڑا ہی پیدا نہیں ہوگا تو نہ کوئی عدالتوں میں جائے گا اور نہ دہاں ہجوم ہوگا۔

گھروں میں داخلے کے آداب

آیات زیر درس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے دوسرے کے گھر میں جانے کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ اس میل ملاقات کے سلسلے میں چار قسم کے حالات پیش آسکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے اللہ کے قوانین جاری فرمائے ہیں اور کسی بھی گھر میں داخلے کے لیے اجازت حاصل کرنے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ہی گھر میں داخل ہوتا ہے جہاں

اُس کی منکوحہ بیوی موجود ہے تو اُس کے لیے داخلے سے قبل اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں۔ البتہ پھر بھی مستحب بات یہ ہے کہ داخلے کے وقت خاوند کوئی ایسی حرکت کرے جس سے بیوی کو اطلاع ہو جائے کہ اُس کا خاوند گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں دروازہ کھٹکھٹایا جاسکتا ہے یا آج کل کے حالات میں دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی جاسکتی ہے۔ یا کم از کم خاوند زبان سے کوئی لفظ ادا کرے یا کھانس لے جس سے بیوی کو اطلاع ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی کا بیان ہے کہ اُن کے خاوند جب بھی گھر میں آتے تو داخلے کے وقت کھٹکھٹاتے جس سے مجھے اُن کی آمد کی اطلاع مل جاتی۔

(۲) گھر میں داخلے کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں اُس کی بیوی کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہوں۔ ان میں والدہ بہن اور بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ سب محرم ہیں مگر آنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجازت لے کر گھر میں داخل ہو۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! میں ایسے گھر میں رہتا ہوں جہاں صرف میری والدہ رہائش رکھتی ہے تو کیا مجھے بوقت داخلہ اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ اُس شخص نے پھر عرض کیا کہ حضور! میں اور میری والدہ صرف دو افراد خانہ ہیں اور میں اُن کی خدمت کرتا ہوں۔ گھر میں کوئی دوسرا فرد تو ہے نہیں تو ایسی حالت میں بھی اجازت کی ضرورت ہے آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً کیا تو اپنی والدہ کو عریانی کی حالت میں دیکھنا چاہتا ہے؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا، پھر ضروری ہے کہ بلا اطلاع نہ داخل ہو کیونکہ بعض اوقات انسان بے پردگی کی حالت میں ہوتا ہے۔ لہذا داخلے سے قبل اطلاع دینا ضروری ہے خواہ گھر میں والدہ، بہن یا بیٹی ہی ہو۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے مقام میں داخل ہونا چاہتا ہو

۱۲۹ ص ۲۱۹ وطبری ص ۱۱۱ واحکام القرآن للجصاص ص ۳۱۳ وکشاف ص ۲۲۴ (فاضل)

جہاں رہائش اور عدم رہائش دونوں کا امکان ہے، تو ایسے مقام پر بھی بلا اجازت داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی جگہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، جس میں کسی خاص فرد یا خاندان کی رہائش نہیں بلکہ وہ مفاد عامہ کی جگہ (PUBLIC PLACES) ہے۔

مثال کے طور پر کوئی مسجد ہے، مدرسہ ہے، ریلوے سٹیشن یا ایئر پورٹ ہے، کوئی ہوٹل یا سرائے ہے، ڈاکخانہ، تارگھر، عدالت، سکول، کالج، ہسپتال، سرکاری دفاتر وغیرہ ہیں تو وہاں کوئی بھی شخص بلا اجازت داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ السلام کے سلع منہ عرض کیا کہ ہم شام وغیرہ میں تجارت کے لیے جاتے ہیں۔ جہاں ہمیں کسی سرائے یا مسافر خانہ میں قیام کرنا ہوتا ہے، تو کیا وہاں بھی اجازت لے کر داخل ہوں؟ آپ نے فرمایا، ایسی جگہوں میں تم بلا اجازت جا سکتے ہو،

بعض مخصوص  
مقامات و  
حالات

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مفاد عامہ کے ادارے اگرچہ عام لوگوں کے لیے کھلے ہوتے ہیں اور لوگ وہاں بلا روک ٹوک آجا سکتے ہیں مگر وہاں بھی بعض مخصوص حصے ہوتے ہیں جہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے کہ ”داخلہ ممنوع“ ہے یا یہ شارع عام نہیں ہے ”یا ممنوعہ علاقہ“ یا اپنی شناخت کر لے ”وغیرہ۔ اس قسم کے بورڈ عام اداروں، دفتروں، ریلوے سٹیشن اور ایئر پورٹ پر بھی نظر آتے ہیں۔ تو ایسے مقامات پر بلا اجازت جانا شرعاً بھی ممنوع ہوگا مثال کے طور پر ریلوے پلیٹ پر جانے کے لیے پلیٹ فارم ٹکٹ ضروری ہے یا کسی عجائب گھر یا پارک میں داخلے کے لیے ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے تو وہاں مطلوبہ لوازمات پورے کیے بغیر داخلے کی اجازت نہیں ہے بعض اوقات کوئی شخص تخیل کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ کسی دوسرے شخص کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ تو ایسی صورت میں اگرچہ قریبی رشتہ دار



ہی کیوں نہ ہو اس کی نجی حالت ( PRIVACY ) میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ نے سلام کرنے اور اجازت حاصل کرنے کی پابندی لگا دی ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی نابالغ آدمی کو بھی بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ وہ کسی کی بہنچی کو دیکھ تو نہیں سکتا مگر گفتگو تو سن سکتا ہے۔ اور کسی کی پرائیویٹ بات کو بلا اجازت سنا بھی روا نہیں کہ اس سے بھی شر و فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ ایسے ہی مواقع پر بڑے بڑے سکینڈل پیدا ہوتے ہیں، لہذا شریعت نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے کے گھر میں داخلے کے لیے اجازت حاصل کریں، اسی طرح عورت کے لیے بھی اجازت نامہ ضروری ہے۔ عورت بھی کسی دوسری عورت کے پاس بلا اجازت داخل نہ ہو ایک خاتون ام عیاض کا بیان ہے کہ ہم چار عورتیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ملاقات کے لیے جاتیں تو ان سے اجازت حاصل کر کے ان کے گھر میں داخل ہوتیں۔

طریقہ  
استیذان

اب بارہ گئی یہ بات کہ داخلے کے لیے اجازت طلب کرنے کا طریقہ کیا ہے، تو حدیث شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ دروازے پر پہنچ کر السلام علیکم کہو اور پھر کہو اَدْخُلْ گیا میں اندر آسکتا ہوں؟ یا دروازے پر دستک دے کر کہو کہ فلاں آدمی آنا چاہتا ہے۔ کیا اجازت ہے؟ دستک دیتے وقت دروازے کی دروازوں میں سے جھانکنا بھی جائز نہیں کہ یہ مکہ وہ تحریمی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایسی حالت میں اگر گھر کے اندر سے کوئی شخص جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے تو ہم اس کا قصاص نہیں لیں گے کیونکہ اس نے خود ایک غلط کام کیا۔ اجازت طلب کرتے وقت دروازے کے سامنے گھڑا ہونے کی بھی اجازت نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بیکرم دروازہ کھلنے پر اندر

نگاہ جا پڑے اور معاصی خانہ کی بے پردگی ہو۔ ایک شخص آیا، اس نے اندر آنے کی اجازت باس الفاظ طلب کی اَلْجِجْ کیا میں اندر گھس آؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس شخص کو اجازت طلب کرنے کے آداب سکھاؤ کہ اَلْجِجْ جیسے سخت لفظ کی بجائے اَدْخُلْ لفظ استعمال کرے۔ اسی طرح ایک صحابی نے اپنے خادم کو کوئی تحفہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس شخص نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی۔ بلکہ بندھا اندر آگئی۔ آپ نے فرمایا، واپس جاؤ۔ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر السلام علیکم اور اَدْخُلْ کہو۔ وہ شخص باہر گیا۔ اجازت طلب کی تو آپ نے اندر آنے کی

اجازت دی۔

یہ بھی استیدان کے آداب میں داخل ہے کہ اجازت زیادہ سے زیادہ تین دفعہ طلب کی جائے۔ اگر تینوں مرتبہ کوئی جواب نہ آئے تو ملاقاتی کو واپس چلا جانا چاہیئے۔ یہ بھی آداب میں شامل ہے کہ اجازت طلبی پر اگر صاحب خانہ پوچھے کہ کون ہے؟ تو ملاقاتی یہ نہ کہے اَنَا (میں ہوں) بلکہ اپنا نام بتائے تاکہ صاحب خانہ کو علم ہو سکے۔ ایک موقع پر حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا اَنَا کیا ہوتا ہے۔ کہو اَنَا جابر بن کہیر میں باہر ہوں یا میں فلاں ہوں اور فلاں کام سے آیا ہوں۔

یہ بھی آداب ملاقات میں سے ہے کہ اگر کسی بڑے آدمی، عالم یا بزرگ کی ملاقات کے لیے آیا ہے تو باہر دروازے پر رک کر انتظار کرے جب صاحب خانہ خود باہر آئے تو ملاقات کرے مطلب یہ ہے کہ اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دے اور باہر انتظار کرتا ہے۔ اس قسم کے ادب کی خود قرآن نے حضور علیہ السلام کے لیے تعلیم دی ہے۔ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہو کر باہر سے ہی آواز دیتے تھے یا مُحَمَّدٌ اُخْرِجْ اِلَیْنَا۔ اے محمد! باہر تشریف لائے۔ اللہ کو یہ طریقہ بھی پسند نہ آیا



ہو سکتا ہے کہ صاحبِ خانہ کی کوئی مجبوری ہو۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ  
عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

آگے فرمایا لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ  
مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ تم پر کوئی عرج نہیں کہ تم غیر رہائش  
مقام میں داخل ہو جس میں تمہارا کچھ مفاد ہے۔ اس میں مفادِ عام کے ارادے  
آتے ہیں جن کی تفصیل میں نے

## PUBLIC PLACES

عرض کر دی ہے، ایسی جگہوں پر بلا اجازت داخل ہو سکتے ہو۔ فرمایا وَاللّٰهُ یَعْلَمُ  
مَا تَبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر  
کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے سے بھی  
واقف ہے۔ اُس نے گھروں میں داخلے کے قوانین بیان کر دیے ہیں۔ اگر ان  
کی پابندی کر دے گے تو فتنہ و فساد پیدا نہیں ہوگا، فحاشی اور عریانی کی نوبت نہیں آئے  
گی اور معاشرے میں امن و امان قائم ہوگا۔



قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْنَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا  
 فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا  
 يَصْنَعُونَ ③ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ  
 أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ  
 إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ خُمُرَهُنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ  
 وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ  
 أَوْ آبَاءَ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءَ بُعُولَتِهِنَّ  
 أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ نِسَاءَ إِخْوَانَهُنَّ  
 أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ  
 مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَتِ  
 النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ  
 مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ  
 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ④

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے ایماندار مردوں سے کہ  
 وہ پست رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنے ستر کی۔ یہ  
 زیادہ پاکیزہ چیز ہے اُن کے لیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے  
 جو کچھ وہ کرتے ہیں ③ اور آپ کہہ دیجئے ایمان والی عورتوں سے

کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور محفوظ رکھیں اپنے ستر کو اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر وہ جو اُس سے کھلی ہے۔ اور چاہیے کہ ڈال دیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گرمیوں پر، اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر اپنے خاوندوں کے سامنے یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے یا وہ جن کے مالک ہیں اُن کے دلہنے ہاتھ یا وہ کام کرنے والے جو نہیں خواہش رکھتے مردوں میں سے یا وہ بچے جو نہیں مطلع ہوئے عورتوں کے بھید پر۔ اور نہ ماریں یہ زور سے اپنے پاؤں تاکہ معلوم کیا جائے وہ جو چھپاتی ہیں یہ اپنی زینت سے۔ اور توبہ کرو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب کے سب اے ایمان والو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ ③

ربط آیات

گزشتہ آیات میں دوسروں کے گھروں میں جانے کے مسائل بیان ہوئے کہ کوئی شخص اپنے گھر میں بلا اجازت جاسکتا ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ اطلاع کرے۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے گھروں میں یا جن گھروں میں سامان پڑا ہوا ہے، وہاں بھی اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہیے۔ البتہ مفاد عامہ کے ایسے مقامات جن میں کسی کی انفرادی رہائش نہ ہو وہاں بلا اجازت داخل ہو سکتا ہے۔ البتہ ان کے مخصوص حصوں میں بھی بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں۔ دراصل یہ پابندی برائی، زنا اور بدکاری کی روک تھام کے لیے لگائی گئی ہے کیونکہ برائی کی تحریک بلا تکلف میل جول کے ذریعے ہی پیدا ہوتی ہے۔

اب آج کی آیات بھی اسی قانون کا متممہ ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جاتا ہے

یا راستہ چلتے کسی غیر محرم سے واسطہ پڑتا تو نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے  
اگر کسی مومن مرد کے سامنے غیر محرم عورت آجائے یا مومن عورت کے سامنے  
غیر محرم مرد آجائے تو دونوں کو غرضِ بصر کا حکم دیا گیا۔ عام محاورہ ہے الذطر  
برید الزنا یعنی نگاہِ زنا کی ڈال ہوتی ہے۔ پہلے کسی غیر محرم پر نگاہ پڑتی ہے  
پھر خیالات فاسد ہوتے ہیں اور پھر بُرائی کی ترغیب پیدا ہوتی ہے، اسی لیے  
نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے نگاہ کی حفاظت کا سختی سے  
حکم دیا ہے تاکہ بُرائی، بدکاری اور زنا کی نوبت ہی نہ آسکے۔ اور مسلمانوں کی سوسائٹی  
ایسی قباحتوں سے پاک ہے۔

بعض صحابہ کرامؓ مختلف راستوں، گھاٹیوں، پلوں یا دیگر اونچی جگہوں پر بیٹھا  
کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم  
ایسے مقامات پر بلا مقصد نہیں بیٹھتے بلکہ بعض اوقات کسی سے ملاقات کرنی ہوتی  
ہے، کوئی مشورہ وغیرہ کرنا ہوتا ہے تو ہم ایسی جگہوں پر اکٹھے ہو جاتے ہیں آپ  
نے فرمایا کہ اگر آپ کا وہاں بیٹھنا ضروری ہے تو پھر ایسے مقام کا حق بھی ادا  
کر دو۔ صحابہؓ کے دریافت کرنے پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے مقامات پر  
بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، کوئی ضرورت  
ہو تو اُس کی مدد کرو اور سلام کا جواب دو۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے  
ہر موقع پر اپنی نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ ان آیات میں دوسرا مسئلہ شرک گاہوں  
کی حفاظت کا بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو اپنے  
اپنے ستر کی نگرانی کا حکم دیا ہے۔

زبان اور اعضا  
مشتورہ کی  
ضمانت

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من یکفلنی  
ما بین لحيہ و بین رجلیہ اکفل لہ الجنة جو شخص مجھے  
ضمانت دے گا اُن چیزوں کی جو اُس کے دو جہڑوں کے درمیان ہے یعنی  
زبان اور جو دو رانوں کے درمیان ہے یعنی شرک گاہ، تو میں اس کو جنت کی ضمانت

دیتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ زبان اور شر مگاہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اکثر فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کرتے اور اس کے ذریعے مچھوٹ، غیبت، اتہام اور گالی گلوچ کرتے ہیں، وہ اس کی وجہ سے سخت مشکل میں پڑتے ہیں۔ اس طرح شر مگاہ کی حفاظت ہی عفت و عصمت کی علامت ہے، ورنہ انسان، زنا، فحاشی اور بدکاری میں مبتلا ہو کر جنت سے محروم ہو جاتا ہے اسی لیے اللہ کے نبی نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ان دو چیزوں یعنی زبان اور شر مگاہ کی ضمانت دے، میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں ضرور پہنچے گا۔

نگاہ اور شر مگاہ  
کی حفاظت

پہلے اللہ نے نگاہ اور شر مگاہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لِيَعْفُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اے پیغمبر! آپ ان مومن مردوں سے کہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یعنی جب کسی غیر محرم عورت سے آمنہ سامنا ہو تو اس کی طرف بار بار دیکھنے کی بجائے اپنی نظروں کو جھکائے۔ بقیہ نے شعب الایمان میں یہ روایت نقل کی ہے لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ اللہ نے لعنت کی ہے اُس مرد پر جو اپنی نظر کسی غیر محرم عورت پر اٹھاتا ہے۔ اور اگر عورت کے دل میں بھی یہی جذبہ ہے تو اس پر بھی خدا کی پھٹکار ہے منہ احمد، ترمذی، ابوداؤد اور دارمی وغیرہ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا لا تتبع النظرة النظرة اے علیؓ، پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت اٹھانا۔ اگر اتفاقاً کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ گئی ہے تو اُسے فوراً پست کر دو۔ دوسری باز نگاہ اٹھاؤ گے تو گنہگار بن جاؤ گے پہلی نگاہ تو معاف ہے۔ مگر دوسری نہیں، حضرت جبریلؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں امرئ ان اصرف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لے احکام القرآن للجصاص ص ۲۵۱ وفتح القدیر ص ۲۵۱ (فیاض)



مجھے حکم دیا کہ نگاہ کو فوراً پھیر لو اور دوبارہ دیکھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ مجرم بن جاؤ گے۔ حضور علیہ السلام نے نگاہ کی حفاظت کرنے والے کی فصیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی غیر محرم کے حسن و جمال پر پڑ گئی اور اس نے اپنی نگاہ کو فوراً پست کر لیا تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ ایسی عبادت پیدا کرے گا جس کی وجہ سے اُسے لطف محسوس ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ اے پیغمبر! آپ مسلمان مردوں سے یہ بھی کہہ دیں وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ کہ وہ اپنی شر نگاہوں کی حفاظت کریں۔ پہلے حد زنا اور حد قذف کا ذکر ہو چکا ہے۔ عربانی، فحاشی اور بے حیائی پر گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ چیزیں شر نگاہ کے عدم تحفظ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی شر نگاہوں کی حفاظت کریں اور ان کا بے جا استعمال نہ کریں کہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ فرمایا ذَلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا كَا يَصْنَعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام کی خبر رکھتا ہے وہ ان کے نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے لہذا ان احکام کی پابندی ضروری ہے۔

عورتوں کے لیے پردے کا حکم

اگلی آیت میں اللہ نے یہی حکم عورتوں کو بھی دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پردے کے دیگر مسائل بھی بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ لِيَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اے پیغمبر! آپ مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی غضن بصر کا حکم دیا گیا ہے کہ بُرائی کی طرف میلان کا پہلا ذریعہ نگاہ کی خرابی ہوتا ہے۔ مرد و زن اگر اس پر کنٹرول نہ کریں تو بہت حد تک بُرائی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ مومن عورتوں کو یہ حکم بھی دے دیں وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنی عفت و ناموس پر داغ نہ لگنے دیں۔ فرمایا وَلَا يَبْدِيْنَ زَيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے

جو اس سے کھلی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ درپہ، اپنی بناوٹی زیب و زینت یا بناؤ سنگھار کو غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کریں کہ یہ چیز فتنہ کا باعث بنتی ہے جہاں تک مَآظْہَر کا تعلق ہے یعنی وہ چیزیں جو عورت سے خود بخود ظاہر ہیں تو اس سے حضرت عبداللہ بن عباس عورت کا چہرہ اور ہاتھ مراد دیتے ہیں کہ ان کے اظہار میں کوئی صریح نہیں کیونکہ یہ دو اعضاء ستر میں شامل نہیں انگریز جب ہاتھ کھلے ہوں گے تو ان میں لگی مسندی یا اپنی ہونی انگوٹھی وغیرہ بھی نظر آئے گی۔ البتہ اس کے علاوہ زینت کی کوئی چیز ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے بعض فرماتے ہیں کہ مَآظْہَر سے مراد صرف بیرونی لباس ہے جو بیشک نظر آجائے اس کے علاوہ باقی تمام اعضاء کو حتیٰ الامکان چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگے اللہ نے پردے سے متعلق یہ حکم بھی دیا ہے وَلَيَضْرِبَنَّ  
الْجُمُورُ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ اور عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔ عورت کا گریبان بالکل کھلا نہیں ہونا چاہیئے۔ وَلَا  
يُبدِينَ زِينَتَهُنَّ اپنی زیب و زینت اور بناؤ نکلا۔ کوئی ظاہر کریں۔ آگے اللہ نے اُن مردوں کی فہرست دی ہے جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی جن سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمایا إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔ ظاہر ہے کہ خاوند سے پردہ کیا بلکہ صحیح معنوں میں عورت کی زیب و زینت اس کے خاوند کے لیے ہی ہوتی ہے فرمایا أَوْ آبَائِهِنَّ عورتوں کو اپنے باپ سے بھی پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے أَوْ آبَاءُ بُعُولَتِهِنَّ یا اپنے خاوند کے باپ کے سامنے یعنی خسر بھی پردے سے مستثنیٰ ہے پھر فرمایا أَوْ أَبْنَاؤُهُنَّ عورتیں اپنے بیٹوں کے سامنے بھی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں أَوْ أَبْنَاؤُ بُعُولَتِهِنَّ اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے بھی کوئی پابندی نہیں۔ أَوْ إِخْوَانُهُنَّ یا اپنے بھائیوں کے سامنے أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھتیجیوں کے سامنے أَوْ سَيِّدَاتُهُنَّ

یا اپنے بھانجوں کے سامنے بھی زیب و زینت کا اظہار کر سکتی ہیں یہ بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں کہ یہ سب محرم ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چچا اور ماموں کے لیے بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ بھی محرم ہیں۔

آگے فرمایا أَوْنِسَا جِهَنَّ یا اپنی عورتوں کے سامنے بھی زیب و زینت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں۔ لہذا کسی مسلمان عورت کو کسی کافر عورت کے سامنے بھی زیب و زینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ ان کو بھی اجنبی کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ یا جو ان کے واسطے ہاتھ کی ملکیت ہیں یعنی لونڈی غلام ہیں ان سے بھی پردے

کی ضرورت نہیں أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِ الْأَرْبَعَةِ مِنَ  
الرِّجَالِ گھروں میں کام کرنے والے مرد بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ جو شہوانی عنصر نہیں رکھتے۔ اس قسم کے نوکر چاکر معمولی حیثیت کے لوگ ہوتے ہیں اور اپنے کام یا کھانے پینے اور کپڑا پہننے کے سوا انکی کسی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ تاہم فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور جو ان مردوں کو گھر کے کام کاج کے لیے مقرر نہیں کرنا چاہیئے۔ فرمایا أَوِ الطِّفْلِ الذِّي كَرِهَتْهُ عَوْرَاتُ  
النِّسَاءِ وہ چھوٹے بچے بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں جو عورتوں کے عینوں پر مطلع نہیں ہیں یعنی ابھی انہیں عورتوں سے متمتع ہونے کا علم نہیں ہے۔ ان کے سامنے بھی اگر زینت ظاہر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

آگے اللہ نے عورتوں پر یہ پابندی بھی لگائی ہے وَلَا يَضْرِبْنَ بَارِجِهِنَّ  
لِيَعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ عورتیں چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ جس سے ان کی پوشیدہ زینت کا اظہار ہوتا ہے اگر پاؤں میں کوئی زیور پہن رکھا ہے تو زور سے پاؤں مارنے پر اس کی محض کار سنائی دے گی اور سننے والے کو فتنے میں ڈالنے کا باعث بن سکتی ہے۔ لہذا ایسا

کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے تو یہ حکم بھی دیا ہے۔ کہ جو عورتیں نماز کے لیے مسجد میں آئیں۔ سادہ لباس پہنیں اور خوشبو استعمال نہ کریں تاکہ مردوں کی توجہ اُن کی طرف مبذول نہ ہو۔

ستر کا مسئلہ

ناف سے لے کر گھٹنوں تک شرعی ستر ہے۔ لہذا کسی مرد کے لیے دوسرے مرد کے اس حصے پر دیکھنا حرام ہے عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ کسی عورت کے ستر کو نہیں دیکھ سکتی۔ اس ضمن میں مرد اور عورت کے حکم میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی عورت کی نگاہ مرد کے ستر والے حصے کے علاوہ جسم کے کسی دیگر حصے پر پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ البتہ عورت کا سارا جسم ماسوائے چہرے اور ہاتھوں کے ستر ہے، لہذا کسی مرد کی نظر عورت کے کسی حصے پر نہیں پڑنی چاہیئے۔ ماسوائے مستثنیٰ حصوں کے۔ اگر ایسا کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ بعض فقہاء پاؤں کو بھی ستر میں داخل کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ اسی طرح عورت کے بال بھی ستر میں داخل ہیں، اُن پر بھی کسی اجنبی کی نظر نہیں پڑنی چاہیئے۔ اگرچہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں مگر جیسا کہ شامی اور درمنخاری ہے نوجوان عورت کو اپنا چہرہ بھی ڈھانپ کر رکھنا چاہیئے تاکہ فتنہ سے بچا جاسکے کسی مرد کے لیے یہ قطعاً روا نہیں کہ وہ اپنی بیوی یا شرعی لونڈی کے مقام شہوت کے سوا کسی دوسری عورت کے ایسے مقام کی طرف دیکھے۔ اسی طرح عورت کے لیے اپنے خاوند کے مقام ستر کے علاوہ کسی اجنبی کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ البتہ مرد ہو یا عورت مجبوری کی حالت میں اعضائے مستورہ کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ مثال کے طور پر اگر طبی لحاظ سے دیکھنا ضروری ہے یا کوئی آپریشن وغیرہ کرنا ہے تو دیکھنے کی اجازت ہے۔ تاہم فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں بھی حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور بے تکلف ہونے سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے۔



استغفار  
کی تعلیم

آخر میں اللہ نے فرمایا ہے وَذُوْا بِرَّآلِهٖ اللّٰہِ جَمِیْعًا اٰیۃ  
 اَلْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تَقْلِحُوْنَ اے ایمان والو! تم سارے کے  
 سارے اللہ کے سامنے توبہ کرو۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ کوئی نہ کوئی لغزش  
 ہوتی رہتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ کرو۔ اٹھتے بیٹھتے  
 ہر وقت استغفار کرتے رہو۔ خود حضور علیہ السلام تعلیم کی خاطر ایک ایک مجلس  
 میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے۔ فرمایا توبہ کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب  
 ہو جائے۔ تم گناہوں سے پاک ہو جاؤ اور یہی انسان کا منتہا ہے مقصود ہے۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ  
 إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ  
 عَلِيمٌ ۝ (۳۲) وَلَيْسَتَعَفِيفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ  
 يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

ترجمہ :- اور نکاح کرو جو تم میں سے بے نکاح ہوں۔ اور  
 تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو باصلاحیت ہوں۔ اگر  
 وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے  
 گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا  
 ہے ۝ (۳۲) اور چاہیئے کہ عقیف بن کر رہیں وہ لوگ جو نہیں  
 پاتے نکاح کی طاقت یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے فضل  
 سے مستغنی کر دے۔

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں نگاہ کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور عورتوں کو پردے کی تلقین  
 کی گئی تھی۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے گھروں میں جانے کے آداب  
 سکھائے تھے اور فرمایا تھا کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت اور بلا اطلاع مت جاؤ اور اگر  
 کسی غیر محرم اور اجنبی پر اچانک نظر پڑ جائے تو اپنی نگاہ کو فوراً پست کر لو اور ارادتاً دیکھنے کی  
 کوشش نہ کرو۔ یہ حکم اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو دیا اس کے ساتھ ساتھ اپنی ناموس  
 کی حفاظت کا حکم دیا۔ فرمایا کہ عورتیں اپنی زیب و زینت کا اظہار سوائے اپنے خاوندوں اور  
 محرموں کے کسی غیر محرم کے سامنے نہ کریں۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی واقع ہو جائے تو  
 سب کو اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنی چاہیئے۔ انسان خطا کا پتلا ہے لہذا اسے چاہیئے

کہ ہمیشہ استغفار کرتا ہے۔

الندادِ زنا، بدکاری اور فحاشی کے قوانین کا یہ پہلا حصہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے کچھ تعزیری احکام بیان فرمائے اور کچھ اخلاقی تعلیم دی۔ مقصد یہی ہے کہ کسی طرح لوگ برائی سے بچ جائیں۔ اب اسی سلسلہ میں آج کی آیات میں اس قانون کا دوسرا حصہ بیان کیا جا رہا ہے آگے اس کے بھی دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں نکاح کو عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے مستغنی کر دیگا۔ دوسرے حصے میں اُن لوگوں کو پاکدامنی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی جو کسی صورت میں بھی نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

نکاح کی ترغیب

ارشاد ہوتا ہے وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ اور تم میں سے جو بے نکاح مرد و زن ہوں اُن کے نکاح کر دو۔ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کر دو۔ ایامی، ایتیم کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہم نے بے نکاح کیا ہے۔ دراصل ایتیم اس عورت پر بولا جاتا ہے جس کا پہلے نکاح ہو چکا ہو اور بعد میں وہ راند یا مطلقہ ہو جائے۔ کنواری یا کنوارہ اس کا صحیح ترجمہ نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ تو اس کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ابھی نکاح ہوا ہی نہ ہو۔ تاہم مجازی طور پر ایتیم کا اطلاق ہر مجبر مرد و زن پر بھی کیا جاتا ہے جو ابھی تک کنوارہ یا کنواری (BACHELOR) ہو۔ مگر اس کا صحیح معنی راند یا مطلقہ ہے اور اس

کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا وَالْبَكَرُ تَسْتَشَارُ یعنی نکاح کے سلسلے میں راند یا مطلقہ عورت اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا خود حق رکھتی ہے کہ وہ کس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے اُسے زبان سے بول کر بتانا ہوگا کہ اُسے فلاں کے ساتھ نکاح منظور ہے یا نہیں البتہ بکر یعنی کنواری عورت کے ساتھ مشورہ کیا جائے گا۔ اگر وہ زبان سے کچھ جواب نہ دے تو اس کی خاموشی بھی اس کی رضا تصور ہوگی۔ ہاں اگر وہ مجوزہ نکاح سے انکار کرنے لے تو پھر اُس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں ایتیم

کو بکر کے مقابلے میں لا کر معنی واضح کر دیا گیا ہے۔

فرمایا نہ صرف آزاد بنے نکاحوں کے نکاح کرادو بلکہ تمھارے غلام اور اور لونڈیاں بھی اگر باصلاحیت ہیں تو ان کو بھی نکاح سے محروم نہ رکھو صلاحیت سے مراد یہ ہے کہ وہ نیک ہوں اور نکاح کے بعد مالک سے بغاوت کرنے کا خدشہ نہ ہو بلکہ وہ اسی طرح خدمت کرتے رہیں تو ان کو بھی رشتہ ازواج میں شمار کر دو۔

نکاح کی  
اہمیت

قرآن و سنت میں جہاں نکاح کی توجہ غیب دی گئی ہے وہاں اس کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضور کا ارشاد مبارک ہے کہ نکاح کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت عیاضؓ اپنے خاندان کے لوگوں سے کہتے تھے کہ میرا نکاح کرادو کیونکہ میں نے اپنے آقا علیہ السلام سے سنا ہے کہ، آپ فرماتے تھے کہ تم اللہ سے ایسی حالت میں ملو کہ مجھ نہ ہو۔ اللہ کو تجھ کی زندگی پسند نہیں۔ منداحمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَا فِي الْجَنَّةِ أَغْرَبُ یعنی کوئی مجھ و جنت میں نہیں ہوگا بلکہ سب شادی شدہ ہوں گے۔ ترمذی شریف کی ایک روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے نکاح کی نصیحت کی تھی عَنِ النَّبِيِّ قَطَعَ تَعْلُقِي، قَطَعَ نِكَاحَ يَتَجَرَّدُ كِي زَنْدَكِي سَے مَنَعُ فَرَمَا يَہُ بَعْضُ صَحَابَہُ نَے خُصِي ہونَے كَے لِيَے آپ سَے اِجَازَت طَلَب كِي تُو آپ نَے فَرَمَا كَہ مِيرِي اَمَت كَے لَوگوں كَے لِيَے اِيَا كَہ نَا جَائِز نَہِيں ہِے۔ اَكِر شَهَوَت كَا غَلِبَہ ہُو اُو ر كُوْنِي شَخْص نِكَاح كِي طَاقَت نَہ رَكھتا ہُو تُو چَاہِيے كَہ وَہ رُوْزَے رَكھے كِيونكہ خَصَمَاءُ اُمَّتِي الصِّیَّامُ مِيرِي اَمَت كَا خُصِي ہونا رُوْزَے رَكھنا ہِے كَہ رُوْزَے شَهَوَانِي طَاقَت مِیں كَمِي كَہ دِيْتِے ہِيں۔ صَحِيحِيْن كِي رُوَايَت مِیں حُضُوْر عَلِيْہ الصَّلَوة وَ السَّلَام كَا يَہ اِرْشَاد بَہِي ہُو جُوْد ہِے يَا مَعْشَرَ الشَّيَابِ مَن اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ اَنْ يَنْزَوِّجَ فَلْيَنْزَوِّجْ اے نوجوانوں كَے كِرُوہ! تُم مِیں سَے جُو كُوْنِي نِكَاح كَرنَے كِي اسْتَطَاعَت رَكھتا ہِے اُسَے ضرور نِكَاح كَہ لِيَا چَاہِيے۔ فَيَا نَہْ اَغْضُ لِلْبَصَرِ وَاَحْصِ لِلْفَرْجِ كِيونكہ نِكَاح اِنْسَان كِي آنكھوں كو

۱۔ ترمذی ص ۱۷۱ ۲۔ ترمذی ص ۱۷۱ ۳۔ بخاری ص ۵۸۸ ۴۔ ترمذی ص ۱۷۱ (فاضل)



پست رکھنے اور اعضائے مستورہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی نکاح کی طاقت نہیں رکھنا، مکان نہیں ہے، پس اندازہ کچھ نہیں یا روزگار نہیں ہے فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ اُسے چاہیئے کہ وہ روزے رکھے، کیونکہ فَانَّهُ لَهٗ وَجَاءَ یہ اُس کے مادہ شہوت کو کچل کر رکھ دیں گے۔ بہر حال اللہ نے بے نکاح مردوں اور عورتوں کو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ کنوارے ہوں، مطلقہ یا راندہ ہوں۔ جو لوگ نکاح ثانی کو مستحب سمجھتے ہیں۔ وہ غلط کار ہیں نکاح ثانی کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ پہلے نکاح کی طرح دوسرا نکاح بھی ضروری فرمایا، اپنے بے نکاح آزاد مردوں اور عورتوں کے نکاح کرادو۔ حتیٰ کہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کرادو کہ اس کا فائدہ یہ ہوگا اِنْ يَّكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے گا۔ جو لوگ نکاح سے پہلے محتاج ہیں، ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے بعد بھی محتاج رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فقر کو فراخی میں تبدیل کرنے پر قادر ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں احساس ذمہ داری اور پھر فکری معاش پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دین پھیر دے اور وہ آسودہ حال ہو جائے، لہذا محض محتاجی کی بناء پر نکاح میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ فقر و غنی تو کسی اور قانون کے تحت چلتا ہے۔ یہ چیز نکاح میں حائل نہیں ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ رزق میں وسعت پیدا کر دے گا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر شخص کے حالات سے واقف ہے اور اس نے ہر ایک کے لئے تنگی اور فراخی کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ لہذا نکاح کا پیغام ملنے پر مال و دولت کی طرف نہ دیکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے بلکہ صلاحیت کو دیکھو۔ اگر صلاحیت ہے تو نکاح کر دو، اللہ تعالیٰ وسعت بھی پیدا کر دے گا۔ اگر کوئی صلاحیت سے محروم ہے، جسمانی طور پر معذور ہے تو لا محالہ اُس کو نکاح نہیں کرنا چاہیئے کہ اس سے فریق ثانی کو

نکاح کی  
حکمت

بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ فلسفہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و زن پر شہوت کا مادہ مسلط کیا ہوا ہے۔ جس طرح انسان کے لیے کھانا پینا مطلوب ہوتا ہے، اسی طرح اس کی جنسی خواہشات کی تکمیل بھی ضروری ہے اور اس کام کے لیے اُسے آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا کہ جہاں چاہے شہوت کو پورا کرنا پھرے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے برخلاف انسان کو نکاح کا پابند بنایا ہے۔ نکاح کی وجہ سے انسان پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور وہ بہت سی قباحتوں سے بچ جاتا ہے۔ نکاح کرنے سے انسان قوانین کا پابند ہو جاتا ہے اور یہی چیز نسل انسانی کی بقا کا ذریعہ بنتی ہے۔ اگر نکاح نہیں کیا تو صرغم نسل پیدا ہوگی، اخلاق تباہ اور نسل گندی ہو جائیگی۔ اسی لیے اللہ نے نکاح کو عام کرنے کا حکم دیا ہے۔ نکاح کے علاوہ قصائے شہوت کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ لواطت، ہشت زنی یا جانوروں کو تختہ مشق بنانا کسی طور پر جائز نہیں۔

اگر زنا کا انداد مطلوب ہے تو پھر نکاح کو عام کر دو۔ نکاح کے راستے میں مشکلات پیدا کرنا اور اس پر ناروا پابندیاں عاید کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ ہمارے ملک میں باطل رسومات نے نکاح کو ایک مشکل مسئلہ بنا دیا ہے۔ زیورات کی فرمائش، حق بھر کی زیادتی اور جہیز کی لعنت کی وجہ سے نکاح میں بلا وجہ دیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ خاندانی پابندیاں اور رسم و رواج بھی نکاح کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ جب تک نکاح کی اصل روح کے مطابق اسے عام نہیں کیا جائے گا معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوتی رہیں گی حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ تین چیزوں میں کبھی دیر نہ کر دو۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہو جائے تو دیر نہ کر دو، فوراً ادا کر لو۔ پھر فرمایا، جب جنازہ تیار ہو جائے تو اس کے کفن دفن میں دیر نہ

کرم و اَزَیْمَہ۔ اَوْجَدْتُ لَهَا کُفُوًا جِب ہمسرا مل جائے تو پھر نکاح کرنے میں بھی دیر نہ کرو۔

حضرت علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں کی امداد فرماتا ہے۔ پہلا شخص وہ ہے یرید العفاف جو اس غرض سے نکاح کرتا ہے کہ اُسے پاکدامنی نصیب ہو اور وہ برائی سے بچ جائے۔ دوسرا شخص مکاتب غلام ہے جو آزادی حاصل کرنے کی فکر میں لگتا رخصت کرتا ہے۔ اور تیسرا شخص وہ ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مدد فرماتا ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے اور اگر ثنوت کا غلبہ ہو تو نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک عام فہم بات ہے کہ جو شخص پیٹ بھر کر کھانا کھائے یا اُسے دوسرے کے کھانے کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ بھوکا ہے اور اُسے روٹی میسر نہیں آرہی تو وہ دوسرے سے چھیننے کی کوشش بھی کرے گا۔ نکاح کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جو شخص حلال طریقے سے نکاح کرے گا۔ وہ غیر محرم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھے گا۔ اس کے برخلاف نکاح سے محروم شخص کے لیے ہر وقت برائی میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوگا۔

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت عکافؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا، کیا تمھاری بیوی ہے؟ اُس نے عرض کیا، نہیں پھر پوچھا، کیا مال ہے؟ عرض کیا، ہر قسم کا مال منجملہ بھیر بھیریاں، اونٹ، مال تجارت اور لونڈی غلام وغیرہ بھی ہیں۔ پھر پوچھا کیا تمھارے پاس کوئی شرعی لونڈی ہے اُس نے نفی میں جواب دیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنْتَ مِنْ اِخْوَانِ الشَّيَاطِينِ تم تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ جب تم تندرست ہو، تمام وسائل میسر ہیں تو پھر نکاح کیوں نہیں کرتے؟ نکاح نہیں کرو گے، تو برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول نے نکاح کو عام کرنے کا حکم دیا

لے احکام القرآن للجصاص ص ۱۶۶ وفتح القدیر ص ۱۶۶ (فیاض)

پاکد امنی پر

ہے۔ تاکہ لوگ اپنی فطرتی خواہش کو فرو کردہ کے بدکاری اور بے حیائی سے نہ  
 آگے نہ گھومیں۔ دوسرا حصہ یہ بیان فرمایا ہے وَلَيْسَتْ عِفَّتُ الَّذِينَ  
لَا يَبْرُونَ بِصَاحِبٍ اور چاہیے کہ پاکد امن رہیں وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت  
 نہیں رکھتے۔ اگر رہنے کے لیے مکان نہیں۔ مہر کے لیے رقم نہیں۔ درمیانی کے  
 لیے نان و نفقہ کے لیے بھی وسائل موجود نہیں تو فرمایا نکاح کے بغیر پاکد امن بن  
 کر رہو اور شدت مشہوت سے مغلوب ہو کر کہ کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔ اپنے  
 آپ پر ضبط کرو اور زنا جیسی قبیح خصلت میں ملوث نہ ہو۔ ایسے حالات میں مشہوت  
 پر قابو پانے کے لیے نفلی روزے رکھنے کا حکم ہے۔ عبادت میں مصروف  
 رہو تاکہ غلط کام کی طرف تمھاری توجہ ہی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اچھی سوسائٹی میں  
 نشست و برخاست رکھو تاکہ تمھیں نیکی کی بات حاصل ہو اور برائی سے بچ سکو۔  
 بہر حال بے لگام ہونے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے۔ اگر وسعت  
 ہے تو نکاح کرو ورنہ اپنے آپ پر کنٹرول کرو۔ اور پاکد امنی کی زندگی بسر کرو۔  
 فرمایا چاہیے کہ عفت اختیار کریں وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے  
حَتَّىٰ يَغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل  
 سے مستغنی کر دے۔ جب تک حالات درست نہیں صبر کرو اور جب استطاعت  
 پیدا ہو جائے تو پھر نکاح کرو۔



وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ  
فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَالَّذِينَ  
مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ لَا تُكْرِهُوا فَتِيكُمُ  
عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْمَنْ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ  
بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۳۳)  
إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا لِّلَّذِينَ  
خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۳۴)

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو تلاش کرتے ہیں (خواہش رکھتے ہیں)۔

مکاتبت کی تمھارے غلاموں میں سے، پس مکاتبت کرو ان کے

ساتھ اگر تم ان میں بہتری سمجھو۔ اور دو ان کو اللہ کے مال میں

سے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں

کو بدکاری پر جب کہ وہ پاکدامنی کی خواہشمند ہیں، تاکہ تم تلاش

کرو دنیا کی زندگی کا سامان اور جو شخص مجبور کر لگا ان کو، پس

بیشک اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشش کرنے

والا اور مہربان ہے (۳۳) اور البتہ تحقیق ہم نے نازل کی ہیں

تمھاری طرف کھلی آیتیں اور کچھ حال ان لوگوں کا جو تم سے پہلے

گزرے ہیں، اور نصیحت متقیوں کے لیے (۳۴)

رابطہ آیت

اس آیت کے پہلے حصے میں پاکہ امنی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اور اس سے پہلے نکاح کو عام کرنے کا قانون بیان کیا گیا تھا۔ فرمایا تم میں سے جو بے نکاح ہوں اور مختار سے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو باصلاحیت ہوں ان کے نکاح کرادو۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں مستغنی کر دے گا۔ اور جو لوگ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے ان کو پاکہ امن بن کر رہنا چاہیے اور اپنے آپ پر ضبط کرنا چاہیے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے اور وہ نکاح کرنے کے قابل ہو سکیں۔

مکاتبت کی  
تعریف

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکاتبت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ مالک اور مملوک کے درمیان تحریری معاہدہ ہو جائے کہ اگر کسی کا غلام یا لونڈی اپنے مالک کو اثنا مال ادا کر دے تو وہ اسے آزاد کر دے گا۔ اس قسم کے معاہدہ میں کل مال کی ادائیگی کے لیے مدت بھی مقرر کی جا سکتی ہے اور اسے گھٹا بھی چھوڑا جاسکتا ہے کہ جب بھی اس قدر مال کی ادائیگی ہو جائے گی تو فلاں آزاد ہو جائے گا۔ اب تو شخصی غلامی کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہے، پرانے زمانے میں یہ عام دستور تھا کہ اس قسم کے معاہدے کے بعد متعلقہ لونڈی یا غلام کو کاروبار کے لیے آزاد کر دیا جاتا تھا تا کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ جو کام چاہے کرے اور مطلوبہ رقم مالک کو دے دیا کہے۔ تاہم جب تک کل مال ادا نہیں ہو جاتا تھا۔ وہ شخص غلام ہی تصور ہوتا تھا۔ اگر اس دوران غلام مر جاتا تو اس کے ترکہ کا جائزہ لیا جاتا اگر اس سے مطلوبہ مال مہیا ہو جاتا تو وہ مالک وصول کر لیتا اور غلام آزاد تصور ہوتا اور اگر مطلوبہ مال پورا نہ ہوتا تو پھر اسے غلامی کی موت سمجھا جاتا۔

جمہور علماء کہتے ہیں کہ مکاتبت ضروری نہیں بلکہ استحباب کے درجے میں ہے۔ تاہم بعض فرماتے ہیں کہ اگر غلام خواہش کرے تو مالک کے لیے مکاتبت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بہر حال مکاتبت کا طریقہ آزادی کی طرف ایک قدم تھا اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ یہاں پر ملکِ مبین کا ذکر ہے جو غلام

اور لونڈی دونوں کے لیے آتا ہے، تاہم عام طور پر مکاتبت غلام کے ساتھ ہی ہوتی تھی۔

غلامی کا  
عالمگیر رواج

دنیا میں غلامی کا رواج ہزاروں سال تک چلتا رہا ہے اور نزولِ قرآن کے زمانے میں بھی یہ رواج پوری دنیا میں موجود تھا۔ پرانے زمانے میں مختلف اقوام کے درمیان جنگ ہوتی تھی جس کے نتیجے میں فریقین کے کچھ لوگ مارے جاتے اور کچھ قیدی بنا لیے جاتے۔ جنگ کے اختتام پر قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ ہوتا۔ جس کی عام طور پر چار صورتیں ہوتی تھیں۔ پہلی صورت یہ تھی کہ جنگ کے دونوں فریق جنگی قیدیوں کا تبادلہ کر لیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ قیدیوں کو فدیہ (معاوضہ) لے کر رہا کر دیا جائے یا بلا منہ و ضمہ چھوڑ دیا جائے، تیسری صورت یہ تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور چوتھی صورت یہ کہ انہیں لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اس طرح بنائے گئے لونڈی غلام جس جس شخص کے حصے میں آتے تھے وہ اُن کا مالک سمجھا جاتا تھا اور لونڈی غلام کی حیثیت ایک عام مال کی ہو جاتی تھی۔ مالک اُن سے ہر طرح کی خدمت لے سکتا تھا اور دیگر مالی کی طرح اُن کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد بھی غلام اور لونڈیاں بن جاتے تھے اور اس طرح دنیا بھر میں لونڈی غلام کا وسیع سلسلہ رائج تھا۔ جب اسلام آیا تو اس نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا بلکہ اسے روارکھا البتہ اس کے خاتمے کے لیے بہت سی ترغیبات پیدا کی گئیں۔

کفر و اسلام کی جنگوں کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ بھی بہت سے قیدی آتے اسلامی حکومت ان قیدیوں کو بطور لونڈی یا غلام مجاہدین میں تقسیم کر دیتی۔ حاصل کرنے والا شخص چاہتا تو غلام کو آزاد کر دیتا یا اُس سے خدمت لیتا رہتا یا اُسے فروخت کر دیتا۔ کسی لونڈی کا کسی شخص کی ملکیت میں آنا نکاح کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے کیونکہ نکاح کے ذریعے بھی کوئی عورت کسی مرد کی ملکیت میں دے دی جاتی ہے۔ تو لونڈی کا مالک بغیر نکاح کیے اُس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگر کوئی لونڈی پہلے سے منکوحہ ہو تو اس سے استفادہ حاصل کرنے سے

پہلے عبور کی تکمیل ضروری ہے۔ اور اگر لونڈی حاملہ ہو تو وضع حمل تک مالک اس سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ مالک اپنی خوشی سے لونڈی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے بھی کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لونڈی سے عام خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس کے خاوند کے حق میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

اسلام نے اس نظام میں اصلاح کی۔ غلاموں کو ان کے حقوق دلوائے۔ ان پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ لوگوں کو یاد رکھنا کہ غلامی ایک غیر فطری چیز ہے کیونکہ فطری طور پر ہر انسان آزاد ہے۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے ترغیب دی اور اس کے لیے بہت سے مواقع پیدا کیے۔ چنانچہ قسم توڑنے کے کفارے کے طور پر جتنی چیزیں بیان کیں ان میں غلام کی آزادی سر فہرست ہے۔ روزے کے کفارے میں بھی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اگر اتنی طاقت نہ پائے تو ساٹھ متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اگر کوئی شخص ظہار کا مرتکب ہو یعنی اپنی بیوی کو ماں بہن کے ساتھ تشبیہ دے، تو اگرچہ ایسا کہنے سے طلاق تو واقع نہیں ہوتی مگر جب تک کفارہ ادا نہ کرے بیوی کے قریب نہیں جاسکتا۔ اس کفارے میں بھی پہلا غیر غلام کی آزادی ہے۔ اسی طرح قتلِ خطا میں دیت کے علاوہ کفارہ بھی ادا کرنا ہوتا ہے جو کہ ایک غلام کی آزادی ہے۔ ترغیب کے سلسلہ میں قرآن پاک نے غلام کی آزادی کو فکْر رَقَبَةٍ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۃ البدر میں ہے کہ لوگ اونچی گھاٹی پر کیوں نہیں چڑھتے؟ آگے فرمایا یہ اونچی گھاٹی کیلئے ہے؟ یہ غلام کی آزادی ہی تو ہے مطلب یہ کہ غلام کی آزادی بہت بڑا کارنامہ ہے جسے اہل ایمان کو سر انجام دینا چاہیئے الغرض اسلام نے غلام کی آزادی کے راستے کو مختلف طریقوں سے ہموار کیا ہے تاکہ یہ رواج ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ یہ تو اس زمانے کی بات ہے۔ آج دنیا میں دیکھ لیں کہ اس طرح کی شخصی غلامی کا رواج بالکل ختم ہو چکا ہے۔

اسلام پر اکثر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس نے غلامی کو رواج دیا ہے جو کہ



اچھا نہیں ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو صرف جائز قرار دیا ہے، اس کو برداشت کیا ہے مگر اس کو لازم قرار نہیں دیا۔ اس کی بجائے اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لیے طرح طرح کی ترغیبات دی ہیں اور جیسا کہ پہلے بیان کیا ان کی آزادی کے لیے کئی ایک صورتیں نکالی ہیں۔ آیت زیر درس میں بیان کردہ مکاتبت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک ذریعہ ہے جس کی نہ صرف ترغیب دی گئی ہے بلکہ اللہ کے دیے ہوئے مال سے خرچ کر کے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا گیا ہے، یعنی اگر کسی غلام کو مکاتبت کے لیے مالی امداد کی ضرورت ہو تو اس سے دریغ نہ کرو، سورۃ توبہ میں اللہ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں جن میں ایک مصرف فی الرقاب بھی ہے یعنی غلاموں کی آزادی کے لیے بھی زکوٰۃ کا مال صرف کیا جاسکتا ہے۔

اجتماعی غلامی  
کی لعنت

جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت دنیا میں شخصی غلامی تو کہیں نہیں پائی جاتی، البتہ اجتماعی غلامی عام ہے جو کہ شخصی غلامی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتوں نے غریب اور چھوٹے ملکوں کو اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی غلامی میں جکڑ رکھا ہے۔ اقتصادی غلامی کا یہ حال ہے کہ امداد کے نام پر قرض دیا جاتا ہے جس پر سود بھی وصول کیا جاتا ہے۔ آج ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ مقررہ منہج کے تحت اس جال میں اس قدر جکڑے جا چکے ہیں کہ اب انہیں صرف سود کی ادائیگی کے لیے ہر سال اربوں ڈالر کے نئے قرضے لینے پڑتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو ملک ایک دفعہ اقتصادی غلامی میں جکڑا گیا وہ کبھی بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ خود پاکستان اسی مرض میں مبتلا ہے۔ ہر آنے والی حکومت نے قرضوں پر انحصار کیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ پاکستان کا ہر فرد لاکھوں کروڑوں ڈالر کا مقررہ قرض ہے اور اس جال سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اب بات یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ ملک کا سالانہ بجٹ بھی بڑی طاقتوں کے مشورے سے بنتا ہے۔

سیاسی غلامی کا بھی یہی حال ہے۔ ہر زیر دست ملک زبردست طاقتوں کا سیاسی غلام ہے۔ اُوپروالوں کی سررضی کے بغیر نہ کوئی حکومت بن سکتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔ تمام بین الاقوامی امور بڑی طاقتوں کے مشورے کے مطابق طے پاتے ہیں۔ اگر کوئی ملک اپنی پالیسی بنانا چاہے تو اُسکی امداد روک کر اُسے ہر بات ماننے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ دنیا میں کتنے بین الاقوامی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جو مسئلہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین باہمی رضامندی سے حل کرنا چاہتے ہیں، وہ حل ہو جاتا ہے اور جو نہیں کرنا چاہتے اُسے ویٹو کر دیا جاتا ہے۔ کتنے کو تو اقوام متحدہ (U.N.O) میں تمام ممالک کو یکساں نمائندگی حاصل ہے۔ مگر علی طور پر چھوٹے اور غریب ملکوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ عرب ممالک اقتصادی طور پر نہایت طاقتور ہونے کے باوجود بڑی طاقتوں کے زیر نگر ہیں۔ عربوں کی دولت امریکہ کھاتا ہے مگر جب فلسطین کا مسئلہ آتا ہے تو اسرائیل کی حمایت کرتا ہے۔ اگر عربوں کے حق میں کوئی قرارداد پیش بھی ہو جائے تو بڑی طاقت ہونے کے باوجود اسے مسترد (ویٹو) کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے اور کہاں کی سیاسی آزادی ہے۔؟ اتنی دولت ہونے کے باوجود عرب ممالک تیل نکالنے کے لیے انگریزوں کے محتاج ہیں۔ عربوں میں تو آج تک ایک انجنیئر نہیں پیدا ہونے دیا جو تیل کا کنواں ہی کھدوا سکے۔ ساری ٹیکنالوجی اور افرادی قوت تو باہر سے آتی ہے اور عرب امیر ترین ممالک ہونے کے باوجود بے بس ہیں۔ کیا یہ اجتماعی غلامی نہیں ہے؟ انگریزوں نے دنیا بھر کو دو سو سال تک اجتماعی غلامی میں جکڑے رکھا۔ لوگوں کے مذاہب کو بگاڑا، ملکوں کو متس نہس کر دیا۔ اُنکے راستے میں مصنوعی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ مسلمان قوم کو خاص طور پر تختہ مشق بنایا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ برصغیر میں مسلمانوں کو تختہ دار پر چڑھایا گیا اور انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ سب اجتماعی غلامی کی مثالیں ہیں جو دنیا میں آج بھی موجود ہیں۔

اس اجتماعی غلامی میں مغلوب قوموں کا اخلاق اور تہذیب بھی تباہ ہو جاتی ہے

معاشرتی طور پر ان کے عادات و خصائل بدل جاتے ہیں؛ لوگ مذہب سے بیگانہ ہو جاتے ہیں، اپنے رسم و رواج مجھول جاتے ہیں اور غالب اقوام کی ادائوں پر ہی فخر کرنے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ انہی کی زبان اور عقل کے اخلاق کو اپنانے میں بڑائی سمجھتے ہیں۔ اپنی زبان تک مجھول جاتے ہیں۔ برصغیر میں یہی کچھ ہوا ہے۔

پاکستان کو آزادی حاصل ہونے بھی چالیس سال ہو چکے ہیں مگر آج بھی ہم انگریزی زبان سے چھڑکارا حاصل نہیں کر سکے۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزی ایک وسیع زبان ہے مگر عربی، فارسی اور اردو اس سے کسی طرح بھی کم نہیں ہم آج تک نہ ذریعہ تعلیم کو بدل سکے ہیں اور دفتری کاروبار میں اپنی قومی زبان رائج کر سکے ہیں۔ ہر آمدہ حکومت اپنی ثقافت کو اپنانے کے بلند بانگ دعوے کرتی ہے مگر عملاً کچھ نہیں ہوتا، ہم آج تک قانون، سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنی قومی زبان میں نہیں ڈھال سکے، عربی اور فارسی بھی عظیم زبانیں ہیں، ان کو کیوں ترقی نہیں دی جاتی؟ اگر حیدر آباد دکن میں قانون، سائنس اور طب کی تعلیم اردو میں ہو سکتی ہے تو یہاں کیوں نہیں ہو سکتی؟ اگر روسی، جرمنی اور فرانسیسی زبانیں اس قابل ہیں کہ ان کے تمام امور انہی زبانوں میں انجام پاتے ہیں تو ہم محض انگریزی پر انحصار کر کے کیوں بیٹھ گئے ہیں؟ عربی مدارس کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، جب تک اس کے ساتھ میٹرک تک انگریزی تعلیم نہ ہو۔ اس کے بغیر نہ فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں، نہ دفتروں میں مقام حاصل کر سکتے ہیں اور نہ محکمہ تعلیم میں تدریس کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ محض انہی کی تہذیب و تمدن اور ان کی ذہنی غلامی کا اثر ہے کہ مغلوب اقوام اپنا سب کچھ مجھول کر انہی کے رنگ میں رنگی جاتی ہیں۔ یہی اجتماعی غلامی ہے جو شخصی غلامی سے بھی بدتر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ  
اَیْمَانُكُمْ تَحْتَاہُ جو غلام مکاتبت اختیار کرنا چاہیں یعنی مال کے بدلے میں آزادی

مکاتبت کے  
ساتھ مالی  
تعاون

حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں۔ اُن کے متعلق فرمایا فَكَارَبُوهُمْ رَأَتْ  
 عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا پس اگر تم اُن میں بہتری معلوم کرو تو انہیں مکاتبت  
 کا حق دے دو یعنی ان کے ساتھ اس قسم کا معاہدہ کر لو کہ وہ مقررہ رقم ادا کر کے آزاد  
 ہو جائیں۔ بہتری معلوم کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے غلاموں کی اچھی طرح  
 پچھان بین کر لو اور ان کی صلاحیت کو جانچ لو کہ آزاد ہو کر اور نکاح کیے کے ثمرات  
 کی زندگی بسر کریں یا بدکاری اور فحاشی کا سبب بنیں گے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ آزاد  
 ہو کر یہ معاشرے کے بہتر فرد ثابت ہوں گے تو اُن سے نہ صرف مکاتبت  
 کا معاہدہ کر لو بلکہ وَاقُوْهُمْ مِّمَّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتٰکُمْ جُوْا ل  
 تمہیں اللہ نے دیا ہے اس میں سے ایسے مکاتیب کو بھی ادا کر دو تاکہ وہ جلد  
 سے جلد مقررہ رقم ادا کر کے آزادی کی نعمت حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ  
 اس قسم کا مالی تعاون خود مالک سے تو توقع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اسے تو یہ مال وصول  
 کرنا ہے لہذا اس حکم کے مخاطب عام صاحب ثروت مومن ہیں کہ اس قسم کے  
 باصلاحیت لوگ اگر غلامی کا جوا اتار چھیننا چاہیں تو اُن کی مدد کرو۔ یہ بھی غلامی کے  
 خاتمے کی اللہ نے ایک صورت بیان فرمائی ہے۔

مختلف نظام  
 ہائے معیشت

آیت کے ان دو جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معیشت کے اہم مسئلہ کی طرف  
 توجہ دلائی ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں دو بڑے معاشی نظام رائج ہیں۔ ایک  
 سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM) ہے جب کہ دوسرا اشتراکی

نظام (SOCIALISM) ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا خلاصہ یہ ہے  
 کہ اس میں شخصی ملکیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ جو آدمی جتنا چاہے کھائے، جائدار  
 پیدا کرے اور جتنا چاہے خرچ کرے اس پر کوئی پابندی نہیں سولے اس کے  
 کہ وہ حکومت کو مقررہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ اس نظام میں بنیادی خرابی یہ ہے  
 کہ نہ تو اس کے ذرائع آمدنی پر جائز و ناجائز کی پابندی ہے اور نہ اس کے اخراجات  
 پر کسی حلت و حرمت کا اطلاق ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص بدترین



قسم کا کاروبار کرتا ہے یا کوئی عورت قحجہ گری کے ذریعے دولت کمانا چاہتی ہے تو اسے لائسنس مل جائے گا اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی دولت عیاشی، فحاشی، جوئے اور حرام کاری پر خرچ کرتا ہے تو بھی اس پر کوئی قید غن نہیں۔ اس وقت امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، پاکستان اور ہندوستان غرضیکہ تقریباً نصف دنیا میں یہی سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے دوسری طرف اشتراکی نظام ہے۔ جو روس، چین اور دیگر ممالک میں رائج ہے اس میں قباحت یہ ہے کہ اس نظام میں شخصی ملکیت کا کوئی تصور نہیں بلکہ ہر چیز حکومت کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ نہ زمین کسی کی شخصی ملکیت میں ہوتی ہے نہ مکان نہ کارخانہ اور نہ تجارت، تمام وسائل آمدنی حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں اور کارکن اپنی محنت کے مطابق معاوضہ پلتے ہیں یہ بھی غیر فطری نظام ہے۔ اور اس کی بنیاد بے دینی پر ہے اس نظام کے پیروکار کسی آسمانی کتاب یا شریعت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے بقول مذہب کا سارا سلسلہ ہی باطل ہے کہتے ہیں کہ مذہب ایک قسم کی افیون ہے جو لوگوں کو قابو رکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

یہ دونوں نظام لعنتی ہیں اور اسلام کا معاشی نظام ہی فطرت کے عین مطابق اور صحیح ہے۔ اسلامی نظام معیشت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کا حقیقی مالک تو خدا تعالیٰ ہے مگر اس نے عارضی طور پر انسانوں کو بھی مالک بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے لوگوں کو کسب صرف میں آزاد نہیں چھوڑا کہ جس طرح چاہے کمائے اور جہاں چاہے خرچ کرے، بلکہ مال کے کمانے اور اس کو خرچ کرنے پر حلت و حرمت اور جائزہ و ناجائزہ کی پابندیاں بھی عائد کی ہیں۔ اسلام نے مال کو جمع کرنے پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کے حقوق ادا کرنے کا پابند ضرور بنایا ہے۔ اسلام حلال اور جائز ذرائع سے ہی مال حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور چوری، دہکتی، سمگلنگ، قحجہ گری، فوٹو گرافی





بتایا ہے۔ پھر غرض بصر کی تعلیم دے کر پردے کے احکام نازل فرمائے ہیں، پاکدامنی کی تاکید کی ہے۔ یہ تمام احکام و قوانین ایسے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور ان پر عمل درآمد میں کوئی چیز مانع نظر نہیں آتی۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف بالکل واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں تاکہ تم ان پر عمل پیرا ہو کہ ہر قسم کی خسرانی سے بچ جاؤ۔

سابقہ واقعات  
بطور نصیحت

اس آیت میں اللہ نے دوسری بات یہ بیان کی ہے وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكَمُ اللَّهُ تَعَالٰی نے اُن لوگوں کی کچھ مثالیں اور حال بھی بیان کیا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ واقعات تمہارے سامنے بطور نمونہ ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر اور سن کر تم عبرت حاصل کر سکو۔ ان عبرت آموز واقعات میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اہتمام ہے جو منافقین نے لگایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بیعت فرمائی۔ بالکل اسی قسم کا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا جب زلیخا نے آپ پر زیادتی کا الزام لگایا مگر زلیخا کے خاندان کے ایک بچے نے آپ کی پاکدامنی کے حق میں بیان ادیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر حضرت مریمؑ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور انہیں بدکاری کے جرم میں مہتمم کیا گیا مگر خود عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر آپ کی بیعت کر دی۔ بہر حال ناجائز طور پر متہم کرنے کی یہ مثالیں تاریخ عالم میں موجود ہیں جن کی طرف اشارہ کر کے اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے سامنے سابقہ لوگوں کی کچھ مثالیں اور واقعات بھی بیان کیے ہیں جن میں عبرت کا سامان ہے۔ نِزْرٌ وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ اور متقینوں کے لیے نصیحت بھی ہے۔ اس قانونِ زنا و قذف کے ذریعے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار! کسی بگناہ پر تہمت نہ لگانا۔ اگر ایسا کرو گے تو قانون کی رو سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے جس سے دنیا میں رسوائی ہوگی اور اگر توبہ نہیں کرو گے تو آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔



اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ  
 فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ  
 دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ  
 وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ  
 نَارٌ ۖ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَيَضْرِبُ اللَّهُ  
 الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۳۵

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نور ہے آسمان کا اور زمین کا۔ اُس کے  
 نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ  
 ہو۔ اور چراغ شیشے میں رکھا ہوا ہو۔ اور شیشہ بھی ایسا چمکیلا  
 گویا کہ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ جس کو جلایا جاتا ہے  
 ایسے تیل سے جو زیتون کے مبارک درخت سے حاصل کیا  
 گیا ہو، جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ قریب  
 ہے کہ اُس کا تیل چمک اٹھے اگرچہ نہ پہنچے اُس کو آگ، روشنی  
 پر روشنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اپنی روشنی کے لیے  
 جس کو چاہے۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے  
 لیے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۝۳۵

رابطہ آیات  
 اس سورۃ میں پہلے اللہ نے حدود کا ذکر کیا، پھر واقعہ انکسار بیان ہوا۔ اس کے  
 بعد مسلمانوں کے نظامِ عفت و عصمت کے مختلف قوانین بیان ہوئے۔ دوسروں کے

گھروں میں جانے کے آداب بیان ہوئے، غیر محرموں اور اجنبیوں سے ملاقات کے وقت نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہوا، عورتوں کے لیے پردے کے خصوصی احکام دیے گئے کہ وہ اپنی زیب و زینت کو محرموں کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ پھر اللہ نے نکاح کرنے کی ترغیب دی تاکہ سوانحی میں بدکاری کا سلسلہ پیدا نہ ہو۔ اور نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو معاشرے میں پاکدامن بن کر رہنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مکاتبت کا قانون بیان ہوا۔ کہ اس معاملہ میں غلاموں کے ساتھ مالی تعاون کرو جو لوگ اپنی لونڈیوں سے بدکاری کے ذریعے مال کما چاہتے تھے ان کی مذمت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے نصیحت کے طور پر فرمایا کہ ہم نے تمام واضح احکام نازل کر دیے ہیں اور پہلے لوگوں کی بعض مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں تمھارے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان ہے۔

مشکل ترین  
آیت

آج کی آیت نور قرآن پاک کی مشکل ترین آیت سمجھی جاتی ہے۔ جس میں اللہ نے اپنے آپ کو آسمانوں اور زمین کا نور قرار دے کر اُسے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ قرآن پاک میں کئی ایک چیزوں کو نور کا نام دیا گیا ہے مثلاً قرآن پاک کے متعلق فرمایا **وَإِنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا** (النار - ۱۷۵) گویا قرآن کو نور کہا گیا ہے۔ پھر آسمانی کتابوں تورات اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے۔ جیسے ارشاد ہے **إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ** (مائدہ، ۴۴) اسی طرح انجیل کے متعلق فرمایا **وَأَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ** (مائدہ، ۴۶) حدیث میں نماز کو بھی نور کہا گیا ہے **الصَّلَاةُ نُورٌ الْمُؤْمِنِينَ** (ابن ماجہ) ہدایت کو بھی نور کہا گیا ہے اور اس کے برخلاف کفر، شرک، بدعت، گمراہی اور برائیوں کو ظلمت اور تاریکی کا نام دیا گیا ہے۔

اس آیت کہیمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جس کا سمجھنا انتہائی مشکل ہے اور اس کے لیے بڑی کاوش کی ضرورت ہے

لے ابن ماجہ ص ۳۱ و تفسیر مظہری ص ۳۵، و کنز العمال ص ۲۰ ج ۷ (فیاض)

امام غزالیؒ نے اس آیت کی تشریح میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام مشکوٰۃ النور ہے۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ایک رسالہ موسومہ تفسیر آیت نور لکھا ہے۔ اس رسالہ میں چکیں مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ امام زریؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس آیت کی تشریح میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اللہ نے اپنے آپ کو آسمانوں اور زمین کا نور فرمایا ہے۔ ادھر سورج اور چاند کا اپنا نور ہے، آگ کا بھی نور ہے مگر یہ سارے نور حادث ہیں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں مگر اللہ نور قدیم ہے۔ چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس نور کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کر کے آسمانوں اور زمین کا نور فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام نے اپنے اپنے طریقے پر اس کی تشریح بیان کی تاکہ اس کا مطلب ہمارے ذہنوں کے قریب آ سکے۔

شاہ ولی  
کی تفسیر

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے فارسی ترجمہ قرآن فتح الرحمان اور اصول تفسیر کی کتاب الفوز البکیر میں اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں نور سے مراد ہادی لیا ہے۔ اور مطلب یہ نکالا ہے کہ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ اہل سماوات اور اہل ارض کو، پھر فرماتے ہیں مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلِكَوَةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اُس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے جس میں چراغ ہو۔ اس سے مراد اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہے۔ یہ نور اللہ کے نور کی تشبیہ ہے اور اصل بات یہ ہے کہ جب عبد مومن طہارت اور خدا تعالیٰ کی عبادت پر مواظبت کرتا ہے تو اُس کے اندر یہ نور پیدا ہوتا ہے اور اس کی مثال اس چراغ کے ساتھ دی ہے جس کی روشنی نہایت ہی چمکدار ہے۔ پھر اس میں جلانے جانے والے تیل کی تعریف کی ہے اور اس کی شفافیت کا ذکر کیا ہے۔ تو اس طریقے سے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نور سے مراد ہادی اور راہنما ہے۔

عبد بن عباسؓ  
کی تفسیر

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی تفسیر منقول ہے کہ انہوں نے یہ رسالہ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے شائع کیا ہے۔ (فیاض)

نے نور سے مراد ہادی لیا ہے یعنی خدا تعالیٰ زمین و آسمان والوں کے لیے ہادی اور راہنما ہے، پس وہ اللہ کے لیے ہوئے نور کے ساتھ ہی حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں، اور اس ہدایت کے ذریعے وہ گمراہی کی حیرت سے نجات پاتے ہیں۔ گویا اس نور سے وہی نور مراد ہے جس کے ذریعے مومن آدمی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے فرمودات کی تصدیق کی طرف راہنمائی حاصل کرتا ہے اور یہ نور مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ مومن کے دل میں تو پہلے سے ہی علوم و معارف اور اطمینان کا نور ہوتا ہے، پھر جب اس کے پاس باہر سے کتاب و سنت کا علم آتا ہے تو اس کی روشنی بہت بڑھ جاتی ہے۔ جسے نور علی نور کا نام دیا گیا ہے۔ گویا ایک قلب کا نور ہے اور دوسرا قرآن و سنت کا۔ مومن کے دل کے ابتدائی علوم و معارف کی بناء پر ہی حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَنَفْسَكَ وَاِنْ اَفْطَكَ الْمُفْتَوْنَ اَكْرَمَ مَفْتًی

لوگ تمہیں فتویٰ دیں مگر پہلے تم اپنے قلب اور نفس کے اطمینان کی حالت کو دیکھو اور اس سے دریافت کرو کہ وہ کیا کہتا ہے۔

ابی ابن کعب  
کی تفسیر

حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ سے مراد سینہ ہے، اور مصباح سے مراد قرآن اور شیشے سے مراد مومن کا دل ہے۔ مطلب یہ کہ مرد مومن کا قلب شیشے کی طرح شفاف ہے اور اس کے سینے میں قرآن کریم کا چراغ روشن ہے۔ فرماتے ہیں کہ مومن میں چار خصلتیں پائی جاتی ہیں (۱) جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہو تو شکر ادا کرتا ہے (۲) اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو صبر سے کام لیتا ہے (۳) جب وہ فیصلہ کرتا ہے تو عدل سے کرتا ہے۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ اور (۴) جب بات کرتا ہے تو ہمیشہ سچائی کی بات کرتا ہے، محجوث، فریب اور کذب بیانی کو قریب نہیں آنے دیتا۔ ایسا شخص نور علی نور پر ہے اور وہ پانچ قسم کے انوار سے منور ہوتا ہے۔ اس کا کلام بھی اور عمل بھی۔ اس کا کسی جگہ



داخل ہونا بھی نور ہوتا ہے۔ اور خارج ہونا بھی نور ہوتا ہے۔ اور پانچویں بات یہ کہ اس کا چلتا بھی بالانتہا نور کی طرف ہوگا یعنی قیامت والے دن وہ شخص جنت کی طرف چلے گا جو مقام نور ہے۔ گویا ایسے شخص کو ہر طریقے سے نور ہی نور حاصل ہے۔ اس تفسیر کو امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ امام ابو بکر حباصؒ پہلے نور سے مراد نور توحید اور نور ایمان لیتے ہیں جو مومن کے دل میں پایا جاتا ہے اور دوسرے نور سے قرآن مراد لیتے ہیں۔ اور اس طرح قرآن و سنت کی صورت میں آنے والا بیرونی نور نور قلب میں اضافہ کا باعث بنتا ہے صاحب تفسیر منطہری قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں کہ **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** میں نور اللہ تعالیٰ کا اسم پاک اور اس کی صفت بھی ہے۔ اللہ کے اسمائے پاک میں نور اور ہادی کے اسما آتے ہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ نور فاعل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے **اللَّهُ مُنَوِّرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آسمان اور مٹی کو سورج، چاند اور ستاروں کے ذریعے قائم کیے جانے والے نظام شمسی کے ذریعے روشن کیا ہے۔ اور زمین کی روشنی سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام، پھر ملائکہ اور پھر ایمان والوں کے ذریعے پیدا ہوتی ہے غرضیکہ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نور بمعنی منور آیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ  
پانی پتی  
کی تفسیر

امام غزالیؒ نے آیت نور کی تشریح اپنی کتاب مشکوٰۃ الانوار میں کی ہے۔

امام غزالیؒ  
کی تشریح

فرماتے ہیں کہ نور ایک ایسی چیز ہے جو خود ظاہر ہوتا ہے اندر دوسری چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور اس مقام پر **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا موجد یعنی ظاہر کرنے والا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر چیز کا موجد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات کتم عدم میں تھی اور عدم سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں۔ پھر اللہ نے عدم کے اندھیرے سے کائنات کو ظاہر کیا، اس کو وجود بخشا اور وجود نور

ہی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات خدا تعالیٰ کے وجود کا  
 عکس ہے اس طرح اللہ ہی حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی مہتی کا موجد یعنی  
 اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کائنات کا وجود دو عدموں کے  
 درمیان ہے۔ کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی عدم تھا اور اس کے فنا ہو جانے  
 کے بعد بھی عدم ہو گا، اور جو چیز دو عدموں کے درمیان ہو وہ معدوم ہی سمجھی جاتی  
 ہے۔ تو اس لحاظ سے کائنات کا کوئی وجود نہیں کیونکہ یہ بالکل عارضی ہے اور فنا ہو  
 جانے والی ہے۔ حقیقت میں وجود صرف ذات خداوندی کا ہے جو لازماً الٰہی ہے  
 بہر حال امام غزالیؒ نے نور کو موجد کے معنی میں لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات  
 کو ظاہر کرنے والا ہے، تاہم عام مفسرین نے نور کا معنی لہری کیا ہے کہ آسمانوں  
 اور زمین والوں کی رہنمائی کرنے اور ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے۔

نور  
 مدح

عربی زبان میں نور مدح کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس سے  
 مراد قبیلے کا سردار ہوتا ہے۔ مثلاً کسی قبیلے کا سردار اپنی قوم پر فخر کرتے ہوئے  
 کہتا ہے۔  
 أَلَمْ تَرَ أَنَا نُورُ قَوْمٍ وَإِنَّمَا  
 يُبَيِّنُ فِي الظُّلُمَاءِ لِلنَّاسِ نُورَهَا

کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم قوم کے نور یعنی رہنما ہیں اور ہم ہی لوگوں کے لیے اندھیروں  
 میں روشنی کی شمع جلاتے ہیں یعنی مشکلات میں ہم ہی کام آتے ہیں۔ جب بھی  
 کوئی معرکہ پیش آتا ہے تو ہم قبیلے کے فخر کو برقرار رکھتے ہیں۔ اسی طریقے  
 سے ایک شاعر نے یہ بھی کہا ہے۔

إِذَا سَارَ عَبْدُ اللَّهِ مِنْ مَرَوْكِلَةَ  
 فَقَدْ سَارَ مِنْهَا نُورُهَا وَجَالُهَا

جب عبد اللہ کسی رات مرو سے چلا جائے تو شہر کی روشنی اور خوبصورتی ہی  
 چلی جاتی ہے۔ یہ غالباً حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے بارے میں کہا  
 گیا ہے کہ آپ مرو کے رہنے والے تھے۔

اس کے علاوہ محدثین کرام نے بھی نور کی تشریح بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رات کو سو کر بیدار ہوتے تو اس طرح دعائیہ کلمات ادا فرماتے **اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيَّامُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ... الخ** اے اللہ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے۔ آپ یہ کلمات بھی ادا فرماتے تھے **اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا ... الخ** اے اللہ میرے دل میں نور ہدایت ڈال دے، اور آنکھوں اور کانوں میں نور بنادے۔ حضور تمام اعضاء کا ذکر فرماتے کہ مولا کریم! ان کو منور کر دے۔

نور الہی  
کی مثال

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ اُس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے فِيهَا مِصْبَاحٌ جس میں چراغ ہو۔ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ چراغ شیشے کی قندیل میں ہو الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ اور قندیل چمکدار ستارے کی طرح شفاف ہو۔ يُوَقَّدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زیتونہ چراغ ایسے تیل سے جلا یا جاتا ہو جو زیتون کے مبارک درخت سے حاصل کیا گیا ہو۔ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں قرآن کا نور ڈالا ہے اور آپ نہ مشرق کے ہونے والے ہیں اور نہ مغرب کے بلکہ آپ کو اللہ نے عرب کے خطہ وسطیٰ میں پیدا کیا جہاں کی بود و باش مشقت طلب تھی اور اللہ نے اس خطے میں ہدایت کے سلسلے کو جاری فرمایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے حضور علیہ السلام کا قلب مراد لیا جائے یا عام ایمان والوں کا، اس میں جس تیل کا ذکر ہے وہ باغ کے

مشرق و مغرب کی بجائے وسطی حصے سے ہو، ظاہر ہے کہ جو تیل باغ کے بیرونی گرم حصوں سے لیا جائے وہ اتنا لطیف نہیں ہوگا جتنا باغ کے وسطی حصے کے درخت سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس لیے فرمایا کہ چراغ کو ایسے درخت کے تیل سے روشن کیا گیا ہو جو نہ مشرقی ہو اور نہ غربی۔ اور وہ تیل اتنا شفاف اور لطیف ہوگا يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيُّ وَلَوْ كُنْتَ تَسْهَةً نَّارٍ قریب ہے وہ چمک لٹھے اگرچہ آگ اُس کو چھوئے بھی نہ۔ گویا اس تیل میں جل اٹھنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ بغیر آگ رکھائے جل اٹھے۔

چراغ کے  
ساتھ تشبیہ  
کیوں؟

امام ابو بکر محمد بن عبدالقادر رازیؒ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ کے ساتھ کیوں دی ہے۔ حالانکہ اُس کے مقابلے میں سورج لاکھوں کمزوروں درجے زیادہ چمکدار اور روشن ہے۔ پھر خود ہی بیان کرتے ہیں کہ نور ایمان اور توحید مومن کے قلب میں ہوتا ہے، قلب سینے میں اور سینہ انسان کے جسم میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے چراغ کی مثال ہی زیادہ موزوں ہے کہ چراغ ایک شیشے میں ہے اور شیشہ طاق میں رکھا ہوا ہے۔ یہ تشبیہ سورج کے ساتھ کسی طرح بھی موزوں نہیں ہو سکتی۔ دوسری وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح چراغ جلانے کے لیے تیل، بتی اور قندیل وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح نورِ قلب کے لیے بھی ذہن، فہم، بیداری اور انشراح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نور ایمان کو چراغ کے ساتھ ہی زیادہ مناسبیت ہے کیونکہ سورج میں یہ لوازمات نہیں پائے جاتے۔

اس تشبیہ کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ سورج کی روشنی کا رُخ عالمِ زیریں کی طرف ہوتا ہے جب کہ نورِ معرفت کا رُخ عالمِ بالا کی طرف ہوتا ہے۔ چراغ کی روشنی کا رُخ بھی چونکہ اُپر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے چراغ کی مثال بیان کی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی تو صرف دن کے وقت ہوتی ہے۔ چونکہ نورِ معرفت بھی دن رات جاری رہتا ہے، اس لیے اس کی چراغ کے



ساتھ زیادہ مشابہت ہے۔ اس تشبیہ کی پانچویں وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سورج کی روشنی اور گرمی تو مومن کافر، ملحد سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ جب کہ نور معرفت خواص کو حاصل ہوتا ہے چونکہ چراغ کی روشنی بھی عام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے ہوتی ہے، اس لیے نور کو چراغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ نور الہی کو چراغ کی بجائے شمع کے ساتھ تشبیہ دینی چاہیے تھی، مگر امام ابو بکر بن عبدالقادر رازی فرماتے ہیں کہ یہ نسبت بھی مناسب نہیں کیونکہ شمع میں روشنی والے اصل مادہ کے علاوہ ملاوٹ بھی ہوتی ہے۔ جب کہ نور ایمان کسی ملاوٹ سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ شمع کا فوری جلنا صرف اغلباً کام ہے جس میں غریب کو حصہ نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف نور معرفت زیادہ فقرا کے حصے میں آتا ہے، اس لیے بھی شمع کے ساتھ تشبیہ موزوں نہیں ہے۔

قلب کی حالت

مسند احمد میں ابوسعید خدریؓ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قلب چار قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کو قلبِ اجود کہا جاتا ہے جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے اور جس میں نور ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے یہ مومن کا قلب ہے دوسری قسم کا قلب بند قلب ہوتا ہے اور جس پر غلاف چڑھا ہوتا ہے، یہ کافر کا دل ہے جس میں ہدایت کی کوئی چیز داخل نہیں ہوتی۔ تیسرا قلب المٹ ہے جو منافق کا ہے۔ وہ حقیقت کو دل سے تسلیم نہیں کرتا، بلکہ چنانچہ کچھ انکار کر دیتا ہے۔ چوتھا دل پہلودار ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں، کسی میں ایمان ہے اور کسی میں نفاق ہے۔ ایمان کی مثال ایک پاکیزہ پودے کی ہے جسکو پانی ملتا ہے تو وہ نشوونما پاتا رہتا ہے اور خوب پھیلتا پھولتا ہے اس کے برخلاف نفاق کی مثال ایک پھوڑے کی ہے جس میں خون اور پیپ دو قسم کے مادے پائے جاتے ہیں۔ اگر خون غالب آجائے تو آدمی صحت یاب ہو جاتا ہے اور اگر پیپ غالب آجائے تو وہ مسلک ثابت ہوتی ہے، منافق کا دل بھی ایسا ہی ہے۔ اگر اس میں ایمان کو غلبہ ہو جائے تو وہ ایماندار بن جاتا ہے اور اگر نفاق

غالب آجائے تو کافر ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ  
کما فلسفہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفہیمات الیہ میں بیان کیا ہے کہ اس مقام پر قلب سے مراد قلب محمدی بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ نے سب سے زیادہ روشنی اسی قلب میں رکھی ہے۔ تاہم عام مومنین کے قلوب بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب سطحات میں لکھا ہے کہ اگر کج فہمی مانع نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ یہاں بیان کردہ مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے طلسم الہی کو ظاہر کیا ہے۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ربط یا تعلق کائنات کے ساتھ کس طرح ہے۔ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات ایک شخص واحد کی طرح ہے جس کے اندر تجلی اعظم کا فرما ہے۔ یہ تجلی سب سے پہلے حظیرۃ القدس کے مقام پر اترتی ہے۔ پھر یہ عالم مثال کے ذریعے ملاو اعلیٰ اور ملاو اسفل کے فرشتوں تک پہنچتی ہے۔ عالم مثال مادی جہان اور مجرّد جہان کے درمیان واقع ہے مگر اس کی نسبت مادی جہان سے کم اور مجرّد جہان کے ساتھ زیادہ ہے۔ تاہم یہ درمیان میں ایک واسطہ ہے جس کے ذریعے تجلی اعظم فرشتوں تک پہنچتی ہے اور پھر فرشتوں کے ذریعے اس کا ظہور تمام کائنات پر ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

بہر حال مفسرین کرام نے اس مشکل ترین آیت کی تشریح مختلف طریقوں سے بیان کی ہے۔ میں نے ان میں سے آسان آسان باتیں ذکر کر دی ہیں۔ ان میں سے ہادی یا منور یا موجد نور الہی کے آسان مطالب ہیں اور اس نور کو حضور علیہ السلام کے قلب مبارک اور عام مومنین کے قلب پر چیاں کرنا زیادہ آسان ہے۔

فرمایا نور علیٰ نور روشنی پر روشنی ہے۔ یعنی ایک روشنی مومن کے نور ایمان اور نور توحید کی روشنی ہے اور باہر سے آنے والی قرآن و سنت کی روشنی ہے یہ مل کر نور علی نور ہو جاتا ہے اور پھر کھدی اللہ لنورہ مک۔ یسکاء اللہ تعالیٰ اپنے نور کے لیے جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بھی بیان کرتا ہے وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔

فِي بُيُوتٍ آذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ  
 يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۖ (۳۶) رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ  
 تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ  
 الزَّكَاةِ يُخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ (۳۷)  
 لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّنْ  
 فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۸)

ترجمہ :- (یہ روشنی) اُن گھروں کے اندر ہے کہ اللہ نے  
 حکم دیا ہے کہ اُن کو بند کیا جائے اور اُن کے اندر اُس  
 (اللہ) کا ذکر کیا جائے۔ تسبیح کرتے ہیں اُس (اللہ) کے لیے  
 ان گھروں میں صبح اور پچھلے پہر (۳۶) ایسے مرد کہ نہیں غافل  
 بناتی اُن کو تجارت اور نہ بیچنا، اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم  
 کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ وہ خوف کھاتے ہیں۔

اُس دن سے کہ پلٹ جائیں گے اُس میں دل اور آنکھیں (۳۷)  
 تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ تعالیٰ بہتر کاموں کا جو انہوں نے

کیے ہیں اور زیادہ دے اُن کو اپنے فضل سے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے۔ (۳۸)

قرآن پاک کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نور کا ذکر کیا گیا اور اُس کی مثال  
 بھی اللہ نے بیان فرمائی۔ اُس نور کے متعلق مختلف مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ میں نے  
 کل کے درس میں عرض کر دیا تھا۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کا ذکر کیا ہے۔

ان آیات کا سابقہ آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس کو  
کا ذکر فرمایا ہے وہ زیادہ تر اللہ کی مساجد میں عبادت و ذکر کی وجہ سے مومن کے قلب  
میں جاگزیں ہوتا ہے۔

مساجد میں  
ذکر الہی

ارشاد ہوتا ہے **فَبِشُكْرِ رَبِّكَ** وہ روشنی اللہ تعالیٰ کے گھروں میں پائی جاتی  
ہے **أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ** جن کے متعلق  
اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان گھروں کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا  
جائے۔ ان گھروں سے مراد اللہ کی مسجدیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت  
اور روشنی زیادہ تر انہی گھروں سے حاصل ہوگی جن کو بلند کرنے اور ان میں اللہ کا ذکر  
کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ **يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ** ان مسجدوں  
میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ صبح اور پچھلے پہر یہی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت  
ہے جو اللہ کے ان گھروں کا حق ہے۔ اگلی آیت میں ان لوگوں کی صفات بیان کی  
گئی ہیں جو مساجد میں ذکر الہی کا اہتمام کرتے ہیں۔

مساجد کی تعمیر

اس آیت کریمہ میں مساجد سے متعلق **تُرْفَعُ** کا لفظ قابلِ توجہ ہے اللہ نے اپنے  
گھروں کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے دو چیزیں  
مراد ہیں۔ ایک مسجدوں کی تعمیر اور دوسری ان کی صفائی۔ جہاں تک مساجد کی تعمیر کا تعلق  
ہے، حضور علیہ السلام نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ  
نے مساجد کی تعمیر کو اہل ایمان کی ایک علامت کے طور پر بیان کیا ہے۔ **إِذَا مَسَّكُمُ**  
**يَعْتَصِمُوا صَلَاحُ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** (آیت ۱۸)  
بیشک مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے **إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَصِمُ**  
**الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ** جب تم کسی شخص کو مسجد کی دیکھو عجباً  
کہہ تے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کو از سر نو تعمیر  
کیا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مسجد کو اسی طرح بنے دیا جاتا ہے جس طرح



کے زمانہ میں تھی۔ آپ خاموش رہے۔ پھر جب اصرار بڑھا۔ تو آپ نے فرمایا، تم لوگ مسجد کی تعمیر نو پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ میں نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنا ہے مَنَ ابْنِیَ لِلّٰہِ مَسْجِدًا یَبْنِیَ اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ (صحیحین) جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ فرمایا جہاں تک تعمیر نو پر اخراجات کا تعلق ہے، تو میں کسی سے چندہ نہیں مانگتا بلکہ اپنے حلال مال سے مسجد کی تعمیر کر رہا ہوں۔ حضرت عثمانؓ تاہر پیشہ تھے اور اللہ نے آپ کو بڑی دولت سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ نے مسجد کی تعمیر کے لیے بہترین کارہنگروں کی خدمات حاصل کیں۔ برصغیر سے ساگوں کی مکڑی منگوا کر استعمال کی جو زیادہ خوبصورت اور دیر پا ہوتی ہے، حضرت عثمانؓ نے اپنے بارہ سالہ در خلافت میں بیت المال سے ایک پیسہ بھی وظیفہ کے طور پر وصول نہیں کیا، بلکہ اپنے ذاتی اخراجات اپنے ذاتی مال سے پورا کرتے رہے، البتہ خلافت کے امور کے لیے خرچہ بیت المال سے کرتے تھے، بہر حال جب حضرت عثمانؓ نے یہ حدیث لوگوں کو سنائی تو لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کسی شخص کا ذاتی مکان گر جائے تو وہ اُسے اچھی طرح تعمیر کیے بغیر نہیں رہتا تو یہ تو اللہ کا گھر ہے، اس کی تعمیر اچھے طریقے سے کیوں نہ کی جائے۔

مساجد کی  
طہارت

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مساجد کی بلندی میں دوسری چیز ان کی طہارت ہے۔ جب کوئی مسجد تیار ہو جائے، مسلمان اُس میں نماز ادا کرنے لگیں تو پھر اُس مسجد کی طہارت و صفائی بھی ضروری ہے۔ مسجدوں کو ہر قسم کی غلاطی سے پاک صاف رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ بیودہ باتوں اور بیودہ کاموں سے بھی مسجد کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ جو کوئی مسجد کی طہارت کا خیال نہیں رکھ سکتا۔ اُسے مسجد میں جانے سے روک دینا چاہیے۔ چھوٹے بچے یا مجنون آدمی کو مسجد کے آداب کا کچھ علم نہیں ہوتا اور ان کے بول و براز کرنے کا بھی احتمال ہوتا ہے، لہذا ان کو مسجد میں نہ جانے دیا جائے۔ ہاں جب بچہ پانچ

سات سال کا باشعور ہو جائے۔ تو پھر بے شک مسجد میں جائے۔ مطلب یہ کہ مسجد کی طہارت کا ہر حال میں اہتمام ہونا چاہیئے۔ ابو داؤد و ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ گھر میں نماز کے لیے مخصوص جگہ کو کبھی پاک صاف رکھنا چاہیئے۔ وہاں کسی قسم کی گندگی نہ بچھنی جائے تاہم مساجد کی صفائی کا اہتمام تو بطور خاص ہونا چاہیئے۔ حقوق اگرچہ ناپاک نہیں ہے مگر اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ لہذا مسجد میں حقوق گرانے کی بھی اجازت نہیں ہے حقیقت میں مساجد میں وہی کام ہونے چاہئیں جس کے لیے وہ تعمیر کی جاتی ہیں وہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اُس کی عبادت ہونی چاہیئے مساجد کو حصول علم کا ذریعہ بننا چاہیئے۔ اگر یہ حقیقی مقاصد حاصل نہ ہوں تو پھر ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے مسجدیں آباد کھلانے کی مستحق نہیں ہیں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَنْ تَنْخِرَ فَنَهَا كَمَا زَخَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى (ابو داؤد) تم بھی مسجدوں کی ایسی ہی ٹیپ ٹاپ کرو گے یعنی اُن کو نثرین کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو کیا۔ بہر حال مسجد کی ظاہری نمود و نمائش کو اتنا پسند نہیں کیا گیا۔ جتنا اس کی حقیقی آبادی کو پسند کیا گیا ہے کہ اُن میں اللہ کی عبادت و ریاضت کی جائے۔

آدابِ مساجد

آدابِ مساجد کے متعلق حضور علیہ السلام نے بہت سی توضیح فرمائی ہے۔ مثلاً مسجد میں اگر سلام کرنا اس کے آداب میں ہے۔ جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اگر مکروہ وقت نہیں تو دو رکعت نماز تہتہ المسجد پڑھے کہ یہ بھی مسجد کے آداب میں سے ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ (صحیحین) جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ اگر بیٹھنے کے بعد پڑھو گے تو ثواب میں کمی آجائے گی۔

یہ بھی آدابِ مسجد میں داخل ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتا دیکھو تو یوں کہو لا ارجع اللہ تجارتک (ترمذی ترمذی) اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں تمہیں نفع نہ دے فقہائے کرام

فرماتے ہیں کہ اگر معتکف آدمی کا کوئی کارندہ موجود نہ ہو تو وہ لین دین کی زبانی بات چیت کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھلا ہتھیار، تیر، تلوار، نیزہ وغیرہ لے کر آنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ یہ بھی سو ادب میں داخل ہے۔

اگر مسجد سے باہر کوئی انسان، جانور، مال و متاع گم ہو جائے تو اس کا اعلان مسجد میں کرنا خلاف ادب ہے۔ حضور علیہ السلام نے سختی سے منع فرمایا ہے، اگر کوئی شخص گمشدگی کا اعلان کرنا ہے تو اس طرح بدعا کرے وَلَا رَدَّهَا اللَّهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسْجِدَ لَا تَبْنَ لِهَا (مسلم شریف) اللہ تعالیٰ تمہاری اس چیز کو واپس نہ لوٹائے، مسجد میں اس کام کے لیے تو نہیں بنائی گئیں البتہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مسجد کے اندر کوئی چیز گم ہو جائے تو اس کا اعلان ایک دو صفت تک کر لینے کی اجازت ہے آج کل مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر گمشدگی کے اعلان کا عام رواج ہو گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان مسجد کے اندر سے کیا جاتا ہے، اس لیے درست نہیں۔ ہاں اگر اعلان کی جگہ اور لاؤڈ سپیکر کے باہر مسجد سے باہر ہوں تو پھر ایسا اعلان کیا جاسکتا ہے، عام طور پر دارالعلوم دیوبند میں طلباء کی بعض چیزیں قلم، کتاب وغیرہ گم ہو جاتی تھیں، ہمارے زمانے میں وہاں کے ایک بزرگ ”بڑے میاں“ تقریباً ہر نماز کے بعد دروازے سے باہر کھڑے ہو کر اعلان کیا کرتے تھے کہ اگر کسی کا پن، گھڑی یا کتاب وغیرہ گم ہو گئی ہے تو وہ نشانی بتا کر لے سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ مسجد میں گمشدگی کا اعلان نہیں ہونا چاہیے۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کہنا بھی خلاف ادب ہے۔ ہمارے استاد شیخ الفقہ والادب مولانا محمد اعجاز علی صاحب مسجد میں کسی کو گفتگو کرتے پاتے تو غامبھی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر لے آتے اور کہتے کہ گفتگو کرنا ہے تو یہاں کر دو، مسجد میں فضول باتیں کرنا مکروہات میں داخل ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مسجد میں کسی خاص جگہ پر بیٹھنے کے لیے جھگڑا کرنا بھی مسجد کے آداب کے خلاف ہے، جو آدمی پہلے آکر کسی جگہ پر بیٹھ گیا، اُسے وہاں سے مت اٹھاؤ، مسجد میں آواز بلند کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا



وَرَفَعَ أَصْوَاتَكُمْ (این ماجہ) کہ تم مسجدوں میں اپنی آوازیں بلند کرو۔ اگلی صف میں جانے کے لیے گھر نہیں پھلانگنے سے بھی منع کیا گیا ہے بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔ یہ بھی مسجد کے آداب میں ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزر دو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے میں کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس سال تک اپنی جگہ پر کھڑے رہنے کو پسند کرے بجائے اس کے کہ نمازی کے آگے سے گزر جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تمھارے آگے سے گزرنا چاہتا ہے تو اُسے ہاتھ کے اشارے سے روک دو۔ اگر پھر بھی وہ باز نہیں آتا تو وہ شیطان کا بھائی تصور ہوگا۔ مسجد میں بیٹھ کر انگلیاں چٹکانا اور بدن کے کسی حصے کے ساتھ کھیلنا بھی خلافِ ادب ہے۔

مساجد کا ادب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعَوْا (ترمذی شریف) جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو وہاں چوہچک لیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! جنت کے باغ کون سے ہیں اور وہاں سے کھانے پینے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں اور وہاں سے کھانا پینا اللہ کا ذکر، تسبیح و تحمید ہے۔ ان اذکار کا صلہ تمہیں جنت میں بہترین پھلوں کی صورت میں ملے گا۔ جو شخص خلاص کے ساتھ ایک دفعہ سبحان اللہ کہتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک پھلدار درخت لگا دیا جاتا ہے۔ یہ سب آداب مساجد ہیں جن کا خیال کرنا چاہیے۔

مومن مردوں  
کی صفات

پہلی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے گھروں میں صبح و شام تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اب دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے رِجَالٌ اُولَیْ سِرٍّ وہ ایسے مرد ہیں کہ انہیں تجارت و کسب و کما کا ذکر اللہ جنہیں تجارت اور فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔ تجارت میں خرید و فروخت دونوں چیزیں آتی ہیں مگر اللہ نے فروخت کو علیحدہ بھی ذکر کیا ہے۔



اس کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تجارت سے مراد وہ کاروبار ہے جو منافع کے لیے کیا جائے اور زیع مطلق ہے اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے تحت اپنی کوئی چیز فروخت کرتا ہے جس سے نفع حاصل مقصود نہیں تو وہ فروخت کہلائے گی۔ اس لیے اللہ نے ان دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔

فرمایا ایسے لوگوں کو نہ تو تجارت ذکر الہی سے غافل کرتی ہے وَاِقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَا زَكَاةً اور نہ ہی نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے روکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنا کاروبار بھی جاری رکھتے ہیں اور فرائض کو بھی برابر ادا کرتے رہتے ہیں اور اس میں سستی نہیں کرتے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے درجے میں یہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی طرح ہے کہ ان کے ایمان اتنے پختہ تھے کہ دنیا کا کاروبار ان کے ذکر الہی میں حائل نہیں ہوتا تھا۔ بعد والے لوگ تو ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تاہم ایسے خدا پرست ہمیشہ رہیں گے جن کے تعلق باللہ میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اور وہ کاروبار دنیا کے ساتھ ساتھ ذکر و فکر میں بھی مصروف رہیں گے۔

فرمایا ان لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے يَتَخَفُونَ يَوْمًا تَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ کہ وہ اُس دن سے خوف کھاتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں ہلٹ جائیں گی۔ قیامت والے دن لوگ مضطرب ہو جائیں گے۔ ان کی آنکھیں کبھی پست ہوں گی اور کبھی اوپر اٹھیں گی باندھے حیرت انگیز واقعات کا مشاہدہ کریں گی۔ اُس دن دل دھڑک رہے ہوں گے اور خوف سے بے قابو ہو رہے ہوں گے۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ قیامت کے خوف سے ہمیشہ لہزاں رہتے ہیں۔

فرمایا ایسے خدا پرست لوگوں کا صلہ یہ ہوگا لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو بدلے اُن کے اچھے اعمال کا جو انہوں نے انجام دیے اور زیادہ دے اُن کو اپنے فضل سے، ان کے پاکیزہ عقائد، ذکر الہی اور آدابِ مباد کو ملحوظ رکھنے کا یقیناً اچھا بدلہ ملے گا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا سربراہان بھی لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ

ان کی جزا

زِيَادَةً (زویں - ۲۶) بھلائی کا نتیجہ بلاشبہ اچھا نکلے گا مگر اس کے ساتھ مزید برآں بھی ملے گا جس کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی تجلیات نصیب ہوں گی، اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ عطا کر دے گا جس کا انسان اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

فَرَمَا بِاللّٰهِ يَنْفَرُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے، خاص طور پر جنتیوں کو تو بے حساب ملے گا۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بعض کو بے حساب دیتا ہے اور بعض کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ اللہ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ يَقْدِرُ (الرعد - ۲۶) اس کی حکمت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اولین و درجہ میں صحابہ کرامؓ کو ان انعامات سے نوازیں گے اور پھر ان کی اقتدار کھنسنے والے مومنین بھی اللہ کے ایسے ہی سلوک کے مستحق ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ يُقِيعَةُ يَحْسِبُهُ  
 الظَّمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ  
 اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾  
 أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ  
 مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ  
 بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَرِيهَا ۚ وَمَنْ لَّمْ  
 يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ :- اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے اعمال بیابان  
 میں سراب کی مانند ہیں۔ گمان کرتا ہے اُس کو پیسا انسان پانی  
 یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچتا ہے تو کوئی چیز یہیں  
 پاتا۔ اور وہیں پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو، پس وہ پورا کر دیتا ہے

کا حساب۔ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرے گا۔ (۳۹)  
 یا (اُس کی مثال) اندھیرے ہیں گہرے سمندر میں جس کو تاریکی  
 ہے ایک موج جس کے اوپر دوسری موج ہے، اور اوپر اُس  
 کے بادل ہیں۔ یہ اندھیرے ہیں بعض کے اوپر بعض۔ جب نکالے  
 وہ اپنے ہاتھ کو تو نہیں قریب کہ وہ اُس کو دیکھ سکے۔ اور جس  
 شخص کے لیے اللہ نے کوئی نور نہیں بنایا، پس اُس کے لیے

کوئی نور نہیں ہے (۴۰)

رابطہ آیات

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت میں نورِ ہدایت کی مثال بتائی جو مومن کے دل میں ہوتا ہے اور پھر اوپر سے قرآن و سنت کی روشنی مل کر اُس نور کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مساجد کے متعلق فرمایا کہ مذکورہ نورِ ہدایت زیادہ تر اہل گھروں میں ملتا ہے۔ اللہ نے اُن گھروں کو بلند رکھنے اور ان میں کثرت سے اُس کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کی تعریف بیان کی کہ وہ ان پاکیزہ گھروں میں صبح اور پچھلے پیر اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے مرد ہیں کہ جن کی تجارت انہیں ذکرِ الہی، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں قیامت کا خوف ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن بہترین بدلہ اور اپنی طرف سے مزید انعام و اکرام بھی عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد آج کی آیت میں اہل ایمان کے مقابلے میں کافروں اور مشرکوں کا حال بیان کیا ہے۔ قرآنِ پاک کا اسلوب بیان ہے کہ دونوں گروہوں کا ذکر ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اگر اخلاص والوں کا ذکر ہو تو ساتھ میں ناقص کا حال بیان ہوتا ہے، اور اگر چھ لگوں کا ذکر ہو تو ساتھ بڑے لوگوں کا انجام بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس کو ترغیب اور تنبیہ کا نام دیا گیا ہے، ترغیب کا معنی رغبت دلانا ہے یعنی نیکی کا رد کا انجام بیان کر کے نیکی کی ترغیب دی جاتی ہے اور بُرے لوگوں کا ذکر کر کے خوف دلایا جاتا ہے۔ ترغیب و تنبیہ اسلام کے دو بڑے اصول ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے کفار و مشرکین کے اعمال کا انجام دو مثالوں کے ذریعہ سمجھایا ہے جس طرح ہر شخص کا ایمان اور اخلاص بچاؤ نہیں ہوتا بلکہ اس کے مختلف مراتب اور درجات ہوتے ہیں، اسی طرح آخر کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں بعض کم درجے کے کافر ہوتے ہیں بعض اُس سے اوپر درجے کے اور بعض شدید درجے کے کافر اور مخالف ہیں، اسی نے بخاری شریف میں کَفَرٌ دُونَ کَفَرٍ طَلُوعٌ دُونَ طُلُوعٍ کے الفاظ آتے ہیں۔ تو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شدید درجے کے کفار کی دو مثالیں اور ان کا انجام بیان کیا ہے۔ ایمان کی طرح کفر بھی قرآن و سنت

ایمان بمقابلہ کفر



کی اصطلاح ہے۔ کفر کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا انکار کر دے اور جس چیز کو ظاہر کرنے کا حکم ہو اس کو چھپا لے۔ جہاں پر مطلق کفر کا ذکر ہو، وہاں اللہ کی وحدانیت کا انکار مل رہا ہوتا ہے گو یا سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، پھر رسالت کا انکار کیا، پھر کتب سماویہ، ملائکہ اور قیامت کا انکار کیا، خدا کی صفات کا انکار کیا، یہ سب باتیں کفر میں داخل ہیں۔

سراب کی مثال

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ یقیناً ان کے اعمال چٹیل بیابان میں سراب کی مانند ہیں۔ سراب چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دور سے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو۔ وسیع و عریض ریگستان میں جب شدید گرمی پڑتی ہے تو زمین کے نچلے طبقے کی لطیف ہوا بہت گرم ہو جاتی ہے اس سے اوپر کے طبقے کی نسبتاً مزید کم گرم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنا بلندی کی طرف جاتے ہیں گرمی کم ہوتی چلی جاتی ہے بہر حال نچلے طبقے کی لطیف اور شدید گرم ہوا جب اوپر کے طبقات کی ہوا سے ٹکراتی ہے تو سطح ارضی پر پانی کی لہریں نظر آتی ہیں حالانکہ وہ حقیقت میں ہوا ہی ہوتی ہے جو سورج کی تپش کی وجہ سے چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کو سراب کہتے ہیں۔

فرمایا يَحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً پیاسا آدمی اس سراب یعنی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھتا ہے اور پیاس بجھانے کے لیے اُس طرف دوڑتا ہے حتیٰ إِذَا جَاءَهُ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے لَمْ يَجِدْهُ سَائِبًا تو وہاں کوئی چیز نہیں پاتا۔ وہ پانی نہیں بلکہ پانی کا دھوکہ ہوتا ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ قیامت والے دن یہودیوں سے سوال ہوگا۔ کہ تم دنیا میں کس کا عبادت کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ خدا کے بیٹے عزیر علیہ السلام کی۔ اُن سے کہا جائیگا کہ تم جھوٹے ہو۔ خدا کا کوئی بیٹا نہیں اچھا بتلاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ عرض کریں گے، مولیٰ کریم! ہم سخت پیاسے ہیں،

ہمیں پانی پلوایا جائے۔ انہیں کہا جائے گا کہ دیکھو تم اُدھر کیوں نہیں جاتے، جہاں پانی نظر آرہا ہے، وہ اُدھر جائیں گے جہاں انہیں سرب نظر آتا ہوگا، مگر وہ جہنم کی آگ ہوگی جس پر پانی کا دھوکہ ہوتا ہوگا۔ جب وہ پہنچیں گے تو دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی یہ مثال بیان کی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں تو کفر و شرک کا ارتکاب کرتے رہے مگر اپنے زعمِ باطل میں یہ سمجھتے رہے کہ انہوں نے بڑے اچھے اچھے کام کیے ہیں اور اللہ کے ہاں انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے، مگر جب قیامت فائے دین خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو وہاں اپنے اعمال میں سے کچھ نہیں پائیں گے۔ جس طرح پیاسا آدمی نپتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے مگر وہاں کچھ نہیں پاتا۔ اسی طرح کفر کرنے والے قیامت کے دین اپنے اعمال کی طرف جائیں گے۔ مگر انہیں وہاں کوئی نیک عمل نہیں ملے گا وَوَجَدَ اللّٰہُ عِنْدَہٗ پس وہ اپنے سامنے اللہ تعالیٰ کو پاتا ہے۔ فَوَفَّیْہٖ حِسَابَہٗ جو اس کا حساب پورا پورا دیتا ہے وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔ جب ایسے لوگوں کی حساب کتاب کی منزل آئے گی تو ان کے عقائد و اعمال کا فورا حساب کر کے انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

اعمال کا انحصار  
ایمان پر ہے

در اصل نیک اعمال کا انحصار ایمان پر ہوتا ہے۔ اگر ایمان موجود ہے، تو نیک اعمال بھی کار آمد ہوں گے اور اگر کوئی شخص ایمان سے خالی ہے تو اس کے مفادِ عامہ کے کتنے بھی اچھے کام ہوں، ان کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ اکثر کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ دنیا میں مفادِ عامہ (

( PUBLIC WORKS )

کے بڑے بڑے کام کرتے ہیں، ہندو سکھ بھی ایسا کرتے ہیں کہیں سرائے بنادی سکول اور کالج قائم کیے، ہسپتال بنائے، یتیم خانے قائم کیے، حتیٰ کہ بعض لوگ جانوروں اور پرندوں کی خدمت بھی کرتے رہے، چڑیوں کو دانا اور پانی پلاتے رہے

کپڑے کھڑوں کی بلوں پہ کھانے پینے کی چیزیں ڈالتے رہے۔ بظاہر یہ اچھے کام  
 ہیں مگر ایمان کے فقدان کی وجہ سے اللہ کے ہاں یہ ناقبول ہوں گے۔ اللہ کے  
 ہاں وہ عمل صالح مقبول ہوگا جو ایمان کے جذبے کے ساتھ انجام دیا گیا ہوگا،  
 کیونکہ اس کا بار بار اعلان ہے **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ**  
**(البروج: ۱۱)** جنت اُن لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال انجام  
 دیے، **سورة الانبیاء میں فرمایا قَمَنْ يَّعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ**  
**فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدِهِ** (آیت ۹۴) جس شخص نے نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ  
 مومن ہو تو اس کی کاوش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ عمل کی  
 قبولیت کا دار و مدار ایمان اور اخلاص پہ ہے۔ اگر عقیدہ پاک ہے تو چھوٹے سے  
 چھوٹا عمل بھی فائدہ دے گا اور اگر عقیدے میں کفر و شرک کی ملاوٹ ہے یا اس  
 میں نفاق کا عمل و سبب ہے تو اعمال کتنے بھی اچھے ہوں، خدا تعالیٰ  
 کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اُن کو اچھا سمجھنے والا بالکل اسی  
 طرح ہے جس طرح کوئی پتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اُس سے امید کر لیتا ہے۔  
 حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عبداللہ بن جبران کے متعلق حضور علیہ السلام  
 سے دریافت کیا کہ وہ مکے کے سرداروں میں سے بڑا سخی آدمی تھا، غریب و یتیم  
 پر بڑا احسان کرتا تھا۔ ایک ایک مجلس میں سو سو اونٹ بخش دیتا تھا، تو کیا اس  
 کو ان اعمال کا کچھ فائدہ آخرت میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، وجہ یہ ہے۔  
**لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ**  
 اُس نے زندگی بھر ایک دن بھی یوں نہیں کہا کہ پروردگار! میرے گناہ معاف  
 کر دے، وہ شخص قیامت کا منکر تھا لہذا اُس کی بڑی سے بڑی نیکی بھی کچھ فائدہ نہیں  
 دے گی۔ ایسے لوگوں کو ان کے کارناموں کا صلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ رفاہی  
 کے کام کرنے کی وجہ سے اُن کی شہرت ہو جاتی ہے۔ مال و دولت مل جاتی ہے  
 اولاد مل جاتی ہے مگر آخرت میں اُن کے لیے کچھ نہیں ہوتا، صحیح حدیث میں



آتا ہے کہ کافروں کے اچھے اعمال کا نتیجہ عام طور پر انہیں دنیا میں ہی مل جاتا ہے، اور آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

ظلمات کی مثال

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی مثال سرب کے ساتھ بیان کی جو دنیا میں بعض اچھے کام بھی انجام دے جاتے ہیں وہ ان نیک کاموں کا بدلہ آخرت میں چاہتے ہیں مگر وہاں وہ محروم رہیں گے۔ اب دوسری مثال اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بیان فرمائی ہے جو نہ تو دنیا میں ایمان لائے اور نہ ہی کوئی اچھا کام انجام دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے ہوں۔ اور پھر تَغْشَىٰ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهَا مَوْج جس کو ڈھانپ رہی ہو موج کے اوپر موج۔ مِّنْ فَوْقِهَا سَحَابٌ پھر اوپر سے بادل بھی ہو۔ كَيْفَ يَظْلُمَاتُ لِبَعْضِهَا فَوْقَ بَعْضٍ کہ اندھیرے ہیں بعض کے اوپر بعض۔ أُورِثَتْنِي اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ جن کی کیفیت یہ ہے إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَرِيهَا کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے، گہرے سمندر کی تاریکی، پھر پانی کی موجوں کی تاریکی، اس کے اوپر بادلوں کی تاریکی اور پھر اگر رات بھی ہو تو تاریکی در تاریکی۔ اللہ نے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی تاریکی کے ساتھ دی ہے۔ یہ لوگ عمر بھر اندھیرے میں سرگرداں رہتے ہیں اور انہی اندھیروں میں ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

زادی بہ حجاب اندھیری بہ حجاب اندر۔ (اقبال)

وہ تاریکی میں ہی پیدا ہوئے اور تاریکی میں ہی چل بسے۔ پھر آگے ان کے لیے جہنم کی تاریکی ہے جو شدید ترین ظلمت ہوگی۔ درمیان میں بزرخ کی تاریکی بھی موجود ہے۔ حصہ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص صحیح طریقے سے نماز ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے قبر میں روشنی کا باعث ہوگی۔

حجاب در حجاب

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کافروں کے لیے یہ تاریکیاں حجاب در حجاب





ضد، عناد، انکار پھڑپھڑا رہے گا۔ اسے کبھی روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ  
سے ہمیشہ نور طلب کرنا چاہیے، جو کہ دنیا اور آخرت میں فلاح کا ذریعہ بن سکے۔

---

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 وَالطَّيْرِ صَفْتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ  
 عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ  
 يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ  
 مِنْ خَلِلِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ  
 بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَنٍّ  
 يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يَقْلِبُ  
 اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي  
 الْأَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

ترجمہ:- کیا تو نے نہیں دیکھا (اس بات کی طرف) کہ بیشک  
 اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین  
 میں ہیں۔ اور پرندے بھی پر کھولے ہوئے۔ ہر ایک جانتا ہے  
 اپنی نماز اور تسبیح کو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ  
 کرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں  
 اور زمین کی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھر کر جانا ہے ﴿۴۲﴾ کیا تو نے  
 نہیں دیکھا (اس بات کی طرف) کہ بیشک اللہ تعالیٰ چلاتا ہے بادلوں

کو، پھر اکٹھا کرتا ہے اُن کو۔ پھر بنا دیتا ہے۔ اُن کو تہ بہ تہ (توں کی شکل میں) پس دیکھتا ہے تو کہ بارش نکلتی ہے اس کے درمیان سے۔ اور اُتارتا ہے وہ آسمان سے یعنی پہاڑوں سے جو اُس میں ہیں، اولوں سے۔ پس پہنچاتا ہے وہ ان کو جس کو چاہے۔ اور پھیرتا ہے اُنکو جس سے چاہے قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کو لے جائے (۴۳) اور بدلتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کو۔ بیشک اس میں البتہ عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو آنکھیں رکھتے ہیں (۴۴)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ذکر کیا جو مومنوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کی مثال بھی بیان فرمائی۔ پھر اللہ کے گھروں مساجد کا تذکرہ فرمایا جہاں سے تہذیب نور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ نے ان گھروں کو بلند کرنے اور انہیں پاک عبادت رکھنے کا حکم دیا، اور اُن لوگوں کی صفات بیان کیں جو مساجد میں اللہ کی عبادت اور اُس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ اللہ نے اُن کو بہتر بدلہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر اللہ نے نافرمان اور کفر کرنے والوں کا انجام بھی بیان فرمایا۔ پھر رفا کی دو قسموں کا ذکر کیا۔ ان کی ایک قسم وہ ہے، جو رفاہ عامہ کے کام بھی کرتے ہیں و آخرت میں اچھے صلے کی امید بھی رکھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایمان اور توحید کے بغیر ایسے لوگوں کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں۔ ان کی طرف سے اچھے بدلے کی توقع سب سے پیچھے بھاگنے کے مترادف ہے۔ دوسری قسم کے کافر وہ ہیں، جو کفر و شرک کے ساتھ ساتھ ظلم و تعدی کے کام بھی انجام دیتے ہیں اور ان کے نامہ اعمال میں کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کی مثال ظلمت در ظلمت کی ہے۔ گویا کہ وہ سمندر کی تہ میں سخت اندھیرے میں پڑے ہیں۔ اُس پر موج در موج کی تاریں در پھر اوپر رات کی بھی تاریکی ہے۔ گویا ایسے لوگ سخت ترین تاریکیوں میں پڑے ہیں۔ جن سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔



اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں اور ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَكْتُبٌ فِي السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجِیْنَ کیا تم نے اس بات کی طرف دھیان نہیں کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وَالطَّیِّبٰتُ صٰلٰتٌ اور پُر کھولے یعنی اڑنے والے پرندے بھی اُسی کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ آسمانوں میں ملائکہ ہیں اور بعض دوسری مخلوق بھی ہے جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف رہتی ہے۔ اور زمینی مخلوق کا ذکر گذشتہ سورتوں میں ہو چکا ہے، کہ انسان، جانور، کیڑے مکوڑے، آبی مخلوق، پہاڑ اور درخت وغیرہ سب خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ البتہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ رینہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ اگرچہ اپنے اختیار اور ارادے سے تو سجدہ نہیں کرتے مگر ان کے لئے صبح و شام سجدہ رینہ ہوتے رہتے ہیں۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اور ان دونوں کے درمیان فضا میں اڑنے والے پرندے بھی اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں۔ فَرَمٰی کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰتَهُ وَتَسْبِيحَهُ یہ سب کے سب اپنی نماز اور تسبیح کو جانتے ہیں۔ بعض اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ہر نوع کی مخلوق کو اُس کی تسبیح اور عبادت کا طریقہ معلوم ہے، اور ہر نوع جن الفاظ کے ساتھ اللہ کی تقدیس بیان کرتی ہے، وہ اُس کو بھی جانتے ہیں، لہذا وہ اپنے اپنے طریقے کے مطابق تسبیح و تقدیس اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عَلِمَ کا فاعل خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور جملے کا مفعول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نوع کی مخلوق کی عبادت اور تسبیح کو جانتا ہے جب کہ ایک نوع کی تسبیح دوسری نوع نہیں جانتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات

ہی ہے جو جانتا ہے کہ کون کس زبان اور کس کیفیت کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر رہا ہے واللہ علیہ کَمَا يَفْعَلُونَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں۔ یعنی خداوند تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کی تسبیح و تحمید کے علاوہ اس کی دیگر کارکردگی کو بھی جانتا ہے کہ وہ کونسے کام انجام دے رہے ہیں۔ بہر حال خدا کی مخلوق میں سے ہر چیز کا اس کی حمد کے ترانے گانا ہی اس کی توحید کی دلیل ہے۔ صرف وہی وحدہ لا شریک ہے جو ہر قسم کی عبادت و ریاضت اور تسبیح و تقدیس کے لائق ہے۔

تسبیح نہ  
حال یا تو

بعض معتزلہ قسم کے عقل کے دعویدار کہتے ہیں کہ انسانوں کا اپنی زبان سے خاص الفاظ کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرنا تو واضح ہے لیکن باقی مخلوق کا زبان کے ساتھ اللہ کی حمد بیان کرنا ناممکن نہیں، البتہ وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا زبان حال سے خدا کی تسبیح بیان کرنا ناممکن ہو سکتا ہے، صاحب تفسیر کبیر امام رازی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے عقلمندوں کا نظریہ درست نہیں ہے، کیونکہ روزمرہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ جانور، چرند اور پرند جو ہماری نظروں میں بے شعور مخلوق ہیں، ان میں ایسی ایسی شعوری باتیں پائی جاتی ہیں کہ عقلمند اور باشعور انسان بھی انہیں انجام دینے سے قاصر ہیں۔ فرماتے ہیں۔۔۔ کہ امام جعفر صادق کی مجلس میں موجود ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ صبح و شام چڑھائیوں کے چھپانے کا کیا مطلب ہے اور یہ کیا کہنتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہیں اور اسی سے اپنی روزی طلب کرتی ہیں۔ اسی طرح بعض جانوروں اور کھڑے مکھڑوں کے ایسے ایسے کارنامے مشاہدہ میں آتے ہیں کہ انسان اس کی توجہ یہ کرنے سے عاجز آجاتے ہیں، مثلاً مکھی اپنے شکار کے لیے ایسا نازک مگمگ مضبوط جال بنتی ہے کہ انسانی عقل ذکاوت رہ جاتی ہے اور اگر کوئی آدمی اپنے ہاتھوں سے ایسا جال بنانا چاہے تو نہیں بن سکتا۔

کچھ بڑا ذہین جانور ہے۔ جب وہ بیل کا شکار کرنا چاہتا ہے۔ تو اس

کے راستے میں لیٹ جاتا ہے۔ جب بیل قریب آکر رکھ کر سینگ مارنے کی کوشش کرتا ہے تو رکھچھ اُس کے پاؤں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ پھر اُس کو ایسا زخمی کرتا ہے کہ اُس کا سارا خون نچڑ جاتا ہے اور وہ اُس پر غالب آ جاتا ہے، رکھچھ کو اللہ نے اتنی عقل عطا کی ہے کہ یہ آسانی سے درخت پر چڑھ جاتا ہے، خود آدمی سے لاکھ چھین کر اُسی کو مارتا ہے اور خوراک کی تلاش میں اخروٹ کے درخت پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں سے اخروٹ توڑ لیتا ہے پھر ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر توڑ لیتا ہے اور اس طرح اپنی خوراک کے لیے گودہ حاصل کر لیتا ہے۔

شہد کی مکھیوں کی ذہانت دیکھ لیں۔۔۔ سب اپنی ملکہ مکھی کی قیادت میں کام کرتی ہیں اور اپنے گھر ایسے مسدس خانوں کی صورت میں بناتی ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا انجنیئر بھی آلات کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ باہر سے اپنے مومنوں میں موسم لاکر نہایت ہی نفیس اور ہم شکل گھر بندے بناتی ہیں، ان میں ہالٹس رکھتی ہیں، انہی میں ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں اور پھر انہی میں شہد کا ذخیرہ بھی ہوتا ہے۔ آخر اتنا نرم و نازک کام بلا شعور تو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے لازماً ان کو وہ شعور بخشا ہے جسے بڑے کار لاکر وہ اپنا فرض انجام دیتی ہیں۔

بیج مانگوں اور لمبی چونچوں والے پرندے "سارس" جنہیں عربی زبان میں "کرکی" کہتے ہیں بڑے ذہین واقع ہوئے ہیں۔ پوری دنیا کا سفر کر سکتے ہیں۔ اور جہاں ان کے لیے آب و ہوا موافق ہوتی ہے، وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ گھوڑے کی ذہانت و فطانت کے متعلق مشہور ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے گھوڑے کی آواز ایک دفعہ سن لے تو اُسے زندگی بھر یاد رکھتا ہے اور اگر برسوں بعد بھی وہ آواز دوبارہ سنائی دے تو فوراً پہچان لیتا ہے، چلتے کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اُسے سانپ ڈس لے یا وہ کوئی زہریلی چیز کھا لے تو فوراً انسان کا مہراں کھاتا ہے جو اس کے لیے تریاق کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کچھوے کو سانپ کاٹ لے تو وہ صحتز نامی جنگلی بوٹی کھا لیتا ہے جس سے

سانپ کے زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نیوے کو سانپ کاٹ کھائے تو وہ فوراً سرب نامی بوٹی کا تریاق استعمال کرتا ہے، اسی طرح جنگلی سرخ (سرخ) تریاق کے طور پر جب جیر بوٹی کھا لیتا ہے، اللہ نے اتنی سمجھ عطا کی ہے بخلاف نامی جانور جو بڑھتی جانور کہلاتا ہے اور درختوں پر اپنی چونچ سے ٹھک ٹھک کرتا رہتا ہے، یہ اپنا گھونسل نہایت پاک و صاف رکھتا ہے۔ اگر اس کا بچہ گھونسلے میں بیٹ کر رہے تو چونچ سے پکڑ کر فوراً باہر پھینک دیتا ہے۔ اور جب بچے ذرا سمجھدار ہو جاتے ہیں تو انہیں گھونسلے کے کنارے پر جا کر باہر بیٹ کر رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ غرائق (کونج کی قسم کا جانور) بہت اوجھی پرواز کرتا ہے حتیٰ کہ بادلوں سے بھی اوپر نکل جاتا ہے۔ جب اُن کے غول کے پرندوں کو ایک دوسرے سے بچھڑنے کا خطرہ ہو تو اپنے پر وں سے ایسی آواز نکالتے ہیں کہ ایک دوسرے کا آپس میں ربط قائم ہو جاتا ہے۔

سائنسدانوں نے چیونٹیوں کی بود و باش اور ان کے اطوار کے متعلق بڑی تحقیق کی ہے اور بڑے عجیب و غریب انکشافات کئے ہیں، یہ تو ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چیونٹیاں سیدھی قطار میں سفر کرتی ہیں اور آپس میں کمال درجے کا تعاون کرتی ہیں۔ سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق چیونٹیوں کی عام رہائشی بستیوں کے علاوہ ان کے علیحدہ قبرستان بھی ہوتے ہیں جہاں وہ اپنے مردے دفن کرتی ہیں۔

چیونٹی ملے اٹھا کہ قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ انسانی سلطنتوں کی کی طرح چیونٹیوں کی بھی علیحدہ حکومتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی چیونٹی کو احساس ہو جائے کہ وہ کسی غیر علاقہ میں داخل ہو گئی ہے تو فوراً الٹی ہو جاتی ہے۔ جب اُس علاقے کی چیونٹیوں کو غیر چیونٹی کی آمد کا علم ہوتا ہے تو اُس کے کارندے اس الٹی چیونٹی کو اٹھا کر اپنے علاقے سے باہر پھینک آتے ہیں، اللہ کی قدرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا جانور بھی اس قدر حساس ہوتا ہے۔ سیدہ کے جسم پر کانٹے ہوتے



ہیں جس سے اُسے موسم کی تبدیلی کا پیشگی علم ہو جاتا ہے۔ گوہ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ اپنا گھر چار مختلف سوراخوں، چار مختلف جگہوں پر بناتا ہے تاکہ شکاری کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ وہ کس وقت کس گھر میں رہائش پذیر ہے، یہ اُس کے شکاری سے بچ نکلنے کی ایک تدبیر ہے۔ شتر مرغ میں اللہ نے ایسا وصف رکھا ہے کہ یہ لوہے کا گرم گولہ نکل جاتا ہے۔ غرضیکہ دیگر جاندار، بندر، کتا، بلی، لومڑی، کبوتر کسی کو بھی دیکھ لیں۔ ہر ایک اپنے اپنے شعور کے مطابق کام کرتا ہے۔ حیات الحیوانات پر جدید دور میں تو بڑی تحقیق ہوئی ہے، پرانے زمانے کے امام دہلوی نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح دوسری صدی کے امام جاحظ نے بھی "کتاب الحیوان" میں حیوانات کے حیرت انگیز حالات لکھے ہیں۔ امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں ایسے خواص رکھے ہیں جو ان کی صورتِ نوعیہ کے راستے سے کہتے ہیں۔

بہر حال امام رازی فرماتے ہیں کہ جس مالک الملک نے جانوروں، کیرے، کھڑوں اور پندوں کو ایسے ایسے اوصاف بخشے ہیں، اور ان میں اتنا شعور پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ انہیں تسبیح بیان کرنے کا طریقہ بھی سکھلا دے لہذا انسانوں کے علاوہ باقی مخلوق کا زبانِ قال سے تسبیح بیان کرنا عین ممکن ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ تو جانوروں کا ذکر تھا۔ اب ذرا بعض بے جان چیزوں کا حال بھی دیکھ لیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احد ہپاڑ پر گزرا تو فرمایا هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ يُحِبُّنَا بِهٖ اَحَدٌ ایک ہپاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہپاڑ جیسی سخت چیز میں بھی اللہ نے کوئی حس اور شعور رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مکے کی ایک گزرگاہ کے ایک پتھر کو میں اب بھی پہچانتا ہوں جو قبل از نبوت مجھے اِنَّ الْفَاظَ کے ساتھ سلام کیا کرتا تھا۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ۔ پھر آپ کو

کھجور کا خشک تنا بھی یاد ہے جس کا ذکر معجزات کے باب میں کیا جاتا ہے  
آنحضرت علیہ السلام اُس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر مسجد نبوی میں لوگوں سے خطاب  
فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ اُس پر تشریف لے  
گئے۔ وہ خشک تنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جدائی کو برداشت نہ کر سکا، اور  
بچوں کی طرح بک بک کر روتے لگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تپکی  
دی تو وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ آخر اس میں بھی تو کوئی شعور ہی کام کر رہا تھا۔ اس  
ساری بحث کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا اپنے پروردگار کی تسبیح و تقدیس  
بیان کرنا کوئی اچلیے کی بات نہیں ہے بلکہ اس کا انکار کرنا بولے ہی غلط کارہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَقِیْقَتٌ مِّنْ سَمٰوٰتِہٖ**  
زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ اُس نے جس مخلوق کو پیدا کیا ہے اُسے اس کے  
حسبِ حال شعور بھی بخشا ہے اور اس کے سپرد بعض فرائض بھی کیے ہیں جن میں  
تسبیح و تقدیس بیان کرنا بھی شامل ہے۔ یہ عجیب و غریب حالات اس کی وحدانیت  
کی دلیل ہیں۔ جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتی ہے۔ تو اشرف المخلوقات  
انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت سے غافل نہ ہے اُسے  
معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی اُس کی آخری منزل نہیں ہے، بلکہ  
**وَالِی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ** سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں پر  
وہ پوری زندگی کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا  
یا سزا دے گا۔

توحید کے  
عقلی دلائل

توحید کے عقلی دلائل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال بھی بیان  
فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزِجُ السَّحَابَ کَمَا یُرِیْہٖ**  
اس بات میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے **ثُمَّ یُؤْتِیْہِمْ مِّنْہٗ**  
پھر ان کو اکٹھا کرتا ہے۔ **ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رَّکَامًا** پھر بنا دیتا ہے اسے  
تہ بہ تہ تو دوں کی شکل میں **فَتَرٰی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِہٖ** پس

دیکھتا ہے تو کہ اس کے درمیان سے بارش نکلتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا  
 کرشمہ ہے فَکِنْزِلُ مِنْ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ کَبْرِ  
 وہ آسمان یعنی پہاڑوں سے اُلے اُلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں جیسے  
 بڑے بڑے بادلوں کے تودوں سے اُلے برساتا ہے اور پھر ان اولوں کے  
 ذریعے فَیَصِیْبُ بِهِ مِنْ مَّثَلِ ثَنَاءٍ پس وہ پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ  
 جس کو چاہے، مطلب یہ کہ جس کو تکلیف پہنچانا مقصود ہوتا ہے، وہاں پر  
 اللہ تعالیٰ اُلے برسا کر فصلوں اور باغوں کو تباہ کر دیتا ہے اور اس طرح لوگ آزمائش  
 میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آپ نے تاریخ میں پڑھا سنا ہے کہ بعض مقامات پر آدم  
 سیر اُلے بھی پڑے۔ ظاہر ہے کہ جہاں اتنی ذالہ باری ہو، وہاں کتنی تکلیف پہنچتی  
 ہے اور وہاں کیا چیز بچ سکتی ہے؟ ۱۹۳۵ء میں میں لاہور میں زیر تعلیم تھا کہ مٹی  
 کے مینے میں کوٹہ کا تاریخی زلزلہ آیا۔ اُسی دن لاہور میں اتنے بڑے بڑے اُلے  
 پڑے جو شدید گرمی کے موسم میں بھی چوبیس گھنٹے تک بگل نہ سکے۔ ایسے ہی مواقع  
 پر فصلیں تباہ اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے اُلے برساتا  
 ہے اور پھر جس کو چاہتا ہے ان کے ذریعے مشقت میں ڈال دیتا ہے وَصَرَفَهُ  
عَنْ مَّثَلِ ثَنَاءٍ اور جس سے چاہے اولوں کو پھیر دیتا ہے۔ جس بستی اور علاقے  
 کو بچانا مقصود ہوتا ہے، وہاں سے اولوں کو دوسری طرف لے جاتا ہے بعض  
 اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ جنگل میں کام کر رہے ہیں اور چانک اُلے برساتا  
 شروع ہو جاتے ہیں تو جس کو تکلیف دینا مقصود ہوتا ہے اس شخص یا جانور پر اُلے  
 پڑ کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں اور جس کسی کو بچانا مقصود ہوتا ہے۔ اُس سے اللہ تعالیٰ  
 اولوں کو پھیر دیتا ہے اور وہ تکلیف سے بچ جاتا ہے۔

فرمایا یَا کَادُ سَنَا بَرْقُهُ یَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ قریب ہے کہ بجلی  
 کی چمک آنکھوں کو لے جائے۔ ظاہر ہے کہ جب بادل گھبر کر کتے ہیں، بارش  
 ہوتی ہے، ذالہ باری ہوتی ہے تو اس وقت وقفے وقفے سے بجلی چمکتی ہے اور

بادل گمہ جتے ہیں۔ بعض اوقات بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ انسان کی آنکھیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب یہ بجلی کسی فصل پر یا درخت پر پڑتی ہے تو اُسے تباہ کر دیتی ہے اور اگر کسی انسان یا جانور پر گمہ ٹپتی ہے تو وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ ساری چیزیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کے نشانات ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ اگر انسان غور کرے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز پر کنٹرول صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا ہے، لہذا وہ ذات وحدہ لا شریک ہے۔

آگے دوسری دلیل بیان فرمائی کہ وہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات **يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ** جو رات اور دن کو تبدیل کرتا رہتا ہے، رات گئی دن آیا، دن رخصت ہوا تو رات آگئی۔ کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا اور کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی۔ اور پھر یہ صرف شب و روز کا انقلاب ہی نہیں بلکہ موسموں کا تغیر و تبدل بھی ہے۔ کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے، کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمرے ہیں جو انسان کو غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں کہ ان چیزوں میں غور کرو گے تو اللہ کی وحدانیت ضرور سمجھ میں آ جائے گی۔ اور ساتھ یہ بھی فرمادیا **إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ** ان تمام مشاہدات میں عبرت کا مقام ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو آنکھیں رکھتے ہیں جن سینوں میں غور و فکر کے لیے دل کی آنکھیں موجود ہیں ان کے لیے یہ سب باتیں جائے عبرت ہیں۔ جب بھی سوال اٹھائیں کہ بادلوں کو اکٹھا کر کے بارش کون برساتا ہے، اُس میں او لے اور بجلی کون نکالتا ہے، دن رات اور موسموں کا تغیر و تبدل کون لاتا ہے۔ جب بھی غور کرے گا سارے سوالوں کا ایک ہی جواب ہو گا کہ ان تمام امور کو انجام دینے والا اللہ وحدہ لا شریک ہے ہر چیز پر اس کا تصرف ہے، جب یہ بات سمجھ میں آ جائے تو پھر کفر اور شرک کی جبرکٹ جانی چاہیے۔ ان تمام شواہد کی موجودگی میں اگر کوئی شخص از خود آنکھیں



بند کر کے بیٹھا جائے، نہ ان کو دیکھے اور نہ ان میں غور و فکر کرے تو اسے توحید کی سمجھ  
 کیسے آسکتی ہے؟ اگر کوئی شخص سورج کی تیز روشنی میں بھی اپنا آپ کو کسی تنگ و  
 تاریک کمرے میں بند کرے اور پھر سورج کی موجودگی کا انکار کر دے تو پھر اس کی  
 حالت پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ الغرض ! اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے چند  
 عقلی دلائل پیش کر کے ہر انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور وحدانیت  
 کو تسلیم کرنے کی تلقین کی ہے۔

النور ۲۲  
آیت ۴۵ تا ۴۶

قد افلح ۱۸  
درس ہفتم ۱۷

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَّن يَّمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَّن يَّمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّن يَّمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٥﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہر چلنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔ پس اُن میں سے بعض چلتے ہیں اپنے پیٹ کے بل اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو چلتے ہیں دو پاؤں پر۔ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں چار پاؤں پر۔ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ﴿۴۵﴾ البتہ تحقیق ہم نے اتاری ہیں آیتیں کھول کر بیان کرنے والی اور اللہ تعالیٰ راہنمائی کرتا ہے جس کی چاہے سیدھے راستے کی طرف ﴿۴۶﴾

ابتداء سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نظامِ عصمت و عفت کی برقراری کے لیے قوانین بیان فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی توحید کا بیان ہوا۔ اور مشرکین کا رد ہوا۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی واحدیت کے عقلی دلائل تھے اور آج کی آیات بھی اُسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ گزشتہ درس میں توحید کی یہ دلیل دی جا چکی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام

رابط آیات

چیزیں اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں حتیٰ کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی اپنے مالک کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بادلوں کے اجتماع ان میں سے بارش اور اولوں کے نزول اور پھر ان کے ذریعے بعض کی تکلیف دہی اور بعض کی حفاظت کا ذکر کیا۔ رات اور دن کے تغیر و تبدل اور ان کی طوالت میں کمی بیشی کو بیان کر کے فرمایا کہ ان تمام چیزوں میں صاحب بصیرت لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ان دلائل میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔

پانی بطور  
منبع حیات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کی تخلیق کا ذکر کر کے اُسے بھی اپنی وحدانیت کی دلیل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ اور اللہ نے پیدا کیا ہے زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کو۔ لفظ دابة اگرچہ کبھی گھوڑے پر بھی بولتے ہیں تاہم یہ لفظ ہر اس جاندار کے لیے استعمال ہوتا ہے لِمَنْ يَّذُبُّ عَلَى الْاَرْضِ جو زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اس میں انسان، جانور، پتھر، پرند اور کیڑے مکوڑے سب آجاتے ہیں۔ فرمایا ان سب جانداروں کو اللہ نے پیدا کیا مِّن مَّاءٍ پانی سے، گویا تمام جانداروں کا منبع حیات پانی ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (آیت ۳۰) ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔ چنانچہ تمام جانداروں اور نباتات کی غذا میں پانی ایک اہم اور بڑا حصہ ہے اللہ نے اُن کی تخلیق بھی پانی سے ہی فرمائی ہے۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مذکورہ آیت میں ہر چیز کا منبع حیات پانی کو قرار دیا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی تخلیق پانی سے نہیں ہوئی مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا اور جنات اور شیاطین کو آگ سے تخلیق کیا۔ اسی طرح فرشتوں

کی تخلیق ایک خاص نور سے ہوئی۔ اور حضرت صلح علیہ السلام کی اولاد کو اللہ نے قوم کے سلسلے پچھتر سے پیدا کیا۔

مفسرین کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ مٹی سے ہوئی مگر جہاں تک پوری نوع انسانی کا تعلق ہے اس کو اللہ نے پانی ہی کے ذریعے زندہ کی بخشتی ہے۔ قرآن پاک نے انسان کی پیدائش کے سلسلے میں قطرہ آب کا بار بار ذکر کیا ہے۔ جیسے سورۃ السجدہ میں ہے **وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ** (آیت ۱۴) اللہ تعالیٰ کی فائیت جس نے انسان کی تخلیق ابتدائی طور پر مٹی سے کی **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ** (آیت ۸) پھر اسکی نسل کو حقیر پانی کے اخلاط سے چلایا۔ سورۃ الفیلہ میں ہے **الْمَرْيَمُ ذُفْفَةٍ مِّنْ مَّيْنِ يَمْنَىٰ** (آیت ۳۷) کیا انسان ٹپکائے جانے والے مادہ تولید کا ایک قطرہ آب نہیں تھا؟ مطلب یہ ہے کہ تمام نسل انسانی کی تخلیق قطرہ آب سے ہی ہوئی ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح کی تخلیق مراد ہے یعنی ہر چیز میں پانی کی شرکت ضرور ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلہ میں عناصر اربعہ کو تو تسلیم کیا جاتا ہے جن میں پانی بھی شامل ہے۔ اللہ نے آب کا خمیر مٹی کو پانی سے گوندھ کر ہی تو بنایا تھا۔ لہذا آدم علیہ السلام کی تخلیق میں بھی پانی کا عنصر موجود ہے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے اور جنات کی تخلیق نار سے ہوئی تو اس میں بھی بالواسطہ پانی کی شرکت ثابت ہوتی ہے۔ سائنسدانوں کے تجزیہ کے مطابق پانی دو گیسوں کا مجموعہ ہے یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ ان دونوں گیسوں کو خاص مقدار میں جمع کیا جائے تو پانی تخلیق ہوتا ہے۔ آب آکسیجن ایک ایسی چیز ہے جس میں ناری مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی چیز کو آگ دکھانے کے لیے آکسیجن کا ہونا لازمی ہے ورنہ آگ نہیں



بھڑکتی۔ لہذا ثابت ہوا کہ آکسیجن کی وساطت سے پانی میں آگ کا مادہ بھی موجود ہے چنانچہ فرشتوں اور جنات کی تخلیق میں بھی کسی حد تک پانی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔

شاہ ولی  
کا فلسفہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق میں جس پانی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ پانی مراد نہیں جو ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں بلکہ اعنی بالسماء اهل الموجودات لا هذا النوع من العناصر اس پانی سے مراد تمام موجودات کی اصل ہے۔ وہ ایک خاص قسم کی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے امام بغویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص جوہر پیدا کیا جو نہایت ہی خوبصورت اور چمکدار تھا پھر جب اللہ تعالیٰ کی ہدایت ناک تجلی اس جوہر پر پڑی تو وہ گچھل کر پانی بن گیا۔ اس بات کا تجربہ ہم خود بھی کرتے ہیں کہ کوئی سخت سے سخت دھات سونا، چاندی، لوہا وغیرہ ہو جب اُسے ایک خاص درجے تک حرارت پہنچائی جاتی ہے تو وہ دھات گچھل کر پانی بن جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہدایت ناک تجلی سے وہ خاص جوہر پانی بن گیا اور پھر اس پانی سے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو تخلیق کیا۔ اس پانی کو شاہ صاحب تمام موجودات کی اصل قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ہر چیز کی پانی سے تخلیق سمجھ میں آتی ہے۔

چلنے پھرنے  
کی صلاحیت

اللہ نے فرمایا کہ اُس نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ اگے ان جانداروں کی مختلف قسمیں ہیں اور ان میں چلنے پھرنے کی صلاحیت بھی مختلف ہے۔

فِيهِمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ اِنَّ فِيْهِ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَعْقِلُ

ایسے ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں یعنی پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اگرچہ

ان جانوروں کے پاؤں نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں اتنی صلاحیت رکھی ہے کہ پریٹ کے بل گھسٹ کر نہایت تیزی سے ساتھ بھاگ سکتے ہیں۔ رینگنے والے جانوروں میں مچھلی پانی میں نہایت تیزی سے حرکت کرتی ہے اور زمین پر چلنے والوں میں سانپ نہایت تیز رفتار کیڑا ہے حتیٰ کہ پاؤں ہونے کے باوجود انسان سانپ کے برابر تیز نہیں دوڑ سکتا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے کہ اُس نے کیسی کیسی عجیب و غریب مخلوق پیدا کی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت والے دن لوگ سر کے بل دوڑتے ہوئے چلیں گے، کسی نے عرض کیا، حضور! پاؤں پر چلنا تو سمجھ میں آتا ہے، سر کے بل کیسے چلنا ہوگا؟ فرمایا کہ جس خدا تعالیٰ نے پاؤں پر چلنے کی قوت بخشی ہے وہ سر کے بل چلنے کی طاقت بھی عطا کر دے گا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات ہے۔  
فَرَمَا وَفِيهِمْ مِّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ أَوْ لِعِضِّ جَانِبٍ  
 ان میں سے ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ ان جانوروں میں انسان سرفہرست ہے جس کو اللہ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور اس کو دو پاؤں عطا کیے گئے جو اس کی نقل و حرکت کا کام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام پرندے بھی دو پاؤں پر چلتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق دوڑ سکتے ہیں۔ مرغ، بطخ، چڑیا، کوا، کبوتر وغیرہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔  
فَرَمَا وَفِيهِمْ مِّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ اور ان میں سے بعض جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ ان میں اونٹ، گھوڑا، بیل، بھیر، بکری، گائے وغیرہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ چوپایوں میں چیتا ایک سو دس میل اور بھیر یا اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو چار پاؤں عطا کیے ہیں۔ حضرت ابی ابن کویثؓ کے مصحف میں چار کے بعد اکثر کا ذکر بھی آتا ہے۔ یعنی بعض ایسے جاندار، کیڑے مکوڑے بھی ہیں جن کو اللہ نے چار سے زیادہ

پاؤں بھی دیے ہیں۔ پانی میں رہنے والے کیکڑے کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں۔ کن کھجور کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے ایک ہزار پاؤں ہوتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے قدرتِ خداوندی کے نمونے کے طور پر اپنی کتاب گلستان میں لکھا ہے ”یہ دست و پا ہزار پائے راکشت“ یعنی ہاتھ پاؤں سے محروم ایک شخص نے ہزار پاؤں رکھنے والے کن کھجور سے کو مار دیا۔ یہ بیچارہ اتنے کثیر پاؤں ہونے کے باوجود بھاگ نہیں سکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے ارشاد ہوتا ہے **يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ تَعَالَى جَوْا جَاهِتَا** ہے پیدا کرتا ہے۔ اُس کی مشیت اور حکمت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ سورۃ یس میں ہے **وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ** (آیت - ۸۱) وہ بہت بڑا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ ہی کا تخلیق کردہ ہے اور اس معاملہ میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق تو مسلمہ عند الکل ہے یعنی دہریوں کی قلیل تعداد کے علاوہ دنیا کے کسی بھی آدمی سے پوچھو، خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت کا پیرو کار ہو، جواب یہی ہوگا۔ کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا واجب الوجود ہونے کو بھی سمجھی تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات خود بخود ہے جو کسی دوسری ہستی کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذات خود ہر چیز کی خالق ہے۔ البتہ اللہ کی باقی دو صفات مخصوصہ عبادت اور تدبیر میں لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا دیوی دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا بھی ضروری ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ وہ بھی کرتے ہیں یعنی حاجات پوری کرتے ہیں اور بگڑی بناتے ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی صفتِ خلق کا تذکرہ فرمایا ہے جب ہر چیز کا خالق وہ ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی وہی ہے نہ تو کوئی دوسرا کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے اور نہ وہ عبادت کے لائق ہو سکتا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ فرمایا **إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ**

دلائل توجیہ

ہدایتِ نذریہ  
قرآنِ حکیم

شَئٍ قَدِیْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی ہر چیز پر قادر ہے ۔

آگے ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتِ مُبٰیِّنٰتٍ تَحْقِیْقُہُمْ نَے  
واضح واضح آئینیں نازل فرمائی ہیں ۔ سورۃ ہذا کی ابتداء میں معاشرے کی طہارت  
کے لیے حدود کا قانون بتایا ۔ پھر اعتقاد اور اخلاق کی درستگی کے لیے بہترین اصول  
وضع فرمائے ۔ یہ اصول و قوانین دنیا اور آخرت کی فلاح کے ضامن ہیں اور بالکل  
واضح ہیں ۔ جن پر آسانی سے عمل کیا جاسکتا ہے ۔ فرمایا وَاللّٰہُ یَهْدِیْ مَنْ  
یَّشَآءُ اِلَیْہِ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھے  
راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ، راہنمائی کرتا ہے ۔ مگر یہ چیز طلب اور خواہش  
سے حاصل ہوتی ہے ۔ ہر منصف مزاج اور خواہشمند آدمی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی  
سے مستفید ہو سکتا ہے ۔ سیدھے راستے سے مراد دینِ حق اور دینِ توحیدِ اسلام  
کا راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور  
جس کی تعلیم قرآن پاک کی یہ واضح آئینیں مہیا کرتی ہیں ۔ اسی پر تمام انبیاء و چلتے رہے  
اور اسی کو ملتِ ابراہیمیہ اور ملتِ اسلامیہ اور دینِ حق کا نام دیا گیا ہے اور اسی کو  
الاسلام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔



وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى  
 فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٤﴾  
 وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا  
 فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ  
 يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٣٦﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ  
 ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْجِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ  
 بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾

الْبَاقِي

ترجمہ:- اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور  
 رسول پر اور ہم نے اطاعت کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے  
 ایک گروہ زرگردانی کرتا ہے۔ اور یہ لوگ (درحقیقت) ایمان والے  
 نہیں ہیں ﴿۳۴﴾ اور جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف  
 اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان  
 تو اچانک ان میں سے ایک گروہ اعراض کرنے والا ہوتا ہے ﴿۳۵﴾  
 اور اگر (فیصلہ) ان کے حق میں ہو تو آتے ہیں اس کی طرف  
 قبول کرتے ہوئے ﴿۳۶﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا  
 انہوں نے شک کیا ہے، یا یہ خوف کھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
 اور اس کا رسول ان پر بے انصافی کریگا۔ (نہیں) بلکہ یہی لوگ  
 (درحقیقت ہیں) ظلم کرنے والے ہیں ﴿۵۰﴾

رابطہ آیات

پہلے اللہ نے عصمت و معصیت کا نظام بیان فرمایا اور اس سلسلے میں حد و  
 اور احکام نازل فرمائے۔ پھر اللہ کی توحید کے بعض محفل دلائل بیان فرمائے اور ساتھ  
 یہ بھی فرمایا کہ ارض و سما کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے۔ پھر اللہ  
 نے فرمایا کہ ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بڑی واضح آیتیں نازل کی ہیں جب  
 کائنات کی ہر چیز تسبیح و تحمید بیان کرتی ہے تو پھر انسانوں کا تو بطریق اولیٰ فرض ہے  
 کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے بن جائیں اور اس  
 کی توحید کو تسلیم کر لیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے منافقین کی مذمت بیان  
 فرمائی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔ فرمایا صحیح  
 معنوں میں یہ لوگ ایمان دار نہیں ہیں بلکہ منافق ہیں جن کو اللہ کے رسول کے  
 فیصلے پر اعتقاد نہیں۔ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کے  
 دلوں میں بیماری ہے۔

منافقین کا  
 کردار

ارشاد ہوتا ہے وَ يَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالرَّسُولِ يَهْدِيهِمْ  
 کے لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔  
 حالانکہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی یہ مضمون گزر  
 چکا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ  
 الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (آیت - ۸) بعض لوگ کہتے ہیں  
 کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہیں۔ اسی  
 طرح یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کا دعوے کرتے ہیں  
 ظاہر ہے کہ ایمان میں اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسول کی رسالت اور ان کی  
 اطاعت بھی شامل ہے۔ جب تک اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرے گا۔  
 ایمان کا کچھ فائدہ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اطاعت کا دعوے بھی کرتے  
 ہیں اور کہتے ہیں وَأَطَعْنَا إِيَّاهُمْ نَسُوا اللَّهَ وَ أُولَئِكَ  
 کی۔ ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیں گے، مگر عملی طور پر یہ ہوتا ہے تَفُوتُ

يَتَوَلَّيْكُمْ قَرِيبٌ مِّنْهُمْ مَّتَّ كَعْدِ ذَلِكَ کہ اس کے بعد اُن  
 میں سے ایک گمراہ روگردانی کر جاتا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ تین باتوں کا دعوے  
 کرتے ہیں۔ ایمان باللہ، ایمان بالمرسل اور اطاعت۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں  
 کے بغیر کوئی شخص ہدایت نہیں پاسکتا اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات  
 جان کر اُس کے احکام کی تعمیل کر سکتا ہے، مگر فرمایا کہ ان تین دعاوی کے باوجود  
 یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں اور دعوے کا عملی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ اللہ نے  
 فرمایا ایسے لوگ قطعاً ایماندار نہیں ہو سکتے۔ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ  
 مومن تو وہ ہوتا ہے جس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور جس کے دل میں بھی وہی  
 بات ہو جو اُس کی زبان پر ہے۔ فرمایا اگر قول و فعل میں تضاد ہے، دل میں پختہ  
 یقین نہیں ہے تو ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

فرمایا ان لوگوں کے ایمان سے خالی ہونے کا ثبوت یہ ہے وَإِذَا دُعُوا  
 إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلا جاتا  
 ہے لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ اُن کے درمیان فیصلہ کیا جائے اِذَا فَرِيقٌ  
 مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ تو ان میں سے ایک گمراہ اعراض کرنے والا ہوتا ہے  
 دراصل منافقین کی خواہش ہوتی تھی کہ اُن کے ہر معاملے کا فیصلہ اُن کی مرضی کے مطابق  
 ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ بارگاہِ نبوی میں ہر مقدمہ کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک ہوگا، لہذا  
 جب وہ کسی معاملہ میں اپنا موقف کمزور پاتے تو دربارِ رسالت میں جانے سے  
 اعراض کرتے۔ حضرت علیؑ اور ایک ایسے ہی منافق خصلت شخص کے درمیان  
 کسی معاملہ میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے اُس شخص سے کہا کہ چلو اس کا فیصلہ  
 حضور علیہ السلام سے کرنا لیتے ہیں۔ مگر چونکہ اُس کو من مانی کی توقع نہیں تھی اس  
 لیے اس نے یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلنے کی تجویز پیش  
 کی تاکہ وہاں سے اپنی مرضی کا فیصلہ کرا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اسی کردار کے پیش نظر فرمایا ہے وَإِنْ

يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ اَكْمَرُ اِنْ كُوَيْقِنَ هُوَ كَفَيْصِلُهُ اُنْ كَعَقِ مِيں هُوَ كَا يَأْتُوْ  
 اَلَيْهَ مَذْعِنِيْنَ تُوَاتِيْ هِيْ اَبِ كِي طَرَفِ دُوْرَتِيْ هُوْ تِيْ اَذْعَانِ  
 كَا مَعْنِيْ يَقِيْنِ كَرِ نَا هُوَ تَا هِيْ، اُوْر مَطْلَبِ يِهِيْ كِه اَكْمَرِ اَنِيْ اِيْنِيْ حَقِ مِيْنِ فَيْصِلِ  
 هُوْنِيْ كَا يَقِيْنِ هُوْ تُوْ بَحْرِ تُوْ الشَّرْ كِي رَسُوْلِ كِي طَرَفِ دُوْر كَرِ آتِيْ هِيْ اُوْر اَكْمَرِ  
 فَيْصِلِ اِسْ كِي بِرْخَلَاْفِ مَتَوَقَّعِ هُوْ تُوْ بَحْرِ اِسْ عَدَالَتِ مِيْنِ آْنِيْ سِيْ كِه نِيْ كَرِ تِيْ هِيْ  
 حَضْرَتِ حَسَنِ بَصْرِيْ كِي رَوَايَتِ مِيْنِ آتِيْ هِيْ مَتْنِ دُعَاِ الْحَقِّ  
 حَاكِمْ فَلَمْ يَجِبْ فَهُوَ ظَالِمٌ جِسْمِ شَخْصِ كُوْ كِسِيْ تَنَازُعِ كِي فَيْصِلِ كِي  
 لِيْ سَكْمَانِ حَاكِمْ كِي پَاسِ بَلَا يَا جَا تِيْ اُوْر وَه دِهَانِ آْنِيْ كِي لِيْ تِيَارِ نَه هُوْ تُو  
 اِيْ شَخْصِ ظَالِمِ هِيْ. حَضْرَتِ سَمْرَهْ كِي رَوَايَتِ مِيْنِ بَحِيْ اِيْ سِيْ قِسْمِ كِي الْفَاظِ آْتِيْ  
 هِيْ. اِمَامِ اَلْبُوْبَكِرِ حَصَا صُ نِيْ اِنْ رَوَايَتُوْ كُوْ اِيْ تَفْسِيْرِ مِيْنِ نَقْلِ كِيَا هِيْ. بِيْرْ حَالِ  
 فَرَمَا يَا كِه اِسْ كَرِ دَارِ كِي اَدْمِيْ مَوْسِنِ نِيْ هِيْ بَلْ كِه يِهِيْ مَحْضِ زَبَانِيْ دَعْوِيْ هِيْ.

اِيْكَ رَوَايَتِ مِيْنِ آتِيْ هِيْ كِه اِيْكَ يَهُودِيْ نِيْ حَضْرَتِ عَلِيْهِ السَّلَامِ كِي عَدَالَتِ مِيْنِ  
 يِهِيْ دَعْوِيْ دَارِ كِيَا هِيْ كِه اُسْ كِي چَارِ دِرْهَمِ اِيْكَ صَحَابِيْ اَبِيْ حَدْرَدُثْ كِي ذَمِّ وَاجِبِ  
 هِيْ مَكْرُوْهِ وَاپسِ نِيْ هِيْ كَرِ تَا. اُسْ شَخْصِ كُوْ بَلَا يَا كِيَا تُوْ اِسْ نِيْ اَقْرَارِ كِيَا كِه اُسْ نِيْ چَارِ دِرْهَمِ  
 كِي رَقْمِ دِيْنِيْ هِيْ مَكْرُوْهِ اَبِيْ وَه اسْتِطَاعَتِ نِيْ هِيْ رَكْشَا وَه اَدْلِيْنِ فَرْصَتِ پَرِ اَدَايِ كِي  
 كَرِ دِيْ كَا. حَضْرَتِ عَلِيْهِ السَّلَامِ نِيْ دُوْ كِي سَلْمَانُوْ سِيْ مَخَاطَبِ هُوْ كَرِ فَرَمَا يَا كِه اِسْ  
 شَخْصِ كَا حَقِ اَدَا كَرِ. اُسْ دُوْ بارِ سِيْ بارِ اِنْ الْفَاظِ كُوْ دِهَرَا يَا مَكْرُوْهِ كُوْ كِي شَخْصِ يِهِيْ رَقْمِ  
 اَدَا كَرِ نِيْ پَرِ تِيَارِ نَه هُوْ. پَحْرِ وَه مَقْرُوْضِ صَحَابِيْ خُوْدِ هِيْ اُٹْھَا يَهُودِيْ قَرْضِ خَوَا هُوْ سَا تَحْ  
 لِيَا اُوْر بَا زَارِ چَلَا كِيَا. اِسْ كِي بَكْرِيْ تُوْ مَجْمُوْلِيْ حَقِّيْ اَلْبَتَّةِ اِسْ كِي تَهْبِنْدِ كِي چَا دِرْ اَحْيِيْ حَالَتِ  
 مِيْنِ حَقِّيْ. اُسْ نِيْ بَكْرِيْ كُوْ تَه بِنْدِ كِي طَوْرِ پَرِ بَانْدِ لِيَا اُوْر قَرْضِ كِي عَوْضِ چَا دِرْ پِيْشِ  
 كَرِ دِيْ جِيْ سِيْ يَهُودِيْ نِيْ مَنظُوْرِ كَرِ لِيَا اُوْر اِسْ طَرَحِ اُسْ نِيْ يَهُودِيْ كَا حَقِ اَدَا كَرِ دِيَا.  
 يِهِيْ تُوْ سِيْ سَكْمَانِ كِي بَاتِ حَقِّيْ مَكْرُوْهِ غَطِ كَارِ لُوْگِ چَا هِيْ تِيْ كِه فَيْصِلِ لَازِمًا اَنِيْ كِي  
 حَقِ مِيْنِ هُوْ، لَهْذَا جَبِ اَنِيْ اِيْنِيْ حَقِ مِيْنِ فَيْصِلِ كِي تَوَقَّعِ هُوْ تُوْ عَدَالَتِ مِيْنِ دُوْرِ



کہہ آتے ہیں، ورنہ اعراض کرتے ہیں۔

اسی قسم کی منافقت مسلمانوں میں بھی چل نکلی ہے۔ یہ بھی اپنے مفاد کی طرف تو دوڑ کر جاتے ہیں، مگر جہاں کوئی ذمہ داری عاید ہوتی ہو وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا حکم یہ ہے کہ نفع ہو یا نقصان ہر صورت میں اللہ کے رسول کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ کہ اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ اگر آج قدر نقصان بھی ہو رہا ہے تو آگے بہت بڑے فائدے کی توقع بھی ہے انصافیت کی تعمیر اور اس کے مفاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں۔ اگر بوجہ اس دنیا میں اس کا فائدہ نہ بھی ہو تو آخرت میں تو بہر حال فائدہ ہی فائدہ ہوگا، لہذا اللہ کے رسول کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہیے۔ سورۃ الاحزاب میں ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمِينَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَتْ لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهٖمْ (آیت ۳۶) جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کو اس میں چون و چرا کا حق نہیں ہے۔ اُسے فوراً تسلیم کر لینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ فیصلے میں فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی۔ فرمایا دونوں صورتوں میں بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیے اور اس میں کوئی قیل و حجت نہیں ہونی چاہیے۔

بعض لوگ دین اور مذہب کو اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ اگر اس میں ذاتی منفعات ہوگی تو اس پر قائم رہیں گے ورنہ روگردانی کر جائیں گے۔ یہ منافقانہ کردار ہے۔ دیکھ لیں کسی کونسل یا اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے لوگ کتنی تگ و دو کرتے ہیں کیونکہ اس میں انہیں مفاد نظر آتا ہے، اُدھر دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں مگر اسلام کی بات کی طرف رُخ ہی نہیں کرتے۔ اصل بیماری یہی ہے کہ لوگ مفاد کو دیکھتے ہیں کہ کہاں سے حاصل ہوتا ہے اور پھر اُدھر کا ہی رُخ کرتے ہیں اسلام بہ حق ہے اور اس کی قبولیت میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیے۔ خواہ

منافقت دل  
کار روگ ہے

وقتی طور پر نقصان بھی نظر آتا ہو۔

آگے اللہ نے منافق صفت لوگوں کا تجزیہ کیا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر کیوں راضی نہیں ہوتے۔ اللہ نے اس ضمن میں تین جوتے کا ذکر فرمایا ہے أَفِ قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ اللہ نے نفاق کو بیماری کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ الیا روگ ہے۔ جس کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر دل میں کفر ہے یا اعتقادی یا عملی نفاق ہے تو ایسا شخص منافقت جیسی دہلک بیماری میں مبتلا ہے۔ فرمایا، کیا یہ بات ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں روگ ہے أَمْ أَرْتَابُونَ یا انہوں نے شک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی کی رسالت یا وقوع قیامت اور حساب کتاب کی منزل کے متعلق شک کرتے ہیں۔ یا نبی کے فیصلے پر تردد ہے کہ پتہ نہیں کہ ٹھیک ہو گا یا نہیں۔ اگر ایسا شک کرے گا تو آدمی اعتقادی منافق اور کافر بن جائے گا۔ نبی کی نبوت اور رسالت میں شک کرنا بھی کفر ہے کیونکہ اللہ کا نبی تو سچا ہے اور اس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔

نا انصافی  
کا تصور

فرمایا تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْجِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ اور رسول کا خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر کوئی زیادتی کرے گا (العیاذ باللہ) حیف کا معنی زیادتی یا بے انصافی ہوتا ہے ایسا آدمی بھی قطعاً ایماندار نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے رسول کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں کسی پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہوتی، فرمایا جو لوگ اس قسم کا نظریہ رکھتے ہیں بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں۔ بہر حال اللہ نے تین قسم کے لوگوں کو یہاں پر ظالم کا لقب دیا ہے۔ (۱) جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے (۲) جو کسی محکم بات میں شک کھتے ہیں۔ (۳) جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی زیادتی کا گمان کرتے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ایک رات

ابنوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر پہ نہ پایا تو دل میں خیال آیا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے گھر تشریف لے گئے ہیں۔ پھر بعد میں انکشاف ہوا کہ آپ گھر میں ہی ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ سو رہی ہیں۔ آپ چپکے سے اٹھے اور حُجَّتِ الْبَقِيعِ چلے گئے کیونکہ اللہ نے جبریل علیہ السلام کی معرفت پیغام بھیجا تھا کہ اہل بَقِيعِ کے لیے جا کر دُعا کرے، جب حضرت عائشہؓ بیدار ہوئیں تو آپ کو نہ پایا اور آپ پر نشان ہو گئیں کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام بَقِيعِ سے واپس آئے تو سارا معاملہ صاف ہوا۔ اُس موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کو مخاطب کیے فرمایا تھا کیا تم گمان کرتی ہو اَنْ تُحِبَّتِ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر زیادتی کرے گا؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ آج جس بیوی کا حق ہے، میں اُسی کے پاس رہوں گا۔ غرضیکہ آپ نے بے انصافی کے لیے یہی حیف کا لفظ استعمال کیا جو اس آیت میں آیا ہے۔

بہر حال شریعت کا فیصلہ خواہ کسی کی ذات کے خلاف ہو یا اس کے رسم و رواج کے خلاف جاتا ہو، اسے قبول کر لینا چاہیے کہ انسانیت کی فلاح اسی میں ہے اس میں شک کہ نہ منافقوں اور ظالموں کا کام ہے۔ اب اگلی آیت میں مومنین کے کہہ دیا کہ آئے گا۔

النور ۲۴  
آیت ۵۱ تا ۵۴

قد افلح ۱۸  
درس نوزدہم ۱۹

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ  
وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا  
وَإُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤۱ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ⑤۲  
وَاقْسُمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ  
لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تَقْسِمُوا طَاعَةً مَعْرُوفَةً ⑤۳ إِنْ  
أَمَرَ اللَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑤۴ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ  
أَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ  
وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا  
عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑤۵

ترجمہ :- بیشک ایمان والوں کی بات تو یہ ہے کہ جب انہیں  
بلا یا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ  
کرے اُن کے درمیان ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور  
ہم اطاعت کرتے ہیں ۔ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ⑤۱  
اور جو شخص اطاعت کریگا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ،  
اور ڈرتا ہے گا اللہ سے اور بچتا ہے گا ( اُس کی نافرمانی )  
پس یہی لوگ ہیں فائز المرام ہونے والے ⑤۲ اور قسمیں اٹھائیں  
ان لوگوں نے پختہ قسمیں کہ اگر آپ ان کو حکم دیں گے تو



یہ ضرور باہر نکلیں گے۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) مت قسمیں اٹھاؤ۔ دستور کے مطابق اطاعت (مطلوب ہے) بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے اُن باتوں کی جو تم عمل میں لاتے ہو ۵۳) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ پس اگر تم نے روگردانی کی تو بیشک رسول کے ذمے وہی ہے جو اُس پر بوجھ ڈالا گیا اور تم پر وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا۔ اور اگر تم اُس کی اطاعت کرو گے تو ہایت پا جاؤ گے اور نہیں ہے رسول کے ذمے مگر بھول کر پہنچا دینا ۵۴)

رابط آیات

پہلے اللہ نے توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے اور پھر منافقوں کی مذمت بیان کی کہ جب کسی تنازعہ کے فیصلے کی خاطر انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ ہاں، اگر انہیں یقین ہو کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا، تو اطاعت کے انداز میں دوڑ کر آتے ہیں۔ اور اگر ان کی توقع اس کے برخلاف ہو تو دربارِ نبوی میں آنے سے ٹال مٹول کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے اُن کی ذہنیت کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یا تو اُن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہوگی، یا اللہ کی توحید، نبی کی رسالت یا دین کے متعلق شک ہوگا اور یا پھر انہیں اللہ اور اُس کے رسول سے ناانصافی کی توقع ہوگی۔ فرمایا ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ، اُس کے رسول اور دین حق کے متعلق اسی قسم کا نظریہ رکھتا ہو۔ اس کے برخلاف اب آج کی پہلی دو آیات میں اہل ایمان کے کردار کا ذکر ہے اور اگلی دو آیتوں میں روئے سخن پھر منافقوں کی طرف ہے۔

مومنوں کا کردار

ارشاد ہوتا ہے إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ بیشک ایمان والوں کی بات تو یہ ہے إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ کہ جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے یعنی

جب دو فریقوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ فیصلے کے لیے دربار رسالت کی طرف ہی دعوت دی جائیگی کہ آؤ اپنے تنازعہ امر میں فیصلہ حاصل کر لو، تو مومنوں کا کردار یہ ہوتا ہے۔ اَنْ يَّقُولُوا سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سُن لی ہے اور تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں۔ اہل ایمان نفع یا نقصان سے قطع نظر نبی علیہ السلام کی دعوت پر فوراً حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف منافقوں کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نبی کی ایسی دعوت پر کہتے ہیں اَطَعْنَا یعنی ہم نے نبی کی بات مان لی مگر جلد ہی ان میں سے ایک گروہ اعراض کر جاتا ہے۔ ان کا رویہ بالکل نبی اسرارِ اِلهی والا ہوتا ہے وہ بھی اللہ اور اُس کے رسول کی بات سُن کر کہتے ہیں سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا (النساء - ۶۶) ہم نے بات تو سُن لی مگر اس پر عمل نہیں کریں گے۔

بہر حال فرمایا کہ مومنوں کا کردار یہ ہے کہ وہ بات سن کر اطاعت کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ حقیقت میں فلاح پانے والے یہی لوگ ہیں۔ کامیابی انہی لوگوں کے حصے میں آئے گی۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کی اطاعت پر ہر وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔

اللہ اور رسول  
کی اطاعت

اگے اللہ نے ایک عام اصول کے طور پر فرمایا ہے وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ جس شخص نے اللہ اور اُس کی رسول کی اطاعت کی وَ يَخْشِ اللَّهَ اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا وَيَتَّقْهُ اور وہ بچتا رہا (اللہ کی نافرمانی سے) فرمایا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ تو پھر یہی لوگ ہیں۔ فائز المرام ہونے والے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کامیاب لوگوں کی چار صفات بیان کی ہیں جن میں سے پہلی صفت اللہ کی اطاعت اور دوسری رسول کی اطاعت گزاری ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی اطاعت میں اُس کی ذات اور صفات کو تسلیم کرنا اور اس کی واہد کو ماننا اولین اور بنیادی فرض ہے اور اُس کے بعد اُس کے ہر حکم کی تعمیل شامل ہے اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، وہ منعم اور محسن ہے جو شخص ایسے معبود برحق کی

بات کو نہیں مانے گا وہ ہمیشہ سر دودز ہو گیا۔ اسی طرح اللہ کے رسول کی اطاعت بحیثیت رسالت فرض ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا دین، شریعت اور احکام رسول کی وساطت سے آتے ہیں۔ جب تک نبی کی اطاعت نہیں ہوگی۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہو سکتی، حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ تمہیں خوشی ہو یا ناخوشی ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے۔ غرضیکہ یہ دو باتیں ہیں ایک اللہ کی اطاعت اور دوسری اس کے رسول کی اطاعت۔

خشیت اور  
تغلبے

تیسری بات خشیت یعنی خوف خدا ہے اور اس کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ سورۃ مومنوں کے آغاز میں بھی گزر چکا ہے **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱** **الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ** کامیاب ہو گئے وہ مومن لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار ہے اور دل میں اس کا خوف تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم کا حصہ رہا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ چار خصلتیں تمام انبیاء کی شرائع میں اٹل رہی ہیں اور یہ ہمارے دین کا بھی حصہ ہیں۔ پہلی چیز طہارت ہے، اس میں ظاہر اور باطن کی ساری طہارت شامل ہے، انسان کا بدن اور لباس پاک ہو، اس کی خوراک پاک ہو اور سب سے بڑھ کر اس کا عقیدہ اور فکر ہر قسم کے کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہو۔ دوسری چیز اخبات ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ** (یہود - ۲۳) وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے اور پھر انہوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا۔ اسی کو خشوع و خضوع بھی کہتے ہیں اور اس صفت کے حاملین خاشعین، خاضعین اور مجتہنین کہلاتے ہیں۔ اپنی نیاز مندی اور کمزوری اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا خیال کرنا اخبات کہلاتا ہے۔ سورۃ المدثر میں ہے۔ **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** (آیت - ۳) ہمیشہ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرتے رہو۔

لے حجة الله بالاعه صلیک و همعات ص ۸۹ (فیاض)

شاہِ عارف فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی شرائع کی تیسری خصلت سماعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان حقیر اور خبیث چیزوں سے بچتا ہے، یعنی حرص، المیج طمع اور خود غرضی کو قریب نہ آنے دے اور چوتھی خصلت عدالت ہے یعنی انسان ہمیشہ عدل و انصاف کا پرچم بلند رکھے اور کسی پر ظلم و زیادتی سے پرہیز کرے، بہر حال ان چار بنیادی صفات میں خشوع یعنی انابت بھی ہے جس کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے۔

فرمایا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرنا رکھا۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہا تو یہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں چوتھی صفت تقویٰ کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ تقویٰ کا معنی یوں کہتے ہیں ”محافظت برحدود شرع“ یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔ شرک، کفر، نفاق، کبائر اور صفائے سے بچنا تقویٰ میں شامل ہے۔ تو فرمایا جس میں یہ چار صفات ہوں گی وہی فائز المرام ہوں گے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک رومی دیہاتی آدمی کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا اَنَا شَهِدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تو اُس نے کہا کہ میں ایمان لایا ہوں۔ آپ نے پھر پوچھا تمہارے ایمان لانے کی وجہ کیا ہوئی؟ کہنے لگا۔ میں نے زبور، تورات، انجیل اور بعض آسمانی صحائف پڑھے ہیں اور میں اُن کی چاشنی کو جانتا ہوں۔ پھر ہمارے ہاں ایک مسلمان قیدی تھا جو قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتا تھا وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ میں نے اس آیت پر غور کیا تو مجھے یہ ایسی جامع آیت محسوس ہوئی جس میں تمام سابقہ کتب سماویہ کا لب لباب آگیا ہے۔ چنانچہ مجھے یقین آگیا کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور میں نے ایمان قبول کر لیا۔ کہنے

لَهُ الطَّافُ الْقُدْسُ فِي مَعْرِفَةِ لَطَائِفِ النَّفْسِ مَتَجِمْراً (فیاض)

ایمان افزہ واقعہ



لَا مَبْرَئَ لَكَ مِنَ اللَّهِ فِي تَمَامِ فَرَائِضِ آگئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سلسلے میں  
تسبیح و تحمید کر دو، اور قَرَسُّوْکَہ میں اللہ کے رسول کی تمام سنن آگئی ہیں۔ پھر  
وَيَحْشُشُ اللَّهُ گنہگار کی عمر کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ پچھلے دور میں جس قدر غلطیاں  
اور کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے انسان کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے  
اور وہ تمام گناہوں کی معافی طلب کر لے۔ اور پھر وَكَيْفَ شَاءَ سے مراد یہ ہے  
کہ انسان اپنی باقی ماندہ زندگی کی فکر کرے اور محتاط ہو کر وقت گزاریے۔ ہر قسم  
کے کفر، شرک، نفاق، معاصی اور شائبہ چیزوں سے بچتا ہے تو اُس کی آئندہ  
زندگی تسنن ہو جائے گی۔ اور یہی وہ چار باتیں ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی  
کا لائحہ عمل متعین کر سکتا ہے اور پھر اُس پر عمل پیرا ہو کر فائز المرام لوگوں کی فہرست  
میں شامل ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے رومیؒ کی یہ بات سن کر فرمایا کہ بیشک  
تیری یہ بات درست ہے۔

حضور علیؑ کے جامع فرمودات

یہ تو اللہ کے کلام کی جامعیت کا تذکرہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان  
ہے اَوْ تَبَيَّنَتْ جَوَامِعُ الْكَلِمِ اللہ نے مجھے جامع کلام عطا فرمایا ہے  
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک  
چھوٹے سے جملے میں بھی ایک جہانِ معنی آباد ہوتا ہے۔ مثلاً اَلَدِّينُ  
النَّصِيحَةُ یعنی دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ فرمایا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ  
بِالنِّيَّةِ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ نیز فرمایا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ  
بِالْخَوَاتِيئِ اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہوتا ہے۔ اس قسم کے چھوٹے  
چھوٹے کلمات میں تعلیم کا ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے۔ بہر حال اس آیت  
کریمہ میں اتنی جامع تعلیم موجود ہے جو انسان کی زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتی  
ہے۔ انسانی زندگی کا یہی تو خلاصہ ہے کہ اُس کے ذمے فرائض کی ادائیگی ہوتی  
ہے یا سنن کی۔ اور یا اُسے گزشتہ کی فکر ہوتی ہے یا آئندہ زندگی کے لیے  
لائحہ عمل ہونا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ان چار صفات کے حاملین ہی کامیابی و

منافقین کی  
حبصی قسین

دکامرانی سے ہلکار ہوں گے۔

مومنین کے مذکورہ بالا تذکرے کے بعد اللہ نے پھر منافقین کے کردار

کی طرف اشارہ فرمایا ہے وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

یہ لوگ اللہ کی سچتہ قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ میں اَمْرَتُهُمْ لیکن جن، اگر

آپ ان کو حکم دیں گے تو یہ ضرور باہر نکلیں گے۔ باہر نکلنے کا مطلب یہ ہے

کہ جہاد میں جانے کی ضرورت ہو، حصول علم کے لیے جانا ہو، تبلیغ کا فریضہ

انجام دینا یا کسی دیگر اشغال کے لیے اللہ کی راہ میں نکلنا مطلوب ہو تو وہ اس کے

لیے ہر وقت تیار ہیں۔ اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کچھ دیں لا

تَقْسِمُوا امت قسمیں کھاؤ۔ اللہ کو تمہاری قسموں کی ضرورت نہیں بلکہ جو

چیز مطلوب ہے وہ طاعۃ معروفة یعنی دستور کے مطابق اطاعت

ہے۔ اللہ اور رسول کے ہر حکم پر عمل پیرا ہو کر دکھاؤ۔ وگرنہ تمہاری زبانی باتوں

کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان

لوگوں کے قول و فعل میں تضاد ہے، لہذا ان کی حبصی قسموں کا کچھ فائدہ نہیں۔

ظاہر ہے کہ تبلیغ کی خاطر گھر سے نکلنا بہت بڑی قربانی ہے۔ اور تبلیغ

میں دو باتیں شامل ہیں یعنی اصلاح نفس اور اصلاح عالم۔ انسان کے اپنے نفس

کی اصلاح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے آئے گی۔ جب کوئی شخص

اطاعت مشروع کر دے گا تو اس میں تقویٰ اور خشیت آجائے گی۔ دوسرا

اہم پروگرام اصلاح عالم ہے اور اس کے لیے دوسروں کے پاس جانا پڑے گا۔

دوسروں سے مراد غیر مسلم اقوام ہیں جن کو دین اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنے

کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کی طرف راغب ہو سکیں۔ مگر اس وقت مسلمان اس

قدر انحطاط کا شکار ہیں کہ غیر مسلموں کے پاس جانے کی جرأت ہی نہیں کرتے

الامائد اللہ اب تو تبلیغ کا فریضہ خود مسلمانوں کے حلقوں تک ہی محدود ہو کر

اصلاح نفس  
اور اصلاح عالم

رہ گیا ہے۔ بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس جا کر بھی خوشامد کرنا پڑتی ہے کہ خدا کے لیے اپنے دین کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ مسلمان دین کی مبادیات سے بھی غافل ہو چکے ہیں۔ اور انہیں اپنے مشن کا کچھ علم نہیں کہ ہم دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ آج مسلمانوں کو بتانا پڑتا ہے کہ تمھارے دین کے کیا تقاضے ہیں اور اگر ان کو پورا کر دے گے تو تمھارا عہد ہلکا ہو گا۔ ایوب کے زمانے میں ایک جاپانی پروفیسر نے اسلام قبول کیا اور اُس نے راولپنڈی میں انٹرویو دیا تھا کہ اس نے اسلام کیسے قبول کیا۔ اُس نے کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے کردار سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوا بلکہ اتفاق سے قرآن کریم کا ایک نسخہ میرے ہاتھ آ گیا۔ اس کا مطالعہ کر کے میں اسلام کے لیے بے چین ہو گیا۔ پھر دو سال تک مصر میں تعلیم حاصل کی تو اللہ نے مجھے ایمان کی دولت نصیب فرمادی۔ مقصد یہ ہے کہ آج کا مسلمان اس قدر گر چکا ہے کہ اپنی تہذیب و تمدن اور اپنا دین تک بھول گیا ہے۔ غیروں کی غلامی کی وجہ سے نہ ذہن اس کا اپنا ہے اور نہ فکر۔ یہ ہر وقت دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تبلیغ دین جیسا اہم فریضہ بھی بالکل بھول چکے ہیں۔ اس آیت کہ میرے اللہ نے منافقوں کا حال بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں نکلنے کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں مگر نہ نکلتے نہیں۔ آج مسلمانوں کا حال بھی یہ ہے کہ کسی نیک کام خصوصاً تبلیغ دین کے لیے نکلنا ان کے لیے محال ہو چکا ہے۔ یہ آیت منافقوں کے حق میں اُترتی تھی مگر آج اس کا اطلاق خود مسلمانوں پر ہر جا ہے۔

رسول اور امت کی ذمہ داری

اگے پھر ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے فرما دیں۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ کہ جھوٹے وعدے اور جھوٹی قسمیں کھانے کے بجائے اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔ وہ جس کام کا حکم دیں اُسے کہہ کر دو۔ اور جس کام سے منع کریں۔ اُس سے رُک جاؤ اس کے بجائے فَإِنْ تَوَلَّوْا اَکْبَرُ اللہ اور اس کے رسول کے



حکم سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو فَاِنَّمَا عَلَيْهٖ مَا حُصِّلَ  
 تو رسول کے ذمے تو وہی کچھ ہے جو اُس پر بوجھ ڈالا گیا۔ رسول کی ذمہ داری یہ  
 ہے کہ وہ اللہ کے احکام تم تک پہنچا دے اور پھر آگے ان کو قبول کر کے  
 منزل مقصود تک پہنچتے ہو یا نہیں، یہ رسول کی ذمہ داری نہیں ہے۔ رسول کے  
 لیے یہی حکم ہے بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ  
 (مائدہ ۶۷) اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے  
 آپ اُسے آگے پہنچا دیں۔ اور پھر آگے حضور علیہ السلام نے امت کو حکم دیا۔  
بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰیَةً لوگو! تمہیں میری ایک بات بھی معلوم ہو تو اُسے  
 اگلے لوگوں تک پہنچاؤ۔ فرمایا کہ رسول کا کام تو یہ ہے کہ وہ میرے احکام تم تک  
 پہنچائے۔ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تمہاری ذمہ داری وہ ہے جو  
 تم پر ڈالی گئی ہے یعنی اللہ کے حکم اور رسول کے فرمان کو تسلیم کر کے اس پر عمل  
 پیرا ہو جاؤ اور یہ احکام دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ مطلب یہ کہ رسول کا کام پہنچانا  
 ہے، منوانا نہیں۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔

اطاعت  
 زینہ ہدایت

ارشاد ہوتا ہے، لوگو! مِنْ لَّدُنِّیْ ذِیْقُوْهُ وَتَهْتَدُوْا  
 اگر تم اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور اگر نہیں  
 مانو گے تو ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شقی اور بد بخت  
 بن کر جہنم رسید ہو گے۔ صاحب تفسیر روح المعانی سے مولانا شاہ اشرف علی تھانی  
 نے بیان کیا ہے کہ ایک بزرگ ابو عثمان کا قول ہے مَنْ اَمَرَ  
السُّنَّةَ عَلٰی نَفْسِهٖ قَوْلًا وَّفِعْلًا نَطَقَ بِالْحِكْمَةِ جس نے قولی اور  
 فعلی طور پر سنت کو اپنے آپ پر حاوی کر لیا تو اس کی زبان سے ہمیشہ حکمت  
 کی باتیں نکلیں گی۔ گویا سنت پر عمل کرنا کامیابی ہی دلیل ہے۔

فَرَمٰی وَمَا عَلٰی الدَّسْوَلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ  
 رسول کے ذمے تو صرف کھول کر پہنچا دینا ہے اور باقی کام تمہارے ذمے ہے  
 اے سنن دارمی ص ۱۱۱ و ترمذی ص ۳۸ (فیاض)



اب تمھارا فرض ہے کہ رسول کی بات کو تسلیم کرو اور اس کی تعمیل کرو۔ تاکہ تم  
فائز المرام بن جاؤ۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ  
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي  
وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۵۵ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ  
الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ  
وَمَا أُولَٰئِهِمُ النَّارُ وَلِبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝۵۷

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو تم  
میں سے ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے  
ہیں کہ وہ ضرور اُن کو خلافت بخشے گا زمین میں جیسا کہ اُس  
نے خلافت بخشی اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے گزرے ہیں۔ اور  
وہ ضرور جمائے گا اُن کے لیے اُن کے دین کو جو اللہ نے  
اُن کے لیے پسند کیا ہے۔ اور ضرور تبدیل کر دے گا، وہ  
(اللہ) اُن کے لیے امن کی حالت کو خوف کے بعد، یہ صرف  
میری ہی عبادت کریں گے اور نہ شرک ٹھہرائیں گے میرے

ساتھ کسی کو۔ اور جس نے ناشکر گزاری کی اس کے بعد، پس یہی لوگ ہیں نافرمان (۵۵) اور قائم کرو نماز کو اور ڈیتے رہو زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۵۶) اور نہ گمان کریں آپ اُن لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا کہ وہ عاجز کرنے والے ہیں زمین میں۔ اور اُن کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے اور البتہ بہت بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی (۵۷)

رابط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافق قسم کے لوگوں کی مذمت بیان کی کہ جب اُن کے تنازعات کے تصفیہ کے لیے اُن کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ پھر اگر انہیں اپنی مطلب برابری کی توقع ہو تو آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا یہ بڑے ظالم قسم کے لوگ ہیں۔ ان کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ یا یہ شک میں سرگرداں ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے سے اُن پر زیادتی ہوگی۔ دوسری طرف اللہ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو فوراً سَمْعًا وَاَطْعًا کہہ دیتے ہیں، یعنی ہم نے سُن لیا۔ اور اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ فرمایا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے ایک عام اصول بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا اور اس کے دل میں خشیت الہی اور تقویٰ ہوگا، ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہوں گے۔ اس کے بعد پھر منافقوں کا کردار بیان کیا کہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کے حکم پر ضرور نکلیں گے مگر اللہ نے فرمایا کہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں بلکہ دستور کے مطابق تمہاری اطاعت مطلوب ہے۔ پھر اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگردانی کر دے گے تو یاد رکھو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے کیونکہ رسول کے ذمے تو فقط پہنچا دینا ہے۔ اُس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے اور تمہیں اللہ کے احکام پہنچا دیے ہیں۔ اب ان احکام کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا تمہارا فریضہ ہے اگر اعراض کر دے گے تو خود عند اللہ ذمہ دار ٹھہرے گے۔

خلافت ارضی  
کا وعدہ

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ایک بہت بڑی نعمت خلافت ارضی کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اللّٰهُ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ کَمَا اسْتَخْلَفْنَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جس طرح اُس نے خلافت بخشی اُن سے پہلے لوگوں کو۔ تاریخی لحاظ سے یہ سورت مبارکہ ۱۱ سالہ یا ۱۲ سالہ میں غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر نازل ہوئی، لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے خلافت ارضی کا وعدہ ان لوگوں سے کیا جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ امام ابو بکر جصاصؒ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ موعودہ خلافت کے مصداق چاروں خلفائے راشدینؓ ہیں جو کہ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکے تھے۔ جہاں تک پہلے لوگوں کو خلافت عطا کرنے کا سوال ہے تو اس سے قوم مخالفہ مراد ہے جس کی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو خلافت ارضی پر فائز کیا۔

تاریخ خلافت

اس وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے چاروں خلفائے راشدینؓ کو خلافت پر متمکن کیا۔ پہلے دو خلفاء کے زمانے میں زمین کا بڑا کام ہوا، اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوئیں اور اسلامی ریاست کی سرحدیں عرب سے نکل کر عجم تک پھیل گئیں۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال بھی امن و امان میں گزرے مگر اس کے بعد یہودیوں اور منافقوں کی سازش کی وجہ سے قصر خلافت میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ تاہم اس دور میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے گئے پھر چوتھے خلیفہ



راشدہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات بہت بڑھ گئے  
 مگر انہوں نے بھی پانچ سالہ دور میں سابقہ تین ادوار کے نمونہ کو برقرار رکھا۔  
 حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً  
 یعنی میرے بعد خلافت علی منہاج النبوت تیس سال تک قائم رہے گی۔ چنانچہ  
 چاروں خلفائے راشدینؓ اور حضرت حسنؓ کے چھ ماہ کو شمار کیا جائے تو پورے تیس سال  
 بنتے ہیں۔ فرمایا اس عرصہ کے بعد خلافت ملکیت میں تبدیل ہو جائے گی، تاہم  
 ابتدائی دور ملکیت عادلہ کا ہو گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔  
 حضرت حسنؓ کے بعد حضرت معاویہؓ کا دور خلافت میں شمار نہیں ہوتا، البتہ  
 یہ ملکیت عادلہ میں شمار ہوتا ہے۔ آپسے بیس سال تک گورنری اور بیس سال  
 تک خلافت کافر لویہ انجام دیا۔ آپ کے زمانے میں اختلافات ختم ہو  
 چکے تھے اور پوری امت مسلمہ متفق تھی۔ ان حالات سے خلافت راشدہ  
 برحق ثابت ہوتی ہے۔ اور جو رافضی یا ناصبی اس خلافت میں شک کرتے  
 ہیں وہ گمراہ اور اسلام کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو وعدہ  
 فرمایا تھا، وہ خلفائے راشدینؓ پر پورا ہو گیا اور چاروں خلفاء نے اپنی اپنی استطاعت  
 کے مطابق امور خلافت کو ٹھیک ٹھیک انجام دیا۔

ملوکیت کا  
زمانہ

اس کے بعد چودہ سو سالہ تاریخی میں مسلمانوں کے حالات خراب ہی رہے  
 ہیں۔ ملکیت کے دوران جبر و استبداد کا دور دورہ رہا ہے۔ درمیان میں  
 کوئی عمر بن عبد العزیزؒ جیسا اچھا حکمران آگیا تو کام درست ہو گیا۔ آپ کے زمانہ  
 کو ترمذی محدثین اور فقہاء خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں کیونکہ آپ نے انہی کے نقش قدم  
 پر خلافت کی ذمہ داری پوری کی۔ لیکن آپ کے بعد اموی خاندان پھر ذاتی منفعت میں  
 پڑ گیا۔ اس خاندان کے بعد عباسیوں نے سارے چھ سو سال تک حکومت کی  
 لیکن وہ بھی مکمل ملکیت تھی۔ وہی عیش و آرام اور وہی جاہ پسندی۔ چونکہ اس  
 سارے دور میں سب اعلیٰ قانون قرآن کو ہی تسلیم کیا جاتا تھا۔ لہذا اجتماعی طور پر  
 ۱۲۳۳ھ ترمذی ۳۲۳ھ و قریطی ۴۱۵ھ (فیاض)

قرآن کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ مگر ذاتی طور پر ایک دوسرے کو مغلوب کرنے ہی کی کوشش کرتے رہے۔ اس زمانے میں بھی بعض اچھے لوگ پیدا ہوئے ہیں بعض ملوک بھی ذاتی طور پر صاحب علم اور اچھے آدمی تھے، انہوں نے اچھے کام کرنے کی کوشش بھی کی ہے مگر نظام حکومت کو تبدیل نہیں کر سکے، وہاں خلافت کی بجائے ملکیت ہی چلتی رہی۔

کئیوں میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ذاتی طور پر بڑے کام کرائے نمایاں انجام دیے خاص طور پر صلیبی جنگوں میں انہوں نے عیسائیوں کے خلاف بڑی کامیابی حاصل کیں۔ ادھر برصغیر میں سلطان ناصر الدین التمشؒ کا دور بڑا اچھا دور تھا مگر وہ بھی ملوک ہی تھے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے بڑے اچھے کام کیے مگر نظام خلافت کو جاری نہ کر سکے۔ ترکوں میں سلطان محمد خاتمسؒ اور سلطان سلیمؒ کی حالت اچھی رہی مگر بعد والے انحطاط میں چلے گئے اور بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ملکیت ایک بڑا عذاب ہے جو فحاشی، عیاشی اور لہو و لعب کی بنا پر اصل مقصد سے بہت دور لے جاتا ہے۔ ادھر خلافت کے نفاذ سے ہی واضح ہے کہ اس میں من مانی نہیں ہوتی، بلکہ خلیفہ رسول اللہؐ کا نائب ہوتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے جو اللہ کے نبی نے کئے۔ وہ دین کو سر بلند کرتے ہیں جب کہ ملوک مذہب کو اپنے تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علمائے سواد سے غلط فتویٰ لے کر دین میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خلافت عطا کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا اور اس کی ابتداء خلفائے راشدینؓ ہوئی۔

دین کی بچش

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اہل ایمان کے ساتھ دوسرا وعدہ یہ فرمایا  
 وَلَكُمْ مَكَنٌ لِّهَم دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ اور وہ ضرور حجاج  
 پختہ کرنے گا ان کے لیے ان کے دین کو جو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔  
 یہ وعدہ بھی اللہ نے خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں پورا کر دیا۔ ۳۸ھ میں حضرت  
 علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان واقعہ صفین پیش آیا۔ اس وقت تک نصف

دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو چکا تھا اور باقی نصف دنیا میں اتنی جبرأت نہیں تھی جو وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ اس دور تک ایرانی ختم ہو چکے تھے۔ البتہ رومیوں میں قدرے دم خم باقی تھے مگر مسلمانوں جیسی قوت کسی کے پاس نہیں تھی۔ واقعہ صغین سے اسلام کی اجتماعی تحریک کو سخت نقصان پہنچا اور عالمی تحریک رک گئی۔ دو سال بعد حضرت علیؑ کی شہادت کے ساتھ ہی خلافت راشدہ کا دور تو ختم ہو گیا تاہم اسلام کے پچاس سالہ دور کی کامیابیوں سے مسلمان مزید ساڑھے چھ سو سال تک فائدہ اٹھاتے رہے۔ امویوں کے زمانہ میں بڑی جنگیں لڑی گئیں۔ پھر عباسیوں کے دور میں علم اور سائنس کی بڑی ترقی ہوئی۔ اس دوران میں بہت کچھ ہوا مگر اجتماعی نظام درست نہ ہوا اور بدستور ملوکیت کے سائے میں چلتا رہا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام کو قرب قیامت میں ہی عروج نصیب ہو گا۔ بہر حال اللہ نے دین کو مستحکم کر دیا جس کے اثرات آج تک مسلمانوں میں چلے آ رہے ہیں۔ دنیا میں اس وقت ایک ارب مسلمان موجود ہیں۔ پچاس کے قریب مسلمانوں کی ریاستیں بھی ہیں مگر خلافت کے نظام سے ہٹ جاتے کی وجہ سے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہیں، سب غیروں کے دست نگر ہیں۔ تاہم دین کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔

خوف کے بعد امن

اللہ نے تیسرا وعدہ یہ فرمایا وَلَيَبْدِلَنَّهُمْ مِنْ اٰمَنٍ اَمْنًا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے خوف کو ضرور امن میں بدل دیگا۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سورۃ کے نزول کے وقت بھی مسلمان سخت خوف اور خطرہ کی حالت میں تھے۔ ساری دنیا سمجھتی تھی کہ مسلمانوں کی مخالفت تھی۔ سورۃ نساء اور دوسری سورتوں میں بھی موجود ہے کہ مسلمان دشمن کے خوف سے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ حتیٰ کہ نماز کے دوران بھی ہتھیار اتارنے کی اجازت نہ تھی۔ خود حضور علیہ السلام نے دس مرتبہ صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی ہے۔ ایک طرف مشرک جانی دشمن تھے تو دوسری طرف یہودیوں



اور منافقوں نے سازشوں کا جال بچھلا رکھا تھا۔ قیدہ مرضی کے مشرک خاص طور پر جانی دشمن تھے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کی خوف کی حالت کو امن کی حالت میں تبدیل کر دے گا۔ حضور علیہ السلام نے بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں پر ایک ایسا پر امن دور بھی آئے گا کہ ایک عورت عسارت سے حضرموت تک ایکسلی سفر کرے گی مگر سوائے خدا کے خوف کے اُسے کوئی خوف نہیں ہوگا۔ حضرت عدی بن حاتم طائی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضور کی پیشین گوئی کو پورا ہونے دیکھا۔ زیورات سے آراستہ ایک تن تنہا عورت اونٹ پر سفر کر رہی تھی، مگر کوئی چور، ڈاکو یا دشمن تعرض کر نہ سکا۔

ایمانی وعدہ کی شرط

بہر حال اللہ نے اہل ایمان سے تین وعدے فرمائے (۱) خلافت ارضی۔

(۲) دین کا استحکام اور (۳) امن کی حالت۔ مگر ساتھ شرط بھی عاید کر دی کہ

يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے۔ جب تک مسلمان اس شرط پر قائم رہے اللہ نے تینوں وعدے پورے کئے۔ پھر جوں جوں اس شرط کی خلافت ورزی ہوتی گئی۔ اللہ کے یہ انعامات بھی اٹھنے لگے۔ پھر نہ خلافت ارضی رہی نہ دین کا استحکام باقی رہا اور نہ ہی امن قائم رہا۔

آج پوری دنیا اور خاص طور پر مسلمانوں کے حالات ہمارے سامنے ہیں جب سے اس شرط کو توڑا ہے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

کفرانِ نعمت

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ جَسَدًا اس کے بعد کفرانِ نعمت یعنی ناشکر گنہاری کی فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ پس یہی لوگ نافرمان ہیں مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے ان انعامات کے اولین ناقدران حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش کرنے والے تھے۔ یہ کفرانِ نعمت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا آپس میں ایسا قتال شروع ہوا جو



قیامت تک جاری رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ سازشی ٹولہ  
دو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں کچھ مصری، بصری، کوئی اور عراقی تھے۔ دراصل  
یہ یہودیوں اور منافقوں کی سازش تھی جو خود تو تیجھے بہتے تھے اور دوسروں  
کو آگے کر رکھا تھا۔ سازشیوں نے حضرت عثمانؓ کی برطرفی کا مطالبہ کیا  
مگر آپ نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے میرے متعلق فرمایا  
تھا کہ اگر تم نے خدا کی پیمانی ہوئی قمیص کو اتار دیا تو جہنم میں جاؤ گے، لہذا میں  
خلافت کی یہ قمیص کیسے اتار سکتا ہوں۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ آپ نے مخالفین  
کے خلاف قتال بھی نہیں کیا حالانکہ آپ ایسا کر سکتے تھے کہتے تھے میں  
اپنی جان سے دوں گا۔ مگر مسلمانوں کا خون نہیں بہاؤں گا۔ آج تو حضرت  
عثمانؓ کو مجاہد کہنے والے بھی موجود ہیں مگر یہ ساری حقیقت قیامت کو ظاہر  
ہوگی کہ حق پر کون تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام مخالفین سے کہتے تھے کہ خدا کے بندو! جب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں اللہ کے فرشتوں نے  
اس سرزمین کو گھیر رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اس سرزمین پر  
نازل ہو رہی ہیں۔ اگر تم نے خلیفہ راشد کو شہید کر دیا تو اللہ کے فرشتے ناراض  
ہو کر چلے جائیں گے اور پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جو تلوار  
حضرت عثمانؓ کی شہادت کے لیے میان سے نکلی، وہ پھر واپس نہیں گئی،  
اور پوری دنیا میں آج تک قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے۔ اتفاق و اتحاد کی کوئی  
صورت نظر نہیں آتی۔ ہر شخص دوسرے کو ختم کر کے اپنا راستہ صاف کرنا چاہتا ہے  
یہ کمال صرف حضرت عثمانؓ کا تھا کہ انہوں نے اپنی ذات کے لیے مسلمانوں  
کا ایک قطرہ خون نہیں بہنے دیا۔ بہر حال اللہ کی نعمتوں کے اولین ناقدردان  
حضرت عثمانؓ کے مخالفین تھے اور یہ سارے کے سارے کلمہ گو تھے۔ آپ کی  
شہادت کے بعد کربلا کے میدان میں اہل بیت کے قتل کا بازار گرم کیا گیا۔

فلاح کے  
تین اصول

یہ ایسا سلسلہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور امام مہدیؑ کے ظہور تک جاری رہے گا۔  
آگے اللہ نے خلاصے کے طور پر فلاح و کامیابی کے تین اصول بیان  
فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
نَمَانَهُ قَامُوا زَكَاةً اِذَا كُنْتُمْ رُحَمَاءُ ————— وَاطِيعُوا الرَّسُولَ

اور اس کے رسول کی فرمانبرداری پر کار بند رہو۔ ان  
تین چیزوں میں نماز بدنی عبادت ہے جب کہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ اور دین  
کا سارا دار و مدار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری پر ہے۔ ان تین  
باتوں پر کار بند ہونا فلاح کی ضمانت ہے۔ اگر ان کے خلاف کرو گے تو نہ فلاح  
حاصل ہوگی اور نہ نجات ملے گی۔ فرمایا ان اصولوں کو اپنا لو لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ  
تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش ان اصولوں کی پابندی کے  
ساتھ مشروط ہے۔

اہل ایمان کے  
لیے تسلی

اس سورۃ کے نزول کے وقت دنیا میں کافروں کو غلبہ حاصل تھا اور  
مسلمان ان کے ظلم و ستم پر داشت کمر بستہ تھے۔ اللہ نے ایسے حالات میں  
تسلی دیتے ہوئے فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ  
فِی الْأَرْضِ آپ ان کافروں کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں عاجز  
کرنے والے ہیں یعنی وہ خدائی پروگرام کو ناکام بنا دیں گے۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا۔  
ان کا وقتی غلبہ محض استدراج ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل  
رہی ہے۔ جب یہ مہلت ختم ہو جائے گی تو یہ لوگ نہ صرف دنیا میں مغلوب  
ہو جائیں گے بلکہ جب قیامت کو خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچیں گے تو پھر  
وَمَا أُولَئِكَ إِلَّا خِطْمٌ كَانُوا جَهَنَّمَ ہی ہے وَلِكُلِّ شَئْءٍ  
الْمَصْبُورِ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے۔ مطلب یہ ہے  
کہ کافر امر کی ہو، بڑا ٹوٹی، روسی ہو یا جہنم ان کی اچھی حالت دیکھ کر رشک  
نہیں کھنا چاہیئے۔ چند روز کی بات ہے، آخر کار یہ جہنم کے کندہ ناتراش

ہی بنیں گے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ تین چیزوں کا وعدہ کیا۔ اور پھر اس کے ساتھ وعید بھی سنائی کہ اگر کفران نعمت کرو گے تو فاسق بن جاؤ گے۔ اگر نماز ادا کرتے رہو گے، زکوٰۃ دیتے رہو گے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ راضی ہوگا، تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے وعدے بھی پورے ہوتے رہیں گے، ورنہ وہ اپنے انعامات کا دروازہ بند کرنے پر بھی قادر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ  
وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ  
قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ  
الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ  
لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ  
طَوْفُونَ عَلَيْكُمْ بِعُضُوكُمْ عَلَى بَعْضِكُمْ كَذَلِكَ  
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑤۸ وَإِذَا  
بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ  
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑤۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي  
لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ  
ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ  
خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ⑥۰

ترجمہ:- اے ایمان والو! چاہیئے کہ اجازت لیں تم سے

وہ لوگ جو تمہارے غلام ہیں، اور وہ جو قریب البلوغ ہیں تم

میں سے، تین مرتبہ (یعنی) نماز فجر سے پہلے، اور جب کہ تم



اپنے کپڑے اتارتے ہو بوقتِ دوپہر، اور بعد از نمازِ عشاء۔ یہ تین اوقات تمہارے بدن کُھلنے کے ہیں۔ اور نہیں حرج تم پر اور نہ اُن پر ان اوقات کے بعد۔ چکر لگانے والے ہیں تم پر بعض تم میں سے بعض پر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے آیات اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور حکمت والا ہے (۵۸) اور جب پہنچ جائیں تم میں سے بچے بلوغت کی حد تک، پس چاہیئے کہ وہ اجازت طلب کریں جیسا کہ اجازت طلب کی ہے اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں۔ اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے (۵۹) اور جو عورتیں بیٹھنے والی ہیں کہ وہ نہیں توقع رکھتیں نکاح کی۔ پس نہیں حرج اُن کے اوپر کہ وہ اتاریں اپنے کپڑے اس حال میں کہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت کو۔ اور اگر وہ بچ کر رہیں تو بہتر ہے اُن کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے (۶۰)

رابط آیات

گزشتہ آیات میں مسئلہ خلافت اور رسول کی اطاعت کا ذکر تھا اُس سے پہلے توحید کے عقلی دلائل بیان کیے گئے تھے۔ اس سے پہلے اللہ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی۔ ایمان والوں کے انعامات اور کفر و شرک کرنے والوں کے انجام کا ذکر تھا۔ ابتداً سورۃ میں حدود کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ عصمت و محبت کی حفاظت کے لیے تعزیری قوانین بیان فرمائے تاکہ لوگ بُرائی اور بے حیائی سے بچ جائیں۔ اللہ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ شَيْطَانُ کے نقشِ قدم پر نہ چلنا۔ اپنے خواہشِ نفسانی پر چلنا بھی شیطاں کے نقشِ قدم پر چلنے کے مترادف ہے اور شیطاں ہمیشہ برے راستے پر ڈالتا ہے، لہذا اللہ نے اس سے بچنے کی تلقین کی۔

پھر استیذان کا مسئلہ بیان ہوا کہ اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں جانا ہو تو بغیر اطلاع اور اجازت سے داخل ہو۔ اللہ نے واقعہ انکس میں ملوث منافقین کی سخت مذمت بیان فرمائی اور اہل ایمان کو آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا درس دیا۔

تین ممنوعہ  
اوقات

آج کی آیات بھی مسئلہ استیذان اور نظام عصمت و عفت کے ساتھ مربوط ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ أَذْنُكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ چاہیے کہ تمہارے غلامہ قسم سے اجازت لیجئے تمہارے پاس آئیں۔ لونڈی غلاموں کا گھر میں عام آنا جانا ہوتا ہے کیونکہ وہ خدمت پر مامور ہوتے ہیں مگر ان کو بھی خاص اوقات میں پابند کر دیا گیا کہ وہ بلا اجازت اپنے مالک کی خلوت میں داخل نہ ہو۔ غلاموں کے علاوہ فرمایا وَالَّذِينَ لَمْ يَلْفَوْا الْحِلْمَ مِنْكُمْ وہ بچے بھی اجازت لے کر آئیں جو ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بعض محدثین اور بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ چار سال کے بچے کو بھی سکھا دو کہ اگر اس کے والدین بھی علیحدہ کمرے میں ہوں تو بغیر اجازت کے وہاں نہ جائے۔ ثَلَاثَ مَوَاقِتٍ تین مرتبہ وہ کون سے اوقات ہیں جن میں بلا اجازت جانے پر اللہ نے پابندی لگا دی ہے۔ فرمایا مَنْ قَبِلَ صَلَاةَ الْفَجْرِ رَاتٍ کے پچھلے پہر یعنی قبل از نماز فجر بلا اطلاع اور بلا اجازت سے داخل ہو۔ یہ حکم لونڈی غلام کے لیے بھی ہے اور ان بچوں کے لیے بھی جو قریب البلوغ ہوں۔ فرمایا دوسرا وقت وہ ہے وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ جب تم دوپہر کے وقت استراحت کے لیے اپنے کپڑے اتار دیتے ہو۔ خصوصاً گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ دوپہر کے وقت صرف دھوئی وغیرہ پہن کر آرام کرتے ہیں اور بعض اوقات بہہ نہ بھی ہو جاتے ہیں لہذا اس وقت میں بھی سیدھے اندر چلے آئے سے منع فرمادیا۔ اور تیسرا ممنوعہ وقت ہے وَمَنْ كَبَدَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ نماز عشاء کے بعد بھی کسی کے

ہاں بلا اطلاع نہ جاؤ کہ اُس وقت بھی پردہ دری کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ تین اوقات ایسے ہیں کہ جن میں انسان کا ستر کھل جاتا ہے فرمایا ثَلَاثُ عَوَدٍ لَّكُمْ یہ تین اوقات تمہارے بدن کھلنے کے ہیں۔ بعض اوقات میاں بیوی بچے تکلف بھی ہوتے ہیں یا کوئی شخص سوتے میں برہنہ ہو جاتا ہے، لہذا ان اوقات میں بلا تکلف آنے جانے سے منع فرما دیا۔ اَلْبَتَّةَ فَرَمَا لَا یَسَّ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْہُمْ جُنَاحٌ اَلْعَدَہُنَّ اَن اَوْقَاتِہِ عَلَاوۃ نہ تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ ان آنے والوں پر جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا یعنی کوئدی غلام اور چھوٹے بچے۔ فرمایا اس اجازت کی وجہ یہ ہے طَوَّافُوتٌ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ کہ تم میں سے بعض تم پر چکر لگانے والے ہیں۔ اُن کو کام کاج کے لیے ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے لہذا ان تین اوقات کے علاوہ انہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

رُشَانِ نَزْدِ

اس آیت کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے ایک جوان لڑکے کو بلا کر کہا کہ جاؤ حضرت عمرؓ کو بلا لاؤ۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت عمرؓ نے تہ بند پہن رکھا تھا۔ آپ آرام کر رہے تھے اور جسم پر واحد چادر کا اکثر حصہ جسم سے اُترا ہوا تھا۔ وہ لڑکا اسی حالت میں بلا اطلاع اندر چلا گیا جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو سخت ندامت ہوئی اور آپ کے دل میں خیال آیا کہ کتنا اچھا ہو کہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات میں آنے پر پابندی عائد کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر حضرت عمرؓ کی دعا قبول فرمائی۔

پڑھنے کے مسائل

بہر حال مسئلہ یہی ہے کہ برہنہ حالت میں کسی محرم کو دیکھنا بھی روا نہیں حالانکہ محرم سے تو پردہ نہیں ہوتا۔ محرم کو صرف چہرہ، سر، گردن بازو، پندلی وغیرہ دیکھنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں کو وہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ماں، بیٹی یا بہن ہو، سب کے لیے یہی مسئلہ ہے جسم

کے پردے والے حصے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور صرمد کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ پردے والا حصہ ہے، اس کو کوئی غیر محرم نہ دیکھے۔ فرمایا لَا تَنْظُرُوا فَنَذَحِي وَلَا مَيِّتٌ كَسَى زَنْدَه يَامُرُہ کی ران کی طرف مت دیکھو۔ کیونکہ یہ حصہ اس کے ستر میں داخل ہے۔

فرمایا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ اِذَا تَلَّحِظَ اِلَى كُحُولِہ كہ بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تمہیں مسائل کا ٹھیک ٹھیک علم ہو جائے وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے اس نے اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر یہ قوانین نازل فرمائے ہیں۔ ان پر عمل کرو گے تو تمہیں ہی فائدہ ہوگا، تمہاری سوسائٹی، برہمنی اور عریانی اور پھر ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قیاحوں سے پاک رہیگی۔

بلوغت کے بعد

فرمایا وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ جَبْ تَمَّارَہ بچے بلوغت کی عمر تک پہنچ جائیں فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ توجا ہیئے کہ وہ بھی اجازت طلب کریں جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اجازت لے کر آتے ہیں۔ سن بلوغت کے متعلق فقہائے کرام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ جب لڑکی کی حیض آنے لگے اور لڑکے کو احتلام ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ان علامات کا پتہ نہیں چلتا، تو ایسی صورت میں امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ سولہ سال کا لڑکا اور پندرہ سال کی لڑکی بالغ تصور ہوں گے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق لڑکے اور لڑکی کا سن بلوغت علی الترتیب اٹھارہ اور سترہ ہے۔

فرمایا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ اِذَا تَلَّحِظَ اِلَى كُحُولِہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کے تمام



احکام اس کی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسی مسئلہ استیذان کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے رتوں کے متعلق فرمایا ہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا اور بیٹھ رہنے والی وہ عورتیں جن کو اب نکاح کی توقع نہیں ہے۔ یعنی جو عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی ہیں کہ اب ان میں نکاح کی نہ خواہش باقی رہے اور نہ اس کا کچھ فائدہ ہے فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ تُوَانِ بِكُوْنِي حُرٍّ نَحْسٍ نَحْسٍ ہے کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر گھر میں بیٹھی ہیں تو اپنے زائد کپڑے، برقعہ، چادر وغیرہ اتار سکتی ہیں کیونکہ گھر میں تو یہ کام دوسرے بھی کافی ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے غَيْرِ مَتَبَرِّجَاتٍ بِنِيَّةٍ کہ ان کا مقصد زینت کا اظہار نہ ہو۔ اگر فالتو کپڑے اتار دینے سے زینت ظاہر نہیں ہوتی تو پھر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ سن رسیدہ عورتیں گھر میں اگر یحضورؐ کپڑے بھی استعمال کریں تو درست ہے، لیکن اگر پردے کا پورا اہتمام کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

اس آیت کو یہ میں آمدہ لفظ قواعد جمع ہے قَاعِدٌ کی۔ یہ لفظ مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا تانیث قَاعِدَةٌ ہوتا ہے۔ یہی تاہم عربی زبان کی رو سے اگر کسی عورت کا مطلق بیٹھنا مراد ہو تو قَاعِدَةٌ کا لفظ استعمال ہوگا اور اگر نکاح سے بیٹھنا یعنی علیحدہ رہنا مراد ہو تو پھر قَاعِدٌ ہی آتا ہے جس کی جمع قواعد اس آیت میں استعمال ہوئی ہے۔ فرمایا بڑھی عورتوں کو گھر میں زائد کپڑے اتارنے کی اجازت تو ہے۔ اَنْ يَّسْتَعِفْنَ خَيْرٌ لِّهِنَّ لَكِنَّ وَه اِثْنِ عَشَرَ وَفَتْ کو بچا کر رکھیں یعنی پردے کا پورا خیال رکھیں یہ ان کے لیے زیادہ بہتر

ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور  
 سب کچھ جانتے والا ہے آج کی آیات احکام استیذان کا متمم ہیں جن کا ذکر  
 اللہ نے یہاں پر کر دیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَلَتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْهُم مَفَاتِحُهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ٦١

قرجہا۔۔ نہیں ہے کسی اندھے پر کوئی عرج اور نہ لنگڑے پر کوئی عرج اور نہ بیمار پر کوئی عرج اور نہ تمھاری اپنی جانوں پر کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جن کی کھنجیوں کے مالک تم ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں

سے۔ تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم کھاؤ اکٹھے یا الگ الگ۔ پس جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلام کرو اپنے لوگوں پر۔ دعائے خیر ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کھول کر تمھارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم سمجھ لو (۶۱)

گزشتہ درس میں پر مے کے احکام بیان ہوئے تھے اور اس ضمن میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا کہ غلام اور نابالغ بچے بھی تین اوقات میں بلا اجازت خلوت میں دخل اندازی نہ کریں۔ یہ اوقات قبل از نماز فجر، دوپہر بوقت آرام اور بعد نماز عشاء ہیں۔ اللہ نے یہ احکام بھی نازل فرمائے کہ جب بچے سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر کسی بھی وقت وہ بلا اجازت نہ آیا کریں۔ فرمایا کہ عمر رسیدہ عورتیں اگر چاہیں تو اپنے غیر ضروری کپڑے اتار سکتی ہیں بشرطیکہ بناؤ سنگھار کا اظہار مقصود نہ ہو۔ البتہ اگر وہ بھی پر مے کا پورا پورا خیال رکھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ اچھا ہے۔

اب آج کی آیت میں کھانے سے متعلق استیذان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کن کن گھروں سے بلا اجازت کھانا کھایا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو معذور ہے۔ ان کے لیے اجازت ہے کہ وہ بلا اجازت کھا سکتے ہیں اور دوسرا گروہ عام لوگوں کا ہے جو اپنے عزیزوں کے ہاں اجازت حاصل کیے بغیر کھانا کھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اکٹھے اور علیحدہ علیحدہ کھانے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰی حَرَجٌ کسی اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ اور نہ کسی لنگڑے پر کوئی حرج ہے وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ اور نہ ہی بیمار پر حرج ہے وَلَا عَلَى اَنْفُسِكُمْ اور خود تم پر بھی کوئی حرج نہیں ہے اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوتِكُمْ کہ تم اپنے گھروں سے

معذور لوگوں کے لیے اجازت ہے



کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ پہلے تین قسم کے لوگ یعنی اندھے، لنگڑے اور بیمار تو معذوروں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی یہ معذوری ہی سائے معاشرے پر ان کا حق قائم کر دیتی ہے کہ وہ اپنی بھوک رفع کرنے کے لیے ہر جگہ اور ہر گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عام اجازت دے دی ہے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اس قسم کے معذوروں کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے مبادا کہ وہ کم کھائیں اور ہم ان کے مقابلہ میں زیادہ کھا جائیں یا اچھی چیزیں کھالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اس میں تم پر کوئی حرج نہیں بعض لوگ ایسے معذور لوگوں سے نفرت کی بناء پر بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک نہیں کرتے تھے، اللہ نے اس کا بھی رد فرما دیا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے معذوروں کو اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں پہنچا آتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھ نہ کھائیں بلکہ دوسرے گھروں میں جا کر کھانا کھاتے رہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل کئے کہ اللہ نے ایسے لوگوں کو اپنے گھروں میں اپنے ساتھ کھانا کھانے کی ترغیب دی بہر حال معذوروں کے لیے حکم یہ ہے کہ انہیں اپنے یا بیگانے جہاں سے بھی کھانا میسر ہو، وہ بلا تکلف کھا سکتے ہیں اور اس میں انہیں کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہیئے۔ جہاں تک خود اپنے گھر سے کھانے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اپنے گھر سے تو ویسے ہی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم یہ دوسرے عزیز واقارب پر عطف کے طور پر بیان کیا گیا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے ہی گھروں سے کھاؤ اور بیوت ابائکم یا اپنے باپوں کے گھروں سے کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ باپ اور بیٹے کا قریب ترین رشتہ ہے اور اگر بیٹا اپنے باپ کے گھر جا کر باپ کی اجازت کے بغیر یا اہل خانہ کی دعوت پر کھانا کھا لیتا ہے تو اس کی

اقریب کے  
ہاں کھانے  
کی اجازت

بھی اجازت ہے۔ یہاں پر بیٹے کا باپ کے گھر سے کھانے کا ذکر تو موجود ہے  
مگر باپ کا بیٹے کے گھر سے کھانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مفسرین کرام فرماتے  
ہیں کہ اس حکم میں باپ اور بیٹا دونوں شامل ہیں کہ ایک دوسرے کے گھر سے کھا  
سکتے ہیں۔ سند احمد میں روایت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا  
اَنْتَ وَمَالُكَ لَا بَيْتُكَ یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ جب  
بیٹے کی ہر چیز پر باپ کا حق ہے تو پھر اس کے کھانا کھانے میں کیا حرج  
ہو سکتا ہے؟

اَوْ بَيُوتِ اُمَّهَاتِكُمْ تمہیں اپنی ماؤں کے گھروں سے کھانے  
میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب باپ کے گھر سے کھانے  
کی اجازت ہے تو ماں کا گھر بھی عام طور پر وہی ہوتا ہے۔ جو باپ کا گھر  
ہوتا ہے، لہذا وہاں سے کھانے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔  
بعض صورتوں میں باپ اور ماں کا گھر الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی عورت  
نے طلاق کے بعد یا بیوگی کے بعد دوسرا خاوند کر لیا ہے تو پہلے بیٹے کے لیے  
وہ ماں کا گھر تو ہوگا کیونکہ وہ اس کی حقیقی ماں ہے مگر اس کے باپ کا گھر  
نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ماں کے ہاں سے بھی بلا اجازت کھانے  
میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اَوْ بَيُوتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بَيُوتِ اَخَوَاتِكُمْ فرمایا تمہیں اپنے  
بھائی بہنوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے  
کہ بھائی بہن کا رشتہ بھی نہایت ہی قریبی رشتہ ہے۔ ماں باپ کی فوتیدگی کے  
بعد بہنوں کے لیے ان کے بھائی ہی بمنزلہ باپ کے ہوتے ہیں۔ جو ان  
کی خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت بہنوں کی مدد بھی  
کرتے ہیں۔ لہذا بھائیوں کو بہنوں کے گھروں سے بلا تکلف کھانے کی بھی  
اجازت ہے۔ اسی طرح بھائیوں کا رشتہ بھی آپس میں نہایت ہی قریبی ہے

ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دکھ درد میں  
 شریک ہونا ایک فطری امر ہے۔ مشکل کے وقت ایک بھائی ہی دوسرے  
 بھائی کا دست و بازو بنتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ بھائیوں کے گھروں سے  
 بھی بلا اجازت کھانا کھایا جاسکتا ہے۔

پھر فرمایا اَوْ بِيُوتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بِيُوتِ عَمَّتِكُمْ تم اپنے  
 چچاؤں اور چچو بھپیوں کے گھروں سے بھی بلا تکلف کھانا کھا سکتے ہو۔ باپ کا  
 بھائی ہو یا باپ کی بہن، ان کا تعلق بھی ایسے ہی ہے جیسے اپنے بھائی بہن کا  
 لہذا ان کے ہاں بے تکلف آنا جانا اور کھانا کھانا بھی روا ہے بعض صورتوں میں  
 ایسا ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ اگر چچا یا چچو بھی میں بوجہ بعد پیدا ہو رہا ہو تو آپس  
 میں میل ملاقات اور ایک دوسرے کی دعوت سے یہ رشتہ مضبوط رہتا ہے  
 یہی صلہ رحمی ہے، جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے بہت زیادہ تاکید فرمائی  
 ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام  
 نے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے  
 مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا الرَّحِمُ شَجْنَةُ مَتِّ الرَّحْمَنِ  
 قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَتِّ وَصَلَتْ وَصَلَتْهُ، وَمَنْ قَطَعَكَ  
 قَطَعْتَهُ رحم یعنی حق قرابت داری، مشتق ہے "رَحْمَن" سے اللہ تعالیٰ نے  
 اس سے فرمایا ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اُس کو جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے  
 گا میں اُس کو توڑوں گا۔

فرمایا اَوْ بِيُوتِ اَحْوَالِكُمْ اَوْ بِيُوتِ خَلَّتِكُمْ تمہیں اپنے  
 ماموں اور خالاؤں کے گھروں سے کھانے میں بھی کوئی مہرج نہیں۔ جس طرح  
 باپ کے بہن بھائی بیٹے کے لیے عزت و احترام کے قابل ہیں، اسی  
 طرح ماں کے بھائی بہن یا ماموں اور خالہ بھی اُس کے لیے قابل احترام ہیں۔  
 عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ چچاؤں اور چچو بھپیوں کی نسبت ماموں اور خالاؤں

کو اپنے بچائے بچائیوں سے زیادہ الفت ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ماموں یا اپنی خالہ کے گھر سے کھانے میں بھی خرچ محسوس نہ کرے کہ ایسا کرنا مزید پیار و محبت کا باعث بنتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپ نے پوچھا، کیا تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ پھر پوچھا، کیا تمھاری کوئی خالہ ہے؟ کہنے لگا، ہاں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنی خالہ کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔

کنجی ہمارے  
دوست

آگے فرمایا کہ ان گھروں سے کھانے میں بھی کوئی خرچ نہیں اڑھکا  
مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کی کنجیاں تمھاری ملکیت میں ہیں۔ ان سے مراد غلام یا دروغے ہیں جو کسی کے دوران سفر ان کے گھر کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔ ایسے لوگ بھی اگر اپنے آقا کے گھر سے کھاپی لیتے ہیں تو انہیں اجازت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ جب حضور علیہ السلام کسی غزوہ میں چلنے کا اعلان کرتے تو ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ آپ کی ہم سفری کا شرف حاصل کرے۔ ایسے حالات میں وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپنے خاص دوستوں کو دے جاتے تھے اور ساتھ کہہ دیتے تھے کہ حسب ضرورت یہاں سے کھاپی لیا کرے۔ ایسے لوگ بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ شاید انہوں نے بادل نخواستہ کھانے پینے کی اجازت دی ہو، لہذا وہ کسی چیز کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا۔  
أَوْصِدِ يَقِيكُمْ تَحْتِهَا جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے پینے میں بھی کوئی خرچ نہیں ہے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے شبہ کو دور فرما دیا۔



آگے ارشاد ہوتا ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا  
 جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا تَحِيْنَ اِسْ بَاتٍ پُحْیِیْ كُوفِیْ حَرْجٍ نِّیْسِ ہے كہ تم  
 اكٹھے مل كہ كھاؤ یا الگ الگ۔ عید البیڑ ابن عباسؓ فرماتے ہیں كہ جب یہ آیت  
 نازل ہوئی۔ لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (البقرہ ۱۸۸)  
 ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ تو صحابہ کو خیال پیدا ہوا كہ کھانے پینے کی اشیاء  
 بھی تو مال کی تعریف میں آتی ہیں، لہذا وہ اس وجہ سے رُک گئے كہ اكٹھا کھانے  
 میں کسی کبھی بیشی کی بنا پر اس پر باطل کا اطلاق نہ ہو جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے  
 یہ آیت نازل فرما كہ وضاحت فرمادی كہ تمہیں اكٹھا کھانا کھانے میں بھی کوئی حرج  
 نہیں ہے۔ کسی نے كم کھا لیا اور کسی نے زیادہ تو یہ کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے  
 بعض لوگ اکیلے کھانے میں كہ اہر بیت محسوس كرتے تھے اور جب تک  
 کوئی ساتھ نہ ہوتا کھانا نہ کھاتے تھے۔ بنو کنانہ کے لوگ خاص طور پر اس مرض میں  
 مبتلا تھے۔ وہ محسوس كہ رہنا پسند كرتے تھے مگر اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔  
 اللہ نے اس آیت کے ذریعے تنہا کھانے کی بھی رخصت دے دی۔ اگرچہ  
 مہمان کو کھلانا بڑی عمدہ خصلت ہے مگر یہ بھی ضروری نہیں كہ اُس کے بغیر  
 خود بھی نہ کھایا جائے۔ تاہم حضور علیہ السلام کے ارشادات سے ثابت ہوتا  
 ہے دوسروں کے ساتھ مل كہ کھانے میں برکت ہے۔ مسند احمد کی روایت  
 میں آتا ہے كہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا كہ ہم کھاتے  
 تو ہیں مگر آسودگی حاصل نہیں ہوتی آپ علیہ السلام نے فرمایا، شاید تم الگ  
 الگ کھاتے ہو گے۔ اگر تم ایک جگہ بیٹھ كہ اكٹھے کھانا کھاؤ اور اللہ کا نام لے  
 كہ کھاؤ تو تمہیں برکت حاصل ہوگی۔ ابن ماجہ شریعت کی روایت میں حضور علیہ السلام  
 کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ مل كہ کھاؤ اور تنہا نہ کھاؤ كیونكہ مل كہ بیٹھنے میں برکت  
 ہے۔ پہر حال فرمایا كہ اكٹھے مل كہ کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ اس میں کوئی حرج

نہیں ہے۔

گھروالوں  
کو سلام

اگلے حصہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے گھر میں داخلے کے آداب میں سے ایک  
ادب بیان فرمایا ہے فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ  
جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کیا کرو۔ یہاں پر عَلَى  
أَنْفُسِكُمْ کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہہ اپنے آپ پر سلام کر لیا کرو تاہم مطلب  
یہ ہے کہ اپنے گھروالوں کو السلام علیکم کہہ دیا کرو۔ اس قسم کی آیت چوتھے  
رکوع کے آغاز میں بھی گزر چکی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا  
بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى  
أَهْلِهَا (آیت - ۲۴) اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں  
کے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تم اجازت طلب کر لو اور گھروالوں پر سلام  
کر لو۔ وہاں پر انہماک کے گھروں میں داخلے کے وقت سلام کرنے کا حکم  
دیا گیا ہے۔ جب کہ یہاں پر خود اپنے گھروں میں داخلے کے وقت بھی اہل خانہ  
کو سلام کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ابن طاووس فرماتے ہیں کہ تم میں سے  
جو شخص گھر میں داخل ہو تو گھروالوں کو سلام کرے۔ حضرت جابرؓ کا قول ہے  
کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو خدا تعالیٰ کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہو۔ فرماتے  
ہیں کہ میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سلسلہ بابرکت ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب  
مسجد میں جاؤ تو کہو السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ اور جب اپنے گھروں  
میں جاؤ تو اپنے بال بچوں کو سلام کرو۔ اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ۔ جہاں  
کوئی نہ ہو تو یوں کہو السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ  
یعنی ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ فرمایا السلام علیکم کہنا تحیۃ  
مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعائے خیر ہے مَبْرُكَةٌ  
طَيِّبَةٌ جو کہ بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ لہذا گھر میں داخلے کے وقت سلام  
کر کے داخل ہوا کرو۔

ارشاد ہوتا ہے کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰیٰتِیَہِ اللّٰہِ تَعَالٰی  
 کی آیتیں ہیں جنہیں وہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے آیات سے  
 مراد آیاتِ قرآن، احکامِ قرآن، دلائل اور معجزات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی  
 نازل کردہ آیات میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جن پر غور کر کے انسان  
 اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتا ہے اور ان پر عمل کر کے منزلِ مقصود تک  
 پہنچتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں تمہارے سامنے کھول کھول  
 کر بیان کرتا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم ان میں غور و فکر کر کے  
 ان کو سمجھ لو اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا  
 مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ  
 إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
 وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنْ  
 لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ  
 غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ  
 كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ  
 يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ

ترجمہ :- بیشک اہل ایمان وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر  
 اور اس کے رسول پر ۔ اور جب وہ اُس (نبی) کے ساتھ  
 ہوتے ہیں کسی اجتماعی معاملہ میں تو نہیں جاتے حتیٰ کہ آپ  
 سے اجازت حاصل کر لیں ۔ بیشک وہ لوگ جو آپ سے  
 اجازت حاصل کر لیتے ہیں ، وہی ہیں جو ایمان لا چکے ہیں  
 اللہ پر اور اس کے رسول پر ۔ پس جب وہ اجازت طلب  
 کریں آپ سے اپنے کسی کام کی غرض سے تو آپ اجازت  
 دے دیں جس کو چاہیں اُن میں سے اور بخشش مانگیں اُنکے  
 لیے اللہ تعالیٰ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت



مہربان ہے (۶۲) اور نہ بناؤ رسول کے بلائے کو اپنے درمیان ایک  
دوسرے کے بلائے کی طرح تحقیق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان  
لوگوں کو جو سرک جاتے ہیں تم سے نظر بچا کر

ربط آیت

گذشتہ درس میں کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے کہ بعض معذروں  
اور عام لوگوں کو کن کن کے گھروں سے بلا اجازت کھانا کھانے کی اجازت  
ہے ان میں ان قریبی رشتہ داروں کا ذکر تھا جن کے ساتھ صلہ رحمی ویسے بھی  
ضروری ہے، لہذا ان کے گھروں سے کھانا کھانے میں بھی کوئی حصر  
نہیں۔ دوسرے مسئلہ یہ بیان ہوا کہ اکٹھے مل کر کھانا یا علیحدہ علیحدہ کھانا دونوں طرح  
جائز ہے۔ ضرورت کے مطابق جس طرح چاہو کھا سکتے ہو مگر مل کر کھانے  
میں برکت ہے۔ پھر تیسرا مسئلہ اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ جب گھروں میں داخل  
ہو تو سلام کہہ کر داخل ہوا کرو کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعائے خیر  
اور بابرکت و پاکیزہ چیز ہے۔ اب آج کے درس میں آداب رسالت کا یہ  
مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تم حضور علیہ السلام کی مجلس میں کسی اجتماعی غرض سے  
جمع ہو تو بلا اجازت مجلس سے اٹھ کر نہ جاؤ۔ حضور علیہ السلام کو بھی حکم دیا گیا ہے  
کہ اگر کوئی مومن آدمی کسی خاص کام کے لیے اجازت طلب کرے تو آپ  
جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے معفرت کی دعا بھی کریں  
دوسرے مسئلہ امتیوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ رسول کے بلائے کو ایک دوسرے کے  
بلائے کی طرح معمولی حیثیت نہ دو بلکہ اُسے خاص اہمیت دو اور نہ ہی نظر  
بچا کر مجلس سے کھسک جا کر دو۔

تشریط  
ایمان

ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَ

رَسُوْلِهِ بے شک پکے سچے ایماندار وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ  
پر اور اُس کے رسول پر۔ اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے  
والوں کو مومن کا خطاب دیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر آداب رسالت بیان کرنا مقصود

ہے۔ تاہم قرآن کے مختلف مقامات پر ایمان کے دیگر لازمی اجزاء کا ذکر بھی موجود ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کے آخر میں چار اجزاء کا ذکر کیا گیا ہے کُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَكُتِبَ عَلَيْهِ وَرُسُلُهُ (آیت - ۲۸۵) ایماندار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ کی ابتداء میں ہے وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُعَقِّقُونَ (آیت - ۴) متقیوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یعنی بعث بعد الموت پر بھی اُن کا ایمان ہے۔ تو اللہ نے مومنوں کی یہ پانچ شرط بیان کی ہیں۔ جب تک وہ ان پانچوں چیزوں پر ایمان نہیں لاتے، اہل ایمان کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔

مومنوں کے  
لیے اجابت  
طلبی

فرمایا صحیح معنوں میں ایماندار وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اور اس ایمان کا تقاضا یہ ہے وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ کہ جب وہ کسی اجتماعی کام کے سلسلے میں اپنے نبی کے ساتھ ہوں یعنی آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوں۔ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ تو وہ خود بخود اٹھ کر چلے نہیں جاتے یہاں تک کہ آپ سے جائیگی اجازت طلب نہ لیں۔ امر جامع سے مراد مسلمانوں کے اجتماعی کام ہیں جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو حضور علیہ السلام صحابہ کو جمع فرماتے، اگر قرآن پاک کی کوئی سورۃ یا آیات نازل ہوتیں تو وہ بتا دیتے۔ کوئی دیگر اجتماعی ہدایت جاری کرنا ہوتیں تو وہ کہہ دیتے یا پھر اگر کسی اہم معاملہ میں صحابہ کا مشورہ مطلوب ہوتا تو وہ طلب کرتے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ کا ارشاد ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کر لیں فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آیت - ۱۵۹) پھر جب کسی کام کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ کام کر لیں ہجرت سے پہلے چونکہ کفار

کاغلبہ تھا اس لیے مسلمانوں کے اجتماعی امور میں مشاورت اور فیصلہ خفیہ طور پر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قیام مکہ کے دوران آپ نے دار ارقم کو مسلمانوں کا خفیہ مرکز بنایا۔ وہیں اجتماعی امور کے متعلق مشاورت ہوتی تھی اور آئندہ کے لیے لائحہ عمل کے متعلق ہدایات جاری ہوتی تھیں۔ کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کے بچاؤ کے طریقے، حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کے متعلق مشورے اسی مکان میں ہوتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مسجد نبوی کو اسلام کا مرکز بنا لیا گیا۔ اور وہیں صحابہ کا اجتماع ہوتا اور اہم فیصلے کیے جاتے اس وقت عام طور پر موضوعات بحث مختلف قبائل میں تبلیغ، ان کے ساتھ معاہدات، کفار مکہ کی طرف سے حملے کا بچاؤ، جنگی حکمت عملی، اور مختلف اطراف میں لشکروں کی روانگی ایسے اجتماعی امور تھے جن کے متعلق فیصلے کیے جاتے تھے۔ تو فرمایا کہ مومن وہ ہیں کہ جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب وہ کسی اجتماعی کام کے سلسلے میں رسول کے ساتھ رہتے ہیں تو بلا اجازت چلے نہیں جاتے۔

آگے اسی بات کو دوسرا انداز میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَیْسَتْ اِذَا نُوْنُکَ بِشَکِّکَ وَهَ لَوْکَ جَوَّابٌ سَے جانے کی اجازت حاصل کر لیتے ہیں اُولَئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا فَاِذَا سْتَاذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَآءٍ مِنْہُمْ لَیْسَ بِہُمْ جَوَّابٌ سَے اجازت طلب کریں اپنے کسی ذاتی کام کی وجہ سے فَاِذَا نُوْنُکَ بِشَکِّکَ سَتَاذَنُوْکَ تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں۔ یعنی اگر کوئی شخص معقول عذر پیش کرنا ہے اور اللہ کا نبی سمجھتا ہے کہ اس کا انفرادی کام زیر توجہ اجتماعی کام سے زیادہ ضروری ہے یا اس شخص کے چلے جانے

سے اجتماعی کام میں کوئی رکاوٹ پڑنے کا خطرہ نہیں ہے تو یہ آپ کی صوابدید پر موقوف ہے کہ ایسے شخص کو اجازت دیں یا نہ دیں۔ یہ تو اس زمانے کی بات جب حضور علیہ السلام بنفس نفیس صحابہ کرامؓ میں موجود تھے، مجلس مشاورت طلب کرتے تھے اور ایسے واقعات بھی پیش آجاتے تھے کہ کسی صحابی کو میڈنگ کے دوران ہی چلے جانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو حضور علیہ السلام کے بعد خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی سلطنت میں جب کوئی امیر مجلس مشاورت منعقد کرے تو کسی کو بلا اجازت اٹھ کر نہیں چلے جانا چاہیئے بلکہ صاحبِ صدر سے باقاعدہ اجازت طلب کرنی چاہیئے۔ پھر معاملے کی نوعیت کے پیش نظر اگر کسی شخص کی غیر حاضری کو یہ داشت کیا جاسکتا ہو تو امیر اس کی اجازت دے سکتا ہے۔

فرمایا جب آپ کسی اجازت طلبی پر اجازت دے دیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰہُ تو پھر ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا بھی کریں اس میں یہ تنبیہ بھی پائی جاتی ہے کہ اگر اجازت طلبی میں ذرا بھی بہانہ سازی کو دخل ہو یا اجتماعی معاملہ کسی شخص کی انفرادی ضرورت سے زیادہ اہم ہو تو پھر ایسے شخص کے لیے اجازت حاصل کرنا کو تاہی ہوگی۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسے شخص کی معمولی لغزش کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست بھی کریں اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ جب کوئی شخص غلطی کر کے معافی طلب کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آکر اُسے معاف بھی کر دیتی ہے

رسول اللہ  
کا بلانا

اکلی آیت آداب رسالت کے سلسلہ میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے  
لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ  
بَعْضًا نبی علیہ السلام کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے



کی طرح نہ سمجھو۔ اسی آیت کا تفسیر میں لفظ دُعا استعمال ہوا ہے جو کہ تین مختلف معانی میں استعمال ہو سکتا ہے۔ پہلا معنی "تو یہ ہے کہ جب اللہ کا نبی تمہیں بلائے تو اسے عام آدمی کے بلائے پر محمول نہ کرو بلکہ آپ کے ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا رسول بلائے، جلدیکہ کہتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ اور دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرو، ورنہ ایمان کے عنیاع کا خطرہ ہے دُعا کا دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اللہ کے رسول کو پکارو تو آپ کے ادب و احترام کو پیش نظر رکھو۔ عام آدمیوں کی طرح نام لے کر اور بلند آواز سے مرت پکارو بلکہ لپٹ آواز کے ساتھ نام لینے کی بجائے "یا رسول اللہ" یا "یا نبی اللہ" کہہ کر پکارو۔ اس ادب کا ذکر سورۃ الحجرات میں بھی بیان ہوا ہے کہ اے ایمان والو! لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ (آیت ۲۰) نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ اور نہ آپ کو اس طرح بلند آواز سے پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ہی ضائع ہو جائیں۔

اس دُعا کا تیسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی دُعا کو عام آدمیوں کی دُعا کی طرح مت سمجھو۔ آپ کی دُعا تو مقبول ہے تمہارے کسی قول یا فعل سے نبی کی دل آزاری نہیں ہونی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے منہ سے کوئی ایسی دُعا نکل جائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ۔ اسی طرح اگر اللہ کے نبی تم سے خوش ہو کر تمہیں دعا دیں تو یہ تمہارے لیے بہت بڑی سعادت ہوگی۔ بہر حال یہ تینوں معانی ہو سکتے ہیں تاہم پہلا معنی زیادہ رائج ہے۔

فَمَا يَقْذِرُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذٍ ابے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر لھکے جاتے ہیں۔ یہاں پر ان منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے

جو مسلمانوں کی مجلس میں آتے چلے جاتے تھے مگر یہ چہین سہتے تھے اور کسی نہ کسی طرح نظر بچا کر چلے جاتے تھے۔ خاص طور پر جمعہ کے خطبہ میں بیٹھنا منافقوں پر بہت گراں گزرتا تھا مگر خطبہ شروع ہونے کے بعد کوئی شخص بلا اجازت نہیں جاسکتا تھا۔ جب کسی شخص کو خاص ضرورت پڑتی تو وہ اشارے کے ذریعے حضور علیہ السلام سے اجازت لے لیتا مگر منافق ایسا بھی نہیں کر سکتے تھے لہذا ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کسی کی اڑے کر اور نظر بچا کر سرک جائیں۔ جمعہ کے علاوہ دوسری مجالس کا بھی یہی حال تھا۔ منافق قسم کے لوگ جب موقع ملتا مجلس سے چلے جاتے حالانکہ اللہ نے نبی کی اجازت کے بغیر مجلس سے چلے جانے کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔

فرمایا کہ نبی کی دعوت کو عام لوگوں کی دعوت نہ سمجھو کہ جب بلایا گئے اور جب جی چاہا چلے گئے بلکہ نبی کی مجلس میں شریک ہو کر بغیر اجازت نہ جاؤ۔ اللہ نے ان لوگوں کی نشاندہی بھی فرمادی ہے۔ جو بلا اجازت چلے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے لوگ اگر یہ تپہ نبی سے آنچک بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ اور ان کے دلوں میں کس حد تک ایمان راسخ ہے۔ آیت کے اگلے حصے میں حکم رسول کی مخالفت کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

قد افلح ۱۸

درس سبت چہار ۲۴

النور ۲۴

آیت ۶۲ تا ۶۴ (حصہ آخر)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ  
فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ (۶۲) إِلَّا إِنْ لِّلَّهِ مَا  
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ  
وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ  
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ (۶۳)

ترجمہ :- چاہیے کہ ڈرتے رہیں مخالفت کرنے والے اُس  
(رسول) کے حکم سے کہ کہیں پہنچے اُن کو فتنہ یا پہنچے ان کو  
دروناک عذاب (۶۳) آگاہ رہو ! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے  
ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۔ تحقیق وہ  
جاننا ہے اُس حالت کو جس پر تم ہو اور جس دن یہ سب  
لوگ اس کی طرف لوٹے جائیں گے ، پس وہ اُن کو خبردار  
کر دے گا اُن اعمال سے جو وہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ  
ہر چیز کو جاننے والا ہے (۶۴)

بط آیات  
گزشتہ آیات میں اللہ نے اہل ایمان کو آداب رسالت سکھائے تھے ان میں  
سے ایک ادب یہ ہے کہ اگر مسلمان نبی کی مجلس میں کسی اجتماعی کام کے لیے شرکت  
کر رہے ہوں تو بغیر اجازت مجلس سے نہ جائیں بلکہ اللہ کے رسول سے اجازت  
طلب کریں ۔ اور پھر آپ کو اختیار ہے کہ کسی کو اجازت دیں یا نہ دیں ۔ اگر اجازت  
نہیں ملی تو ایسا شخص بیٹھنے کا پابند ہے ۔ اللہ نے دوسرا ادب یہ سکھایا کہ رسول کے

بلانے کو عام لوگوں کے بلائے جیسا نہ سمجھو بلکہ فوراً تعمیل حکم کرتے ہوئے حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ رسول کی دعا کو بھی عام آدمی کی دعا کی طرح خیال نہ کرو کیونکہ اللہ کا رسول جس شخص پر خوش ہو کر دعا کرے گا۔ وہ دعا یقیناً مستجاب ہوگی۔ تیسرا ادب یہ فرمایا کہ جب تم کسی بات کے لیے رسول اللہ کو مخاطب کرو تو نہایت ادب و احترام کے الفاظ استعمال کرو اب آخر میں اللہ نے اپنے نبی کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وعید سنائی ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو یا تو دنیا کی کسی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یا پھر آخرت کا عذاب چکھنا پڑے گا۔

رسول کی  
مخالفت  
پر وعید

اس سے پہلے آیت ۵۴ میں گزر چکا ہے وَإِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَافِظًا لِّنَفْسِكُمْ وَلِأَهْلِ بَيْتِكُمْ اگر اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ہمارے پاس پاباؤ گے اور رسول کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے، اس لیے مطاع حقیقی تو ذات خداوندی ہے اور رسول اُس کا نائب ہے جو اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کرنے والا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ پس چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو اللہ کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور خوف اس بات کا ہونا چاہیے أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ کہ ان کو کوئی فتنہ لاحق نہ ہو جائے۔ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ یا وہ کسی دردناک عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔ امام ابو بکر حباص فرماتے ہیں کہ رسول کے حکم کی خلاف ورزی و طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ نبی کے حکم کو تسلیم ہی نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور خلافت و رزی کی دوسری صورت یہ ہے کہ تسلیم تو کیا جائے مگر اس پر عمل نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے والا شخص منافق تصور ہوگا۔ بہر حال فرمایا کہ مخالفت کی صورت میں پہلے نمبر پر دنیاوی فتنوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔



حضرت مولانا شیخ الاسلام رشید احمد عثمانی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> حاشیہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ  
النبی کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کوئی قسم کے فتنوں کا باعث ہوگی جن  
میں بڑے بڑے فتنے، مالی عورت اور زمین کے فتنے ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد  
ہے لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ یعنی ہر امت  
کا کوئی نہ کوئی خاص فتنہ ہوتا ہے جب کہ پیر ہی امت کا فتنہ مال ہے صحیحین  
میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ لوگو! میں تم پر تنگدستی کا اتنا خوف  
نہیں رکھتا جتنا ڈر اس بات کا رکھتا ہوں اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا  
قَنَافِسُ فِيْهَا رَصِيْحِيْنَ (کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی اور تم اس میں  
ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔ اور وہ تم کو اس طرح  
ہلاک کر دے گی جس طرح پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ مطلب یہ کہ تم پر مال کی بہت  
ہو جائے گی اور تم اسی فتنے میں مبتلا ہو کر رہ جاؤ گے۔ اسلام کے ابتدائی دور  
میں مسلمان اس قدر تنگدستی کی حالت میں تھے کہ کسی کے پاس صرف ایک  
ہی چھوٹا سا کپڑا ہوتا تھا، اور وہ اسی میں نماز پڑھتا تھا حالانکہ اس کپڑے سے  
اُس کا پورا جسم نہیں ڈھانپا جاسکتا تھا۔

دوسرے نمبر پر عورت کا فتنہ ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔  
مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَيَّ الرَّجَالَ مِنَ النِّسَاءِ  
یعنی میرے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہوگا۔ اس  
وقت پوری دنیا میں عریانی، فحاشی، گندے گانے، ناچ گھر، فلم انڈسٹری،  
فولوگرافی، تھیٹر اور کلب سارے کے سارے عورت کے فتنے کے اڈے  
ہیں۔ اب ٹی وی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے اور ہر گھر میں یہ  
فتنہ موجود ہے۔

اسی طرح زمین کا فتنہ بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ دیکھ لیں زمین کے  
معاملہ میں کس قدر فساد پھوٹا ہے۔ کہیں ذاتی زمین کا جھگڑا ہے اور بھائی  
کے ترمذی ص ۳۳۸ ۲۸۸ ۳۳۸ تفسیر عثمانی ص ۲۶۶ (فیاض)

بھائی آپس میں دست و گریہ بان ہیں، کہیں پڑوسیوں سے زمین کا تنازعہ ہے  
کوئی ملک دوسرے ملک کا کچھ علاقہ ہتھیالیتا ہے اور کوئی کسی کے مکان یا  
دکان پر قابض ہو جاتا ہے۔ یہ سب زمین کے فتنے ہیں اور ان کے تنازعے  
نسل در نسل چلتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص  
کی ایک بالشت زمین اپنے ناجائز تصرف میں لائے گا تو قیامت والے  
دن ساتوں زمینوں کا اتنا حصہ اس کے گلے میں لٹکتا ہوگا اور لوگ دیکھیں گے  
کہ اس شخص نے دنیا میں اس قدر ناجائز قبضہ کیا تھا، بلوچستان کے قاضی  
سر باری بڑے فاضل آدمی ہوئے ہیں، ان کا شعر ہے۔

ہمہ آفاق پوزہ فتنہ و شرعے بیتم

فتنہ ہا بہر زمین وزن و زرے مینم

تین اطراف عالم کو فتنوں سے پُر دیکھ رہا ہوں لیکن ان میں زیادہ تر فتنے  
زر، زن اور زمین کی وجہ سے دیکھ رہا ہوں۔

دنیا میں باطل عقائد کے فتنے بھی عام ہیں، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے  
اِحْشَ أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي أَيْمَةَ الْمُضِلِّينَ یعنی میں اپنی امت  
میں گمراہ پیشواؤں کا بڑا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ یہ بہتر فرقے گمراہی کا نتیجہ ہی تو  
ہیں۔ لوگوں کو غلط مسکاتے جاتے ہیں۔ جبکہ شرک کے اڑے قاتل  
ہیں، کہیں مرزاویت کا فتنہ ہے جسے آج سے نوے سال قبل انگریزوں نے  
کھڑا کیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت میں تیسرا بڑے دجال  
ہوں گے، جن میں سے یقیناً ایک مرزا قادیانی بھی ہے۔ پاکستان میں ان  
کی دال نہیں گلی تو اب بیرونی ممالک میں پوزہ پوزے نکال رہے ہیں۔ اسرائیلی  
کے ساتھ ان کا باقاعدہ گٹھ جوڑ ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے  
سہتے ہیں۔ پاکستان میں ابھی تک مرزائی بہت سی کلیدی آسامیوں پر فائز  
ہیں اور کسی بھی وقت مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ علماء و سودا پیران سرور

باطل عقائد  
کے فتنے

اور قبر پستوں کا فتنہ الگ ہے جو لوگوں کو شرکیہ رسوم اور بدعت کی طرف راغب کر رہے ہیں۔

دوسری طرف عیسائیت کا فتنہ ہے۔ اس وقت دنیا میں ان کی آبادی اڑھائی ارب ہے۔ بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں۔ انہوں نے دنیا بھر میں مشنری جال پھیلانے کھے ہیں جن میں غریب مگر بھولے بھالے مسلمانوں کو پھانس لیتے ہیں۔ مشنری اداروں نے سکول، کالج، ہسپتال قائم کر رکھے ہیں جو دراصل لوگوں کو عیسائی بنانے کے اڈے ہیں۔ کبھی بچوں کو کھلونے تقسیم کر کے عیسائیت کا پرچار کرتے ہیں اور کبھی بین الاقوامی سطح پر ایڈ کے نام پر غریب ملکوں کو اپنے دام میں پھنساتے ہیں۔

مکمل جبر  
کافتنہ

بعض حکومتیں بھی اپنے عوام کے لیے ظلم و ستم کا باعث بنتی ہیں! اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا سکھلائی ہے اللّٰهُمَّ لَا تَسْلُطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا اے مولیٰ الیمین! ایسے لوگوں کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ جو ہم پر رحم نہ کریں۔ اب روس کی طرف دیکھ لیں، بہت سی مسلمان ریاستوں پر جبر تسلط جاری رکھا ہے۔ وہاں پر عبادت گاہوں کو گرا دیا جاتا ہے۔ چکھو سکھو اور البانیہ کے حکمران عیسائی ہیں مگر اشتراکی نظریات کے حامل ہیں، وہ مسلمانوں کی تین فیصدی قلیل آبادی کو بھی مسلمانوں جیسے نام بھی نہیں رکھتے دیتے تمام اشتراکی ممالک مشمولہ روس کی یہ مشترک پالیسی ہے کہ ان کے ملکی نام کے خلاف کوئی شخص اپنے بچے کا نام نہیں رکھ سکتا۔ بچوں کو دینی تعلیم نہیں دی جاسکتی اور نہ کسی کو ملکی نصاب سے آگے بڑھنے دیا جاتا ہے۔ جب سپین (اندلس) پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو دو کروڑ مسلمانوں میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ ملک بدر کر دیے گئے۔ اس وقت صرف گیارہ ہزار باقی بچے تھے۔ جن کے گلے میں صلیب لٹکانا لازمی قرار دیا گیا اور گرجے میں جانے کا پابند کیا گیا۔ اس زمانے کے ایک مسلمان عبدالمومن نامی اپنی سرگزشت میں لکھتے

ہیں کہ اس کے والدین اُسے گھبرائے بند کمرے میں دین کی ابتدائی تعلیم دیا کرتے تھے، وہ مسلمان تھے مگر بظاہر اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرتے تھے تاکہ عیسائیوں کے ظلم و ستم سے بچ سکیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جب میں شہر کو پہنچا تو میرے والدین نے مجھے ملک سے جھکا دیا تاکہ میں کسی اسلامی ملک میں جا کر دین کی تعلیم حاصل کر سکوں۔ آج بھی دنیا میں بعض ممالک ایسے ہیں جہاں کے مسلمان دینی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے حتیٰ کہ کھلے بندوں نماز بھی نہیں پڑھ سکتے یہود اور ہنود کو دیکھ لیں۔ یہ بھی حکومت اور اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو دباتے ہیں۔ مسجدوں کو تالے لگ چکے، مدرسے ویران ہو گئے ہیں اور مسلمان کمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ سب حکومتی فتنے ہیں جو کہ جگہ جگہ مشاہدے میں آتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ایمان والو! رسول کی مخالفت سے باز آ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر ظالم حاکم مسلط کر دیے جائیں جو تمھاری بے آبروئی کرنے لگیں۔

معاشی  
فتنہ

دنیا میں لوگ معاشی فتنوں میں بھی مبتلا ہیں۔ کہیں نیشنلزم کا فتنہ ہے اور کہیں سرمایہ داری نظام ہے جو امریکہ، برطانیہ، جرمنی وغیرہ سمیت برصغیر کے ممالک میں بھی چل رہا ہے۔ کہیں دہریت، اتحاد اور کمیونزم کا فتنہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں شخصی ملکیت کی کھلی چھٹی ہے مگر اس میں نہ کسب پر حلال و حرام کی پابندی ہے اور نہ اخراجات پر۔ از نکاز زر کی پوری آزادی ہے جس کی وجہ سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے دوسری طرف اشتراکی نظام ہے جہاں پر کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہیں ہوتا تمام وسائل آمدنی پر حکومت کی اجارہ داری ہوتی ہے اور عوام محض جانوروں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہیں۔

ملوکیت کا فتنہ اپنی جگہ قائم ہے اور اکثر مسلمان ملک اس فتنہ میں



گمراہ ہیں۔ اب شارحہ میں ملوکیت کا جشن منایا جا رہا ہے ہمارے صدر حسب بھی دہاں گئے ہوئے ہیں۔ محض ذہنی عیاشی کے لیے کروڑوں، اربوں ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں۔ الا کہ یہ رقم مسلمانوں کے اجتماعی امور پر صرف کی جاسکتی ہے اور دنیا کی مظلوم قوموں کی طرفت دست تعاون بڑھایا جاسکتا ہے۔ شہنشاہ ایران نے اڑھائی ہزار سالہ جشن منایا تھا جس پر ستر کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ تباؤ اس کا کیا فائدہ ہوا۔ اتنی بچہ ملوکیت والا بھی جب اللہ کی گرفت میں آیا تو پھر دنیا بھر میں مارا مارا پھرتا تھا، کوئی ملک اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار نہ تھا۔

مرتضیٰ  
نقشہ

بعض دیگر فتنے ہیں، جہاں سے حضور علیہ السلام نے پناہ مانگی۔

اللَّهُمَّ ارْحِنِي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَالْكَفْرِ

اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں تنگدستی اور کفر سے۔ دعا میں یہ

الفاظ بھی آتے ہیں کہ مولیٰ کریم میں پناہ مانگیں۔ فِتْنَةُ الْقَدْرِ وَفِتْنَةُ

الْمَسِيحِ الدَّجَالِ قبر کے فتنے سے اور دجال کے فتنے سے۔ یہ سب

فتنہ اپنے اپنے وقت پر آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے

کہ جو جوں زمانہ قیامت کے قریب آتا جائے گا۔ فتنوں میں اضافہ ہوتا جائے

گا، جہالت ہوگی، زانیے آئیں گے، شراب نوشی عام ہوگی، قتل اور زنا کے

جرائم بڑھ جائیں گے۔ دینی علم باقی نہیں رہے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا

لَوْ كُنَّا بِأَدْرَاةٍ بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ الْيَلِ الْمُظْلِمِ نَبَأُ عَمَالِ

لو پیشتر اس کے کہ فتنے تم پر رات کی تاریکی کی طرح چھا جائیں۔ امام شاہ ولی اللہ

فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی شخص کا دل سخت ہو جاتا ہے اور وہ اطاعت

سے محروم ہو کر گناہ کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ یہ فتنہ ہے۔ بال

بچوں کا فتنہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص خدا اور رسول کے حکم کے

خلافت اہل و عیال کی فرمائشیں پوری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو سمجھو کہ وہ

فِتْنَةُ الْاَهْلِ وَالْمَالِ میں مبتلا ہو گیا۔ ریڈیو، ٹی وی، فحش گانے، وی سی آر کے فتنے اسی قبیل سے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے تَحَرَّضُ الْفِتَنِ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُوْدًا عُوْدًا بعض فتنے اسی طرح اٹھتے ہیں جس طرح چٹائی میں ایک ایک تنکا اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور پھر مکمل چٹائی بن جاتی ہے۔ فرمایا بعض فتنے سمندر کی موجوں کی طرح اٹھتے ہیں۔ آج کل صحافت کا فتنہ بھی عام ہے۔ کہنے کو تو یہ معزز پیشہ ہے، مگر اخبارات اور رسائل کے نصف حصے غریب تصویروں سے مزین ہوتے ہیں حالانکہ صحافت کا اصل مقصد لوگوں کو دنیا کی تازہ ترین خبروں سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ فوٹو کے بغیر کوئی خبر چھپتی ہی نہیں۔ اب تو مولوی بھی فوٹو چھپوانے میں پیش پیش ہیں۔ ویڈیو کیسٹوں نے تو مسئلہ مزید آسان کر دیا ہے۔ اب مولوی صاحب کی پوری تقریر کی ویڈیو بن جاتی ہے حالانکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعْنُ اللّٰهِ الْمُصَوِّرِينَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ اب اس کام میں سب نئے نظر آ رہے ہیں اور کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں۔ یہ بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔

خارجی فتنے

اندرونی فتنوں کے ساتھ ساتھ بیرونی فتنے بھی بڑی تعداد میں پے پے ہو رہے۔ طوفانِ باد و باران، دباؤ، زلزلے وغیرہ خارجی فتنے ہیں۔ امریکہ کی ریاست کولمبیا میں آتش فشاں پھٹنے سے تین چار قبے مکمل طور پر تباہ ہو گئے تھے حتیٰ کہ وہاں سے لاشیں نکالنا بھی ممکن نہ رہا اور پورے علاقے کو اجتماعی قبرستان قرار دے دیا گیا۔ الجزائر میں بذرتہ کا زلزلہ آج سے بیس سال قبل آیا تھا جس میں پوری آبادی تباہ ہو گئی تھی۔ ابھی قریب کا واقعہ ہے بنگام کی چار ہزار آبادی بالکل فنا ہو گئی تھی۔ جاپان کے زلزلے میں تین لاکھ انسان موت کے منہ میں چلے گئے تھے ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے زلزلہ میں ڈیڑھ لاکھ جانیں تلف ہو گئی تھیں اور جو زخمی ہوئے وہ اس کے علاوہ تھے۔ پورا شہر کھنڈر بن گیا۔ غرضیکہ یہ خارجی



فتنے ہیں جو دنیا میں برپا ہوتے رہتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ  
کی توجہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی حکمت کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ  
فتنہ یا شرین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلا شر یہ ہے کہ انسان کا اخلاق ہی بگڑ  
جائے اگرچہ شکل و صورت ٹھیک ٹھاک رہے۔ جس انسان یا قوم کا اخلاق  
بگڑ جائے اُس کا کچھ وقار نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں دوسرا شر یہ ہے کہ شیطان  
پورے معاشرے پر اپنا تسلط حاصل کر لے۔ ایسی صورت میں کوئی اکابر کا آدمی گمراہ  
نہیں ہوتا بلکہ پورے ملک اور قوم پر شیطان حاوی ہو جاتا ہے۔ پھر جب  
کسی قوم کا اخلاق بگڑتا ہے تو پورا باطن بگڑ جاتا ہے۔ اُس وقت انسانوں کی ظاہری  
شکل و صورت تو انسانوں جیسی ہی ہوتی ہے مگر ان کا باطن خمنزیروں، گتوں اور  
بندروں کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا میں تیسرا شر  
قرب قیامت میں آئے گا جب لوگوں کی ظاہری شکلیں بھی مسخ ہو جائیں گی۔  
اُس وقت خدا تعالیٰ سخت ناراضگی کی حالت میں ہوگا اور پھر حلبہ ہی کائنات  
کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انسانوں ساتھ ساتھ حیوانات، نباتات اور ہر چیز فنا ہو  
جائے گی۔ حتیٰ کہ زمین بھی درہم برہم ہو جائے گی۔

خلاصہ کلام

تو اللہ نے فرمایا خبردار! اللہ کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ ورنہ  
کسی فتنے میں مبتلا ہو جائے گا۔ ان فتنوں کی اجمالی تفصیل میں نے عرض کر دی  
ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد دنیا میں فتنے ہی برپا ہو رہے ہیں  
دیکھیں اب حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا مہینہ آ رہا ہے۔ لوگ  
طرح طرح کی باطل رسوم ادا کریں گے حالانکہ یہ آپ کے سچے دین اور عقیدے  
کی نفی ہوگی۔ دعوے عاشقِ رسول ہونے کا ہے مگر کام وہ کرتے ہیں جن  
سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ رسول کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو  
دُعا چاہیے کہ کہیں وہ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں یا آخرت میں عذاب الیم  
کا شکار نہ ہو جائیں۔ کہ رسول خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی یہی سزا ہے۔

بے بدور باز غدا صلا تا صلا (فیاض)

احساس  
ذمہ داری

آخر میں اللہ نے احساس ذمہ داری دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ اَلَا  
اِنَّ لِلّٰهِ مَسَاقِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَگاہ رہو کہ آسمانوں  
اور زمین کی ہر چیز حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا  
اَنْتُمْ عَلَيْهِ وہ خوب جانتا ہے تم جس حالت پر ہو۔ وہ تمہارے  
تمام اعمال اور کردار سے واقف ہے۔ وَیَوْمَ یُجْعَلُونَ اَکِیْہِ  
فَیَنْبِغُہُمْ بِمَا عَمِلُوْا حِس دِن سب لوگ اللہ کی طرف لوٹنے جائیں  
گے تو وہ انہیں اُن کے تمام اعمال سے آگاہ کر دیگا۔ اور بناوٹے گناہ تم  
دنیا میں کیا کچھ کہتے رہے، اب ان کا نتیجہ بھگتو۔ فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا  
میں مخلوق کی نگاہ سے اوجھل ہے تو قیامت میں بھی بچ جاؤ گے اور وہاں  
کوئی پوچھے والا نہیں ہوگا، بلکہ تمہاری ساری کارگزاری اللہ تعالیٰ کے علم  
میں ہے کیونکہ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ وہ ہر چیز کو جاننے  
والا ہے۔ اس مالک حقیقی کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔  
وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی  
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اٰجْمَعِیْنَ

# احکام عمرہ

مع زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

تالیف: مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت  
۱۸ روپے

ملنے کا پتہ: —————

صفحات  
۹۶

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر انوالہ



# مِجَالِ الْعُرْفَانِ - دُرُوسُ الْقُرْآنِ

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا  
صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

غزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (رحمۃ اللہ علیہ)

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دُرُوسُ الْقُرْآنِ، گوجرانوالہ